سیرت حضور مجدد اعظم رضی اللہ عنہ



علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے
علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ ۔ لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وعلیٰ اٰلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مولای صل وسلم دائماً ابداً — علی حبیبک خیر الخلق کلہم

ہو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ — لکل ہول من الاہوال مقتحم

محمد سید الکونین والثقلین — والفریقین من عرب ومن عجم

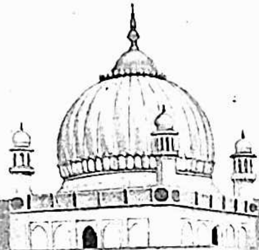
فان من جودک الدنیا وضرتہا — ومن علومک علم اللوح والقلم

مکتبہ حنفیہ | قادری رضوی کتب خانہ لاہور

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ کے عالی قدر شجرات، حالات،

معمولات، کرامات، مکاشفات، اجتہادات، اہدافات، القابات، اعتقادات، تعلیمات

مکتوبات اور ان کے متعلق مفکرین مشرق و مغرب کے تاثرات کی خوبصورت داستان



سیرت حضور مجدد اعظم رضی اللہ عنہ

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے

علوم اسلامیہ پنجاب

قادری رضوی کتب خانہ

گنج بخش روڈ، لاہور 042-7213575

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیضان رحمت

خواص بحر معانی حضور شیخ الاسلام مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

نام کتاب	ــــــــ	سیرت حضور مجدد اعظم رضی اللہ عنہ
مؤلف	ــــــــ	غلام مصطفےٰ مجددی (ایم اے)
ایڈیٹنگ	ــــــــ	محمد اکرام مجددی (ایم اے)
کمپوزنگ	ــــــــ	حافظ محمد بلال مصطفےٰ مجددی
پروف ریڈر	ــــــــ	غلام دستگیر احمد مجددی
تعداد	ــــــــ	1100
اشاعت اول	ــــــــ	ربیع الاول 1432ھ جنوری 2011ء
زیر نگرانی	ــــــــ	چوہدری محمد خلیل قادری
تحریک	ــــــــ	چوہدری محمد ممتاز احمد قادری
ناشر	ــــــــ	چوہدری عبدالمجید قادری
قیمت	ــــــــ	-/500 روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

Hello: 042-7213575, 0333-4383766

انتساب

حضرت والا درجت، ناشر زہد و طریقت، وارث عرفان حقیقت

حضرت مولانا محمد نور الدین سرکار نقشبندی قدس سرہٗ

کے نام

جو

میرے عطا پاش بھی ہیں اور میرے خطا پوش بھی ہیں

غلام مصطفٰے مجددی نوری ایم اے

...... فہرست ......

خبردار بے شک اللہ کے ولیوں
کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے
اور
نہ کوئی غم

......﴿شانِ مجدد اعظم رضی اللہ عنہ﴾......

شیخِ احمد شہِ بحر و بر ہیں،شیخِ احمد مہِ چرخِ دیں ہیں
مالکِ ملکِ فکر و نظر ہیں،رونقِ بزمِ اہلِ یقیں ہیں
مظہرِ حسنِ حسنین ہیں یہ، وارثِ شاہِ کونین ہیں یہ
ان کا فیضاں فلک در فلک ہے ،ان کے جلوے زمیں در زمیں ہیں
ہے عیاں سب پہ ان کی جلالت ،نائبِ تاجدارِ رسالت
آپ ہر گھر میں نزہت فزا ہیں ،آپ ہر جاں میں نور آفریں ہیں
وہ ہیں تعبیر ارشادِ سرور،وہ ہیں تصویرِ فاروقِ اکبر
اہل دل ان کے محتاجِ در ہیں،دو جہاں ان کے زیرِ نگیں ہیں
ان کا نامِ کرم جب لیا ہے ،مشکلیں ٹل گئیں،غم مٹا ہے
دہر ہے یا کہ محشر بپا ہے وہ میرا چینِ قلبِ حزیں ہیں
ان کا دروازہ ہے بابِ رحمت ،ان کا کوچہ ہے کوچۂ جنت
آج ان کے قدم کی بدولت،دل میں دیں کے گلِ عنبریں ہیں
اصفیا ان کے در کے سلامی،اتقیا ان کی نسبت سے نامی
اولیا ان کی محفل میں تارے ،اولیا میں وہ ماہِ مبیں ہیں
میں غلامِ درِ مصطفیٰ ہوں،شیخِ ذیشاں کے در کا گدا ہوں
میں انہیں بھول پاؤں گا پھر کیوں وہ میرے شہر دل میں مکیں ہیں

﴿غلام مصطفےٰ مجددی﴾

باب اول

شجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

......﴿شجرہ فاروقیہ﴾......

حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، غوث صمدانی، شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا عالی نسب حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، حضرت ابوالحسن زید فاروقی رضی اللہ عنہ نے اس کی کچھ اس طرح تحقیق فرمائی ہے:

⊙......حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد سرہندی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ زین العابدین فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عبد الحی فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ محمد فاروقی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ حبیب اللہ فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ امام رفیع الدین فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ نصیر الدین فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ سلیمان فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ یوسف فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ اسحاق فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عبداللہ فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ شعیب فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ یوسف فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ علی فرخ شاہ فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ نورالدین فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ نصیر الدین فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ محمود فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ سلیمان فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ مسعود فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عبداللہ واعظ اصغر فاروقی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ عبداللہ واعظ اکبر فاروقی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابوالفتح فاروقی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ اسحاق فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ ابراھیم فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ ناصر فاروقی رضی اللہ عنہ......

حضرت شیخ عبد اللہ فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عمر فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ حفص فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عاصم فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت شیخ عبداللہ فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ﴿مقامات خیر: ۳۳﴾

یہ کل اکتیس واسطے ہیں، جناب ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے انتیس واسطے رقم کیے ہیں، جبکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کا شجرہ نسب ستائیس واسطوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، ان کے نزدیک شیخ ناصر فاروقی کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کا اسم گرامی ہے، فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ایک صاحبزادی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عقد میں تھیں اور مولانا بحرالدین مجددی کی ایک قلمی بیاض میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے دوسرے فرزند ناصر اسی صاحبزادی کے بطن سے تھے پس ان دو رشتوں کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد کو سید علوی کہا جائے گا، محدث ابو جعفر رضی اللہ عنہ کے مطابق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد داخل سادات ہے، شیخ ناصر اور شیخ ابراہیم تابعین کرام میں شامل تھے، شیخ اسحاق اور شیخ ابراہیم تبع تابعین میں شامل تھے جبکہ حضرت عبداللہ اور حضرت عمر فاروق جلیل القدر صحابہ کرام میں شامل تھے، واعظ اصغر تک یہ خاندان ملک حجاز میں ہی رہا، شیخ مسعود خلفائے عباسیہ کے اصرار سے دارالخلافہ بغداد شریف میں آکر مقیم ہوئے، شیخ سلیمان نے اپنے خاندانی علوم کی تحصیل کر کے حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت پائی، اس سلسلہ کا نام سری سقطیہ ہے۔

فرخ شاہ کابلی کے حالات:

حضرت فرخ شاہ فاروقی کابلی رضی اللہ عنہ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ کے بھی جد اعلیٰ ہیں، یعنی فریدالدین بن شیخ جمال الدین سلیمان بن قاضی شعیب بن محمد احمد بن محمد یوسف بن شیخ محمد بن فرخ شاہ، آپ اعاظم وزرائے سلاطین کابل سے تھے، مسلمان حکمرانوں میں آپ پہلے ہیں جنہوں نے ہندوستان پر حملہ کیا، بت خانے منہدم کیئے، مسجدیں تعمیر کرائیں، بت پرستوں کو ذلیل اور کفار و مشرکین کو تہ تیغ کیا، سرکش، جوگیوں، رکھیوں کو قتل کیا، اس کے بعد آپ نے مختلف ممالک ایران، توران، بدخشان اور خراسان کو

مسخر کیا، تخت گاہ کابل میں افغانوں اور مغلوں میں زمینداری تقسیم کی اور مستحکم حدود قائم کیے، جواب ۱۳۳۱ء تک حسب حال برقرار ہیں، آخر العمر آپ نے امارت ترک فرما کے ایک درہ میں جو شہر کابل سے تھوڑے فاصلہ پر تھا، عزلت اختیار فرمائی، اب وہ درہ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے، شیخ یوسف اپنے والد بزرگوار حضرت فرخ شاہ کابلی کے بعد جانشین ہوئے اور آخر عمر میں انہوں نے بھی سب جاہ وجلال دنیاوی ترک کر دیا اور گوشہ نشین ہو گئے، احمد بن یوسف بن فرخ شاہ نے علاوہ تعلیم خاندانی حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے بھی خلافت پائی، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ شعیب خلیفہ و جانشین ہوئے، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ عبداللہ جانشین ہوئے اور انہوں نے حضرت بہاؤ الدین زکریا سے بھی خلافت پائی، بعدہ خلافت خاندان سہروردیہ یکے بعد دیگرے خاندان ہی میں منتقل ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت امام رفیع الدین خلیفہ ہوئے۔

امام رفیع الدین رضی اللہ عنہ کے حالات:

آپ جامع علوم ظاہر و باطن تھے، اپنے والد ماجد کے خلیفہ اتم ہوئے، بعدہ بہت سے مشائخ کبار سے استفادہ کیا جن کی تعداد تقریباً چار سو کے لگ بھگ کتب تواریخ میں درج ہے بالآخر آپ بمقام اوچ علاقہ ملتان میں سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان کے خلیفہ اکمل ہوئے اور بلحاظ تقدس مخدوم صاحب نے آپ ہی کو اپنا امام نماز مقرر فرمایا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادہ صاحب کسی بلندی پر گارہے تھے، راہ سے کوئی عورت جارہی تھی، آواز سن کر متاثر ہوئی اور گر گئی، اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ لڑکے کی گردن کیوں نہیں ٹوٹی، فوراً ہی لڑکا اوپر سے زمین پر گرا اور گردن ٹوٹ کر مر گیا۔ ﴿جواہر مجددیہ:۳۱﴾

شہر سرہند کے آثار:

صحیح لفظ سہرند مرکب ﴿سہر شیر اور ند جنگل﴾ سے تھا، کثرت استعمال سے سرہند ہو گیا، یہ نام رکھنے کی وجہ تواریخ میں اس طرح لکھی ہے کہ کبھی اس مقام پر ایک وحشت ناک جنگل شیروں کا موطن تھا، ایک روز فیروز شاہ خلجی کے عہد میں اس جنگل میں سے عمال شاہی خزانہ کو لاہور سے دہلی لے جارہے تھے، ان میں سے ایک شخص عارف و صاحب دل تھا،

اس نے وہاں چشم باطن سے ایک نور تحت الثریٰ سے فوق العرش تک محیط ملاحظہ کیا اور خیال کیا کہ عجب ہے یہاں سے کوئی بزرگ جلیل القدر ظاہر ہوں گے، پس جب یہ صاحب دل دہلی پہنچے تو بادشاہ کے پیر مخدوم جہانیان سے جو وہاں آئے ہوئے تھے اس کا تذکرہ کیا، ان پر اس کا بہت بڑا اثر ہوا، انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ ہمارے سلسلہ میں سینہ بسینہ یہ وصیت چلی آتی ہے کہ ہندوستان میں زمانہ رسالت سے ایک ہزار سال بعد ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا جو امام وقت، مجدد اسلام اور فیضان ولایت و نبوت سے مالا مال ہوگا اور اولیا سابقین کی سب نعمتیں اس کو حاصل ہوں گی، اس کے ظہور کا مقام آج فلاں جنگل میں معلوم ہوا ہے، وہاں کچھ آبادی بھی ہو جائے تو بہتر ہے، بادشاہ نے اپنے وزیر خواجہ فتح اللہ کو بطور خاص اس کام کی سربراہی کی خدمت سپرد فرمائی، وہ فی الفور کئی ہزار آدمی ساتھ لے کر اس جنگل میں تشریف لے گئے اور ایک مرتفع مقام پسند کر کے قلعہ کی بنیاد رکھی اور تعمیر میں مصروف ہوئے، مگر جس قدر تعمیر کا حصہ دن کو تیار ہوتا تھا، رات کو سب گر جاتا تھا، ہر چند اس کا تجسس کیا گیا تو سبب دریافت نہ ہوا، بادشاہ کو اطلاع دی تو بادشاہ نے مخدوم صاحب کی خدمت میں عرض کرایا، آپ نے اپنے خلیفہ امام نماز رفیع الدین کو جو وزیر موصوف کے برادر خرد تھے، اس کام کی سربراہی کے لیے مامور فرمایا اور وہاں کی قطبیت اور ولایت دیکر روانہ کیا، انہوں نے برسر موقع پہنچ کر اپنے نور باطن سے اس کا سبب دریافت کیا تو یہ معلوم ہوا کہ شاہی پیادوں نے شاہ شرف بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو بیگار میں پکڑ کر کام پر لگا رکھا ہے، وہ رات کو اثر ڈال کر عمارت گرا دیتے ہیں، آپ نے قلندر صاحب سے بہت معذرت کی اور ان کا بہت اعزاز کیا تو قلندر صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے بلوانے کے لیے ایسا کرتا تھا، اب اللہ نے آپ کو ایک وحید امت کی ولادت کے لیے یہاں بھیجا ہے جو تمام روئے زمین سے کفر و شرک کی ظلمت کو دور کرے گا، پھر ان دونوں صاحبوں نے مل کر ۷۶۰ھ میں بسم اللہ کہہ کر قلعہ کی بنیاد رکھی جو تھوڑی مدت میں تیار ہو گیا، شہر آباد اور پر رونق ہوا

سرہند مگو کہ رشک چین است
خلدیست بریں کہ بر زمین است

سرہند شریف میں شاہجہان بادشاہ نے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

اور آپ کی اولاد کا مرید اور نہایت معتقد تھا، ۱۰۴۴ھ میں ایک عالیشان محل اور باغ تعمیر کرایا، ۱۰۷۷ھ تک شہر کی آبادی اور ترقی رہی، بعدہ جب سلطان اورنگزیب تسخیر ممالک دکن میں مصروف ہو گیا تو یہاں سکھوں نے موقع پا کر شہر کو لوٹ مار کر کے اجاڑ دیا۔ ﴿جواہر مجددیہ: ۳۳﴾

شیخ عبد الاحد فاروقی رضی اللہ عنہ کے حالات:

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد رضی اللہ عنہ کے کچھ حالات خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے خود حضرت مجدد رضی اللہ عنہ سے نقل کیے ہیں، یہاں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ اور خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ کی ان روایات اور بیانات کو مجملاً پیش کیا جاتا ہے:

حضرت شیخ عبد الاحد ایام جوانی میں اکتساب فیض کے لیے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آستانہ عالی پر قیام کا ارادہ کیا لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آنا، چنانچہ جب تحصیل علم کے بعد حاضر ہوئے تو حضرت شیخ وصال فرما چکے تھے اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ مسند خلافت پر متمکن تھے، انہوں نے شیخ عبد الاحد کو سلسلہ قادریہ اور چشتیہ میں خلافت سے مشرف فرمایا، حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پیر بھائی تھے، اس لیے اکثر ان کے ساتھ محفلیں رہتی تھیں، چنانچہ انہیں محافل میں آپ کی ملاقات حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی جو سلسلہ قادریہ کے عارف کامل تھے، حضرت موصوف ہی کے صاحبزادے حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خرقہ مبارکہ ﴿حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ﴾ لے کر حاضر ہوئے تھے، حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کافی عرصہ سفر میں رہے اور بہت سے ارباب معرفت سے ملاقاتیں کیں، بالآخر سرہند تشریف لے آئے اور آخر عمر تک یہیں رہے اور کتب معقول و منقول کا درس دیتے رہے، فقہ و اصول میں بے نظیر تھے، کتب صوفیہ مثلاً تعرف، عوارف المعارف اور فصوص الحکم کا بہت خوب درس دیتے تھے، بہت سے مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا، چنانچہ شیخ میرک رحمۃ اللہ علیہ ﴿جو اس زمانے میں لاہور میں خلوت گزیں تھے﴾ نے فصوص الحکم شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"در آگاہی از اسرار ارباب توحید وجود مرتبہ علیا داشت و در حل دقائق شیخ محی

الدین العربی قدس سرہ الانور از فرط علم و غلبہ حال ید طولیٰ و بر مشرب او بود''

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نزع کے وقت والد ماجد کے پاس موجود تھے، اچانک فرمایا: سخن ہمان ست کہ شیخ بزرگوار فرمودہ ﴿بات وہی ہے جو شیخ بزرگوار نے فرمائی ہے﴾ آپ سمجھے کہ شیخ بزرگوار سے مراد شاید شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، اس لیے عرض کیا: شیخ ابن العربی؟ آپ نے فرمایا: ''نہ شیخ ما، شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ'' حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا:

''آں شخص ایں است کہ گفت حقیقت او سبحانہ، ہستی مطلق است، اما کسوت کونیہ خاک در چشم مجوباں می اندازد و دورو مجوری سازد''

حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ نے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰۰۷ھ کو وصال پایا اور ان کو سرہند شریف میں شہر کے مغربی جانب آغوش لحد میں رکھ دیا گیا، خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن
جانش گہر سر ازل را معدن
چوں شیخ زمانہ بود در علم و عمل
تاریخ وصال او بگو شیخ زمن

سکندرے کے قریب اٹاوے میں ایک نیک گھرانے میں حضرت شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کا عقد ہوا تھا، آپ کے ہاں سات صاجزادے تولد ہوئے، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ چوتھے صاجزادے ہیں، یہ سب کے سب بھائی صاحب علم و فضل تھے، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے جو آپ سے ایک سال بڑے تھے، قال و حال میں والد ماجد کے تلمیذ رشید تھے، دوسرے بھائی شیخ مسعود رحمۃ اللہ علیہ تھے، آپ نے خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ سے تلقین ذکر حاصل کی، چھوٹے بھائیوں میں ایک شیخ غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسرے شیخ مودود رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ میں ان دونوں بھائیوں کے نام متعدد مکاتیب موجود ہیں، ان دونوں بھائیوں کی حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے تربیت فرمائی، دونوں ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھے، علوم دینیہ میں شیخ عبد

الاحد رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد تصانیف ہیں، تصوف میں بعض رسائل ہیں مثلاً کنوز الحقائق، اسرار التشہد وغیرہ، اسرار التشہد کے بعض نکات صاحب زبدۃ المقامات نے نقل کیے ہیں۔

﴿سیرت امام ربانی:۷۹،بحوالہ زبدۃ المقامات﴾

......﴿شجرہ چشتیہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد شیخ عبد الاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا، یہ مبارک سلسلہ کچھ اس طرح ہے:

⊙......حضور سرور کائنات، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم......حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ عبد الواحد رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ابوھبیرہ بصری رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ابومحمد چشتی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ مودود چشتی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ علاؤ الدین علی صابر رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ شمس الدین ترک رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ جلال الدین پانی پتی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ احمد عبد الحق رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ محمد عارف رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ عبد القدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ رکن الدین گنگوہی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ عبد الاحد فاروقی رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

......﴿شجرہ قادریہ﴾......

⊙......حضور سرور کائنات، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم......حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ......حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ...... حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ سید محسن رضی اللہ عنہ...... حضرت خواجہ سید موسیٰ رضی اللہ عنہ...... حضرت سید عبد اللہ رضی اللہ عنہ...... حضرت سید موسیٰ رضی اللہ عنہ...... حضرت

سید داؤد رضی اللہ عنہ......حضرت سید یحییٰ زاھد رضی اللہ عنہ......حضرت سید موسیٰ فالح رضی اللہ عنہ......حضرت سید ابوصالح رضی اللہ عنہ ......حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ......حضرت سید عبدالرزاق رضی اللہ عنہ ......حضرت سید شرف الدین رضی اللہ عنہ......حضرت سید عبد الوہاب رضی اللہ عنہ ......حضرت سید بہاؤالدین رضی اللہ عنہ......حضرت سید عقیل رضی اللہ عنہ......حضرت سید شمس الدین صحرائی رضی اللہ عنہ ......حضرت سید ابو الحسن رضی اللہ عنہ......حضرت سید گدا رحمٰن اوّل رضی اللہ عنہ......حضرت سید شمس الدین عارف رضی اللہ عنہ......حضرت سید گدارحمٰن ثانی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ فضیل رضی اللہ عنہ......حضرت شاہ کمال کیتھلی رضی اللہ عنہ......حضرت شاہ سکندر کیتھلی رضی اللہ عنہ......حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ...... آپ کوسلسلہ قادریہ کے ایک اورواسطے سے بھی فیض نصیب ہوا۔ ﴿حضرات القدس:۲۵﴾

......﴿شجرہ سہروردیہ﴾......

⊙ ......حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سہروردیہ شہابیہ میں بارہویں پشت کے دادا حضرت شیخ احمد بن یوسف رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ سے خلافت پائی اوران کا شجرہ مشہور ہے۔

⊙ ......سلسلہ سہروردیہ بہایہ میں آپ کی گیارہویں پشت کے دادا حضرت شعیب بن احمد رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رضی اللہ عنہ سے خلافت پائی اوروہ حضرت شیخ الشیوخ کے خلیفہ اعظم تھے۔

⊙ ......سلسلہ سہروردیہ چشتیہ جلالیہ میں آپ کی پانچویں پشت کے دادا حضرت امام رفیع الدین فاروقی رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ کے خلیفہ تھے، حضرت مخدوم نے سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رضی اللہ عنہ سے خلافت پائی جبکہ سلسلہ چشتیہ میں حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی رضی اللہ عنہ سے خلافت پائی۔

......﴿دیگر شجرات﴾......

⊙ ......سلسلہ قلندریہ میں شیخ رکن الدین رضی اللہ عنہ کے بعد شیخ عبدالقدوس رضی اللہ عنہ......شیخ عبدالسلام جونپوری رضی اللہ عنہ......شیخ محمد قطب الدین بنیادل رضی اللہ عنہ......شیخ نجم الدین قلندر رضی اللہ عنہ ......سید خضر رومی رضی اللہ عنہ......شیخ عبدالعزیز مکی رضی اللہ عنہ......اور حضور سرور کائنات، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسمائے گرامی ہیں، جن سے آپ نے فیض حاصل کیا۔

⊙......سلسلہ کبرویہ میں آپ نے حضرت شیخ یعقوب کشمیری رضی اللہ عنہ سے فیض حاصل کیا، ان کا شجرہ طریقت اسطرح ہے، حضرت شیخ کمال الدین حسین خوارزمی رضی اللہ عنہ ......حضرت حاجی محمد خیوشانی رضی اللہ عنہ......حضرت شاہ بندواری رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ رشید الدین رضی اللہ عنہ......حضرت امیر عبداللہ رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ اسحاق جیلانی رضی اللہ عنہ......حضرت سید علی ہمدانی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ محمود مرادقانی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ علاؤ الدین سمنانی رضی اللہ عنہ ...... حضرت شیخ عبداللہ مغربی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ احمد جورقانی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ علی الاعلی رضی اللہ عنہ ......حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہ۔

⊙......سلسلہ نظامیہ میں آپ نے ان بزرگوں کا فیض حاصل کیا، حضرت شیخ مخدوم عبد الاحد رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ رکن الدین رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ عبد القدوس رضی اللہ عنہ ......حضرت شیخ درویش محمد لودھی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابن حکم اودھی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ صدر الدین رضی اللہ عنہ......حضرت سید محمد گیسو دراز رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ۔

⊙......سلسلہ صدریہ میں شیخ درویش محمد رضی اللہ عنہ کے بعد شیخ سعد اللہ رضی اللہ عنہ......شیخ فتح اللہ رضی اللہ عنہ......شیخ صدر الدین رضی اللہ عنہ......شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

⊙......سلسلہ جلالیہ میں شیخ درویش محمد رضی اللہ عنہ کے بعد سید بڈھن رضی اللہ عنہ......سید اجمل بھڑاپچی رضی اللہ عنہ......سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ......شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

⊙......سلسلہ قادریہ جلالیہ میں حضرت مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ سے آگے حضرت شیخ عبید غیبی رضی اللہ عنہ......حضرت ابوالقاسم فاضل رضی اللہ عنہ......حضرت ابوالمکارم محمد فاضل رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ محمد قطب الدین رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ شمس الدین علی الافلح رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ شمس الدین حداد رضی اللہ عنہ......حضور غوث اعظم، محبوب سبحانی، شیخ عبدالقادر جیلانی سرکار رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ ......حضرت شیخ ابو الفرح رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابو

الفضل عبد الواحد رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابو بکر شبلی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ سری سقطی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ معروف کرخی رضی اللہ عنہ......حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ......حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ......حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ......حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ......حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ......حضرت امام عالی مقام، حسین سید الشہدا رضی اللہ عنہ......حضرت امام عالی مقام، حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ......حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ،......حضور سرورکائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

⊙......حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے سلسلہ کبرویہ کا فیض حضرت مخدوم جہانیاں، جہاں گشت رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ حمید الدین سمرقندی رضی اللہ عنہ، شیخ شمس الدین رضی اللہ عنہ......شیخ عطایا خالدی رضی اللہ عنہ......شیخ احمد بابا کمال خجندی رضی اللہ عنہ......شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حاصل کیا۔

⊙......سلسلہ قادریہ سہروردیہ میں حضرت مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ سے آگے حضرت شیخ رکن الدین رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ صدر الدین رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رضی اللہ عنہ ......حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی رضی اللہ عنہ ......حضرت غوث اعظم سرکار رضی اللہ عنہ......حضرت شیخ ابو سعید رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

⊙.... سلسلہ مداریہ میں حضرت سید اجمل رضی اللہ عنہ سے آگے شاہ بدیع الدین قطب مدار رضی اللہ عنہ......شیخ طیفور شامی رضی اللہ عنہ......شیخ عین الدین شامی رضی اللہ عنہ......شیخ یمین الدین شامی رضی اللہ عنہ......شیخ عبد اللہ علمبردار رضی اللہ عنہ......حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ......یا علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہ......حضور سرور کائنات، فخر موجودات ، ، باعث تخلیق ششجہات، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

⊙......شجرہ مصافحہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت حاجی عبدالرحمٰن بدخشی رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا، انہوں نے حافظ سلطان ادہمی رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا، ان کی عمر ایک سو دس سال تھی، انہوں نے شیخ محمود رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے شیخ سعید معمن حبشی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور سرور کائنات، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا، ان میں

ایک صاحب جن ہیں۔

......سلسلہ نقشبندیہ......

⊙......حضور سرور کائنات، محمد مصطفیٰ ﷺ......حضور تاجدار صداقت، ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ......حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ......حضرت امام قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ ......حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ بو علی فارمدی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ عارف ریوگری رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ علی عزیزان رامتنی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ سید میر کلال رضی اللہ عنہ حضرت خواجہ سید بہاؤ الدین محمد نقشبند بخاری رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ محمد زاہد رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ درویش محمد رضی اللہ عنہ......حضرت خواجگی امکنگی رضی اللہ عنہ......حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رضی اللہ عنہ......حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی فاروقی رضی اللہ عنہ۔

آپ نے بنیادی طور پر چار شیوخ طریقت سے سند فیضان حاصل کی اور انہی کے توسط سے ان تمام سلاسل کے ساتھ وابستہ ہوئے، سب سے پہلے اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے مستفیض ہوئے، اس کے بعد اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد سے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے اور آخر میں حضرت شاہ سکندر کیتھلی سے، ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۹۱﴾ آپ نے سلاسل ثلاثہ قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ کے متعلق خود ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے آنحضرت ﷺ سے کئی واسطوں سے ارادت ہے، طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے، ﴿مکتوبات، ۳:۸۷﴾ ایک اور جگہ اپنے اکتساب باطنی کا ذکر فرماتے ہیں: اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے، اس کے علاوہ عبادت نافلہ خصوصاً نماز نافلہ کی توفیق بھی اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے۔ ﴿مبداء و معاد:۵﴾

مشائخ نقشبندیہ کے حالات:

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فیوضات اور کمالات کو فروغ دیا، آپ فرماتے ہیں: آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلاسل کے درمیان سلسلہ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اتم ہوگی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے، ﴿مکتوبات، ۱:۲۵۱﴾ دوسری جگہ فرمایا: اے برادر! اس بلند طریق کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیا علیہم السلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں، اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگوں کی عبارتوں میں آتا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور و آگاہی ہے، بعینہٖ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت و حضور ہے جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۲۲۱﴾ مزید فرمایا: جاننا چاہیے کہ وہ طریقہ جو اقرب، اسبق، اوفق، اسلم، احکم، اصدق، اولیٰ، اعلیٰ، اجل، ارفع، اکمل، اور اجمل ہے، وہ طریقہ نقشبندیہ ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۲۹۰﴾ اس لیے ہم اس سلسلہ عالیہ کے عظیم المرتبت مشائخ کے حالات مختصراً بیان کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:

مشائخ نقشبندیہ کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے مدح طراز قلم، اس تاجدار ہدایت، راز دار ہدایت، سراسر ارنہایت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے زمین ادب چومتا ہے۔

⊙......جو خلقت میں اول، بعثت میں آخر شان میں ظاہر اور حقیقت میں باطن ہے۔

⊙......جو پیغمبر انس و جاں، سرور دو جہاں، حاصل کن فکاں، مالک ایں و آں، باعث چنین و چناں، راحت خستہ دلاں، چارہ بے چارگاں، دلیل سبیل عرفان بلکہ خلیل جلیل رحمان، سیاح لامکاں ہے۔

⊙......جو مہر سپہر پیمبری، ماہ سمائے دلبری، جمال چہرہ خوبی اور کمال شان محبوبی ہے۔

⊙......جو مرہم ناسور جگر، آرام دلہائے مضطر، عظمت نوع بشر اور مقصود فکر و نظر ہے۔

⊙......جو دافع بخت واژوں، طبیب جراحت دروں اور حبیب حضرت بیچوں ہے۔

⊙ ......جو رنگ گلشن نبوت ، بوئے چمن فتوت ، وجود مسعود مغفرت ، نمود شہود موہبت ، مفتاح خزائن رحمت ، مصباح محافل عظمت ، شمس فلک شہامت ، قمر چرخ کرامت ، شفیق فقیر امت ، رفیق اسیر غربت اور غم گسار دنیا و آخرت ہے۔

⊙ ......جو مجمع حسنات ، منبع فیوضات ، جامع البرکات ، مرجع شش جہات ، مطلع تجلیات ، محور ارض وسماوات ہے۔

⊙ ......جو مہبط وحی آسمانی ، مورد آیات قرآنی ، امین اسرار رحمانی ، قاسم نعمائے ربانی ، عالم علوم عرفانی ، دانائے اسرار نہانی ہے۔

⊙ ......جو عین عیون نور ، معطی البہاء والسرور ، دافع البلاء والشرور ، شافع یوم النشور ، قاسم فیضان غفور ، خازن انوار شکور ہے۔

⊙ ......جو مشعل بزم وفا ، چراغ خانہ صفا ، جان جہان اجتباء ، شاہ اقلیم اصطفیٰ ، سرخیل جملہ انبیا ، مظہر شان کبریا ہے ، یعنی سرور کائنات ، فخر موجودات ، باعث تخلیق ارض و سموات ، حضرت احمد مجتبیٰ ، محمد مصطفیٰ ﷺ ہے ﴿انوار الا ثانی:۱۸۴﴾

مختصر سوانحی خاکہ:

ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول ﴿عام الفیل﴾ روز دوشنبہ صبح صادق ﴿بمطابق ۳۶۷۵ طوفان نوح ۲۵۵۸ ابراہیمی ۸۸۲ سکندری ۶۲۸ بکرمی شمسی ۵۷۱ عیسوی﴾ مقام ولادت ام القری مکہ معظمہ ، والد سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ، حضور بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد فوت ہو گئے ، عمر شریف ۵ سال والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات ، عمر شریف ۸ سال ، جد امجد سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا وصال ، عمر شریف ۱۲ سال پہلا سفر شام اور بحیرا راہب کا اقرار نبوت ، عمر شریف ۱۴ سال حرب فجار ، عمر شریف ۲۵ سال دوسرا سفر شام اور نسطورا راہب کی ختم نبوت پر شہادت ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ، عمر شریف ۳۵ سال تعمیر کعبہ میں نصب حجر اسود کے بارے میں فیصلہ ، لوگ عظمت کردار کے پیش نظر آپ کو 'الامین' اور 'الصادق' کہتے تھے ، عمر شریف ۴۰ سال ظہور نبوت ، اولین مومنین حضرت سیدنا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔

⊙ ......۴ نبوی: علانیہ تبلیغ، قریش کی ایذا رسانی کے سنگین مظاہرے۔

⊙ ......۵ نبوی: پہلی ہجرت حبشہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، کل مہاجرین ۱۱ مرد ۴ عورتیں۔

⊙ ......۶ نبوی: حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور تین دن بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ﴿ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۲ نبوی کو اسلام قبول کیا﴾ کعبہ میں نماز پڑھی گئی، دوسری ہجرت حبشہ، ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں۔

⊙ ......۷ تا ۱۰ نبوی: شعب ابی طالب اور کفار کا مقاطعہ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابو طالب کی وفات، سفر طائف اور اہل طائف کی ناقدر شناسی۔

⊙ ......۱۱ نبوی: مدینہ منورہ کے چھ آدمیوں کا پہلا قافلہ منیٰ میں عقبہ کے قریب بیعت ہوا۔

⊙ ......۱۲ نبوی: ۲۷ رجب معراج شریف اور پانچ نمازوں کی فرضیت، بیعت عقبہ اولیٰ ۱۲ مدنی مسلمان۔

⊙ ......۱۳ نبوی: بیعت عقبہ ثانیہ، انصار کے ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں بیعت ہوئیں۔

⊙ ......۱ ہجری: یکم ربیع الاول شریف کو غار ثور سے باہر تشریف لائے، ۱۲ ربیع الاول کو قبا میں ورود مسعود، یثرب مدینۃ الرسول بن گیا، آپ کے میزبان مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بنے، مسجد نبوی، حجرات امہات المومنین اور مہاجرین کے مکانات کی تعمیر۔

⊙ ......۲ ہجری: اذان کا حکم ہوا، بیت المقدس کی بجائے کعبہ مکرمہ قبلہ قرار پایا، رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت، جنگ بدر۔

⊙ ......۳ ہجری: زکوٰۃ کی فرضیت، غزوہ احد، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔

⊙ ......۴ ہجری: حرمت شراب کا حکم۔

⊙ ......۵ ہجری: آیت حجاب نازل ہوئی، شوال میں غزوہ خندق ہوا۔

⊙ ......۶ ہجری: صلح حدیبیہ اور مختلف بادشاہوں کو اسلام کی دعوت۔

⊙ ......۷ ہجری: غزوہ خیبر، نجد، غسان اور شام کے حاکموں کا قبول اسلام۔

⊙......۸ہجری فتح مکہ وغزوہ حنین، عکرمہ بن ابوجہل مسلمان ہوئے۔

⊙......۹ ہجری: رجب میں غزوہ تبوک، فرضیت حج، عدی بن حاتم، اکیدر والی دومتہ الجندل، ذی الکلاع بادشاہ حمیر مسلمان ہوئے۔

⊙......۱۰ہجری: میں حجۃ الوداع ﴿ایک لاکھ چوبیس یا چوالیس ہزار صحابہ کے ساتھ ﴾ اسلام کے اصول سمجھا کر امت کو وداع کیا۔

⊙......۱۱ہجری: ربیع الاول شریف میں وصال ہوا، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا آخری آرام گاہ اور کائنات کی راجدھانی۔ ﴿انوار لاثانی:۱۹۱﴾

......﴿ارشادات﴾......

حصول برکت کے لیے یہاں صرف چند احادیث مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، رب تعالیٰ اپنے محبوب علیم، رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اور ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔

⊙......تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

⊙......جب صبح ہوتی ہے، تمام اعضا زبان کی خوش آمد کرتے ہیں کہ دیکھ اے زبان ہمارے لیے خدا سے ڈر، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہماری بری حالت ہوگی۔

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جب تجھے بھوک لگے تو ایک روٹی اور ایک پیالہ پانی پر کفایت کر اور دنیا پر لات مار۔

⊙......میں اپنی امت کے بارے میں کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا چھوٹے شرک سے، پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ فرمایا: 'ریا' ہے۔

⊙......فرمایا: کیا سبب ہے میں تم میں عبادت کی حلاوت و چاشنی نہیں پاتا، عرض کیا گیا عبادت کی حلاوت و چاشنی کیا ہے، فرمایا؛ وہ حلاوت تواضع وانکساری ہے۔

⊙......تم میں سے عاقل ودانا وہ ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو۔

⊙......تمام انسان مردہ ہیں اور ذاکر زندہ ہیں۔

⊙......بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور لوگوں کو سکھائے۔

⊙......حیاء نصف ایمان ہے،طہارت نصف ایمان ہے۔

⊙......نماز بہترین عبادت ہے......نماز دین کا ستون ہے ......نماز مومنین کی معراج ہے ......نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے......روزہ ڈھال ہے......جس نے اللہ کے لیے حج کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا جس طرح آج ہی اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہو۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم گرامی عبداللہ،لقب صدیق وعتیق ہے،حضرت ابو قحافہ عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے،حضور سید کونین،محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تولد شریف سے دو سال کچھ ماہ بعد پیدا ہوئے،سلسلہ نسب ساتویں پشت یعنی حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے،آپ مومن اول ہیں،آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان،عبدالرحمٰن بن عوف،سعد بن ابی وقاص،زبیر بن عوام،طلحہ بن عبیداللہ جیسے لوگ ایمان لائے،غار ثور میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وخدمت کا شرف حاصل ہوا،ثانی اثنین جیسے قرآنی الفاظ آپ کی شان میں وارد ہیں،قرآن پاک نے آپ کو اولو الفضل ، الاتقیٰ،صدق بہ اور لصاحبہ جیسے الفاظ سے بھی یاد کیا ہے،آپ غار ومزار کے ساتھی ہیں،بدر،احد،خندق،حدیبیہ،خیبر،حنین،تبوک جیسے مرحلوں میں دم ساز نبوت ہیں،آپ رونق دربار مصطفیٰ ہیں،زینت بازار مجتبیٰ ہیں،خلیفہ بلافصل ہیں،مصلیٰ نبوت کے وارث ہیں اور انبیا کرام کے بعد تمام نسل انسانی کے سردار ہیں،آپ کی شان میں بہت سی احادیث نبویہ موجود ہیں،چند ایک کا مطالعہ دلوں کو سیراب کرنے اور نگاہوں کو شاداب کرنے کے لیے پیش خدمت ہے:

⊙......مجھے مردوں میں سب سے زیادہ ابوبکر صدیق محبوب ہیں۔

⊙......اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق کو بناتا۔

⊙......ابوبکر میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

⊙...... جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا ہے وہی کچھ میں نے ابوبکر کے سینے میں ڈال دیا ہے۔

⊙......ابوبکر صدیق سے محبت کرنا اوران کا شکرادا کرنا میرے ہر امتی پر واجب ہے۔

آپ نے اپنے دور خلافت میں بہت سے کارنامے سرانجام دیئے، منکرین زکوٰۃ کا فتنہ ختم کیا، باغیان ختم نبوت کا محاسبہ کیا، عراق وایران اور شام کی فتوحات کے لیے لشکر بھیجے اور بہت سے علاقے فتح کیے، قرآن پاک کو یکجا کیا، آپ استقامت، عزیمت، وقار، بردباری، تحمل مزاجی کا پیکر عظیم تھے، غرض کہ ہر ادا میں اور ہر انداز میں مظہر رسول تھے، آپ نے ۲۲ جمادی الآخر سن ۱۳ ہجری کو وصال فرمایا، آپ کی عمر مستعار ۶۳ سال تھی، آپ حجرۂ عائشہ کے مقدس ماحول میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوئے، حضرت اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہمت او کشت ملت را چو ابر
ثانی اسلام وغار وبدر و قبر

......﴿ارشادات﴾......

- ......ادراک کے حصول سے عاجز آنا ہی ادراک ہے۔
- ......ہم ایک حرام کے خوف سے ستر حلال چھوڑ دیا کرتے تھے۔
- ......جس میں چار خصلتیں ہوں وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے، توبہ کرنے والے سے خوش ہونا......گناہگار کے لیے مغفرت طلب کرنا......مصیبت زدہ کے لیے دعا کرنا......احسان کرنے والے کی مدد کرنا۔
- ......تاریکیاں پانچ ہیں اور ان کے چراغ بھی پانچ ہیں، حب دنیا تاریکی ہے اور اس کا چراغ تقویٰ ہے......گناہ تاریکی ہے اور اس کا چراغ توبہ ہے......قبر تاریکی ہے اور اس کا چراغ کلمہ طیبہ ہے......آخرت تاریکی ہے اور اس کا چراغ حسن عمل ہے......پل صراط تاریکی ہے اور اس کا چراغ یقین محکم ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ :

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، فارسی الاصل ہیں، والد کے دین مجوس سے بیزار ہو کر تلاش حق میں نکلے تو یہودیت اور پھر نصرانیت اختیار کی، آخری راہب نے مرتے

وقت بشارت دی کہ مدینہ شریف میں پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے، حسب وصیت مدینہ شریف کی راہ لی، ایک شخص نے غلامی کی تہمت لگا کر گرفتار کر لیا اور بنو قریضہ کے ایک یہودی کے ہاں بیچ دیا، حضور اکرم، ہادی اعظم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، سرکار کی برکت سے یہودی کی غلامی سے بھی نجات مل گئی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا سابقین چار ہیں، میں سابق عرب ہوں...... صہیب سابق روم ہیں...... سلمان سابق فارس اور بلال سابق حبشہ ہیں، جنگ خندق کے موقع پر انصار و مہاجرین انہیں اپنے اپنے گروہ میں گننے لگے تو حبیب بندہ نواز ﷺ نے فرمایا ''سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ'' ﴿سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے﴾ آپ نجبائے صحابہ کرام اور اصحاب صفہ سے ہیں، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر بنایا تو سارا وظیفہ ﴿پانچ ہزار درہم سالانہ﴾ خیرات کر کے خود بوریہ بانی پر گزارا کرتے، آخر گھر بنایا بھی تو ایسا کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے جا لگے، لیٹیں تو پاؤں دیوار سے، اپنی دھاری دھار کملی کا کچھ حصہ اوپر اوڑھ لیتے اور کچھ نیچے بچھا لیتے، بعض لوگ مزدور سمجھ کر سامان اٹھوا لیتے تو ان کے معلوم ہونے پر بھی ان کے عذر کے باوجود منزل پر پہنچا کر آتے، آپ کی وفات ۱۰ رجب ۳۳ھ کو اڑھائی سو سال کی عمر میں ہوئی، اس وقت یہ آواز آ رہی تھی السلام علیک یا ولی اللہ، السلام علیک یا صاحب رسول اللہ، ان کی زوجہ فرماتی ہیں کہ آواز دینے والا نظر نہیں آتا تھا۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙......کسی نے نسب پوچھا تو فرمایا: سلمان بن اسلام، اسی لیے شاعر مشرق فرماتے ہیں ؎

فارغ از اب وام و اعمام شو
ہمچو سلمان زادۂ اسلام شو

⊙......تعجب ہے طالب دنیا پر جس کو موت طلب کر رہی ہے اور تعجب ہے اس غافل پر جس کو فراموش نہیں کیا گیا اور تعجب ہے اس ہنسنے والے پر جو یہ نہیں جانتا کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہے یا ناخوش۔

⊙......رسول اللہ ﷺ نے ہم سے یہ عہد لیا کہ تمہارا روزینہ مثل توشۂ سوار کے ہو۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اور سیدنا امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی ہیں، باپ کے قتل ہونے پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس یتیم بھتیجے کی تربیت فرمائی، نسبت باطنی آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے حاصل کی، آپ کبار تابعین اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں، زہد و اتقا سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث میں اپنی مثال آپ تھے، یحیٰی بن سعید انصاری، ایوب سختیانی اور امام بخاری جیسے بزرگوں نے ان کی لاجواب علمی فضیلت کی گواہی دی ہے، عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے، اگر امر خلافت میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کے سپرد کرتا، ستر یا بہتر سال کی عمر میں ﴿ ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں ﴾ مکہ و مدینہ کے درمیان مقام قدید میں وفات پائی اور مشلل میں دفن ہوئے جو قدید سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت امام زین العابدین کے پوتے اور حضرت امام باقر کے صاحبزادے ہیں، آپ کی والدہ ام فروہ ہیں، آپ کے نانا حضرت قاسم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پوتے اور نانی حضرت اسماء بنت عبدالرحمٰن جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں، اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے "ولدنی ابو بکر مرتین" ﴿حضرت ابوبکر نے مجھے دوبار جنا﴾ آپ ۸۰ھ کو مدینہ منورہ میں متولد ہوئے، حق گوئی کی بنا پر لوگوں نے صادق کہنا شروع کیا، آپ اہل بیت کے چھٹے امام ہیں اور آپ کی سیادت اور امامت متفق علیہ ہے، لطائف تفسیر اور اسرار تنزیل میں یکتا اور حافظ الحدیث تھے، امام اعظم کو آپ کی شاگردی پر ناز تھا، بقول داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اشارات جمیلہ تمام علوم میں مشہور ہیں، سخی ایسے کہ بروایت ہیاج بن بطلم اپنے اعیال کے لیے کچھ بھی نہ رہنے دیتے داؤد طائی نے طلب نصیحت پر اصرار کیا تو فرمایا: مجھے فکر ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرے جد بزرگوار میرا دامن نہ پکڑ کر فرمائیں کہ تو نے حق متابعت کیوں نہ ادا کیا کیونکہ یہ کام نسبت کی شرافت پر موقوف نہیں اور بارگاہ رب العزۃ میں عمل کی پسندیدگی معتبر ہے، داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سن کر رو پڑے کہ جن کے دادا حضور سید کل صلی اللہ علیہ وسلم اور والدہ ماجدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا یہ حال

ہے، بقول امام مالک، آپ کے سامنے حضور اکرم ﷺ کا ذکر آتا تو رنگ زرد ہو جاتا، آپ نے کبھی حدیث بے وضو بیان نہ فرمائی، مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ کی دعا سے غیب سے انگور اور دو چادریں آئیں اور مکہ معظّمہ میں ایک بیوہ کی مردہ گائے زندہ کر دی گئی ﴿ دیگر بہت سی کرامات تذکرہ الاولیا میں مذکور ہیں ﴾ آپ نے ۱۵ رجب ۱۴۸ھ کو ۶۸ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور جنت البقیع کے قبہ اہل بیت میں دفن ہوئے۔

......﴿ ارشادات ﴾......

⊙......ایک دفعہ فرمایا: میں اپنے اعمال پر شرماتا ہوں اور اپنے نفس کے عیوب پر نظر کر کے ڈرتا ہوں کہ بروز قیامت جدامجد ﷺ کو کیا منہ دکھاؤں گا ﴿ کشف المحجوب ﴾

⊙......چار چیزیں ہیں جن سے شریف آدمی کو عار نہیں چاہیے، اپنے والد کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانا......اپنے مہمان کی خدمت کرنا......اپنے چوپایا کی خبر لینا خواہ اس کے سو غلام ہوں......اپنے استاد کی خدمت کرنا۔

⊙......علمائے شریعت پیغمبروں کے امین ہیں، جب تک کہ بادشاہوں کے دروازوں پر نہ جائیں۔

⊙......جس نے اللہ کو پہچانا اس نے ماسوا سے منہ پھیر لیا۔ ﴿ کشف المحجوب ﴾

⊙......عبادت توبہ کے سوا درست نہیں۔ ﴿ ایضا ﴾

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم اور لقب سلطان العارفین ہے، سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روحانیت سے باطنی فیض پایا کیونکہ ان کا وصال آپ کے زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا، بچپن میں ہی والدہ سے اجازت لے کر گھر سے نکلے اور مجاہدے شروع کیے جو پورے تیس سال تک رہے، اس کے دوران آپ نے اپنے نفس کو جو سب سے آسان تکلیف دی وہ سال بھر تک پیاسا رکھنا تھا، حج کرنے گئے تو فارغ ہو کر واپس گھر آ گئے پھر اگلے سال مدینہ منورہ کی نیت سے احرام باندھ کر دربار رسول اللہ ﷺ کی حاضری دی گویا آپ کے کمال ادب نے یہ گوارا نہ کیا کہ زیارت مدینہ کو حج کے تابع رکھا جائے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بایزید ہماری جماعت میں ایسے ہیں جیسے

جبریل علیہ السلام فرشتوں میں، مگر یہ اوج مقام بقول حضرت بایزید، والدہ کی خدمت سے ملا، اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ سنت کی تحقیق نہ ہو سکنے کی بنا پر خربوزہ نہ کھایا، زہد وولایت کے ایک مدعی کو کعبہ شریف کی طرف تھوکتے دیکھا تو بغیر ملے واپس آگئے، آپ کے زہد وتقویٰ کی حکایات محیر العقول ہیں ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ کو بسطام میں انتقال کیا اور وہی دفن ہوئے۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙ ......میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ اے میرے پروردگار! میں تجھے کس طرح پاؤں؟ فرمایا: اپنے نفس کو چھوڑ اور میری طرف آ۔

⊙ ......آپ سے دریافت کیا گیا کہ انسان متوضع کب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب اپنی ذات کے لیے کوئی مقام وحال نہ دیکھے اور نہ اپنے سے بوتر کسی کو سمجھے۔

⊙ ......اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نعمتیں دیں تا کہ ان کے سبب اللہ کی طرف رجوع کریں مگر وہ ان کے سبب سے غافل ہو گئے۔

⊙ ......میں نے ایک رات اپنی محراب میں پاؤں پھیلایا، ہاتف نے مجھے آواز دی جو شخص بادشاہ کی صحبت میں بیٹھتا ہے اسے چاہیے کہ ادب سے بیٹھے۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام علی بن احمد اور کنیت ابو الحسن ہے، حضرت بایزید بسطامی سے روحانیت کا فیض حاصل کیا، عشاء کی نماز خرقان میں باجماعت ادا کر کے حضرت بایزید رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دیتے اور نماز صبح اسی وضو سے خرقان میں آکر ادا کرتے، واپسی میں اہتمام یہ تھا کہ روضہ شریف کو پیٹھ نہ ہو، بارہ برس کے بعد حضرت بایزید نے کامیابی کی خوشخبری دی تو تمام ظاہری اور باطنی علوم آپ پر منکشف ہو گئے، مولانا روم نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت بایزید رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے ہی آپ کی تاریخ پیدائش، نام، شکل وحلیہ، حصول نسبت اور مقام بلند کی پیش گوئی کر دی تھی، آپ کا وصال شریف ۱۰ محرم ۴۲۵ھ کو خرقان میں ہوا، آپ کی وصیت کے مطابق قبر شریف تیس گز گہری کھودی گئی تا کہ مزار بایزید رضی اللہ عنہ سے اونچی نہ رہے، آپ کا یہ ارشاد بھی مشہور ومجرب ہے کہ جو میرے سنگ مزار پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگے گا، پوری ہوگی۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙......ایک دن آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ کون سی چیز بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کیا، اے شیخ! آپ ہی فرمائیے، فرمایا: وہ دل جس میں خدا کی یاد ہو۔

⊙......صدق یہ ہے کہ انسان دل سے وہ بات کہے جو اس کے دل میں ہو۔

⊙......جو کچھ تو خدا کے لیے کرتا ہے اخلاص ہے اور جو بندوں کے واسطے کرتا ہے وہ ریا ہے۔

⊙......تمام مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں لیکن مرد وہ ہے کہ ساٹھ سال اس پر گزر جائیں مگر فرشتہ اس کے نامہ اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ لکھے جس کے سبب اسے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ ہونا پڑے اور وہ حق کو ایک لمحہ فراموش نہ کرے۔

⊙......رسول اللہ ﷺ کا وارث وہ شخص ہے جو آپ کے فعل کی پیروی کرے نہ کہ وہ شخص جو کاغذ ہی سیاہ کرے۔

حضرت خواجہ بوعلی فارمدی رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم مبارک فضل بن محمد بن علی اور کنیت ابوعلی ہے، فارمد میں جو طوس کے نواح میں ہے ۴۰۷ھ میں پیدا ہوئے، فقہ و حدیث کا علم جید علما کرام سے حاصل کیا اور وعظ تذکیر میں امام ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ کے تلمذ سے یکتائے روزگار ہوئے، علم باطن کا انتساب شیخ بزرگوار ابوالقاسم گرگانی اور قطب وقت حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ سے ہے، امام غزالی باطن میں آپ سے مستفید ہوئے، تاریخ وصال ربیع الثانی ۴۷۷ھ اور مزار شریف طوس میں ہے۔

حضرت یوسف بن ایوب ہمدانی رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم مبارک یوسف بن ایوب اور کنیت ابویعقوب ہے، نواح ہمدان میں موضع بوزنجرد میں قریباً ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے، اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد آ کر ابواسحاق شیرازی سے فقہ پڑھی، پھر مختلف محدثین سے سماع حدیث کیا، شیخ بوعلی فارمدی کے علاوہ شیخ عبداللہ جوینی اور شیخ حسن سمنانی سے بھی فیض پایا، آپ شریعت و طریقت میں مقام بلند پر فائز تھے، حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ ابتدائے حال میں آپ سے اپنی ملاقات کا واقعہ بیان

فرماتے ہوئے آپ کی بہت تعریف فرماتے ہیں، دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۵۳۵ھ تاریخ وصال ہے، مزار پرانوار مرو میں ہے۔

.......﴿ارشاد﴾.......

⊙.....تم خدا سے صحبت رکھو اگر یہ میسر نہ آئے تو اس شخص کے ساتھ صحبت رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت رکھتا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رضی اللہ عنہ:

آپ کا مولد و مسکن غجدوان ہے جو بخارا سے چھ فرسنگ ہے، آپ کے والد ماجد حضرت عبدالجمیل، بہت بڑے عالم اور ولی تھے، انہیں حضرت خضر علیہ السلام نے آپکی پیدائش کی خوشخبری دی تھی اور عبدالخالق نام رکھنے کی ہدایت کی تھی، آپ کو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی فرزندی میں لیا اور وقوف عددی کی تعلیم دی بعد ازاں انہیں کے ارشاد پر آپ حضرت یوسف ہمدانی رضی اللہ عنہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے، وہ ذکر بالجہر کرواتے تھے مگر آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کے طریقہ تعلیم کے مطابق خفیہ ذکر ہی کی اجازت مل گئی، شیخ کامل کی بارگاہ میں حاضری کے وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی، آٹھ کلمات جو خواجگان نقشبند کے طریق عمل کو ظاہر کرتے ہیں، انہی سے چلے ہیں ﴿ہوش دردم.....نظر بر قدم.....سفر در وطن.....خلوت در انجمن.....یادکرد.....بازگشت.....نگہداشت.....یادداشت﴾ ۱۲ ربیع الاول شریف ۵۷۵ھ کو وفات پائی، مزار مبارک غجدوان میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت خواجہ عبدالخالق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اعظم ہیں، باطنی کمالات حاصل کرنے کے بعد حضرت خواجہ کی خدمت ہی میں رہے اور ان کے وصال پر سجادہ ارشاد پر بیٹھے، آپ نے یکم شوال ۶۱۶ھ میں انتقال فرمایا، مرقد مبارک ریوگر میں ہے جو بخارا سے چھ فرسنگ اور غجدوان سے ایک فرسنگ شرعی ہے۔

خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ عنہ:

آپ موضع انجیر فغنہ میں پیدا ہوئے جو علاقہ بخارا میں وابکنہ کا ایک گاؤں

ہے، رہائش وابکنہ میں رکھی، وجہ معاش گل کاری تھی، آپ نے حضرت خواجہ عارف رضی اللہ عنہ کے ایک اشارے کے مطابق ذکر جہر شروع کیا، مولانا حافظ الدین بخاری نے وجہ پوچھی تو فرمایا سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو ہشیار کر کے راہ راست پر لانے اور توبہ استقامت کی طرف رغبت دلانے کے لیے، پھر آپ نے فرمایا ذکر جہر اس شخص کے لیے جائز ہے جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور جس کا حلق حرام وشبہ اور دل ریا اور سمعہ سے اور باطن توجہ بما سوا سے پاک ہو، ایک روایت کے مطابق حضرت خواجہ علی رامیتنی رضی اللہ عنہ نے جناب خضر علیہ السلام سے شیخ کامل کی نشاندہی کے لیے عرض کیا تو انہوں نے خواجہ محمود کا نام لیا، ایک روایت کے مطابق آپ کی تاریخ وفات ۱۷ ربیع الاول ۷۱۷ھ ہے، مزار اقدس وابکنہ میں ہے۔

حضرت خواجہ علی رامیتنی رضی اللہ عنہ:

سلسلہ خواجگان میں آپ کا لقب حضرت عزیزاں ہے، صنعت بافندگی میں مشغول رہا کرتے تھے، بعض فرماتے ہیں، مولانا جلال الدین رومی کے اس شعر میں آپ ہی کی طرف اشارہ ہے ؎

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے
بندہ اعیان بخارا خواجہ نساج را

ولادت رامیتن میں ہوئی جو بخارا سے دو فرسنگ میں ہے، پھر باورد میں اور پھر خوارزم میں عوام وخواص کو شراب عشق سے سرشار کرتے رہے، آپ کے دو صاحبزادے تھے، خواجہ محمد اور خواجہ ابراہیم، آپ نے چھوٹے صاحبزادے کو سجادہ نشین قرار دیا، بعض لوگوں کے دل میں اعتراض پیدا ہوا تو فرمایا خواجہ محمد ہمارے بعد زیادہ دیر دنیا میں نہیں ٹھہریں گے چنانچہ آپ کے وصال سے انیس روز بعد وہ وفات پا گئے، وصال شریف ۲۸ ذی قعد ۷۱۵ھ کو ہوا مزار مبارک خوارزم میں زیارتگاہ خاص وعام ہے۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙ ...... پوچھا گیا ایمان کیا ہے؟ فرمایا: توڑنا اور جوڑنا یعنی ماسوا سے توڑنا اور حق تعالیٰ سے ملانا۔

⊙ ...... دو وقت میں اپنے تئیں خوب نگاہ رکھنا چاہیے، بات کرتے وقت اور کوئی چیز کھاتے وقت۔

⊙ ...... یہ مشہور رباعی آپ کی ہے

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت
وز تو نر مید زحمت آب و گلت
از صحبت وے اگر تبرا نہ کنی
ہر گز نکند روح عزیزاں بحلت

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رضی اللہ عنہ:

آپ موضع سماس میں رہائش پذیر تھے، جو رامتین سے ایک فرسنگ یا بقول حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ مضافات مشہد سے ہے، حضرت عزیزاں نے وفات سے کچھ پہلے تمام دوستوں کو آپ کی متابعت کا حکم دے کر آپ کو خلافت خاصہ سے نوازا، آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا، تاریخ وصال ۱۰ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ ء ہے، مزار سماس میں ہے، ایک روایت کے مطابق آپ موضع سماس کی نسبت سے سماسی ہیں۔

حضرت سید امیر کلال رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم گرامی شمس الدین ہے، صحیح النسب سید ہیں، مولد قریہ سوخار جو سماس سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر ہے، کوزہ گری کی وجہ سے کلال کہلائے، ایام حمل میں آپ کی والدہ اگر کوئی مشتبہ لقمہ کھا لیتیں تو پیٹ میں درد شروع ہو جاتا، اور جب تک وہ لقمہ باہر نہ آجاتا، آرام نہ آتا، پہلے پہلوان تھے مگر حضرت خواجہ سماسی رضی اللہ عنہ کی نظر کیمیا کے اثر نے شہسوار عرصہ طریقت بنا دیا، تاریخ وصال ۱۵ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ ہے، مزار پرانوار سوخار میں ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ عنہ:

طریقہ نقشبندیہ آپ ہی سے منسوب ہے، پہلے اسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت سے صدیقیہ، پھر حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے طیفوریہ اور پھر خواجہ عبد الخالق رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے خواجگانیہ کہتے تھے، خواجہ نقشبند کا شجرہ نسب پچیس واسطوں سے

حضرت امیر المومنین مولا علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ کی ولادت ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ میں قصر عارفاں میں ہوئی جو بخارا سے ایک فرسنگ ہے، حضرت بابا سماسی رضی اللہ عنہ کوشک ہندواں سے گزرتے تو فرماتے ''ازیں خاک بوئے مردی آید زود باشد کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں شود'' ﴿اس زمین سے ایک مرد کی خوشبو آتی ہے، جلدی ہی کوشک ہندواں، قصر عارفاں بننے والا ہے﴾ ایک روز بابا سماسی رضی اللہ عنہ حضرت امیر کلال رضی اللہ عنہ کے مکان سے کوشک ہندواں کی طرف متوجہ ہوئے تو فرمایا وہ خوشبو اب زیادہ ہوگئی ہے اور بے شک وہ مرد پیدا ہو گیا ہے، اس روز آپ کی ولادت کو تین روز ہو چکے تھے، تو حسب روایت حصول برکت و توجہ کے لیے آپ کے جد امجد آپ کو لے کر خواجہ سماسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: یہ وہی مرد ہے جس کی ہم نے خوشبو سونگھی تھی، یہ اپنے وقت کا مقتدا ہوگا، نیز اپنی فرزندی میں قبول کر کے حضرت امیر کلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم میرے فرزند بہاؤ الدین کے حق میں شفقت و تربیت سے گریز نہ کرنا، اس سلسلے میں تمہاری کوتاہی معاف نہیں ہوگی، حضرت امیر نے کھڑے ہو کر اور ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا ''اگر کوتاہی کروں تو مرد نہیں'' مناسب وقت آیا تو امیر کلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی تربیت میں پوری ہمت صرف کر دی، پھر آپ کی بلندی استعداد کے پیش نظر دوسرے چشمہ ہائے فیض سے بھی سیراب ہونے کی پرزور تلقین فرمائی، چنانچہ آپ نے مولانا عارف دیک کرانی، حضرت قثم شیخ اور حضرت خلیل اتا سے بہت کچھ حاصل کیا، خواجہ عبد الخالق غجدوانی رضی اللہ عنہ کی روحانیت بھی آپ کو دولت عرفان سے مالا مال کرتی رہی، وصال مبارک ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو ہوا، مزار مبارک قصر عارفاں (بخارا شریف) میں ہے۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''الصلوٰۃ معراج المومنین'' ﴿نماز مومنوں کی معراج ہے﴾ یہ نماز حقیقی کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔

⊙......حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: روزہ میرے واسطے ہے، یہ صوم حقیقی کی طرف اشارہ ہے جو ماسوائے حق سے امساک کلی کا نام ہے۔

⊙......جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

⊙......مشائخ کہتے ہیں مجاز حقیقت کا پل ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تمام عبادات ظاہری، قولی ہوں یا فعلی، مجاز ہیں، جب تک سالک ان سے نہ گزرے گا، حقیقت تک نہ پہنچے گا۔

⊙......درویشی کیا ہے، باہر بے رنگ اندر بے جنگ۔

حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام نامی محمد بن محمد بخاری ہے، صحیح النسب سید ہیں، خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اعظم اور داماد ہیں، حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے طالبوں کو اپنی زندگی میں ان کے سپرد کر دیا تھا، حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین کی صحبت میں نہ پہنچا رفض سے رہائی نہ پائی اور جب تک خواجہ علاؤ الدین رضی اللہ عنہ کی صحبت سے مشرف نہ ہوا خدا تک نہ پہنچا، حضرت علاؤ الدین رضی اللہ عنہ کا خاص طریقہ ہے جسے علائیہ کہتے ہیں، تاریخ وصال ۱۸ رجب ۸۰۲ھ اور مزار مبارک چغانیاں میں ہے۔

......﴿ارشاد﴾......

⊙......اہل اللہ کی صحبت میں ہمیشہ رہنا عقل معاد کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

حضرت مولانا یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ:

آپ کی سکونت موضع چرخ ﴿علاقہ غزنی﴾ میں تھی، ابتدائے احوال میں، ہرات اور دیار مصر میں تحصیل علوم میں مشغول رہے، سلوک کا خیال آیا تو خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے، ان کے ارشاد پر، ان کے وصال کے بعد خواجہ عطار رضی اللہ عنہ سے تکمیل کی چنانچہ انہی کے خلفا میں محسوب ہوئے، آپ نے قرآن مجید کے آخری دو پاروں کی تفسیر لکھی، رسالہ انسیہ بھی آپ کی تصنیف ہے، وفات شریف ۵ صفر ۸۵۱ھ میں ہوئی، مزار شریف ہلفتو زد حصاء ماوراالنہر میں ہے۔

......﴿ارشاد﴾......

⊙......میں نے حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں آپ کو قیامت میں کس عمل سے پاؤں؟ ارشاد فرمایا: تشرع ﴿یعنی پابندی شریعت﴾ سے۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رضی اللہ عنہ:

آپ کا اسم گرامی عبیداللہ ہے، لقب ناصرالدین، یاغستان جو تاشقند کے نواح میں ہے، رمضان ۸۰٦ھ میں پیدا ہوئے، ایام نفاس گزرنے کے بعد ماں کا دودھ پیا، بچپن ہی سے مشائخ کے مزارات سے انس تھا، غلبہ باطنی، ظاہری علوم کی زیادہ تر تحصیل میں حائل رہا تاہم آپ کا علم لدنی بڑے بڑے علمائے ظاہر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا تھا، بہت سے بزرگوں سے کسب فیض کرنے کے بعد حضرت یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہوئے، خواجہ چرخی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: طالب کو کامل کی بارگاہ میں خواجہ عبیداللہ کی طرح آنا چاہیے کہ چراغ اور تیل بتی سب تیار ہے، خلافت اور اجازت لے کر انتیس سال کی عمر میں گھر پہنچے، یہاں آکر زراعت شروع کی، رب اکرم نے آپ کے مال و منال، گلہ و مواشی اور اسباب میں بے اندازہ برکت ڈالی مگر یہ سب کچھ درویشوں کے لیے تھا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دریں مزرع فشاند تخم دانہ
دراں عالم کندا نبار خانہ

آپ نے مولانا نظام الدین خلیفہ خواجہ عطار کی پیشگوئی کے مطابق کئی بادشاہوں کو سیدھا کیا، تاریخ وصال ۲۹ ربیع الاول شریف ۸۹۵ھ ہے۔

حضرت مولانا محمد زاہد وخشی رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رضی اللہ عنہ کے نواسہ ہیں، ذکر کی تلقین انہی کے کسی خلیفہ سے حاصل کی، خواجہ احرار کا شہرہ سنا تو حصار سے سمرقند کو روانہ ہوئے اور یہاں آکر محلہ وانسرا میں ٹھہرے، خواجہ احرار جو یہاں سے تین کوس دور اپنی اقامت گاہ میں تھے، بذریعہ کشف معلوم کر کے خود استقبال کو تشریف لائے، مولانا نے قدم بوسی کے بعد بیعت کی خواہش ظاہر کی، حضرت خواجہ نے بیعت کر کے اسی مجلس میں درجہ تکمیل تک پہنچا دیا اور خلافت سے بھی نواز دیا، موضع وخش نزد حصار میں غرہ ربیع الاول ۹۳٦ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت مولانا درویش محمد رضی اللہ عنہ:

آپ حضرت خواجہ محمد زاہد وخشی رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے، پندرہ سال تک تجرید و تفرید کی حالت میں بے خور و خواب بیابانوں میں بسر کیے، حتیٰ کہ خواجہ خضر علیہ السلام کی ہدایت پر اپنے ماموں خواجہ زاہد رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بیعت ہوئے اور تکمیل کو پہنچے، ان کے وصال کے بعد یہی ان کے مستقل نائب ہوئے، شہرت سے بچنے کے لیے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے، شیخ نورالدین خوافی رحمۃ اللہ علیہ آئے تو انہوں نے لوگوں کو ان کے بلند مقام سے آگاہ کیا، تاریخ وصال ۱۹ محرم ۹۷۰ھ ہے اور مزار مبارک موضع اسقرار میں ہے۔

حضرت مولانا خواجگی امکنگی رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام مبارک خواجگی ﴿منسوب بہ خواجہ﴾ موضع امکنہ ﴿واقع بخارا﴾ میں سکونت کی وجہ سے امکنگی کہلائے، آپ اپنے والد ماجد حضرت مولانا درویش محمد رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق تھے، تیس سال تک مسند خلافت پر رونق افروز رہے، معمر ہونے کے بوجود مہمانوں کی خدمت خود کرتے حتیٰ کہ ان کی سواریوں کی نگہداشت کرتے تھے، آپ خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ کے اصل طریقے پر عمل کرتے تھے، فیض باطنی کے لیے علما وفضلا، امرا وفقرا بلکہ ملوک وسلاطین بھی حاضر ہوتے تھے، عبداللہ خان والی توران نے آپ کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی کرتے دیکھا تو نیاز مندانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے وفات سے چند روز قبل خود اپنے خلیفہ خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں یہ دو شعر تحریر فرمائے

زماں تا زماں مرگ یاد آیدم
ندانم کنوں تاچہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

خط کے پہنچتے ہی خبر وفات بھی مل گئی، نوے سال کی عمر میں ۲۲ شعبان ۱۰۰۹ھ میں وصال فرمایا، مزار اقدس امکنہ میں ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ :

حضرت خواجہ محمد باقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت قاضی عبدالسلام خلجی، سمرقندی، قریشی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ تھے، وہ ایک مدت سے کابل میں مقیم تھے، حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ یہیں ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں پیدا ہوئے، بلند ہمتی بچپن ہی سے پیشانی مبارک سے نمایاں تھی، علوم ظاہری کا اکتساب مولانا محمد صادق حلوائی سے کیا، مردان خدا کی تلاش میں ماوراالنہر کا کونہ کونہ چھان مارا بلکہ دلی اور لاہور کے سالکوں اور مجذوبوں سے ملاقات کی اور فیض پایا، ایک ایسے ہی سفر میں تھے کہ حضرت خواجگی رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور فرمایا، اے فرزند چشم ما براہ شما است ﴿ہماری آنکھ تمہاری راہ پر لگی ہوئی ہے﴾ آپ نے کیف وسرور کے عالم میں جواب دیا ؎

مے گزشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں
عالم آشوب نگاہے سر راہم بگرفت

یعنی میں غم سے آزاد پھر رہا تھا کہ اچانک ایک عالم آشوب نظر نے گھات سے نکل کر سر راہ ہی مجھے گرفتار کرلیا، چنانچہ آپ انہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے تین دن، رات صحبت بابرکت میں رکھ کر فرمایا: تمہارا کام بعنایت الٰہی اس سلسلہ عالیہ کے اکابر کی روحانیت سے انجام کو پہنچا ہوا ہے، اب تم پھر ہندوستان جاؤ تاکہ تمہارے ذریعہ سے یہ سلسلہ عالیہ فروغ پائے، استخارہ سے بھی اسی کی تائید ہوئی تو پھر ہندوستان آ گئے، سال بھر تک لاہور کو سیراب کر کے پھر دہلی کا رخ کیا، تین چار سال میں یہاں کی کایا پلٹ دی، جسے دیکھتے تڑپ کے رہ جاتا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بھی یہیں اسیر ہوئے ﴿ہندوستان میں آنے کا مقصد بھی یہی تھا﴾ آخر جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں وفات پائی، مزار پرانوار دہلی میں ہے نقشبند وقت سے تاریخ نکالی گئی۔

......﴿ارشادات﴾......

⊙ ...... ہمارے طریقے کا دارومدار تین باتوں پر ہے، اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدمی...... دوام آگاہی...... عبادت۔

⊙ ...... ہمارے طریقہ ذکر سے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور جذبہ کی مدد سے جمیع مقامات حاصل

ہو جاتے ہیں۔

⊙......مراقبہ اپنے افعال سے باہر آنے اور فیضان الٰہی کے منتظر رہنے کو کہتے ہیں۔

⊙......دوام مراقبہ بڑی دولت ہے، اس سے دلوں میں قبولیت پیدا ہوتی ہے اور دلوں میں قبولیت اللہ تعالیٰ کی قبولیت کی نشانی ہے۔

⊙......توکل رویت اسباب سے باہر نکلنے کو کہتے ہیں اور کمال توکل یہ ہے کہ وجود اسباب سے باہر آجائے۔

⊙......نفس کی رضا کو ترک کرنا اور رضائے الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے۔

⊙......صبر نفس کی لذتوں کو ترک کرنے اور اپنی پیاری اشیاء سے باز رہنے کو کہتے ہیں۔

......﴿تصرفات﴾......

⊙......ایک خطیب صاحب منبر تھے اور حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ سامنے تشریف فرما تھے، اچانک خطیب صاحب کی نگاہ آپ کے جمال مبارک پر پڑی، اسی وقت ان کے اعضا میں لرزہ طاری ہو گیا اور اس حالت کا ان پر ایسا غلبہ ہوا کہ بولنے کی طاقت نہ رہی اور بے اختیار منبر سے زمین پر گر گئے۔ ﴿جواہر نقشبندیہ:۲۴۲﴾

⊙......ایک روز ایک فوجی افسر حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے آیا، اس کا نوکر اس کا گھوڑا پکڑے ہوئے تھا کہ اچانک حضرت مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ کی نظر کیمیا اس خادم پر پڑ گئی، وہ بے چارہ بے ہوش ہو کر گر گیا، پھر اٹھا اور گیند کی طرح لڑھکتا رہا، رات کا ایک حصہ اسی طرح بے قرار رہا اور پھر حالت جنوں میں جنگل کی طرف چلا گیا اور پھر اس کا سراغ نہ ملا۔ ﴿ایضاً﴾

⊙......ایک چشتی شیخ زادہ حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا مرید ہوا، اتفاقاً اس کو ایک مرض لاحق ہوا کہ زندگی کی امید باقی نہ رہی، کسی نے یہ معاملہ حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: اس کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ اس طریقہ کو چھوڑ کر اپنے بزرگوں کی نسبت حاصل کرنی چاہیے اور یہ بات مجھ پر ظاہر ہو گئی اس لیے مجھے غیرت آئی اور یہی علالت کی وجہ ہے، اس شخص نے یہ بات شیخ زادے سے بیان کی تو اس نے تصدیق کی اور توبہ وندامت ظاہر کی، اس کو فوراً آرام آ گیا۔ ﴿ایضاً﴾

باب دوم

حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات واحادیث کا اشارہ:

کوئی نص صریح تو ہماری نظر سے آپ کے ظہور کی نسبت نہیں گزری، لیکن بفحوائے آیہ شریفہ "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" غور کرنے سے آپ کے وجود با جود کی طرف اشارت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ آیہ شریفہ "ثلة من الاولین و قلیل من الاخرین" پتادے رہی ہے کہ آخر زمان میں بھی تھوڑے بزرگ مقربین بارگاہ الٰہی مثل اولین ہونگے اور آپ اور آپ کے خلفا متاخرین اولیا سے ہیں اور بسبب اتباع سنت آپ کا طریق مماثل طریق اولین یعنی اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی وغیرہ مفسرین نے لفظ آخرین سے آپ کی ذات اور آپ کے خلفا مراد لیے ہیں، اور بعض احادیث بھی اس تفسیر کی موید موجود ہیں جیسا کہ سنن ترمذی میں مروی ہے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولها خیر ام اخرها" ﴿میری امت مثل بارش کے ہے نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخر کا﴾ جامع الدرر میں ہے: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث فی هذہ الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها" ﴿نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر صدی کے شروع میں اللہ تعالیٰ اس امت سے ایک مجدد کو بھیجتا رہے گا جو دین کو نئے سرے سے درست کرتا رہے گا﴾ جمع الجوامع میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون رجل فی امتی یقال له صلة یدخل الجنة بشفاعته کذا کذا" ﴿نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں ایک شخص صلہ ہوگا، یعنی مخلوق کو خالق سے ملانے والا، جس کی شفاعت سے بے شمار آدمی

جنت میں داخل ہوں گے﴾ دونوں معنی کے لحاظ سے آپ کی ذات با برکات صلہ اور، مصداق حدیث ہے۔دوسری حدیث روضہ قیومیہ میں وارد ہے''یبعث رجل علی احد عشر مائة سنة هو نور عظيم اسمه اسمى بين السلطانين الجابرين و يد خل الجنة الوفا'' ﴿گیارہویں صدی کے شروع میں دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجا جائے گا، وہ میرا ہم نام اور نور عظیم شان ہوگا اور ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا﴾، ﴿جواہر مجددیہ:۳۹﴾

......﴿بشارات﴾......

حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

چنانچہ روضہ قیومیہ میں دیگر کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کسی جنگل میں مراقبہ فرما رہے تھے، یکا یک ایک نور آسمان سے ظاہر ہوا، اس سے تمام عالم منور ہوگیا اور القا ہوا کہ آپ سے پانچ سو سال کے بعد جبکہ عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گی، ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا، وہ دنیا سے شرک والحاد کے نام کو نابود کرے گا، دین محمدی کوئی تازگی بخشے گا، اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی، اس کے صاحبزادے اور خلفا بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے، اس کے بعد آپ نے اپنے خرقہ خاص کو اپنے کمالات سے مملو کر کے اپنے صاحبزادہ سید عبدالرزاق رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا اور ارشاد فرمایا کہ جب ان بزرگ کا ظہور ہو یہ ان کے حوالے کرنا، اس وقت کے صاحبزادہ صاحب کی اولاد میں وہ خرقہ یکے بعد دیگرے اس طرح سپرد ہوتا رہا، حتیٰ کہ ۱۰۱۳ھ میں حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ کے پوتے سید سکندر شاہ قادری رضی اللہ عنہ نے آپ کے حوالے کیا۔﴿جواہر مجددیہ:۳۹﴾

حضرت شیخ احمد جام رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

مقامات شیخ الاسلام احمد جام رضی اللہ عنہ میں مذکور ہے کہ شیخ نے ارشاد فرمایا: ''میرے بعد سترہ آدمی میرے ہم نام پیدا ہونگے ان سب سے آخر کے صاحب جو مجھ سے چار سو سال بعد پیدا ہوں گے سب سے افضل ہونگے'' ﴿ایضا﴾ شیخ کے فرزند ظہور الدین رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنی کتاب رموز العاشقین میں لکھا ہے کہ اخیر عمر تک میرے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے بیعت کی تھی، میں نے ان سے عرض کیا کہ اکثر مشائخ کبار کے حالات کتابوں میں مرقوم ہیں، مگر آپ کے حالات سب سے ممتاز ہیں، آپ نے فرمایا: اب سے چار سو سال کے بعد ایک بزرگ میرا ہم نام پیدا ہوگا اس کے حالات مجھ سے کہیں افضل اور مثل اصحاب کبار ہوں گے۔ ﴿ایضا ۴۰﴾

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

نفحات الانس میں مولانا جامی نے بھی شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ بالا نقل کیا ہے اور شیخ کی سن وفات سنہ ۶۰۰ ھ تحریر کی ہے چونکہ حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور سنہ ۱۰۰۰ ھ میں ہوا جو زمانہ شیخ سے پورے چار سو سال بعد ہے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ بزرگ آپ ہی ہیں۔ ﴿ایضا: ۴۰﴾

حضرت داؤد قیصری رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

حضرت داؤد قیصری شارح فصوص الحکم مقدمہ قیصری کی دوسری فصل میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک اسم اور کوکب کا دورہ ہزار سال کا ہوتا ہے، چنانچہ الوالعزم نبیوں کی شریعت کا زمانہ بھی ہزار سال کا ہے اس امت میں بھی ہزار سال کے بعد ایک نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوگا، وہ دین کی اصلاح اور درستگی کرے گا۔ ﴿ایضا﴾

حضرت خلیل اللہ بدخشی رضی اللہ عنہ کا الہام:

مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں مذکور ہے کہ شیخ نے ایک روز فرمایا: سبحان اللہ سلسلہ خواجگان نقشبند میں ایک عزیز افضل ترین اولیا امت ملک سرہند میں پیدا ہونے والے ہیں، ان سے شرف ملاقات نہ ہونے کا مجھے افسوس ہوگا، انہوں نے ایک خط بطور عرضداشت آپ کے نام تحریر کیا اور اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمٰن بدخشی رضی اللہ عنہ کو دیا جو سنہ ۱۰۲۲ ھ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، اس میں آپ سے دعا کے لیے استدعا کی گئی تھی، آپ نے ملاحظہ فرما کر ان کے واسطے دعا فرمائی اور کہا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام کبار اولیائے امت میں نظر آتا ہے۔ ﴿ایضا: ۴۰﴾

دیگر مشائخ کرام کا الہام:

حضرت شیخ سلیم چشتی اور شیخ نظام نانونی اور شیخ عبد اللہ سہروردی اکابر اولیائے ہندوستان کی خدمت میں لوگ آ آ کر اکبر بادشاہ کی بد دینی اور گمراہی کی شکایت کر کے ترقی اسلام کی دعا کے لیے درخواستگار ہوا کرتے تھے، یہ اولیائے وقت جب توجہ باطنی فرماتے تو الہام ہوتا کہ عنقریب ایک امام وقت مجدد اسلام کا ظہور ہو گا وہ سب بد دینی اور ضلالت کو دفع فرمائے گا اور قیامت تک اس کا نور باقی رہے گا۔ ﴿ایضا:۴۱﴾

شیخ عبد القدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کا ارشاد:

جناب مخدوم عبد الاحد سرہندی کی بیعت کے وقت شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے، اس سے شرق وغرب روشن ہوں گے، بدعت وضلالت دور ہو گی، میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو اس کو وسیلہ قرب الٰہی گردانوں گا۔ ﴿ایضا:۴۱﴾

منجمین کی پیش گوئی:

روضۂ قیومیہ میں مفصل مندرج ہے کہ محرم ۹۷۱ھ میں نواب خان اعظم رکن سلطنت کے دربار میں نجومی جمع ہوئے اور بالاتفاق سب نے یہ کہا کہ تین دن سے ایک ستارہ طلوع ہوا ہے، جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک کبھی اور نہ نکلا تھا، اس سے بہت نتائج ظاہر ہوں گے کہ کوئی مرد خدا اسلام کو دوبارہ تازگی بخشے گا۔ ﴿ایضا:۴۱﴾

ارکان سلطنت کی خوابیں:

ارکان سلطنت اکبری شیخ سلطان اور خان اعظم اور سید صدر جہان نے چند خوابیں اس بارے میں دیکھیں، ان کی تعبیر کے لیے حضرت شیخ جلال کبیر الاولیا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کرایا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا: سرہند سے جو نور کا ظہور دیکھا گیا ہے وہ کسی ولی برحق کی ولادت ہے اور بگولوں کا دور ہونا اور بچھوؤں کا مارا جانا کفر و بدعت کا دور ہونا ہے۔ ﴿ایضا:۴۱﴾

حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کا کشف:

حضرت مخدوم عبدالاحد رضی اللہ عنہ آپ کے والد ماجد نے ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے، خوک و بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں، ایک نوران کے سینہ سے نکلا جس سے جہان روشن ہو گیا اور برق خاطف نے نکل کر سب درندوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، پھر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر ایک بزرگ تخت نشین ہیں، اس کی چاروں طرف بہت سے نورانی آدمی اور ملائک مودب کھڑے ہیں، ملحدوں، زندیقوں، ظالموں اور جابروں کو لا لا کران کے حضور میں پیش کر کے بکریوں کی طرح ذبح کر رہے ہیں، منادی ندا دے رہا ہے "وقل جآء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" ﴿حق آیا اور باطل پامال ہوا﴾ آپ نے یہ واقعہ حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، آپ نے توجہ کر کے فرمایا کہ آپ کے گھر میں ایک فرزند گرامی جو افضل اولیائے امت ہو گا پیدا ہو گا، اس کے نور سے شرک و بدعت کی تاریکی دور ہو گی اور دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو روشنی اور فروغ حاصل ہو گا۔ ﴿ایضاً:۴۲﴾

دنیا کی مذہبی حالت:

آفتاب رسالت، سید مکی مدنی، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے پردہ پوش ہوئے ساڑھے نو صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا اور دین حق میں تحریفات و بدعات ناقابل برداشت حد تک شامل ہو چکی تھیں، بنو امیہ کے بعد بنو عباسیہ کی خلافت ختم ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور اسلام کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی بلکہ مرکز کا کوئی وجود ہی نہ تھا، ہندوستان میں مغل شہنشاہ اکبر کا دور تھا جو ۹۶۴ھ سے ۱۰۱۲ھ پر محیط تھا، بادشاہ ان پڑھ اور بے علم ہونے کی وجہ سے دینی سمجھ بوجھ سے قطعاً عاری تھا، یہی وجہ تھی کہ دربار میں علما سوء اپنی من مانی کر رہے تھے، شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی کی بے راہ روی اور گمراہی بادشاہ کے دل و دماغ پر قابض ہو چکی تھی اور دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب جاری ہو چکا تھا، یہی وہ اکبر بادشاہ ہے جس کو انگریز اور ہندو مورخ مغل اعظم اور اکبر اعظم ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اکبر کے دور حکومت کو مغل بادشاہت کا سنہری دور تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ اکبر اعظم کی بجائے فاسق اعظم کے خطاب کا زیادہ

مستحق ہے، جلال الدین اکبر کا دور حکومت دین اسلام کے لیے نہایت نازک، پر آشوب اور پر خطر دور تھا، معدودے چند علمائے حق جو اس وقت تھے ان کی اکثریت نے ہندوستان سے ہجرت کو ترجیح دی جن میں محدث و محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت بھی شامل تھی، بقول ملا عبدالقادر بدایونی اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر مورخین اسلام اکبری دور کی قباحتوں اور بدعتوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ ﴿جواہر نقشبندیہ: ۲۵۵﴾

⊙......اکبر بادشاہ جو خود مسلمان بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، نے ایک نیا دین دین الٰہی کے نام سے جاری کیا تھا جس کے تحت وہ خود کو مجتہد کہتا اور آفتاب کی تعظیم کرتا تھا۔

⊙......فرعون مصر کے بعد اکبر شاید پہلا بادشاہ تھا جو دربار میں کھلے بندوں درباریوں سے خود کو سجدہ کرواتا تھا۔

⊙......مساجد اور مزرات کی حرمت و عظمت بھی ختم ہو چکی تھی۔

⊙......اکبر بادشاہ بذات خود تلک لگا کر مندروں اور گرجوں میں جاتا اور کفار کی رسوم جاری کرتا تھا۔

⊙......پابند شرح علما کو سخت ایذائیں دی جاتی تھیں اور شعائر اسلام پر برملا طعن کیا جاتا تھا۔

⊙......علما سوء یعنی دنیا طلب علما بکثرت تھے جو اسلام میں ڈھیل کی اجازت دیتے تھے اور خود بھی بدعات میں مبتلا تھے۔

⊙......گائے کی قربانی کلی طور پر ممنوع و متروک ہو چکی تھی۔

⊙......بعض غلط عقائد کے لوگ جو مسند نشین ہو چکے تھے وہ مریدوں سے اپنے آپ کو سجدہ کرواتے تھے۔

⊙......درباری ملاقات کے وقت ایک السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر کہتا اور دوسرا جواب میں جل جلالہ کہتا۔

⊙......ان تمام قباحتوں اور بدعتوں کے علاوہ روافض ایک عظیم فتنہ بنے ہوئے تھے جن کو اکبر بادشاہ کے دربار میں بہت اثر و رسوخ حاصل ہو چکا تھا، وہ اہل بیت اطہار کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے۔

الغرض دنیا ایک بار پھر فسق و فجور اور شرک و بدعت میں غرق ہو چکی تھی اور یہ تھے

وہ حالات جب اللہ رب العزت کی رحمت جوش میں آئی اور اپنے حبیب علیہ السلام کے ہزار سال بعد دین حق اسلام کی مکمل تجدید و ترویج کے لیے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ کو ہزار سالہ مجدد بنا کر مبعوث فرمایا، جنہوں نے بفضل ایزدی اپنے دور کی قباحتوں، بدعتوں اور شرک پرستیوں کا کلی طور پر ازالہ فرمایا اور بحکم الٰہی زمانے کی طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لے کر ایک دفعہ پھر تاریخ کا رخ موڑ دیا، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تجدید دین کا ہی ثمرہ تھا کہ جہانگیر کے بعد شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر جیسے دیندار مغل بادشاہوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ ﴿ایضا:۲۵۷﴾

ضرورتِ مجدد الف ثانی...... کیوں؟

تقریباً ہزار سال نبوت کے گزر چکے تھے، خدا تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق وہی وقت امت محمدیہ پر آ گیا تھا جو ہر ایک نبوت کے بعد آتا رہا، اگر ختم نبوت کا فرمان بارگاہ ایزدی سے صادر نہ ہوا ہوتا تو بمقتضائے وقت ایک اولوالعزم نبی کی ضرورت تھی، مگر حکمت الٰہی نے ایک اولوالعزم نبی کا کام ایک عزیز الوجود مقبول سے لینا تھا اور وقت آ پہنچا تھا کہ وہ عزیز ایک اولوالعزم نبی کا قائم مقام ہو کر دینِ اسلام کی تجدید کرے اور اس میں نئی روح پھونکے، اس لیے بہ مشیت ایزدی بشارات کے مطابق عین وقت پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا وجود پاک ظہور پذیر ہوا، پہلے زمانہ میں ایک اولوالعزم رسول کے بعد وقتاً فوقتاً انبیا کرام پیدا ہو کر اولوالعزم رسول کی متابعت میں اس کے دین کی تقویت فرماتے رہتے تھے، چونکہ نبوت کا منصب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مطہر پر ختم ہو چکا تھا اس لیے امت مرحومہ کے علمائے کرام کو انبیائے بنی اسرائیل کا رتبہ عطا ہوا یعنی مظہر بنایا اور وہ تقویت دین محمدی فرماتے چلے آئے، چونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزار سال گزر چکے تھے اور بدعاتِ شنیعہ رائج ہو چکی تھیں، اس لیے ختم نبوت نہ ہوتی تو سنت اللہ کے مطابق ایک نبی مبعوث ہوتا جس کی ہمت ظاہری و باطنی کے ساتھ دین حق کو تازہ رونق وقوت حاصل ہوتی، پس ہزار سال کے ختم ہونے پر ایک مظہر اتم اور وارث اکمل کی ضرورت ہوئی جو تمام فرائض اولوالعزم پیغمبر کے سرانجام دے، پس اس ضرورت حقہ پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوا اور تمام دینی و دنیوی کارخانہ آپ کے وجود باجود

سے منصوب و مربوط ہوا۔ ﴿باقیات جہان امام ربانی، ۲:۳۳﴾

ولادت باسعادت:

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۵ جون،۱۴ شوال المکرم، بروز جمعۃ المبارک، نصف شب ۱۵۶۳ء، ۹۷۱ھ کو سرہند شریف میں ہوئی، خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آفتاب ولایت اپنے پیر بزرگوار کی طرح ۹۷۱ ھ میں طلوع ہوا، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ خود بھی تخمیناً یہی فرماتے تھے اور اس احقر نے آپ کے بعض معمر عزیز و اقارب سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا، کلمہ خاشع سے سن ولادت معلوم ہوسکتا ہے، ﴿زبدۃ المقامات:۱۲۷﴾ جدید محققین میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ اور سی، اے اسٹوری نے اسی سن ولادت کو ترجیح دی ہے، ﴿انسائیکلو پیڈیا آف اسلام،۲۹۷:۱، ہسٹری آف پرشین لٹریچر،۹۸۸:۱﴾ آپ کا اسم گرامی شیخ احمد، لقب بدرالدین، کنیت ابوالبرکات ہے۔

واقعات بوقت ولادت:

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب میرے فرزند ارجمند شیخ احمد پیدا ہوئے تو ایک دن میں مستغرق الحال تھی، کیا دیکھتی ہوں کہ میرے گھر میں تمام اولیائے امت جمع ہیں، ان میں سے ایک نے کہا، دوستو شیخ احمد کی زیارت کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اولیائے اولین و آخرین کے کمالات ان میں جمع فرما دیئے ہیں اور ان کو اپنا خزینۃ الرحمہ بنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو ان کی زیارت کرے گا میں اس کے گناہ بخش دوں گا اور قیامت کو مقربین خاص میں جگہ دوں گا، حضرت مخدوم عبدالاحد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہمارے فرزند سعادت مند کی پیدائش کے دن میں نے دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئے، کل انبیا، رسل اور ملائکہ ہم رکاب تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی خوشی فرزند کو گود میں لے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ فرزند ہمارے تمام کمالات کا وارث اور قائم مقام ہوکر ہماری امت کے دینی اور دنیوی کارخانے کو دوش ہمت سے اٹھائے گا، مزید فرماتے ہیں، ہمارے فرزند کی ولادت کے دن انبیا، مرسلین، ملائکہ اور ارواح اولیا نے اس قدر ہجوم کیا ہوا تھا کہ شہر و نواح شہر بھر گیا، شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ولادتِ باسعادت کے وقت

سر ہند میں موجود تھے، وہ فرماتے تھے، ہم نے اس دن عجیب کیفیت دیکھی، فرشتوں کی فوجیں آسمان سے کعبہ معظمہ میں اتر رہی ہیں اور اس بقعہ نور متبرکہ سے جانب سر ہند متوجہ ہیں، ہزاروں نورانی علم کعبہ مشرفہ پر نصب ہیں اور غیب سے آواز آئی کہ ایھا الناس! آج رات سر ہند میں ایک مرد خدا پیدا ہوا ہے جس کی برکت سے دین اسلام اور سنت مصطفےٰ کو تازگی اور ترقی حاصل ہوگی، ﴿باقیات جہان امام ربانی، ۲:۴۱﴾ حضرت خواجہ ابوالحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں آپ کی ولادت کے وقت سر ہند میں موجود تھا، میں نے واقعہ میں دیکھا کہ شہر میں امت کے تمام اولیا جمع ہوئے ہیں، ایک بزرگ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا لوگو! تمہیں مبارک ہو، آج رات ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے جس کی روح کو آنحضرت ﷺ نے اپنی کنارِ عاطفت میں پرورش فرمایا ہے اور ان کو اولیائے امت کے کمالات کا مظہر بنایا ہے، ﴿ایضا، ۲:۴۲﴾

دہر را مژدہ کہ وضعے دگرے پیدا شد
ز شب تیرہ مبارک سحرے پیدا شد
گشت آفاق منور ز ضیائے سر ہند
درشب تار ضلالت قمرے پیدا شد
شکر کز قلزم انوار رسول عربی
احمد ہندی والا گہرے پیدا شد
محرم سر نہاں سالک راہ ایقاں
صاحب عزم وعمل دیدہ ورے پیدا شد
آں مجدد کہ جہاں منتظر او بود
شکر صد شکر کہ آں منتظرے پیدا شد

آپ کی ولادت باسعادت کی رات اکبر بادشاہ کو خواب میں دکھائی دیا کہ ایک تند و تیز آندھی نے اسے تخت سمیت اپنی گرفت میں لے لیا، بادشاہ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن بس نہ چلا، آخر اس کو زمین پر پٹخ دیا، اکبر نے تعبیر دریافت کی تو بتایا گیا کہ آج کسی بچے کی ولادت ظہور میں آئی ہے، جو بڑا ہو کر آپ کے آئین سلطنت کو متزلزل کر دے گا، خواب کی تعبیر یقیناً تشویش ناک تھی، لیکن پورے ہندوستان میں بچے کا پتا چلانا بہت ہی مشکل کام تھا۔

خصائص ایام طفولیت:

حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ سنت رسول کے مطابق مختون پیدا ہوئے، ایام طفولیت میں کبھی برہنہ نہیں ہوئے، آپ سے کبھی بدن یا کپڑا نجاست آلود نہیں ہوا، عام بچوں کی طرح کبھی گریہ زاری نہیں کی، ہر وقت خندہ پیشانی رہتے، ایک دفعہ مرض صبیان سے بیمار ہوئے تو آپ کے والد ماجد آپ کو حضرت شاہ کمال قادری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے اور دعائے صحت کی درخواست کی، شاہ صاحب نے کمال جذبہ سے فرمایا؛ خاطر جمع رکھو، اس بچے کی عمر دراز ہوگی، یہ عارف کامل و عامل ہوگا اور ہمارے، تمہارے جیسے اس کے دامن سے نکلیں گے، اس کی ہدایت وارشاد کی چمک تا قیامت قائم اور روشن رہے گی، یہی لڑکا ہے جس کے وجود مسعود کی خبریں اولیا اور صلحا دیتے چلے آئے ہیں، حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کے والد ماجد کو بہت سی بشارتیں دیں، جب ان کا وصال ہوا تو حضرت مجدد رضی اللہ عنہ سات آٹھ سال کے ہوں گے لیکن آپ کو ان کی شکل وشباہت یاد تھی، بلکہ وہ جگہ تک یاد تھی جہاں وہ شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اٹھتے، بیٹھتے تھے۔ ﴿سیرت مجدد الف ثانی: ۸۳﴾

گل لالہ کی حنا بندی:

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اوائل عمر ہی میں قرآن پاک پڑھ لیا بلکہ بقول خواجہ کشمی حفظ بھی فرما لیا، دوسرے سوانح نگاروں نے بھی یہی لکھا ہے لیکن خود حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے ایک مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دولت قلعہ گوالیار میں نظر بندی کے زمانے میں حاصل ہوئی، چنانچہ فرماتے ہیں: قرآن پاک سورۂ عنکبوت تک ختم ہو گیا ہے، رات کو جب مجلس شاہ سے واپس آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں، حفظ کی یہ دولت عظمیٰ اس پریشانی میں حاصل ہوئی جو جان جمعیت تھی، ﴿مکتوبات، ۴۳:۳﴾ یہاں یہ امر بھی ممکن ہے کہ حفظ تو اوائل عمر میں کر لیا ہو جبکہ دوران اسیری پورے انہماک کے ساتھ منزل مضبوط کرنے کی طرف توجہ فرمائی ہو، آپ نے بیشتر علوم معقول و منقول اپنے والد گرامی سے حاصل کیے، ان سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شہر سیالکوٹ کے دو عظیم علماء مولانا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بعض مشکل کتابیں، عضدی

وغیرہ پڑھیں اور کتب حدیث کی سند حاصل کی، علاوہ ازیں قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ علیہ سے مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں:

تفسیر واحدی اور اس کے مولفات، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول، تفسیر بیضاوی اور اس کی مصنفات، منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ، بخاری شریف اور اس کے مولفات، ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد، مشکوٰۃ تبریزی، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی، قصیدہ بردہ شیخ بوسعید بوصیری، قاضی بہلول بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مسلسل ''ارحموا من فی الارض یرحمکم فی السمآء'' کے ساتھ حضرت مجدد کو مشکوٰۃ المصابیح کی اجازت مرحمت فرمائی، حصول اجازت کے بعد حضرت مجدد نے فرمایا: یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقہ محدثین میں داخل کر لیا گیا ہے۔ ﴿زبدۃ المقامات: ۱۳۲﴾

اساتذہ کرام کی شان علم:

⊙......مولانا کمال کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری اور کمالات باطنی میں اسم بامسمیٰ تھے، ایک عرصہ تک سیالکوٹ اور لاہور میں مسند علم وارشاد پر فائز رہے، بکثرت علما نے آپ سے فیض پایا، امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سعد اللہ وزیر شاہجہانی آپ کے مشہور شاگرد ہیں، ۱۰۱۷ھ کو لاہور میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، لیکن مزار معلوم نہ ہو سکا ﴿خزینۃ الاصفیا﴾

⊙......دوسرے استاد گرامی مولانا یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم و فاضل اور محدث تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کے ساتھ قرآن مجید بھی سات برس کی عمر میں حفظ کر لیا، سمرقند جا کر شیخ حسین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالی سے خرقہ خلافت حاصل کیا، حضرت امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی، بغداد شریف سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا جبہ مبارکہ حاصل کیا، پھر حج کو تشریف لے گئے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے

آپ سے طریقہ کبرویہ میں بیعت کر کے خلافت حاصل کی، آپ صاحب تصنیف بزرگ ہیں، شیعہ مذہب کے سخت خلاف تھے، اس کا اثر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی ہوا۔ ﴿تذکرہ علمائے ہند﴾

سفر اکبر آباد کا مرحلہ:

تقریباً ۹۹۸ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجدد رضی اللہ عنہ آگرے تشریف لے گئے، وہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے حلقہ درس میں فضلائے عصر شریک ہوتے تھے، یہ اکبری دور حکومت تھا اور پایہ تخت ہونے کی وجہ سے آگرے کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور وہ گہوارہ علم وحکمت تھا، ہر علم وفن کے کاملین یہاں جمع ہو گئے تھے، قیام آگرہ ہی کے زمانے میں شیخ مبارک ناگوری کے بیٹے شیخ ابو الفیض فیضی اور شیخ ابو الفضل سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے مراسم ہو گئے تھے اور آپ ان کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے، یہ دونوں بھائی حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتے تھے، چنانچہ ابو الفضل کے ایک شاگرد نے حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا: میرے استاد گرامی اپنے کسی دوست کو خط لکھ رہے تھے، اثنائے تحریر میں تمہارے شیخ کا ذکر آیا تو تعریف وتوصیف میں بہت سے القابات لکھے۔

ایک مرتبہ آپ فیضی کے ہاں تشریف لے گئے تو اپنی تفسیر سواطع الالہام لکھنے میں مصروف تھا ﴿یہ تفسیر فیضی نے صنعت غیر منقوطہ میں لکھی ہے﴾ کہ ایک جگہ کچھ اٹک گیا، اچانک حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فرط مسرت سے کہا:

آپ اچھے موقع پر تشریف لائے، ایک جگہ اٹک گیا ہوں، تاویل وتفسیر کے لیے حروف غیر منقوطہ نہیں ملتے، بہت دماغ سوزی کی مگر دل پسند عبارت ہاتھ نہ لگی، ذرا آپ کوشش فرمائیں، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کاغذ لیا اور قلم برداشتہ کمال بلاغت کے ساتھ صنعت غیر منقوطہ میں ایک صفحہ تحریر فرما دیا، زبان عربی پر حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی یہ قدرت ومہارت دیکھ کر فیضی حیران رہ گیا، ان دونوں بھائیوں سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے تعلقات خوشامدانہ نہ تھے بلکہ غیرت مندانہ تھے، اس حقیقت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک روز آپ ابو الفضل کے ہاں تشریف لے گئے، مجلس جمی، علمی گفتگو شروع

ہوئی ، اتفاقاً ابو الفضل نے فلاسفہ کی تعریف شروع کر دی ، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور آپ نے فلاسفہ کے رد میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا ، ابو الفضل نے تنک کر کہا: غزالی نے نا معقول بات کہی ہے ، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارف کامل کی جناب میں یہ گستاخی کیسے برداشت کی جاسکتی تھی ، چنانچہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ فوراً اس مجلس سے اٹھے اور چلے آئے ، اس واقعہ کی تفصیل خود ابو الفضل کے ایک شاگرد کی زبانی سنیے:

حضرت شیخ ان کلمات کو سن کر متغیر ہو گئے ، مجلس سے اٹھ گئے ، اٹھتے ہوئے فرمایا کہ تم کو علما کی صحبت کا شوق و ذوق ہے تو اس قسم کی بے ادبانہ طرز گفتگو سے باز رہو ، یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے اور چند روز مجلس میں نہیں آئے حتیٰ کہ خود ابو الفضل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے کسی کو بھیج کر معذرت خواہی کی اور آپ کو بلایا ، قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نہ صرف ابو الفضل اور فیضی کی مجلسوں میں شریک ہوئے بلکہ دیگر امرائے شاہی اور خود شاہی مجالس میں بھی شریک رہے جیسا کہ خود رسالہ رد شیعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعضے از طلبہ شیعہ کہ متردد ایں حدود بودند مقدمات افتخار مسالمت می نمودند ،
درمجالس امرا و سلاطین ایں مغالطات شہرت می دادند وایں حقیر و رہبر مجلس
ومعرکہ مشافہ بمقدمات معقولہ ومنقولہ رد آں ہا می کرد۔ ﴿زبدۃ المقامات:۱۳۳﴾

اس سفر میں آپ کی ابو الفضل سے جو ملاقات ہوئی ، اس میں آپ کا اس موضوع پر بھی مناظرہ ہو گیا ، اس نے کہا ، چونکہ خرق التیام محال ہے اس لیے فرشتہ آسمان سے اتر نہیں سکتا اور پھر نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کر دیا ، آپ نے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت انبیا علیہم السلام بالکل برحق امر ہے ، ادھر غیرت کی تلوار کام کر چکی تھی لہٰذا ایک وقت آیا کہ ابو الفضل شہزادہ جہانگیر کی سازش سے قتل ہو گیا ، کسی نے مادۂ تاریخ لکھا ہے ؎

تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی برید

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کو آگرے میں خاصا وقت گزر چکا تھا ، والد ماجد شیخ

عبدالاحد رضی اللہ عنہ آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، وہ آپ کے ہجر وفراق میں بے چین ہو گئے اور ضعف وکبرسنی کے باوجود سرہند شریف سے بنفس نفیس آگرے پہنچے، خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام تفصیلات تحریر کی ہیں، یہاں مجملاً عرض کیا جاتا ہے، جس زمانے میں آپ آگرے گئے ہوئے تھے، کافی عرصہ گزر گیا تو والد ماجد اس فرشتہ صفت بیٹے کے دیدار میں بے چین ہو گئے اور باوجود دوری مسافت اور کبرسنی کے آگرہ تشریف لائے، آگرے کے ایک فاضل نے دریافت کیا، یہ تکلیف کیوں فرمائی؟ آپ نے فرمایا کہ فرزند دلبند شیخ احمد سلمہ اللہ کی ملاقات کے شوق میں یہاں آگیا، چونکہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے ان کا میرے پاس آنا مشکل تھا، اس لیے میں آگیا ۔

یوسف نرود کنعان یعقوب بروں آید

حضرت شیخ عبدالاحد رضی اللہ عنہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ہی سرہند لے گئے، راستے میں جب تھانیسر پہنچے تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان کی لڑکی سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کا عقد مسنون ہو گیا، پھر یہ دونوں حضرات سرہند تشریف لے آئے، سفر سے واپس تشریف لائے تو اپنے والد بزرگوار کی محبت میں التزام فرمایا اور فوائد باطنیہ اخذ کر کے سلسلہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، کبرویہ وغیرہ میں خلافت واجازت حاصل کی، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین اور نائب اکمل مقرر فرمایا چنانچہ آپ مبدا ومعاد میں نسبت فردیت کے حصول کا ذکر اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے فرماتے ہیں، حضرت مجدد رضی اللہ عنہ ایام جوانی میں آگرے سے واپس آنے کے بعد اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد دو یا تین بار آگرے تشریف لائے۔ ﴿سیرت مجدد الف ثانی: ۸۸﴾

شادی خانہ آبادی کا واقعہ:

تھانیسر کے حاکم شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل کے بلند مقام پر فائز تھے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا تھا کہ اپنی دختر نیک اختر کا نکاح میرے فرزند اور نائب شیخ احمد رضی اللہ عنہ سے کر دے اور پھر خواب میں ان کو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت بھی دکھا دی، جب حضرت مخدوم عبدالاحد رضی اللہ عنہ اپنے عظیم فرزند کے ساتھ شیخ سلطان کے ہاں

مہمان ہوئے تو انہوں نے فوراً آپ کو پہچان لیا کہ یہی وہ شیخ احمد ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ملا ہے چنانچہ انہوں نے نہایت ادب کے ساتھ حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خواب کا واقعہ عرض کر دیا، حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ نے بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا: کس میں اتنی ہمت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے حکم سے سرتابی کر سکے، میں اس کام کے لیے ابھی تیار ہوں، الغرض حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی شادی پچیس برس کی عمر میں ہوگئی اور شادی کے ساتھ ہی آپ کو اتنا مال میسر آ گیا کہ آپ صاحب مال بھی ہو گئے، یہ بھی حکمت ایزدی تھی کہ آپ کو فکر معاش سے آزاد کر دیا جائے تا کہ امت محمدیہ کی اصلاح اور تجدید کا کام دل جمعی سے کر سکیں، ﴿جواہر نقشبندیہ:۲۶۱﴾

پچیس سال کی عمر مبارک میں شادی خانہ آبادی کا ہونا اور اس کے نتیجے میں مال و اسباب کا ہاتھ آنا بھی حضور سرور کائنات ﷺ کی سنت مبارک ہے۔

والد نسبتی اور والد حقیقی کی وفات:

انہی ایام میں اکبر بادشاہ کا گزر علاقہ تھانیسر سے ہوا تو ہندوؤں کی شکایت پر اس نے شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ پر عتاب نازل کیا کہ انہوں نے کئی سال سے خراج ادا کیوں نہیں کیا، شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بے نیازی سے جواب دیا، بادشاہ تو مرتد ہو گیا ہے، اس لیے میں نے خراج کا مال فقرا اور غربا میں تقسیم کر دیا ہے اور ساتھ ہی ایک پتھر بادشاہ کے چہرے پر مارا اور کہا مرتد کو قتل کرنا جائز ہے، دراصل شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ سے بادشاہ کی ناچاکی اس وقت شروع ہوئی جب تھانیسر کے ہندوؤں نے ان کے خلاف گاؤکشی کی شکایت کی، پھر انہیں بھکر جلاوطن کر دیا گیا، اتفاقاً خانخاناں اس علاقے کی حکومت پر مامور ہوا، وہ اہل علم کا ہوا خواہ تھا، شیخ سلطان سے بڑے التفات سے پیش آیا، ان کے زخموں پر مرہم رکھا اور فتح سندھ کے بعد انہیں اپنے ساتھ واپس لایا، شیخ مخفی طور پر اپنے وطن چلے گئے لیکن خانخاناں نے دکن سے ان کی سفارش کی، یہ سفارش منظور ہوئی تو شیخ سلطان کا کام بن گیا، بادشاہ نے غائبانہ حکم دیا کہ انہیں تھانیسر اور کرنال کا کروڑی بنا دیا جائے، شیخ سلطان کا عتاب شاہی کے بعد تھانیسر کا کروڑی ہو جانا حیرت انگیز تھا لیکن بالآخر یہی تقرر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا، تھانیسر ہندوؤں کا ایک مقدس مقام تھا، ان لوگوں سے شیخ کی پہلے بھی کشمکش ہو

چکی تھی جو پھر تازہ ہو گئی ،اس دفعہ ان کے دشمنوں کا وار بڑا کاری تھا،اکبر ۱۵۹۸ء کے آخر میں لاہور کے طویل قیام کے بعد جنوب کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں تھانیسر میں مقیم ہوا' لوگوں ﴿ہندوؤں﴾ نے شیخ کے ظلم وستم اور خلقت آزاری کی شکایت کی اور بادشاہ کو اس کا قائل کر دیا، اکبران دنوں ان کروڑیوں کے ساتھ خاص سختی کر رہا تھا،اس نے سزائے موت کا حکم دیا، ﴿رود کوثر: ۲۳۹﴾ چنانچہ اسطرح بادشاہ کے حکم سے شیخ سلطان رحمۃ اللہ کو دو جمادی الآخر ۱۰۰۷ھ، کو تختہ دار پر شہید کر دیا گیا، شیخ سلطان کی شہادت کا واقعہ اکبر نامہ میں بھی مندرج ہے، ﴿جلد سوم: ۷۴۸﴾ شیخ سلطان نے بڑی شان کی زندگی بسر کی تھی، وہ برسوں ایک اہم علاقے کے کروڑی رہے جو اس زمانے میں بڑے رتبہ اور اقتدار کا عہدہ تھا، علمی اور ادبی حلقوں میں بھی ان کا اپنا مقام تھا، اہل دربار سے ان کے پرانے مراسم تھے، قرین قیاس ہے کہ ان کے تعلق قائم ہونے سے حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کا حلقہ اثر بھی وسیع تر ہو گیا ہو گا ﴿رود کوثر: ۲۴۱﴾ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ ابھی اس غم سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ پچیس دن بعد ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۰۷ھ کو ۸۰ سال کی عمر میں آپ کے والد گرامی حضرت مخدوم عبدالاحد رضی اللہ عنہ کا بھی وصال ہو گیا

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تحریری کارناموں کا آغاز:

اکبر کے تشکیک زدہ دور میں عقل پرستوں اور فلسفہ زادوں نے ختم نبوت ، شان صحابہ اور بالخصوص اللہ رب العزت کی توحید و تقدیس کے خلاف محاذ شروع کر رکھا تھا، الغرض شجر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے دور کے مذہبی تقاضوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور ان موضوعات پر کھل کر قلم اٹھایا، رسالہ اثبات النبوۃ شادی خانہ آبادی سے پہلے کی کاوش ہے، جس میں نبوت کے عظیم مقامات کو عقل و نقل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور اپنے دور کے فلسفہ زادوں کا ناطقہ بند کر دیا ہے، آپ کا جوش تحریر اور انداز تحقیق دیکھ کر امام غزالی اور امام رازی جیسے دانشواران دین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، شادی کے فوراً بعد

رسالہ رد روافض تحریر فرمایا، یہ رسالہ غالباً آپ کے سفر لاہور کی یادگار ہے اور اس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا جب عبد اللہ خان ازبک نے ۹۹۷ھ ہجری میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا، ہندوستان میں کئی شیعہ علما اس رسالے کے مضامین دہراتے تھے اور امرا کی مجلسوں میں انہیں بڑے فخر سے بیان کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ان مجلسوں میں ان کے فاسد خیالات کی تردید فرماتے تھے پھر انہیں خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ قلمبند کرنا چاہیے تاکہ عوام الناس میں بھی غلط فہمیوں کی گنجائش نہ رہے، اس کا اظہار انہوں نے رسالہ رد روافض کے مقدمے میں بھی کیا ہے، اس طرح آپ کا ایک اور مشہور رسالہ تہلیلیہ بھی ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ اقدس میں پہنچنے سے پہلے لکھا، چونکہ اس میں حضرت مجدد نے اپنے والد ماجد کے ساتھ ''قدس سرہ'' لکھا ہے، اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد لکھا گیا ہے، اس رسالے میں وحدت الوجودی خیال کے صوفیہ کی تصنیفات سے طویل اقتباسات ہیں لیکن بزرگان نقشبندیہ میں سے کسی کا ذکر نہیں، اس حقیقت سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ رسالہ حضرت خواجہ کی ارادت سے پہلے کا ہے، اس میں آپ نے توحید اور رسالت کے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، معجزات، اخلاق اور اوصاف کا ذکر ہے، اثبات النبوۃ اور رسالہ تہلیلیہ ایک صاحب نظر کا عطیہ ہیں، دونوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن اگر ان کا غور سے مطالعہ کریں تو ان میں لطیف فرق نظر آتا ہے، یہ دونوں رسالے ایک بلند پایہ عالم اور سچے محبّ اسلام کے لکھے ہوئے ہیں اور دونوں کی سطح بہت بلند ہے، اثبات النبوۃ میں صوفیانہ رنگ بہت ہلکا ہے اور رسالہ تہلیلیہ میں بڑا نمایاں ہے، ﴿رود کوثر: ۲۴۶﴾ آپ نے ان ابتدائی تحریری کارناموں سے اہل علم و فضل کے درمیان اپنی خداداد قابلیتوں اور باریک بینیوں کا لوہا منوا لیا اور بتا دیا کہ وہ ہی اس فتنہ انگیز دور میں اصلاحِ امت اور تجدیدِ ملت کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

اسفار دہلی کا خوشگوار مرحلہ:

۱۰۰۷ ہجری کا سال حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا رنج والم کا زمانہ تھا، دو پے در پے سانحوں کا آپ کو بہت صدمہ تھا، لیکن الفرح بعد الشدۃ کے مطابق بسا اوقات رنج

والم ہی رحمت الٰہی کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں، اگلے ہی سال خوبی قسمت آپ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئی، جن کے فیض صحبت سے آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، آپ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی مقدس بارگاہ میں تین مرتبہ حاضر ہوئے اور کمالات باطنی حاصل کیئے، ان اسفار دہلی کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

......﴿1﴾......

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دوسرے سال یعنی ۱۰۰۸ آواخر ربیع الثانی میں آپ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے ارادے سے روانہ ہوئے، دل میں دیار حبیب کی کشش کا عجیب عالم تھا، نگاہیں وصل محبوب کو تلاش کر رہی تھیں، دوران سفر دہلی پہنچے تو آپ کے محبّ صادق مولانا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کروایا، ان کے اوصاف وکمالات بیان کیے اوران سے ایک ملاقات کی تحریک دلائی، ان کے اصرار پر آپ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت نہ تھی کہ کسی سے اپنی کوئی خواہش ظاہر فرماتے، البتہ آپ سے انہوں نے خلاف عادت خانقاہ باقویہ میں چند یوم قیام کرنے کے لیے ارشاد فرمایا، یہ کمال شفقت کی دلیل تھی، انہوں نے آپ کے تمام احوال کا مشاہدہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مانا کہ آپ ایک مبارک سفر پر جا رہے ہیں، لیکن اگر چند روز فقرا کی صحبت میں رہیں تو کیا اچھا ہو، زیادہ دن نہیں کم از کم ایک ہفتہ یا ایک ماہ، اس میں کیا مضائقہ ہے'' ﴿زبدۃ المقامات، ۱۳۹﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے مشفقانہ اور دلبرانہ اصرار سے متاثر ہوکر وہاں کچھ روز بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا، یہ کچھ روز بڑھتے بڑھتے تین ماہ اور چند روز پر محیط ہو گئے، حتیٰ کہ رجب المرجب کا مہینہ آگیا، اس عرصے کے دوران حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے آثار تصرف نمودار ہو چکے تھے، اور آپ پر شوق انابت اور اخذ طریقہ نقشبندیہ نے غلبہ کیا یہاں تک کہ آپ نے ان سے بیعت کے لیے درخواست کی، جس کو مجرد عرض کرنے پر بلا استخارہ قبول فرمالیا اور آپ کو خلوت میں طلب کر کے ذکر قلبی تعلیم فرمایا، آپ کا دل فوراً ذاکر ہو گیا اور آرام وحلاوت ذکر قلبی اور التذاذ تمام حاصل ہوا، پھر یوماً فیوماً ترقیات عالیہ اور عروجات

متعالیہ ظاہر ہوتے رہے، آپ کی علمی اور روحانی قابلیت نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو قائل کر لیا جس کا انہوں نے اپنے رقعات میں کھل کر اظہار کیا ہے، چنانچہ ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ خرد رحمۃ اللہ علیہ رباعیات وشرح رباعیات میں لکھتے ہیں:

''حضرت مخدومی قبلہ گاہی شیخ احمد در دہلی بخدمت حضرت خواجہ بیرنگ قدس سرہ رسیدند، و در اندک مدت فتحہائے عظیم روئے نمودہ مے فرمودند، اول نفی و اثبات تعلیم کردند، چنداں در نگرفت، بعد از سہ چہار روز بآستانۂ حضرت خواجہ قطب الدین تشریف بردہ بودند ، آنجا طلبیدند و ذکر اسم ذات تلقین کردند، فی الفور اثر عظیم پیدا شد'' ﴿بحوالہ رود کوثر: ۲۴۸﴾

حضرت مجدد، حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے بڑے بڑے مشائخ سے خلافت واجازت حاصل کر چکے تھے اور ان کے سلوک وعرفان کی بلند وبالا منزلوں پر فائز تھے، باطنی استعداد کی سرزمین بہت زرخیز تھی، اس دوران ۱۵۹۹/۱۰۰۸ میں جب حضرت خواجگی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت عظمیٰ سے سرفراز کر کے دہلی جانے کا حکم دیا تو وہ لاہور اور سرہند سے گزرتے ہوئے دہلی پہنچے، جب سرہند سے گزرے تو انہیں دکھایا گیا کہ وہ ایک قطب وقت کے قریب اترے ہیں پھر اس قطب وقت کا حلیہ بھی دکھایا گیا، انہوں نے بہت تلاش کیا مگر وہ قطب وقت نہ مل سکے، اس طرح بات آئی گئی ہو گئی، جب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت کے لیے گئے تو انہیں دیکھتے ہی سرہند والا واقعہ یاد آ گیا اور آپ کو اس قطب وقت کے حلیے کے عین مطابق پایا، انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ بشارت آپ ہی کے متعلق تھی، اس وجہ سے بھی حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں آپ کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی، وہ آپ کے بہت زیادہ گرویدہ تھے، محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ طالب کون ہے اور مطلوب کون، محبّ کون ہے اور محبوب کون، مرید کون ہے اور مرشد کون، گویا من تو شدم تو من شدی والا معاملہ معرض وجود میں آ چکا تھا، ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی حاضر ہوتے وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ایک مبتدی نہ تھے بلکہ راہ معرفت کے منتہی تھے، صاحب مجاز شیخ طریقت اور سجادہ نشین تھے، بہت سے بزرگان دین کی دولتوں کے امین تھے، حضرت مجدد کی انہی سابقہ ترقیات اور بے پناہ صلاحیات کی

بدولت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے جو دیکھنے والوں کی نظر میں عجائبات سے کم نہ تھا، ادھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم استعداد ھل من مزید کا نعرہ بلند کر رہی تھی، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات اور نوازشات نے اس نعرے کا جواب دیا اور آپ کو عظیم روحانی بلندیوں پر فائز کر دیا، وہ بلندیاں کیا ہیں، ڈاکٹر محمد اقبال جیسے مفکر اسلام بھی اپنے انگریزی خطبات کے آخری خطبے میں اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جن مشاہدات اور تجربات کا ذکر فرمایا ہے جدید علم النفس اس ترقی و کمال کے باوجود ان کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا اور انہوں نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ ان کی مصطلحات کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنا انتہائی مشکل ہے، گویا آپ نے وہ مقام بلند حاصل کیا جس کی تعبیر و تشریح کے لیے دور حاضر کے ماہرین علم النفس بھی عاجز اور قاصر ہیں، ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۱۰۴﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی برکت و عنایت سے یہ مقامات منزل بہ منزل حاصل ہوئے:

⊙......آغاز تعلیم و ارشاد کے دو روز بعد کیفیت بے خودی پیدا ہوئی جس کو اصطلاح تصوف میں غیبت کہا جاتا ہے۔

⊙......پھر فنائے مصطلح حاصل ہوئی۔

⊙......اس کے بعد فنائے فنا۔

⊙......پھر مقام حیرت پر پہنچے اور حضور نقشبندیہ حاصل فرمایا جس کو حضور غیبی کہا جاتا ہے۔

⊙......اس کے بعد فنائے حقیقی حاصل ہوئی۔

⊙......پھر مقام جمع الجمع پر پہنچے۔

⊙......اس کے بعد آخری منزل مقام فرق بعد الجمع پر رسائی حاصل کی، مشائخ طریقت اس کو مقام تکمیل کہتے ہیں اور یہی مقام سالک کی سعی و آرزو ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کاملہ میں جو کچھ پایا

اس کی تفصیلات آپ نے اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ بیان فرمائی ہیں، چند ایک کا خلاصہ پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں:

''اس درویش کو جب اس راہ کی لگن ہوئی تو حق تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور یہ فقیر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا، آپ خاندان نقشبند کے عظیم خلیفہ ہیں، آپ نے ذرا اسم ذات کی تعلیم فرمائی اور توجہ دی جس سے دل میں بڑی لذت محسوس ہوئی اور ازدیاد شوق کی بدولت رقت طاری ہوگئی، ایک روز کے بعد کیفیت بے خودی پیدا ہوگئی جو ان اکابر کے ہاں معتبر ہے اور اُس کا نام غیبت ہے، اس عالم میں ایک وسیع و عریض سمندر دیکھتا تھا جس میں تمام شکلیں سائے کی طرح نظر آتی تھیں، یہ بے خودی رفتہ رفتہ غالب آنے لگی، ایک پہر کبھی دو پہر کبھی رات بھر اس بے خودی میں گزر جاتی، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو فرمایا: ''ہاں کچھ فنا حاصل ہوگئی ہے، چنانچہ آپ نے ذکر کی ممانعت فرما دی اور فرمایا: آگاہی پر نظر رکھو، دو روز کے بعد فنائے مصطلح حاصل ہوگئی، اس کا ذکر کیا تو فرمایا اپنے کام میں مشغول رہو، اس کے بعد فنائے فنا حاصل ہوگئی، جب اس کا ذکر کیا تو دریافت فرمایا کہ کیا سارے عالم کو ایک دیکھتے ہو اور متصل پاتے ہو، عرض کیا، جی ہاں! فرمایا: فنائے فنا میں معتبر کیفیت تو یہ ہے کہ اتصال دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو جائے، چنانچہ اسی رات اسی قسم کی فنائے فنا حاصل ہوئی تھی، اس کا ذکر بھی کیا اور عرض کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں اپنے علم کو حضوری محسوس کرتا ہوں، اس کے بعد وہ نور جو تمام اشیائے عالم پر چھایا ہوا تھا، ظاہر ہو گیا اور میں اس کو خدا سمجھا، اس کے نور کا رنگ سیاہ تھا میں نے اس کیفیت کا آپ سے ذکر کیا تو فرمایا: حق مشہود ہے لیکن پردۂ نور

میں، آپ نے یہ بھی فرمایا: جو انبساط اس نور میں دکھایا جاتا ہے، وہ انبساط علم ہے، اب نفی اثبات کرنی چاہیے، اس کے بعد وہ نور سیاہ جو پھیلایا ہوا تھا، سکڑنا شروع ہوا اور سمٹنے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ بن کر رہ گیا، جب اس کیفیت کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: اس نقطے کی بھی نفی کرو اور مقام حیرت پر پہنچو، ایسا ہی کیا گیا، چنانچہ وہ نقطہ موہوم بھی درمیان سے ہٹ گیا اور میں مقام حیرت پر پہنچ گیا، یہاں شہود حق سبحانہ خود بخود میسر آتا ہے، جب اس کیفیت کے متعلق عرض کیا گیا تو فرمایا: ہاں، یہی حضور، حضور نقشبندیہ ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور سے عبارت ہے اور اس حضور کو حضور غیبی کہا جاتا ہے، اس فقیر کو یہ نسبت عزیز الوجود آغاز تعلیم سے دو ماہ اور چند روز کے اندر اندر حاصل ہوگئی اور دل میں وہ وسعت پیدا ہوگئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام عالم اس کے مقابلے میں رائی کے برابر بھی نہ ہوگا، اس کے بعد ہر وجود کائنات بلکہ ہر ذرے میں خدا کا مشاہدہ ہونے لگا، پھر کیفیت یہ ہوئی کہ عالم کے ہر ذرے کو فرداً فرداً عین خود پاتا اور خود کو عین ہمہ، یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرے میں گم پایا، اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرے کو اس قدر وسیع وعریض مشاہدہ کیا کہ تمام عالم بلکہ دو گنے عالم کی بھی اس میں گنجائش ہوگی، اپنے وجود اور کائنات کے ذرے ذرے کو نور ہی نور پایا جو اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ عالم کی تمام اشکال وصور اس میں گم تھیں، اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرے کو مقوم تمام عالم پایا، جب اس کیفیت کے متعلق عرض کیا تو فرمایا: ''توحید میں مرتبہ حق الیقین یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام سے عبارت ہے'' اس کے بعد عالم کی صور واشکال کو جیسا کہ ابتدا میں حق محسوس کیا تھا اب ان کو موہوم پایا، ہر ذرے کو حق پایا اور بغیر کسی تفاوت وتغیر کے اسی ذرے کو

موہوم پایا، اس کیفیت نے بڑی حیرت میں ڈال دیا، اسی اثنا میں فصوص الحکم کی عبارت جو اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھی مجھ کو یاد آ گئی، شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر میں چاہوں تو کہوں کہ عالم حق ہے، اگر چاہوں تو کہوں کہ عالم خلق ہے، اگر میں چاہوں تو کہوں کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے خلق، اگر میں چاہوں تو کہوں کہ میں دونوں میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے متحیر ہوں'' یہ عبارت اس عالم اضطراب میں مسکن ثابت ہوئی، اس پر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہو تا کہ موجود و موہوم کا فرق ظاہر ہو جائے'' میں نے فصوص الحکم کی مذکورہ بالا عبارت سنائی جس میں عدم غیر ہی کو کمال سے تعبیر کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''شیخ نے مکمل کیفیت بیان نہیں فرمائی'' لہذا میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا، پھر حق تعالیٰ نے دو روز کے بعد ہی موجود و موہوم کا فرق ظاہر فرما دیا اور میں نے وجود حقیقی کو وہمی اور خیالی اشیاء سے ممتاز کر لیا اور صفات و افعال و آثار کو ﴿خارج ذات﴾ موہوم ہی پایا اور خارج میں سوائے ایک ذات وجود کے کسی کو نہ پایا، جب یہ عرض کیا تو فرمایا: ''یہ مقام فرق بعد الجمع ہے اور یہی منتہائے سعی کا مقام ہے، اس مقام کو مشائخ طریقت مقام تکمیل کہتے ہیں'' ﴿ملخصاً انوار العارفین: ۴۴۸ تا ۴۴۹، مکتوبات ۲۹۰: ا، سیرت مجدد الف ثانی: ۱۰۵ تا ۱۰۸﴾

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار پر انوار کے بعد آپ کو یقین محکم ہو گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ روحانی کمالات اور ترقیات سے مالا مال کرنا ہے اور آپ کا مستقبل انتہائی تابناک ہے، آپ سے احیائے دین اور تجدید ملت کا کام لینا ہے چنانچہ آپ نے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ سے اس یقین محکم کا اظہار بھی فرمایا: ''جس روز سے فقیر نے اپنے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالی میں تعلیم شروع کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ

سبحانہ اپنے کرم محض سے طریقت کی معراج تک پہنچائے گا، ہر چند کہ اپنے اعمال پر نظر جاتی تھی تو اس یقین کی نفی کرتا تھا مگر چین نہیں آتا تھا اور زبان پر یہ شعر رہتا تھا ؎

ازیں نورے کہ از تو بردلم تافت
یقیں دانم کہ آخر خواہمت یافت

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم چار آدمی جملہ مریدوں میں ممتاز طور پر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، ہر شخص کا حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق اور اعتقاد علیحدہ علیحدہ تھا، میرا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی صحبت اور تربیت وارشاد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہری کے بعد ہرگز پیدا نہیں ہوئی اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف نہیں ہوا لیکن ہزار ہزار شکر کہ اس سعادت سے محروم بھی نہیں رہا، ﴿مبدا و معاد﴾

اس فرمان سے معلوم ہوا کہ شیخ کامل اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب کامل ہے اور اس کی صحبت بابرکت سے فیضان نبوت کے سرچشمے نصیب ہوتے ہیں اور وہ اپنی نگاہ کیمیا سے وہی جام معرفت پلاتا ہے، حضرت مجدد اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہما ہم عمر تھے لیکن چونکہ دونوں کے درمیان ایک تقدس مآب رشتہ قائم تھا اس لیے وہ ان کا از حد ادب واحترام کرتے تھے، حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک روز مجھے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ضرورت سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو بلانے کے لیے بھیجا، جونہی میں نے جا کر کہا کہ آپ کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ طلب فرماتے ہیں تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ خوف کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور تمام بدن میں اضطراب پیدا ہو گیا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ سنا کرتے تھے ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی''، لیکن آج دیکھ بھی لیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں آداب شیخ کا بڑے اچھے انداز سے ذکر فرمایا ہے مثلاً شیخ کی طرف پاؤں نہ کیے جائیں...... شیخ کی بات نہ ٹوکی جائے...... شیخ کے مصلے پر بھی نماز نہ پڑھی جائے...... شیخ کی جگہ نہ بیٹھا جائے...... شیخ کی بارگاہ میں نفل ادا نہ کیے جائیں بلکہ فرض نماز کے بعد اس کی خدمت میں مصروف عمل رہا جائے اور اس کے احکام کو توجہ کے ساتھ سنا جائے وغیرہ وغیرہ، ان آداب شیخ پر سب سے زیادہ آپ

خود عمل فرماتے ہوں گے کیونکہ آپ کا فعل اور قول ایک جیسا تھا، آپ کے حسن عقیدت کا صرف ایک منظر دیکھئے، آپ نے اپنے مخدوم زادے خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہما کے نام ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے:

''یہ فقیر آپ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات میں سراپا غرق ہے، راہ طریقت میں الف، ب کا سبق انہی سے لیا ہے، اس راہ کے حروف کی ہجا کرنا بھی انہی سے سیکھا ہے، ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت بھی انہی کے فیض صحبت سے پائی ہے، سفر در وطن کی سعادت بھی انہی سے ملی ہے، ان کی توجہ نے تقریباً اڑھائی ماہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا حضور عطا فرما دیا، اس قلیل مدت کی تجلیات، ظہورات اور انوار کو بیان کروں تو کیا کروں......ان بزرگوں کا کارخانہ نہایت بلند ہے، اس کو زراقی اور رقاصی سے کیا مناسبت، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی اعلیٰ دولت جو اس فقیر کو ملی ہے اس کے عوض اگر وہ ساری عمر اپنے سر کو اپنے صاحبان کے عتبۂ عالیہ کے خدام سے پامال کراتا رہے تو بھی ہیچ ہے، یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کا کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے'' ﴿مکتوبات ۱:۲۶۶﴾

گر بر تن من زباں شود ہر موئے

یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے احسان و اکرام کو بھی پوری طرح یاد رکھا، ایک مکتوب گرامی میں اس موصوف کو فرماتے ہیں:

''فقیر آپ کی عنایات کا شکر ادا کرنے سے قاصر اور احسان کا بدلہ اتارنے سے عاجز ہے، یہ سارے مشاہدات و کمالات آپ کے اسی احسان پر مبنی ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں، آپ کے طفیل وہ انعام دیا گیا ہے جو شاید ہی کسی نے

دیکھا ہو اور آپ کے وسیلے سے وہ لطف ملا ہے جس کا مزہ شاید ہی کسی نے چکھا ہو'' ﴿زبدۃ المقامات:۱۳۵﴾

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کیں کیونکہ انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں اسلامی انقلاب کے لیے میدان عمل میں آنا تھا، مثلاً ایک زمانے میں جب وحدۃ الوجودی رنگ غالب تھا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رباعی آپ کی خدمت میں پیش کی۔

اے دریغا کیں شریعت ملت آبائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایماں ہر دو زلف و روئے آں زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

اس مرشد کامل نے فوراً انہیں ٹوکا اور ایک خط میں سختی سے سرزنش فرماتے ہوئے لکھا: ''وہ رباعی ملحدانہ جو آپ نے لکھی تھی بہت ہی ناسمجھی پر مبنی ہے، ایسی رباعی کے کہنے والا ہرگز مقبول نہیں ہوسکتا، ادب کو نگاہ میں رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ بڑا غنی اور غیرت مند ہے'' اسی طرح آپ کے کشفی واقعات اور روحانی مقامات کے عروج کے سلسلے میں قدم قدم پر حضرت خواجہ کی ہدایت آپ کے ساتھ تھی، وہ مسلسل آپ کو ان اسرار و رموز کے اخفا کی تلقین فرماتے تھے چنانچہ آپ کے مکتوب ہفتم کے جواب میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم صادر فرمایا: ''اسرار کو محفوظ رکھیں یعنی حضرت ختم الخلافت کے ساتھ ان مقامات کو جو خصوصیت ہے وہ ظاہر نہ کریں ایسا نہ ہو کہ لوگ غلطی میں پڑ جائیں اور ان کے عقیدے خراب ہو جائیں، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ جب انہوں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو سرہند کی طرف رخصت کیا تو نصیحت فرمائی:

''نسبت کو حتیٰ المقدور پوشیدہ رکھنا، صبح کی نماز سے اشراق کی نماز تک جائے نماز پر بیٹھنا لیکن حلقہ نہ کرنا، اس کے بعد علوم دینی کا درس دینا، اکثر اوقات تصحیح کتب اور مطالعہ کتب میں مشغول رہنا، اگر سخن کا اتفاق ہو تو بطور علما

کے کہنا، بطور صوفیہ کے نہ کہنا، اگر احیاناً بطور صوفیہ کے کچھ کہا جائے تو اجمال اور اغلاق کے ساتھ کہنا تا کہ جسے خطاب کرنا منظور ہو وہی سمجھے اور دوسرا اس سے کوئی ایسی چیز اخذ نہ کرے جو اس کی لغزش کا باعث ہو'' ﴿رود کوثر: ۲۵۰﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس سفر مبارک سے واپس سرہند آ گئے، تو آپ نے بطور تحدیث نعمت فرمایا: ''باز آمدیم باصد ہزار خلعت وفتوح'' اور حضرت خواجہ کی ہدایات وارشادات کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کر دی، طالبین ہدایت اور سالکین ارشاد کی تربیت کا آغاز کر دیا اور خود بھی روحانی مقامات کے عروج کی طرف مائل ہو گئے، آپ کی روحانی توجہات کے چشمۂ صافی نے ہزاروں تشنہ کاموں کو سیراب کرنا شروع کر دیا، اسطرح سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ ہوتا چلا گیا، ادھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے حلقہ احباب میں آپ کا تعارف انتہائی خوبصورت الفاظ میں کروانا شروع کر دیا، صرف ایک منظر ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

''شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں، بہت بڑے عالم اور عامل ہیں، فقیر نے چند روز ان کے ساتھ بسر کیے تو بہت سی عجیب باتیں مشاہدہ کیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر وہ ایک ایسا چراغ بن جائیں گے جس سے جہان روشن ہوں گے، الحمدللہ ان کے احوال کامل کو دیکھ کر مجھے اس امر کا یقین ہے، شیخ موصوف کے بھائی اور رشتے دار سب کے سب نیک اور صالح ہیں اور طبقۂ علما میں شامل ہیں، ان میں سے چند ایک سے اس دعا گو نے ملاقات بھی کی ہے، وہ جواہر عالیہ ہیں اور عجیب صلاحیتوں کے مالک ہیں، شیخ مذکور کے صاحبزادگان جو ابھی بچے ہیں، اسرار الٰہی ہیں، وہ ایک ایسا شجر طیبہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب خوب بڑھایا ہے'' ﴿زبدۃ: ۱۴۵﴾

یہ مکتوب گرامی انہوں نے دربار اکبری کے اہم ترین رکن کے نام تحریر کیا ہے جس سے مقصود آپ کا امرائے وقت کے نزدیک تعارف کروانا ہے، گویا وہ جہاں آپ کو

آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہے تھے وہاں آپ کے لیے فضا کو سازگار بنا رہے تھے، تاکہ آپ کے تجدیدی کام میں آسانیاں پیدا ہو جائیں، یہ مکتوب گرامی ۱۰۰۸ اور ۱۰۱۲ کے درمیانی عرصے میں لکھا گیا ہے، گمان غالب یہی ہے کہ ابتدا ہی میں لکھا گیا ہو گا، بہر حال اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کامل کی نظر میں اس مرید کامل کا مقام کیا تھا، علاوہ ازیں اور بھی بہت سے مقامات پر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے، ایک جگہ تو یہاں تک لکھتے ہیں، فقیر نے دیکھا کہ ایک بڑا چراغ روشن کیا گیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی بڑھتی گئی ہے، لوگ ہزاروں چراغ اس سے روشن کر رہے ہیں حتیٰ کہ میں سرہند کے قریب پہنچا تو وہاں کے دشت و در کو چراغوں سے منور پایا، یہ اشارہ بھی تمہاری ہی طرف تھا، ﴿بحوالہ زبدۃ المقامات: ۱۴۱﴾

......﴿2﴾......

سرہند شریف میں کچھ دیر قیام فرمانے کے بعد آپ دوسری مرتبہ عازم دہلی ہوئے، تاکہ پیر کامل کی زیارت وصحبت سے شاد کام ہو سکیں، غالباً یہ سفر رمضان المبارک ۱۰۰۹ ہجری، اپریل ۱۶۰۱ عیسوی میں کیا گیا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ اس نے دو تین مجالس ﴿بابت یکم صفر، دوم صفر اور ششم صفر﴾ کے ارشادات بغیر اجازت لکھ لیے تھے لیکن جب انہیں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تو انہوں نے منع کر دیا لیکن کوئی آٹھ مہینے کے بعد قسمت نے یاوری کی یعنی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جو حضور کے مقربوں اور مقبولوں میں سے ہیں، کسی تقریب پر حاضر ہوئے اور دوبارہ اس ضروری کام کے قبولِ کرنے کی درخواست کی، شیخ کی سفارش سے یہ درخواست منظور ہوئی، اس کے بعد گیارہ رمضان ۱۰۰۹ یعنی ۱۶ اپریل ۱۶۰۱ کے واقعات درج ہیں، ادھر حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں سفر دہلی کے ارادے کا اظہار فرمایا ہے اور مکتوب ۱۵۱ میں دہلی میں ہلال رمضان دیکھنے کا ذکر کیا ہے، اس سفر کے دوران آپ ایک مدت تک بارگاہ شیخ میں حاضر رہے اور پہلے سے کہیں زیادہ ترقی فرمائی، ﴿زبدۃ المقامات: ۱۴۸﴾ اس دوران عالی ظرف شیخ اور بلند استعداد مرید کے درمیان محبت وارادت، اخلاص و مروت، ادب واحترام کا وہ منظر دیکھنے میں آیا جس کو دنیائے طریقت میں عجائبات روزگار میں شمار کیا جاتا ہے، صاحب مرآۃ العالم اور

صاحب مرأۃ جہان نے بھی اسی قسم کا اظہار کیا ہے، خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ان دونوں کے درمیان جس قسم کی رسم محبت ہے وہ شاذ و نادر ہی کسی نے سنی ہوگی، یہ دنیا کے عجائبات میں سے ہے، اہل نظر دیکھ دیکھ کے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں، خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک مشاہدہ نقل فرماتے ہیں:

''ایک روز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حجرے میں تخت پر آرام فرما تھے، حضرت خواجہ مزاج پرسی کے لیے خود دروازے پر تشریف لائے، خادم نے چاہا کہ وہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو جگا دے مگر آپ نے اصرار کے ساتھ منع فرما دیا اور نیاز و ادب کے ساتھ انتظار کرتے رہے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھل گئی تو انہوں نے باہر آہٹ سن کر آواز دی ''کون ہے؟'' حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ادب کے ساتھ فرمایا: ''فقیر محمد باقی'' حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ آواز سنتے ہی نہایت اضطراب کے ساتھ تخت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر آکر عجز و انکسار کے ساتھ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں بیٹھ گئے'' ﴿زبدۃ المقامات:۱۵۴﴾

وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند تشریف لے آئے اور وہاں بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، دور و نزدیک سے بے شمار طالبان حقیقت اور راہروان طریقت آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہوتے رہے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو شخص بھی داخل سلسلہ ہونے کے لیے آتا تو وہ فوراً اسے آپ کی طرف متوجہ کرتے تھے، اس امر سے ایک طرف تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے کمال محبت کا ثبوت ملتا ہے اور دوسری طرف آپ کے کمالات باطنی اور فیوضات سرمدی کا اندازہ ہوتا ہے، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

''ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تک طالبان طریقت کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے جب تک ہمارا معاملہ انتہا تک نہیں پہنچ گیا، ہماری

تربیت سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے مشیخت کی ساری ذمہ داریاں ترک کر کے طالبان طریقت کو ہمارے حوالے کر دیا اور فرمایا، ہم بخارا اور سمرقند سے یہ بیج لائے تھے اور ہندوستان کی متبرک زمین میں اس کو بو دیا'' ﴿زبدة المقامات:۱۵۶﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان کی تائید و تصدیق حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب و بیانات میں موجود ہے، انہوں نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے کہ جناب سیادت مآب امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ نے طلب ظاہر کی تھی، چونکہ تقاضائے وقت کے مطابق نہ تھا کہ میں ان کو مرید کرتا، اس لیے ان کی تضییع اوقات کو مسلمانی کے منافی خیال کیا اور تمہارے پاس بھیج دیا، ان شاء اللہ وہ اپنی استعداد کے مطابق بہرہ مند ہوں گے اور توجہ خاص اور لطف کامل سے بہرہ اندوز ہوں گے، ﴿ایضا:۱۵۴﴾ اسی طرح حضرت خواجہ کا ایک اور فرمان بھی بہت مشہور ہے، میں نے ان تین چار سالوں میں پیری نہیں کی بلکہ ایک کھیل کیا ہے مگر الحمد للہ کہ میرا کھیل اور دکانداری ضائع نہیں گئی کہ ایک شخص ظاہر ہوا، پھر فرمایا کہ شیخ احمد کی مانند آج زیر فلک کوئی نہیں ہے، واضح رہے کہ جمعۃ المبارک ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۰ھ کا مبارک دن تھا جب آپ کو تجدید دین کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی اور اسی سال سوموار ۲۷ رمضان المبارک کو خلعت قیومیت سے سرفراز کیا گیا، آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی کو مشاہدہ کیا، ایسا معلوم ہوا کہ تمام ممکنات عالم کی قیومیت کی خلعت ہے، جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وارثت و تبعیت سے عطا ہوئی ہے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اپنے دست مبارک سے آپ کے سر اقدس پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارکباد دی، قیومیت کی کیفیت آپ کے مکتوبات ۳:۹۷ میں درج ہے، اگلے سال سنہ ۱۰۱۱ھ میں حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ خلافت عطا فرمایا جو ان کے سلسلہ طریقت میں بطور امانت چلا آیا تھا، آپ اسکو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد نکلے تو اپنے محرمان اسرار سے فرمایا کہ اسکے پہننے سے عجیب معاملہ رونما ہوا ہے، حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام خلفا تشریف لائے اور اپنی خاص نسبتوں کے انوار واسرار سے مجھے

منور کر دیا، یہ طویل واقعہ ہے کسی اور مقام پر رقم کیا جائے گا، ہزارہ دوم کی مجددیت اور ممکنات عالم کی قیومیت کی بدولت آپ مخلوق خدا کی نگاہوں کا مرکز آرزو بن گئے۔

......﴿3﴾......

حضرت قیوم زمانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام میں دہلی تشریف لے گئے، یہ سنہ ۱۰۱۱ھ اور سنہ ۱۰۱۲ھ کا درمیانی عرصہ تھا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے شہر کے دروازہ کابلی پر آ کر آپ کا نہایت والہانہ استقبال فرمایا، انہوں نے بطور کشف ادراک فرما کر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب میرے بدن میں آثار ضعف و ناتوانی بہت ہو گئے ہیں اور اب حیات کی امید کم باقی ہے، اس مرتبہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے الطاف وعنایات کی حد کر دی، وہ جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تھے تو طالبان حق اور حاضران مجلس سے فرماتے تھے کہ حضرت مجدد کے سامنے میری تعظیم نہ کرو، اپنے دو شیر خوار صاحبزادوں، خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کو طلب فرمایا اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر توجہ ڈالنے کا حکم دیا، پھر ان کی والدات پر بھی توجہ ڈالنے کے لیے ارشاد فرمایا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاحبزادوں کے نام اپنے مکتوب گرامی میں بھی یہ واقعہ لکھا ہے:

> "اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے در دولت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے، جب آخری بار زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب ہے، زندگی کی امید بہت کم ہے، تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا، پھر آپ دونوں کو طلب فرمایا، آپ اس وقت شیر خوار تھے اور اس فقیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے میں نے ان کے سامنے آپ کو توجہ دی حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر ظاہر ہوا، اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ ان کی والدات کو بھی غائبانہ توجہ دو، چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی، امید ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے اثرات ظاہر ہوئے ہوں گے" ﴿مکتوبات، ۱:۱۶۶﴾

اس سفر کے دوران حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے کمال محبت سے یہ بھی فرمایا کہ میاں شیخ

احمد کے طفیل ہمیں معلوم ہوا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہی ہے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ظاہری میں یہ آپ کا آخری سفر دہلی تھا، دہلی سے واپسی پر آپ نے چندروز سرہند شریف میں قیام فرمایا اور اس کے بعد حضرت پیر بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق لاہور تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم وارشاد کا سلسلہ جاری کیا۔

قیام لاہور کے واقعات:

اس زمانے میں بھی لاہور عظیم الشان علما اور صوفیہ کا مسکن تھا، یہ شہر ابتدائی دور میں قبۃ الاسلام کہلاتا تھا لیکن منگولوں کی تباہ کاریوں کے بعد عرصہ تک نیم ویران حالت میں رہا، اب اس شہر نے قلعہ اکبری اور دوسری عمارتوں کی تعمیر سے نئی رونق پائی تھی، آگرہ اور سیکری کے مقابلے میں یہاں اسلامی اثرات زیادہ زوروں پر نمودار ہوئے تھے، قلیج خاں نے اپنے دور حکومت میں یہاں تقویت دین اور ترویج اسلام کی بڑی کوشش کی، وہ اس وقت برسر اقتدار تھا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب گرامی میں اس کو مخاطب فرمایا ہے:

> ''در بلدہ معظّمہ لاہور بہ وجود ایشاں بسیارے از احکام شرعیہ دریں طور زمانہ رواج پیدا کردہ است وتقویت دین وترویج ملت دراں بقعہ حاصل گشتہ است وآں بلدہ نزد فقیر ہمچو قطب ارشاد است نسبت بہ سائر بلاد ہندوستان، خیر وبرکت آں بلدہ بہ جمیع بلاد ہندوستان ساریست ،اگر آنجاں ترویج دین است در ہمہ جانحوے از رواج متحقق است ،حق تعالیٰ مؤیدوناصر ایشاں باد'' ﴿مکتوبات،۱:۶۷﴾

> ''یعنی شہر لاہور میں آپ کے وجود سے بہت سے احکام شرعی اس زمانے میں جاری ہو گئے ہیں اور اس جگہ دین کی تقویت اور ملت کی ترویج حاصل ہوگئی ہے، یہ شہر فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں کی نسبت قطب ارشاد کی طرح ہے، اس شہر کی خیر وبرکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے، اگر وہاں ترقی ہے تو سب جگہ ترقی متحقق ہے،

حق تعالیٰ آپ کا مددگار اور معاون ہو"

لاہور میں بڑے بڑے فضلائے روزگار نے آپ سے استفادہ کیا، ہزاروں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، بالخصوص مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، مولانا جمال تلوی جیسے علما نے بھی آپ کے چشمہ صافی سے فیضان حاصل کیا، مولانا جمال تلوی کو مولانا عبدالقادر بدایونی نے ''اعلم العلما'' کے لقب سے یاد کیا ہے، انہوں نے آپ سے مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق سوال کیا، اپنے شبہات بیان کیے اور ان کے حل کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ان کے کان میں مختصراً کچھ بیان کیا جس سے ان کا رنگ متغیر ہو گیا، گویا قال کو حال میں تبدیل کر دیا، بعدازاں اس مسئلے پر اپنے رسالہ جات اور مکتوبات میں تفصیل سے روشنی ڈالی اور وحدۃ الوجود سے بالاتر وحدۃ الشہود کا مقام متعین فرمایا، لاہور کے شب و روز آپ کے فیوضات و کمالات سے سرشار ہو رہے تھے، تشنگان معرفت کی پیاس بجھ رہی تھی کہ اچانک وحشت اثر خبر موصول ہوئی جس نے آپ کی زندگی میں غم و اندوہ کا رنگ بھر دیا، وہ خبر آپ کے شیخ بزرگوار کے وصال کی تھی، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ نومبر ۱۶۰۳ بمطابق ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے تھے، آپ اپنی تمام مصروفیتوں کو کالعدم کر کے فوراً عازم دہلی ہوئے۔

دہلی کا چوتھا اور پانچواں سفر:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ چوتھا سفر تھا، سرہند شریف راستے میں تھا مگر آپ بالکل نہ رکے بلکہ مکان کی شکل تک نہ دیکھی اور شبانہ روز چل کر دہلی پہنچ گئے، وہاں شیخ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار کی زیارت کی، فاتحہ خوانی کی اور اہل خانہ کی تعزیت سے فارغ ہو کر سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد پانچویں مرتبہ عرس مبارک کے موقع پر اگلے سال یعنی ۱۰۱۳ ہجری کو بارگاہ مرشد حقانی کی حاضری کا شرف حاصل کیا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ نے تجدید دین وملت کا کام بہت زیادہ لگن کے ساتھ شروع کر دیا لیکن اکبر بادشاہ کے جبر واستبداد کی وجہ سے یہ کام کھل کر نہ کیا جا سکا، تاہم اس کے انتقال ۱۷ جمادی الآخر ۱۰۱۴ ہجری بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ عیسوی کے بعد آپ نے اپنے اصلاحی و تبلیغی مشن کی تکمیل کے لیے ملک اور بیرون ملک کے طول و

عرض میں اپنے خلفا کرام اور مریدین عظام کو خوب پھیلا دیا جو جگہ جگہ آپ کی تعلیمات کو عام کرنے لگے، اس طرح مخلوق خدا کو راہنمائی دولت نصیب ہونے لگی۔

چند برادران طریقت کا انحراف:

دہلی کے چوتھے اور پانچویں سفر کے دوران یہ افسوسناک مرحلہ بھی درپیش ہوا کہ آپ کے چند برادران طریقت نے آپ کے کمالات باطنی اور درجات روحانی کا انکار کرنا شروع کر دیا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس انکار و انحراف کا بھرپور اندازہ تھا، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ کوئی بات کہیں تو عالمانہ انداز سے کہیں، صوفیانہ انداز سے کہنا ہو تو اظہار اتنی پیچدگی سے کریں کہ سوائے مخاطب کے کوئی دوسرا نہ سمجھے اور اس تحریر سے کوئی بات اڑا کر نہ لے جائے جو موجب ذلت و رسوائی ہو، ﴿کلمات طیبات:۳۹﴾ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی پوری طرح احساس تھا، جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا ہے، سبحان اللہ! اس قسم کے عجیب وغریب معارف مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں جن کو سن کر عجب نہیں کہ ابنائے جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی مخالفت کے درپے ہو کر نامحرم اور مجرم بن جائیں، ﴿مکتوبات، ۳:۸۸﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض برادران طریقت کے متعلق حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ وہاں کے یاروں میں سے بعض یار مقربین کے طریق کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے، ان کے حال کے موافق ابرار کا طریق ہے، غرض جو یقین کہ انہوں نے حاصل کیا ہے، وہ بھی غنیمت ہے، اسی طریق پر حکم فرمانا چاہیے، ہر کسے راہ بہر کارے ساختند مفصل طور پر ان کے نام اس واسطے لکھنے کی جرأت نہ کی کہ حضور سے مخفی نہ ہوں گے، ﴿مکتوبات، ۱:۳﴾ گویا وہ محدود قابلیتوں والے افراد آپ کی علوہمتی اور بلند پروازی کا ساتھ کیسے دے سکتے تھے، اس لیے آپ کا یہ اندیشہ بالکل درست ثابت ہوا، اپنے برادران طریقت میں سے جناب شیخ تاج الدین سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے انحراف کا راستہ اختیار کر لیا، دیگر کئی حضرات بھی ان کے ہمنوا بن گئے، اگر ان کی اس رنجش اور انحراف کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے خلافت مل چکی تھی، وہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے طالبان طریقت کے احوال سماعت کیا کرتے تھے، جب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ داخل سلسلہ ہوئے تو ان کے

احوال حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ خود سماعت فرماتے تھے، یہ بات شیخ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم نہ تھی، ایک روز انہوں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم اپنے احوال کیوں نہیں بتاتے، آپ نے فرمایا، میرے حالات اس قابل نہیں کہ بیان کیے جائیں، جب انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے اپنا ایک خواب بیان فرما دیا کہ آپ شیخ تاج الدین کی طرف متوجہ ہیں اور تصرف سے ان کو ایسا بے خود کیا ہے کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے ہیں، یہ خواب سنتے ہی ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور چہرہ فق ہو گیا، ﴿زبدۃ المقامات:۱۴۶﴾ علاوہ ازیں اور بھی وجوہات تھیں مثلاً حضرت خواجہ کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی استفادہ کیا ہے، پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے لیے آداب طریقت بجالانا اور کئی امور شیخ تاج الدین اور دیگر حضرات کے لیے باعث رشک ہوئے ہوں گے، پھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کئی مریدین نے حضرت خواجہ اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہما کے باہمی تعلقات کو از راہ تفاخر بیان کیا ہو گا جس سے رنجش اور انحراف کی فضا پیدا ہو گئی ہو گی، شیخ تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شیخ الہ داد رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے بھی خانقاہ کی بہت سی خدمات تھیں، وہ بھی آپ کے خلاف تھے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا بیان ہے:

''آخری ملاقات میں حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر کو فرمایا تھا کہ تم تجویز کرو کہ شیخ الہ داد ہماری طرف سے جا کر بعض طالبوں کو مشغولی ذکر کے لیے کہے اور بعض کے احوال ہم تک پہنچائے کیونکہ اپنے حضور میں ﴿لوگوں کو﴾ بلانے، ذکر بتلانے اور احوال پوچھنے کی ہم میں طاقت نہیں رہی، فقیر اس بارے میں بھی متردد تھا لیکن پھر ضروری معلوم ہوا تو فقیر نے بھی اس تجویز کو پسند کیا'' ﴿مکتوبات،۳۲:۱﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخ الہ داد کی یہ خدمت طالبان حق صرف ایلچی گری کی قسم سے تھی اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ظاہری تک مخصوص تھی مگر خانقاہ باقویہ کے مقیم حضرات کا خیال تھا کہ انہوں نے یہ مقام مستقلاً شیخ الہ داد کو عطا فرما دیا ہے، اس طرح یہ اختلاف شخصی نوعیت کا بھی تھا اور نظریاتی نوعیت کا بھی تھا جیسا کہ شیخ حسام الدین کو

آپ نے مخاطب فرمایا ہے:

''آپ نے فرمایا تھا کہ پیر دستگیر خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت باقی رہتی ہے یعنی زیادتی اور نقصان قبول نہیں کرتی، میرے مخدوم! ہر فن کی تکمیل بہت سے فکروں کے ملنے سے ہوتی ہے، جونحو کہ سیبویہ نے وضع کیا تھا، متاخرین کی فکروں نے اس کو دس گنا زیادہ کر دیا ہے، اسکا اصلی حالت میں رہنا عین نقصان ہے، جونسبت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ رکھتے تھے، حضرت خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نہ تھی، خاص کر ہمارے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس نسبت کو کامل کرنے کے درپے رہتے تھے اور اسکو بھی تمام و کمال نہیں اس نسبت کو کہاں تک لے جاتے، اس نسبت کے زیادہ ہونے میں کوشش نہ کرنا مناسب نہیں'' ﴿مکتوبات، ۳۲:۱﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہ داد کو اس اہم اور بلند کام کے اہل تصور نہیں کرتے تھے جبکہ آپ کے دہلوی پیر بھائی اپنے خیال پر کچھ عرصہ قائم رہے لیکن اس دوران آپ نے حسب معمول اپنی بلند ہمتی سے کام لیا اور ان اختلافات کو قطع تعلقی کا باعث نہ ہونے دیا، اس خط میں خواجہ حسام الدین کو فرماتے ہیں کہ سرہند کو اپنا گھر تصور فرمائیں، محبت کا علاقہ ایسا نہیں کہ ایسی عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے، چنانچہ ان کے ساتھ آپ کی خط و کتابت آخری دم تک جاری رہی، شیخ تاج الدین کے متعلق بھی آپ نے اپنا دل صاف رکھا، جب وہ حجاز مقدس سے واپس آئے تو ان کو لکھا کہ آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے، جلدی تشریف لائیں کیونکہ مشتاق مدت سے منتظر ہیں اور بیت اللہ کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں، آپ کے قلم مبارک سے جو عارضی باتوں کے الفاظ نکلے تو گویا سب اختلافات عارضی ثابت ہوئے، تھوڑے ہی عرصے میں تمام برادران طریقت نے آپ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے بہی خواہ بن گئے، ان برادران طریقت کے رجوع کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے تو آپ نے ان کی نسبت سلب کر لی اور وطن کو مراجعت فرمائی، اس کے بعد شیخ تاج الدین اور باقی سب حضرات ختم

میں مشغول تھے کہ ایک صاحب کشف نے واقعہ دیکھا، سب درویشوں نے ایک ایک چراغ جلایا ہے، ناگاہ ایک تند ہوا کا جھونکا بجلی کی طرح آیا اور سب کے چراغ بجھ گئے، اتنے میں کسی نے غیب سے آواز دی کہ یہ سب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف درویشوں کی توجہ کے چراغ ہیں اور بجلی کی جھپٹ آپکی توجہ ہے، شیخ تاج الدین کا حال بھی سلب ہو گیا تھا، وہ بھی بہت زیادہ متعجب تھے، انہوں نے بھی واقعہ میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس منعقد ہے اور امت محمدی کے تمام کاملین حاضر ہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صدر نشین ہیں، ایک بزرگ نے کہا کہ تمہاری نسبت سلب ہونے کی وجہ ان کی مخالفت ہے، ایسے ہی واقعات دیگر حضرات نے بھی ملاحظہ کیے، خواجہ حسام الدین نے بھی مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور خطبے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف فرما رہے ہیں اور آپ کی مجددیت کی تصدیق فرما رہے ہیں، اس طرح ان پر بھی آپکی بزرگی کا بہت زیادہ اثر ہو گیا چنانچہ تمام یاران طریقت نے مل جل کر آپ سے معافی مانگنے کا فیصلہ کر لیا، جب آپ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کی تقریب میں حاضر ہوئے تو انہوں نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ عفو درگزر کی اپیل کی جسے آپ نے منظور فرما لیا، آپ کے ان یاران طریقت کے ساتھ اختلافات نہایت دیانت دارانہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے اظہار میں پورے ادب بلکہ دوستانہ طرز بیان کو ملحوظ رکھا گیا، ان اختلافات نے ذاتی تعلقات اور عقیدت واحترام کو متاثر نہ ہونے دیا، پھر جب ختم ہو گئے تو خواجہ حسام الدین نے اپنے بڑے بیٹے کو تکمیل طریقہ کے لیے سرہند بھیجا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادوں کی بے انتہا خدمت سر انجام دی، بعد ازاں رشتہ داری بھی قائم ہو گئی، حضرت خواجہ کلاں رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے محمد یحیٰ کے ساتھ شادی ہوئی تو اس قسم کے قریبی تعلقات میں آپ کی بلند حوصلگی اور فرض شناسی کا بڑا دخل تھا، وہ اپنے مرشد زادوں کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے جس طرح بے قرار تھے اس کا اندازہ مکتوبات سے لگایا جا سکتا ہے، خانقاہ باقویہ سے بھی ان کو قلبی وابستگی تھی۔

اکبر کے تین ادوار اور اس کا انتقال:

خاندان مغلیہ میں اکبر بادشاہ کا دور حکومت بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، غیر مسلم مورخوں نے اس کو اکبر اعظم اور مغل اعظم کے القاب سے یاد کیا ہے، نظریاتی طور پر اس کے دور حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے تا کہ اس کے اصل محرکات اور مہلکات کا مطالعہ آسانی سے کیا جا سکے۔

⊙...... دور اوّل: ۹۶۳ھ تا ۹۸۳ھ
⊙...... دور دوم: ۹۸۳ھ تا ۹۸۹ھ
⊙...... دور سوم: ۹۹۰ھ تا ۱۰۱۴ھ

......﴿1﴾......

اکبر کے والد ہمایوں کا انتقال ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو دہلی میں ہوا تو اس وقت وہ بیرم خان جیسے کہنہ مشق اتالیق کے ہمراہ گرداسپور کے نزدیک کلانور کے مقام پر سکندر سوری کے تعاقب میں مصروف تھا، بیرم خان نے وہیں رسمی طور پر اس کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا، جب وہ برسر اقتدار ہوا تو کم عمر تھا اور حکومت کا اصل انتظام بیرم خاں کے ہاتھ میں تھا، جنگی مہمات سے فارغ ہو کر اس نے آگرے میں دربار لگایا تو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اگر چہ وہ کم علم بلکہ ان پڑھ تھا مگر اس میں جہاں بانی کی بہت سی خداداد صلاحیتیں موجود تھیں، اس نے عملی طور پر ۹۶۷ھ میں حکومت شروع کی جب بیرم خان کو عظیم آباد میں شہید کر دیا گیا، مستند کتب تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اٹھارہ بیس سال تک وہ نہایت سادہ اور خوش اعتقاد حکمران تھا، احکام شرح کو ادب واحترام کے ساتھ سنتا تھا، با جماعت نماز ادا کرتا تھا، خود اذان دیتا تھا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو پھیرتا تھا، علمائے روزگار کی از حد تعظیم کرتا تھا، ان کے گھر جاتا تھا، کبھی کبھی ان کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھتا تھا، مقدمات سلطنت میں شریعت کا لحاظ کیا کرتا تھا، جابجا قاضی اور مفتی مقرر تھے، مشائخ کرام کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا، حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے سبب فتح پور سیکری میں رہتا تھا، مراقبے کرتا، وظیفے پڑھتا اور دن رات مناجات خداوندی میں بسر کرتا تھا، مجالس صحبت میں خداشناسی، معرفت و شریعت اور طریقت و حقیقت کی باتیں ہوتی تھیں، رات کو

علمائے کرام کے اجتماعات ہوتے تھے، ۹۷۰ھ کے اوائل میں وہ اجمیر شریف حاضر ہوا اور واپسی پر راجہ بہاری مل کی بیٹی سے شادی کی، یہ سیاسی مصلحت تھی جس کے پیش نظر بعد میں اس نے ہندوؤں کو جزیہ بھی معاف کر دیا، اکبر کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی، اس نے شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی تو ان کی دعا کی برکت سے ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کی دختر بہاری مل کی بیٹی کے بطن سے جہانگیر پیدا ہوا، اس خوشی میں وہ پا پیادہ اجمیر شریف حاضر ہوا اور اپنی منت پوری کی، یہ جمعۃ المبارک ۱۲ شعبان ۹۷۷ھ کا واقعہ ہے، ﴿ماثر رحیمی: ۶۸۷﴾ الغرض اکبر بادشاہ کی حکومت کا دور اول بہت سارے معاملات کے اعتبار سے انتہائی شاندار تھا۔

......﴿2﴾......

۹۸۳ھ میں اس نے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کروائی جس کا نام عبد اللہ سرہندی نے عبادت خانہ تجویز کیا، یہ عمارت اس مقام پر تعمیر ہوئی تھی جہاں وہ دور اول میں مراقبے کیا کرتا تھا اور فیض صبح گاہی حاصل کیا کرتا تھا، اس عبادت خانے سے اس کی عجیب وغریب سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے، ہوا یوں کہ اس کو اصولی اور فروعی مسائل دین کی تحقیق کا بہت شوق تھا، اس نے ہر جمعہ کی رات کو عبادت خانے میں مجلس علما کا انعقاد شروع کر دیا تا کہ اپنی علمی پیاس بجھائے، اس مجلس علما میں ہر مکتب فکر کے علما شریک ہونے لگے اور مختلف مسائل پر گفتگو کی جانے لگی، بادشاہ ان علما کو طرح طرح کے انعام واکرام سے نوازنے لگا، اس سے علما میں مسابقت کا جذبہ بیدار ہو گیا اور بات بغض وعناد تک جا پہنچی، مجلس علما میں مباحثین اور مناظرین کی تعداد سو سے متجاوز تھی، ﴿منتخب التواریخ: ۳۱۵﴾ یہ علما اپنے اپنے نظریات کے تحفظ کے لیے فتنہ وفساد پر بھی اتر آتے تھے، ان کے باہمی جنگ وجدل کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے اور ایک دوسرے کو کھلم کھلا کافر وگمراہ گردانتے تھے، علما کے دو گروہ تھے، ایک طرف حاجی ابراہیم سرہندی اور ابو الفضل تھے اور دوسری طرف مخدوم الملک اور مولانا عبد اللہ سلطانپوری تھے، ان دونوں گروہوں میں خوب مناظرے اور مجادلے ہوتے تھے، حاجی ابراہیم کے ایک فتویٰ پر علما اس قدر برہم ہوئے کہ اپنے عصا اٹھا لیے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے، ان کی اس باہمی چپقلش نے اکبر

بادشاہ کو ان سے بدظن اور متنفر کر دیا تھا، وہ ان علمائے عصر کو غزالی اور رازی کا ہم پلہ سمجھتا تھا لہٰذا ان کا کردار دیکھ کر وہ ان بزرگان دین سے بھی برگشتہ ہو گیا کہاں وہ دور کہ اکبر شیخ عبدالنبی کے مکان پر حاضر ہوتا اور ان سے احادیث نبویہ کا سبق لیتا اور کہاں یہ دور کہ وہی شیخ عبدالنبی جب جلاوطنی کی زندگی گزار کر مکہ معظّمہ سے وطن واپس آئے تو اکبر نے ان کے چہرے پر زوردار طمانچہ رسید کر دیا، اس پر شیخ نے جھلا کر کہا کہ آپ مجھے چھری سے ہلاک کیوں نہیں کر دیتے، ﴿ایضا، ۲:۳۱۱﴾ ۹۸۳ھ میں حکیم ابوالفتح اور ان کے دو بھائی حکیم ہمام اور نورالدین قراری گیلان سے ہندوستان آئے اور ابوالفضل کے شریک کار بن کر اکبر کو نبوت اور وحی جیسے اہم عقائد سے بیزار کر دیا، ایک دن اس نے شیخ مبارک ناگوری سے کہا، آخر تم ہمیں ان ملاؤں کے احسانات سے سبکدوش کیوں نہیں کر دیتے، شیخ ناگوری کو اس موقع کی تلاش تھی، اس نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا اور اس پر سرکردہ علما کے دستخط کروائے، محضر نامے میں لکھا گیا تھا کہ بادشاہ سلامت اپنے ذہن ثاقب اور فکر صائب سے مسائل دین اور مجتہدین کے اختلافات کو رفع کر سکتے ہیں اور معیشت بنی آدم کی سہولت اور انتظام عالم کی مصلحت کے لیے کوئی بھی خاص راستہ اختیار فرما سکتے ہیں لہٰذا ان کے ہر حکم کو متفق علیہ سمجھا جائے گا اور اس کی اتباع عوام پر لازمی اور لابدی ہوگی، ﴿ایضا، ۲:۲۷۲﴾ اس خوفناک محضر نامے نے ایک جاہل مطلق بادشاہ کے حکم کو قرآن وحدیث، اجماع امت اور قیاس جیسے اصولوں پر فوقیت دے دی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ امام عادل اور ظل الٰہی بن کر مخلوق خدا پر ظلم توڑنے لگا اور دین میں رخنہ اندازی کا ارتکاب کرنے لگا، دینی امور میں اکبر کی مداخلت بے جا کو دیکھ کر جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے ۹۸۸ھ میں فتویٰ صادر کیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو چکا ہے اور اس کے خلاف جہاد فرض ہے، ان کے علاوہ اور بھی کچھ علمائے کرام نے اس کی مخالفت کی تو اس نے ان کو جیل بھجوا دیا یا قتل کروا دیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسکی اس غارت گری کا کھل کر ذکر فرمایا ہے:

"جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا، یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختگی کی وجہ سے ہمارے

زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علمائے اسلام کو مختلف ایذائیں پہنچائیں، جن کا ذکر مناسب نہیں، بہت سے علمائے کرام قتل کردیئے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیا ﷺ کے نام کی تصریح ختم کردی گئی'' ﴿اثباۃ النبوۃ:۵۰﴾

اکبر بادشاہ اب اس قدر ''فراخ دل'' ہو چکا تھا کہ عبادت خانہ کے دروازے مسلمان علما کے ساتھ ساتھ جینی، ہندو، زردشتی اور بودھ علما کے لیے بھی کھول دیئے گئے، جلد ہی ایک عیسائی تبلیغی جماعت کو بھی دعوت دے دی گئی، اس جماعت میں انٹونیو مونسیرٹ، روڈلف اور فرانس انری کیوز جیسے عیسائی پادری شامل تھے، ﴿اکبر دی گریٹ:۱۸۰﴾ عام مسلمان اکبر کی ان رواداریوں سے متنفر تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ سنہ ۹۹۰ھ میں روڈلف کو آگرے میں قتل کر دیا گیا، ان پادریوں کے علاوہ بودھ اور ہندوؤں نے بھی شرف باریابی حاصل کر کے اس کی گمراہی کا سامان فراہم کر دیا، پھر اس نے انجیل، اتھر وید، رامائن اور مہا بھارت جیسی کتابوں کا ترجمہ بھی کروا دیا، دیبی نامی برہمن نے اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے بتائے اور آگ، سورج، ستاروں اور دوسرے دیوتاؤں کی پرستش کے آداب بھی سکھائے، شیخ تاج الدین دہلوی جیسے وحدت الوجودی صوفیوں نے بھی اس کی صلح کلی اور بے جہتی کو علمی اور فکری جواز فراہم کیا، وہ اکثر دربار میں باریاب ہوتے اور رات بھر اس فلسفے کی غلط تعبیرات سے اکبر کو گمراہ کرتے رہتے تھے، غرض قسم قسم کے ارباب عقل دربار میں جمع رہتے تھے، بادشاہ کو دن رات اس طرح کی تحقیق کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں تھا، چنانچہ اس نے دوسرے مذاہب کے احکامات کو اسلام پر ترجیح دے کر اپنے ایمان کی متاع عزیز راہزنوں کے حوالے کردی، آخر پانچ چھ سال کے اندر اندر اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہا اور معاملہ بر عکس ہو گیا، ﴿منتخب التواریخ:۲:۴۶۶﴾

......﴿3﴾......

سنہ ۹۹۰ھ سے اکبر کی حکومت کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جب اس نے اپنی تمام تر خرافات کا نام دین الٰہی رکھا، ایک امریکی مورخ پوویل پرائس کے بقول یہ نظریہ توحید

وجودی کی ایک مبہم اور غیر واضح شکل ہے جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے عقائد شامل ہیں، زردشتی، ہندو، جینی، بودھ وغیرہ سب کا معجون مرکب ہے، اسلام کے نظریہ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ہے، ﴿اے ہسٹری آف انڈیا: ۶۷﴾ تیسرے دور حکومت میں اکبر بالکل حواس باختہ دکھائی دیتا ہے، گویا اس نے تمام ادیان کے عقائد کو اپنا لیا تھا، اس نے صبح شام، دوپہر اور آدھی رات کو آفتاب کی عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، آفتاب کے ایک ہزار نام یاد کر لیے تھے جن کو وہ حضور قلب کے ساتھ آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر جپا کرتا تھا، آگ، پانی، درخت، پتھر بلکہ تمام مظاہر کائنات حتیٰ کہ گائے کے گوبر کی بھی عبادت کیا کرتا تھا، وہ قشقہ لگاتا، زنار پہنتا اور تسخیر آفتاب کی دعا مانگتا تھا، یہ کام اس کو ہندو رشیوں نے سکھائے تھے، وہ آفتاب کو نیر اعظم سمجھتا اور اس کو بادشاہوں کا پالنہار تصور کرتا تھا، پھر ان ملحدانہ خیالات اور باغیانہ اعمال کی تان یہاں ٹوٹی کہ اس نے کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کی جگہ اکبر خلیفۃ اللہ کے الفاظ داخل کر کے نافذ کروا دیئے، اس جرأت و جسارت سے تمام مذہبی لوگوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اب بادشاہ دعویٰ نبوت کے چکر میں ہے، پھر عنقریب دعویٰ خدائی کا بھی اعلان کرے گا، اسلام کے ساتھ تو اسے خاص قسم کی چڑ تھی، اس لیے اس نے سور اور کتے کو پاک سمجھنا شروع کر دیا تھا، گائے کے ذبیحے پر عام پابندی عائد کر رکھی تھی تاکہ ہندوؤں کو راضی کیا جا سکے، دربار کے اندر ایک قمار خانہ قائم کیا جسمیں شاہی خزانے سے رقم فراہم کی جاتی تھی، شراب نوشی کی سرعام اجازت دی اور اسکا اہتمام ایک خاتون کے ذمے تھا، بادشاہ کی خوشنودی کے لیے فیضی جیسے لوگ بھی سرعام شراب نوشی کیا کرتے تھے، شیخ الاسلام مفتی صدر جہاں اور میر عدلی میر عبدالحی جیسے پارسا بھی دختر انگور کے نشے سے چور ہونے لگے، عورتوں کی بے حجابی کا حکم صادر کیا گیا، میت کی تدفین کے نت نئے طریقے ایجاد کیے گئے، الغرض یہ دور تو اتنا وحشتناک تھا کہ اسلام کے نازک آبگینے ٹوٹ کر بکھر رہے تھے، سگ پرستی، قمار بازی، شراب نوشی، ریش تراشی، بے حیائی، فحاشی اور عریانی نے معاشرے کا جنازہ نکال دیا تھا، پھر طرفہ تماشا یہ کہ اس نے دین الٰہی کو عوام و خواص پر مسلط کرنے کے لیے ظلم و تشدد کا راستہ اپنا لیا اور دولت کے لالچ بھی دیئے، اس نے آداب شاہی میں سجدہ تعظیمی بھی شامل کیا اور اس فعل قبیح کو زمین بوسی کے نام سے فرض عین قرار

دے دیا، کیا دور تھا لوگ ایک جابر بادشاہ کے قہر و غضب سے ڈر کر اسے سجدوں کے نذرانے پیش کرنے لگے اور رب حقیقی کی بارگاہ سے دور ہونے لگے، ہر کام کا ایک انجام ہوتا ہے، اکبر کی خرافات جب انتہا کو پہنچ گئیں تو قدرت خداوندی نے اسے عبرت کا نشان بنا دیا ۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

۱۷ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کی تاریخ تھی جب دنیائے دوں پر اپنی فرعونیت کے سکے جمانے والا بادشاہ انتہائی بے بسی کے ساتھ رخصت ہو گیا، تزک جہانگیری کا جو ترجمہ میجر پرائس نے کرایا تھا، اس میں درج ہے کہ بادشاہ نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوا، ﴿بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی:۱۴۴﴾ لیکن حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعزیت نامے میں اس کی فرعونیت، مستی وغرور اور بے دینی کا ذکر ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت اسی بے دینی اور گمراہی کے عالم میں واقع ہوئی تھی، ﴿مجموعہ مکاتیب:۱۴۳﴾

ایک حیرت انگیز واقعہ:

اکبر کے مقربان خاص خان خاناں عبدالرحیم پسر بیرم خان، خان اعظم، سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو چکے تھے، آپ نے ان کارپردازان سلطنت کے ذریعے بادشاہ کو راہ راست پر لانے کی مقدور بھر کوشش کی، نصیحت آمیز مکتوبات اور بصیرت افروز کلمات کہلا بھیجے کہ اگر وہ اپنے دعووں سے باز آجائے اور توبہ کرلے تو بہتر ورنہ غضب الٰہی کا منتظر رہے، ان حضرات نے بادشاہ کو خود بھی کچھ نہ کچھ سمجھایا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور تصرفات کا رعب بھی جمایا مگر وہ راہ راست پر نہ آیا، ہاں اتنا ہوا کہ لوگوں کو اختیار دے دیا گیا خواہ وہ دین محمدی میں رہیں اور خواہ دین الٰہی میں آجائیں، جو ملازم زبردستی لوگوں کو سجدہ کے لیے لایا کرتے تھے انہیں تاکیداً منع کیا گیا کہ آئندہ کسی کو نہ لایا جائے، اس مطلب کے لیے ایک دن مقرر ہو گیا کہ خلقت کو دین محمدی اور دین الٰہی میں سے ایک اختیار کرنے کو بلایا جائے، جب یہ خبر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو موصول ہوئی تو فرمایا کہ اس مقررہ دن پر بادشاہ پر ضرور

غضب الٰہی نازل ہوگا، مقررہ دن آیا تو بادشاہ نے وسیع میدان میں دربار عام لگایا، اس نے دو بارگاہیں بنائیں، ایک کو زرودیبا سے آراستہ کیا گیا اور جواہر ویاقوت سے جڑاؤ کروایا اور اسکا نام بارگاہ اکبری رکھا، دوسری کو پرانا رکھا گیا جس میں قائم رہنے کی بھی سکت نہیں تھی، اسکا نام بارگاہ محمدی رکھا گیا، بارگاہ اکبری میں قسم قسم کے لطیف، نفیس اور پر تکلف کھانے اور میوے سجائے گئے اور بارگاہ محمدی میں بے مزہ طعام رکھا گیا، اب عام لوگوں کو اجازت دی گئی کہ جو شخص جدھر جانا چاہے چلا جائے، بادشاہ کے بڑے بڑے عہدہ دار بارگاہ اکبری میں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ارادت مندوں کے ہمراہ بارگاہ محمدی میں داخل ہوئے، ایک سید مرد عہدے دار جب بادشاہ کے خوف سے بارگاہ اکبری میں جانے لگا تو آپ کے ایک افغان مرید نے کہا، ارے سید! آج اگر تو بارگاہ اکبری میں جاتا ہے تو قیامت کے دن اپنے جد کریم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کیا منہ دکھائے گا، وہ یہ للکار سن کر شرمندہ ہوا اور بارگاہ محمدی میں داخل ہوگیا، دونوں فریق کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درویش کو بھیجا کہ بارگاہ محمدی کے گرداگرد ایک لکیر کھینچ آئے، اس شخص نے ایسا ہی کیا، پھر مٹھی بھر خاک جو آپ نے اس کو عطا فرمائی تھی بارگاہ اکبری کی طرف پھینکی تو اسی وقت شمال کی طرف سے ایک آندھی اٹھی اور بارگاہ اکبری کو تہ و بالا کر دیا، طعام کے رکاب، خیموں کی میخیں اور رسیاں وغیرہ اکھڑ گئیں اور سارے سائبان اہل بارگاہ کے سروں پر آپڑے، وہاں ایک ہلاکت خیز منظر تھا، جس بالا خانہ میں بادشاہ بیٹھا تھا اس کے کواڑ اس کے سر پر لگے تو وہ بھی چکرا کر زمین پر گر پڑا جس سے اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، ایک بگولا بارگاہ محمدی کے گرداگرد پھرتا رہا مگر اس کے اندر آدمیوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہوئی، وہ لوگ دلچسپی سے کھانا کھانے میں مشغول رہے، سات روز بعد بادشاہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا، ﴿روضۃ القیومیہ:۲۲۵﴾ بادشاہ اپنی زندگی کا تریسٹھواں جشن منا چکا تھا، اس کی موت کے ساتھ ہی دین الٰہی کا خاتمہ ہوگیا، اس کے ماننے والوں میں اکثر امرا اور سپہ سالار پہلے ہی موت کی وادی میں چلے گئے تھے، دین الٰہیؑ پر ایمان عارضی تھا، اکبر نے اپنے دین کا کوئی جانشین نہ بنایا چنانچہ وہ اس کے ساتھ ملیا میٹ ہوگیا، البتہ اس کی بہت سی بدعات وخرافات ایک عرصہ تک جاری رہیں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں

سے جہانگیر کے دور میں ختم ہو گئیں، جس روز اکبر کا انتقال ہوا، اس روز ہزار ہا آدمی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے، خان جہاں لودھی، سکندر خاں لودھی اور دریا خان جیسے سرداران حکومت اسی روز حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، دلیر خان اور بہادر خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد ازاں حضرت خواجہ آدم بنوری اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بنے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی پذیرائی:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کچھ اس انداز سے باطل کے ساتھ ٹکرائے کہ پورے عالم اسلام نے تحسین وآفرین کا نعرہ بلند کیا، دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی شہرت وعظمت کے پرچم خراسان، بدخشان، ایران اور ماوراء النہر کے علاقوں میں لہرانے لگے، ان ممالک اسلامیہ کے چھوٹے بڑے علما آپ کے دلدادہ ہو گئے، ہر ایک کی تمنا تھی کہ آپ کے روئے زیبا کے دیدار سے مشرف ہو، شیخ طاہر بدخشی شاہ بدخشان کے مقرب تھے، انہوں نے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے لیے زیبا نہیں کہ اس طرح بادشاہ کی خدمت میں پڑے رہو، بہتر یہ ہے کہ شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں پہنچ جاؤ، انہوں نے فوراً بادشاہ کی مصاحبت چھوڑی اور ہندستان کا رخ کیا، راستے میں مولانا محمد صالح گولامی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی اپنا خواب بیان کیا اور خدمت مجدد رحمۃ اللہ علیہ میں حاضری کا عندیہ ظاہر کیا، یہ دونوں بزرگ چل پڑے اور شہر طالقان پہنچے، وہاں ایک جید عالم دین مولانا یار محمد سے ملاقات کی، ان کا ارادہ دیکھ کر وہ بھی شریک سفر ہو گئے، راستے میں شیخ عبدالحق شادمانی بھی شامل ہو گئے، جب کابل اور قندہار کے درمیان شہر برک پہنچے تو شیخ احمد برکی بھی اس کاروان محبت کے ساتھ چل پڑے، ان کے ہمراہ صدر مدرس مولانا محمد یوسف بھی مل گئے، ان آخری دوستوں کا تعارف بذریعہ خطوط حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہو چکا تھا، جب یہ کاروان محبت سرہند شریف پہنچا تو آپ نے ہر ایک کو خصوصی نوازشات اور عنایات سے سرفراز فرمایا، شیخ احمد برکی تو ایک ہفتے میں تکمیل سلوک کر کے اور دستار خلافت سے مشرف ہو کر عازم وطن ہو گئے، ان کو اپنے وطن کی قطبیت سے نوازا گیا تھا،

وہاں ان کو شہرت دوام نصیب ہوئی اور لاکھوں انسان ان کے دامن کرم سے وابستہ ہو کر فیضان مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے مالا مال ہوئے، اس طرح شیخ یوسف برکی کو بھی خلافت خراسان سے مشرف فرما کر بھیجا، مولانا محمد صالح گولامی کو بھی فیوضات سے مالا مال کر کے بھیجا تو انہیں علاقہ بدخشان میں بہت پذیرائی نصیب ہوئی، وہاں تمام چھوٹے بڑے ان کے حلقہ بگوش ہو گئے، مولانا یار محمد طالقانی کو بھی طالقان کے گردونواح کا شیخ بنا کر ارسال کیا، مولانا محمد قاسم کو ماوراء النہر کی خلافت سے نوازا گیا، ان کو ان علاقوں میں بہت زیادہ شہرت نصیب ہوئی اور ہزاروں لوگ ان کے کردار سے متاثر ہو کر اسلام کے شیدائی بن گئے، علاقہ دکن کی ولایت پر حضرت میر محمد نعمان کو مامور فرمایا، وہاں ان کے ارشاد و ہدایت کو اس قدر ترقی نصیب ہوئی کہ مراقبے کے وقت خانقاہ میں چار سو سوار اور بے شمار پیادے حاضر ہوا کرتے تھے اور ایسا ہجوم ہوا کرتا تھا کہ ہندوستان کے بادشاہ نے ڈر کر میر مذکور کو ملک دکن سے واپس بلوالیا، آپ نے شیخ طاہر بدخشی کو بھی خلافت عطا فرما کر بھیج دیا جن کی وجہ سے بدخشان کے امرا اور روساء راہ راست پر آنے لگے، فاتح ایران، شاہ توران، عبداللہ اور زبک بھی آپ کے خلفا کا بہت قدر دان تھا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر تصنیفات:

سر ہند شریف میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شخصی ارشاد و ہدایت کے علاوہ زور قلم سے بھی اصلاح احوال کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا، آپ نے ان تحریروں اور ادبی صلاحیتوں کو بڑی قابلیت سے تقویت دین اور ترویج سلسلہ کے لیے استعمال کیا، اس میدان میں آپ کے اصل شاہکار تو مکتوبات کی تین جلدیں ہیں لیکن اس زمانے میں آپ نے بعض رسائل بھی قلمبند کئے، تین رسائل تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے لکھے تھے جنکا ذکر ہو چکا ہے، اثبات النبوۃ اور رد روافض تو عصری ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریر فرمائے تھے جبکہ رسالہ تہلیلیہ میں صوفیہ کا رنگ غالب ہے، بعد کے رسائل میں یہ رنگ کچھ اور گہرا ہو گیا ہے، بعد کے رسائل میں شاید معارف لدنیہ پہلے لکھا گیا کیونکہ اس کا ذکر مبدا و معاد میں موجود ہے جس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ ہے، اس میں زیادہ تر معرفت الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے اور شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا گیا

ہے اور نام نہاد صوفیہ کی شدید مذمت کی گئی ہے:

''وعجب است از بعضے درویشان خام ناتمام کہ کشف خیالی خود را اعتبار نمودہ با نکار و مخالفت ایں شریعت باہرہ اقدام می نمایند و حال آنکہ موسیٰ علیہ السلام بایں کلیمی و قرب اگر زندہ می بود غیر از متابعت ایں شریعت امر دیگر نمی نمود''

مبدا و معاد میں آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد صدیق بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں، مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے لیکن کئی اندراجات سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی روحانی زندگی پر روشنی پڑتی ہے، رسالے کے آخر میں خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاریخ تکمیل سنہ ۱۰۱۹ھ دی ہے لیکن اصل اندراجات اس سے پہلے کے تھے، اگرچہ ان میں اصلاح و ترمیم ہوتی رہی، سنہ ۱۰۱۸ھ میں خواجہ محمد صدیق اور ظہیر الدین حسن اثنائے سفر مانڈو پہنچے اور گلزار ابرار کے مصنف غوثی سے ملے تو اس وقت ان کے پاس ایک رسالہ تھا جس سے غوثی نے کچھ عبارت نقل کی ہے، یہ عبارت مبدا و معاد کی ہے اگرچہ مطبوعہ نسخوں سے قدرے مختلف ہے، غوثی نے ''معارف لدنیہ کہ از جملہ مصنفات او است'' کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا اقتباس درج کتاب کیا ہے، علاوہ ازیں ایک مختصر رسالہ تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں آپ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیات کی اس شرح پر اضافے کیے کہ جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ان رباعیات کی وضاحت کے لیے لکھی تھی، یہ رباعیات وجود واجب تعالیٰ اور ربط حادث بالقدیم کے دقیق مسئلے سے متعلق تھیں اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وضاحت اپنے معارف خاصہ اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی ہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور رسالہ تعلیقات عوارف کا نام بھی تذکروں میں آتا ہے لیکن یہ ابھی حلیہ طبع سے آراستہ نہیں ہوا، اس کے علاوہ رسالہ ارشاد المریدین کا نام بھی لیا جاتا ہے لیکن یہ بھی نہیں چھپا، مکاشفات عینیہ مجددیہ کے تاریخی نام سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جسے زبدۃ المقامات کے مصنف اور مکتوبات جلد سوم کے مرتب مولانا ہاشم کشمی نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے ایسے مسودات سے ترتیب دیا جو بعض خلفا نے محفوظ کر لیے تھے، یہ متفرق صوفیانہ مسائل اور مکاشفات کا بیان ہے، جن میں بعض

اندراجات پرانے ہوں گے مثلاً مکاشفہ نمبر ۵ کی عبارت سے خیال ہوتا ہے کہ یہ اندراج حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں کیا گیا، ﴿رود کوثر: ۲۵۸﴾

اکبر اور جہانگیر کے ادوار حکومت میں امرائے وقت، صوفیہ خام اور علمائے سو عوام الناس کی گمراہیوں کا باعث تھے، آپ نے ان تینوں طبقوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے اپنے مکتوبات اور تصنیفات کو عام فرمایا، لندن یونیورسٹی کے ایک فاضل پیٹر ہارڈی نے لکھا ہے:

''اکبر اور صوفیہ کی مذہبی بے راہ روی کے جواب میں ردعمل کے طور پر جو شخصیت میدان عمل میں آئی وہ شیخ احمد سرہندی کی شخصیت ہے، آپ نے ابن العربی کے نظریہ وحدۃ الوجود پر صوفیانہ تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں بحث فرمائی اور اس چیز کا مسلمانوں کو از سر نو احساس دلایا یعنی کہ اسلام میں وحی الٰہی ایک بلند مقام رکھتی ہے'' ﴿بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی: ۱۸۶﴾

عہد اکبری حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دور اکبری کی بے اعتدالیوں اور بے راہ رویوں پر کھل کر تنقید فرمائی اور عوام اسلام کو ان کے غلط اثرات سے بچایا، آپ نے عہد اکبری میں آنکھ کھولی اور جب اس کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر شریف تقریباً ۴۳ سال تھی، اس طرح آپ نے عہد اکبری کے نشیب و فراز بچشم خود ملاحظہ فرمائے، اس دور میں شاہ و گدا، علما و صوفیہ اور عوام کی اکثریت بگڑی ہوئی تھی اور زمانہ رہبر کامل کا متلاشی تھا، آپ دربار اکبری کے اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کا ایک نقشہ کھینچتے ہیں:

''مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے، الاسلام بداء غریباً و سیود کما بداء فطوبی للغرباء، اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر لعن طعن کرتے اور مسلمانوں کو برا

بھلا کہتے ہیں، کافرانہ احکام بے تحاشہ جاری کیے جارہے ہیں اور ان احکام کو ماننے والوں کی کوچہ و بازار میں خوب خوب تعریف کی جارہی ہے، مسلمانوں کو احکام اسلامیہ کے اجرا سے منع کر دیا گیا ہے اور شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والا مزموم و مطعون ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ ابوالعجبی است

سبحان اللہ! کہا گیا ہے کہ شریعت زیر شمیر ہے اور شریعت کی رونق و صفا بادشاہوں کے دم سے ہے، یہاں تو معاملہ برعکس ہے، حیف صد حیف، افسوس صد افسوس، آج تمہارے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور کمزور اور شکست خوردہ مقابلے میں تمہارے سوا مد مقابل اور حریف نہیں جانتے، حق تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہو'' ﴿مکتوبات، ۱:۶۵﴾

اس طرح اور بھی عمائدین سلطنت کو آپ نے ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا اور اصلاح احوال کی ہر ممکن کوشش فرمائی، ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں کہ قریب قریب ایک قرن سے اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کافر بلاد اسلامیہ میں کافرانہ احکام کے اجرا پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بوئے مسلمانی بھی نہ رہے، ان لوگوں نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کو بجالاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے، ہندوستان میں ذبح بقر اسلام کے اعظم شعائر میں ہے کہ کافر شاید جزیہ دینے کے لیے تو راضی ہو جائیں گے مگر گائے ذبح کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے، ﴿مکتوبات، ۱:۸۱﴾ یہ مکتوب گرامی دربار جہانگیری کے ایک اہم رکن لالہ بیگ کے نام ہے جس میں اصلاح احوال کی ترغیب دی ہے، آپ نے اکبری دور کے صوفیہ خام اور علمائے سو پر بھی کھل کر تنقید فرمائی اور لوگوں کو ان کے عقائد و نظریات سے خبردار کیا۔

''صوفیان خام اور ملحدان ناعاقبت اندیش اس کے درپے ہیں

کہ حلقہ شریعت سے اپنی گردن چھڑا لیں اور احکام شرعیہ کو صرف عوام کے لیے مخصوص کر دیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خواص تو صرف معرفت کے مکلّف ہیں اور بس، جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں'' ﴿تذکرہ مجدد الف ثانی:۷﴾

''ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے، کسی کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لیے دم مارے اور احیائے سنت کے لیے لب کھولے، اس زمانے کے اکثر علما نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹا دیا ہے'' ﴿ایضا:۱۲۷﴾

''بعض لوگ تو توحید وجودی ﴿کی غلط تاویل﴾ سے الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، یہ لوگ ہر شے کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں'' ﴿ایضا:۱۱۱﴾

''اسلام کمزور ہو گیا ہے، کفار ہند بے تحاشہ مسجدوں کو منہدم کر رہے ہیں اور ان کی جگہ مندر تعمیر کر رہے ہیں'' ﴿مکتوبات،۱:۸۱﴾

''بعض گمراہ خواہ مخواہ مسند مشیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تناسخ اور آواگون کا حکم دیتے ہیں، ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد کو غیر اور غیریت پر محمول کیا ہے''
﴿تذکرہ مجدد الف ثانی:۱۱۲﴾

الغرض ملک کا ملک شریعت اور علوم شریعت سے بیگانہ محض تھا اور اصل حقیقت یک قلم معدوم تھی، صرف خانقاہوں اور سجادہ نشینوں کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی، دوسری طرف عہد اکبری کی بدعات، تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علمائے سو اور مشائخ دنیا پرست خود ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے، کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں، سلطانی فرمانرواؤں کی خانقاہوں سے

نکلتا اور دعوت اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا اور پھر نصرت الٰہی کے لشکروں اور نفوذ باطنی کے سامانوں سے ایسا مسلح ہوتا کہ نہ شہنشاہ ہند کا تخت وتاج اس کی راہ روک سکتا اور نہ وقت کی حکمرانی اور فرمانروائی اس کے سلطان حق وسطوت الٰہی پر غالب آسکتی، کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجود گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا، انبیا اولوالعزم کی نیابت وقائم مقامی یعنی مقام عزیمت ودعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا، ﴿تذکرہ آزاد: ۲۵۷﴾

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جسکو خبردار

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر کے دور حکومت میں اس وقت کلمہ حق بلند کیا جب حکومت کے خلاف کسی کو ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں تھی جو بولتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا، گلے میں پتھر باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا، اکبر جیسے مطلق العنان بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرأت ایمانی اور غیرت اسلامی کا پیکر جلیل بن کر اگر کسی نے اس کو للکارا تو وہ مصلے پر بیٹھنے والا مرد حق بین اور بوریا نشین تھا، باطل کی صفوں میں ہل چل مچا دینے والا حامی دین متین تھا، آفات و بدعات کا خاتمہ کرنے والا امام المجاہدین تھا، چمن اسلام کی نگہبانی کرنے والا رئیس المجددین تھا، جو صاحب جنوں بھی تھا اور شریک زمرہ لایحزنوں بھی، جو حکمت کا لقمان بھی تھا اور بصیرت کا سلمان بھی، جو وقت کا امام ربانی بھی تھا اور امت کا مجدد الف ثانی بھی، جس نے اکبر کے سامنے کبھی تو یوں نعرہ مستانہ بلند کیا ؎

تیری جدا پسند ہے میری جدا پسند
تجھ کو خودی پسند ہے مجھ کو خدا پسند

اور کبھی اسلام کی بے بسی پر وامصیبتاہ، واحسرتاہ، واحزناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین است، مصدقان او ذلیل وخوار ومنکران او معزت واعتبار کے لفظوں سے چلاتا ہے اور اس قدر پرسوز چلاتا ہے کہ آسمان لرز جاتا ہے، زمین کانپ اٹھتی ہے، تخت حکومت کو زلزلہ آجاتا ہے، جرنیل اور سپہ سالار کانپنے لگتے ہیں، باطل کے ایوان لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں، نظام حکومت الٹ جاتا ہے، زمین بدلتی ہے، زمان بدلتا ہے اور دیکھتے

ہی دیکھتے جہان بدلتا ہے، ہر طرف سے صدا بلند ہوتی ہے ۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور عہد جہانگیری:

جہانگیر ۲۱ اکتوبر ۱۶۰۵ بمطابق ۱۰۱۴ ہجری کو نورالدین جہانگیر بادشاہ غازی کے لقب سے برسر اقتدار آیا تو اس کی حمایت میں شیخ فرید بخاری اور ان کے ساتھیوں کا بہت اہم کردار تھا، کیونکہ اکبر بادشاہ نے اپنی زندگی میں شہزادہ خسرو کو اپنی جانشینی کے لیے پسند کر رکھا تھا اور بیشتر امرائے سلطنت بھی اس کے مددگار تھے، شیخ فرید بخاری اور ان کے ساتھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی عقیدت مند تھے، انہوں نے جہانگیر کی حمایت کا صرف اس لیے دم بھرا تھا کہ وہ برسر اقتدار آ کر اسلام کی حفاظت اور اہل سنت و جماعت کی اعانت کا فریضہ سرانجام دے گا، جہانگیر نے فوراً ہی شیخ بخاری کو منصب پنج ہزاری اور میر بخشی کے عہدوں پر فائز کیا اور بارہ نکاتی فرمان جاری کیا جس میں ہر قسم کے منشیات و منکرات کی ممانعت، مساجد کی زمینوں کی بحالی اور قیدیوں کی عام معافی کا اعلان موجود تھا، یہ تبدیلی از حد خوشگوار تھی اس لیے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت منداعیان مملکت کو بہت اہم مکتوبات ارسال فرمائے اور انہیں بادشاہ کی اس مذہبی پالیسی کا بھرپور فائدہ اٹھانے کا حکم صادر فرمایا، شیخ فرید بخاری کو آپ نے لکھا کہ ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی، ایک دوست نے کہا کہ تم لوگوں میں جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے، اسلام کے لیے اپنے نفع ونقصان کا بھی خیال نہ رکھنا ہی دیوانگی ہے، ﴿مکتوبات،۱۶۳:۳﴾ آپ نے لالہ بیگ سے فرمایا کہ اگر آغاز سلطنت میں ہی اسلام نے رواج پالیا اور مسلمانوں کا وقار قائم ہو گیا تو فبہا ورنہ اگر اس میں توقف کیا گیا تو عیاذاًباللہ مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا، الغیاث، الغیاث، الغیاث، دیکھیں کون سعادت منداس سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور کونسا شاہباز اس دولت تک پہنچتا ہے، ﴿مکتوبات،۸۱:۱﴾ آپ نے صدر جہاں کو لکھا کہ اس وقت حکومتوں میں انقلاب آیا ہے، دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ائمہ اور

علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعت غرہ کی طرف مبذول کر دیں اور شریعت کے منہدم ستونوں کو دوبارہ کھڑا کر دیں، ﴿مکتوبات، ۱۹۵:۱﴾ آپ نے خان جہاں کو حکم دیا کہ جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا ہی اچھا ہو کہ صراحتہً یا کنایۃً معتقدات اہل سنت کے مطابق کلمہ حق اس کے کانوں تک پہنچائیں، پھر جو بعض مشرکانہ رسمیں حرم شاہی میں رائج تھیں، ان کے انسداد کے لیے آپ نے شیخ فرید بخاری کو متوجہ کیا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رسومات کی قباحت سے بادشاہ کو آگاہ کریں اور ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، ﴿ایضا، ۱۹۴:۱﴾ ایک مقام پر فرید بخاری سے فرمایا کہ آج جب بادشاہ کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور دولت اسلام کا زوال ختم ہو رہا ہے، مسلمانوں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے معین و مددگار اور شریعت کی ترویج اور ملت اسلامیہ کی تقویت کے لیے کوشاں ہوں، یہ اعانت وتقویت خواہ زبانی ہو خواہ عملی، سب سے بڑھ کر دولت و امداد تو یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے تا کہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں حائل نہ ہو سکے اور راہ سے نہ بھٹکائے اور معاملہ ابتر نہ ہو جائے، چونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو قرب شاہی عنایت فرمایا ہے اور ساتھ استطاعت بھی بخشی ہے اس لیے آپ سے توقع ہے کہ بادشاہ سے ملاقات کے وقت شریعت محمدی کی ترویج کی سعی کرتے رہیں اور مسلمانوں کو وطن میں بے وطنی کی زندگی سے نجات دلائیں، ﴿مکتوبات، ۴۷:۱﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان ترغیبات کا یہ نتیجہ نکلا کہ بادشاہ نے ترویج شریعت کے لیے علما کی مجلس مشاورت قائم کرنے کا حکم دیا، یہ کام بھی شیخ فرید بخاری کے ذمے لگایا گیا، آپ کو اس کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے پھر شیخ فرید بخاری کو بروقت ہدایات جاری کیں اور فرمایا، سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے اپنے اسلامی حسن باطن کی بنا پر آپ کو دیندار علما مہیا کرنے کا حکم دیا ہے، الحمد للہ، مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کیا بشارت ہو سکتی ہے، آپ ایسے علما کا انتخاب فرمائیں جو حب جاہ اور حب ریاست سے الگ ہوں اور ان کا مقصد صرف ترویج شریعت اور تائید ملت ہو ورنہ لامحالہ دین کی مہم ابتر ہو جائے گی، عہد اکبری میں علمائے سو کے اختلافات نے ہی دنیا کو بلا میں ڈالا تھا، اب بھی صحبت علما سو کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں ترویج دین کیا خاک ہوگی، الٹی

تخریب دین ہو جائے گی، میں علمائے سو کے فتنے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، اگر صرف ایک عالم کو اس کام کے لیے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا، کوئی عالم آخرت میسر آ جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہوگی، اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے۔﴿ملخصا مکتوبات جلد:ا﴾

الغرض حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح احوال کا کوئی لمحہ ضائع نہ کیا، دوسری طرف عوام الناس کی ہدایت کے لیے اپنی کاوشوں کو تیز کر دیا، جہاں کہیں بھی کوئی چیز اہل سنت و جماعت اور تعلیمات اسلامیہ سے ٹکراتی دکھائی دی تو آپ کی رگ فاروقی فوراً حرکت میں آئی اور اس کے قلع قمع کے لیے میدان عمل میں سرگرم ہو گئے، لیکن ؎

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

جہانگیر کے دربار میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کی مساعی پر لمحہ بہ لمحہ روافض کے اثرات غالب آنے لگے، جنگ اقتدار کے دوران کیے ہوئے وعدے طاق نسیاں میں رکھے جانے لگے اور بادشاہ آہستہ آہستہ آزاد خیالی کا شکار ہونے لگا، بعض مورخین نے تو اس کو لا مذہب اور ملحد و بے دین بادشاہ ثابت کیا ہے کیونکہ اس نے ہندو بیویاں بھی کیں، نصرانیوں کو بھی پناہ دی، اپنی مہر پر عیسائی علامتی نقوش بھی کندہ کرائے، یہ سب امور اس آزاد خیالی کی دلیل ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہندو ذہن رکھنے والا بادشاہ تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی، اس کے عہد میں اسلام کو فروغ ہوا اور بعد میں شاہجہان اور عالمگیر کے دور حکومت میں حالات بہتر سے بہتر ہوتے گئے، ترویج شریعت کے اعتبار سے دور جہانگیری کو عبوری دور کہہ سکتے ہیں جس میں ان بہت سی خرابیوں کو مٹا دیا گیا جن کی بنیاد اکبر نے رکھی تھی اور انقلاب نو کی تکمیل بعد کے ادوار حکومت میں ہو گئی، ڈاکٹر اشتیاق قریشی لکھتے ہیں:

> ''جہانگیر کے دور حکومت میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میدان میں آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیائے دین کا آغاز ہوا، چنانچہ اس انقلاب کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر کے درباروں کی فضاؤں میں دیکھی جا سکتی ہیں، اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطہ عروج

تھا، جہانگیر سے اس کی آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے، شاہجہان اگرچہ ایک پارسا مسلمان تھا اور دربار میں کوئی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا، تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، عالمگیر سنیت کا نشانِ ظفر تھا'' ﴿ہسٹری آف فریڈم موومنٹ: ۲۰﴾

صدمات میں صبر و رضا کا مظاہرہ:

مارچ ۱۶۱۶ء بمطابق ۱۰۲۵ھ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو پے در پے صدمات و سانحات سے دوچار ہونا پڑا، اس زمانے میں طاعون زوروں پر تھی اور آپ کا خاندان بھی اس سے خاص طور پر متاثر ہوا، تین چار روز کے اندر آپ کے گھر سے کئی جنازے نکلے جن میں آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق عمر ۲۵ سال اور دو کم عمر صاحبزادے محمد فرخ، محمد عیسیٰ اور ایک صاحبزادی ام کلثوم اور دوسرے افراد خاندان کی میتیں شامل تھیں، ان اندوہناک بلکہ ہمت شکن حالات میں آپ نے جو صبر و سکون دکھایا اور جس عالی حوصلگی اور تسلیم و رضا کا ثبوت دیا وہ آپ کی بزرگی اور خدارسیدگی کی بین دلیل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دو چھوٹے صاحبزادے بیک وقت بیمار ہوئے، لوگوں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ رکھنا چاہیے تا کہ ایک دوسرے سے متاثر نہ ہوں، چنانچہ جماعت خانہ کے حجرہ میں صاحبزادہ فرخ اور زنانہ میں صاحبزادہ محمد عیسیٰ کو رکھا گیا، پہلے رحلت موخر الذکر کی ہوئی، بیمار بھائی کو اطلاع نہ دی گئی لیکن خود بخود اس کی خبر ہوگئی اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد عیسیٰ رحلت میں مجھ سے سبقت لے گئے، شام کو انہوں نے خود انتقال کیا، بڑے مخدوم زادہ کا انتقال اور بھی حسرت ناک تھا، وہ بڑے عالم اور برگزیدہ حال صوفی تھے، مشکل کتب کا درس دیتے تھے، آپ اپنے چھوٹے بھائی محمد عیسیٰ کے جنازے کے ہمراہ پیادہ پا مقبرہ جد بزرگوار تک گئے، واپسی میں طاعون کی گلٹی نمودار ہوئی، چنانچہ مکان کے باہر حجرہ خانقاہ میں انہیں لٹا دیا گیا، ان کی والدہ کی جو حالت ہوئی ہوگی اس کے قیاس سے ہی کلیجہ شق ہوتا ہے، انہوں نے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو بدقت دو شخصوں کی گردن میں ہاتھ ڈال کر گئے اور والدۂ ماجدہ اور تمام ارباب حقوق سے پوری طرح رخصت ہو کر حجرہ مذکورہ میں واپس آئے اور دوسرے روز رحلت فرمائی، صاحبزادہ محمد صادق حضرت

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بڑے عزیز تھے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''مفارقت اعزی قدس سرہ اعظم مصائب است، معلوم نیست کہ کسے بمثل ایں مصیبت مصاب شدہ باشد''

اس دور کی تیمار داریوں اور افراط غم نے آپ کی صحت پر بہت اثر ڈالا تھا، اس زمانے کا ایک مکتوب ہے، ''چندروز است کہ بلغم وسرفہ زبوں ساختہ است، وضعف بدن بہم رسیدہ'' آپ نے ان صدمات وحادثات زمانہ میں کمال صبر ورضا کا مظاہرہ کیا، آپ خواجہ حسام الدین کو لکھتے ہیں کہ یہ مصیبتیں بظاہر جراحت نظر آتی ہیں، وہ صبر وشکر جو حق تعالیٰ نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو کرامت فرمایا ہے، بڑی اعلیٰ نعمت اور اعظم انعام ہے، اس مکتوب میں تسلیم ورضا کا ذکر ہے لیکن متعدد مکتوبات ایسے ہیں جن سے خیال ہوتا ہے کہ معاملہ تسلیم ورضا سے بہت آگے بڑھ چکا ہے، فرماتے ہیں تسلیم ورضا اچھی چیز ہے لیکن اگر محبوب حقیقی سے سچی محبت ہے تو اس کے ہر فعل سے محبت ہونی چاہیے اور بظاہر تمام ناخوشگوار واقعات پر نہ صرف تسلیم ورضا بلکہ خوشی اور التذاذ محسوس ہونا چاہیے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ارقام فرماتے ہیں:

''میرے مخدوم! مصائب میں اگرچہ بڑی تکلیف اور ایذا برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن ان پہ بڑی کرامت اور مہربانی کی امید ہے، اس جہان کا بہتر اسباب حزن واندوہ ہے اور اس دسترخوان کی خوشگوار نعمت الم ومصیبت ہے، ان شکر پاروں پر داروئے تلخ کا رقیق غلاف چڑھایا ہوا ہے اور اس حیلے سے ابتلا وآزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے، سعادت مند لوگ ان کی شرینی پر نظر کر کے تلخی کو شکر کی طرح چبا جاتے ہیں اور کڑواہٹ کو صفرا کے برعکس شیریں معلوم کرتے ہیں، کیوں شیریں معلوم نہ کریں جبکہ محبوب کے سب افعال شیریں ہوتے ہیں، بیمار شاید اس کو کڑوا معلوم کرے تو کرے جو ماسوا میں گرفتار ہے مگر دولت مند محبوب کے ایلام ورنج میں اس

قدر حلاوت اور لذت پاتے ہیں جو اس کے انعام میں متصور نہیں، اگر چہ دونوں محبوب کی طرف سے ہیں، لیکن ایلام میں محبّ کے نفس کا دخل نہیں ہوتا اور انعام میں اپنے نفس کی مراد پر قیام ہوتا ہے......اس غربت اسلام کے زمانے میں آپکا وجود شریف اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے"

قید گوالیار کے اسباب:

ان خانگی حوادث سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد و ہدایت میں ذرا بھی ضعف نہ آنے دیا ۱۶۱۹ء تک آپکی مجددانہ مساعی کو کئی سال ہو چکے تھے، ملک اور بیرون ملک میں آپ کے ارادت مندوں کی تعداد لاکھوں میں پہنچ چکی تھی، اس دوران آپ نے اپنے ایک خلیفہ شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے دارالحکومت آگرہ میں بھیجا تا کہ وہاں بھی ارشاد و ہدایت کا سلسلہ دراز کیا جائے، مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"آگرے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا اس لیے آپ نے خواجہ بدیع الدین سہارنپوری کو وہاں بھیجا، خواجہ موصوف کو وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی، خوب مجلسیں جمیں اور امرا و فقرا سب ہی آئے لیکن اسی اثنا میں خواجہ بدیع الدین حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی پروا نہ کرتے ہوئے سہارنپور چلے گئے، یہ بات آپ پر بہت گراں گزری، جب خواجہ موصوف سرہند آئے تو ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے دوبارہ آگرہ جانے کی اجازت طلب کی مگر آپ نے فرمایا، وقت تو وہی تھا، اب جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، آگرہ دارالحکومت تھا اس لیے وہاں فوجیوں کا اژدھام تھا، ایک جماعت خواجہ موصوف کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے اس کو بڑی خشونت آمیز نصیحتیں کیں اور اپنی روحانی بلندیوں کا ذکر کیا بلکہ بعض ناگفتی وقائع و مکشوفات بھی بیان کیے، یہ باتیں جب

مخالفین کے کانوں تک پہنچیں تو انہوں نے ایک فتنہ کھڑا کر دیا اور خواجہ بدیع الدین آگرے میں نہ رہ سکے بلکہ اس فتنے کا اثر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ہوا اور اس دور کے بادشاہ جہانگیر نے جو اس گروہ سے کوئی عقیدت نہ رکھتا تھا، آپ کو طلب کر کے تکلیف دی اور محبوس کیا'' ﴿زبدۃ المقامات:۳۴۸﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملک گیر پذیرائی سے حاسدین اور مخالفین شدید خدشات محسوس کر رہے تھے، بادشاہ جہانگیر کے دربار میں روافض کا بہت زیادہ اثر و نفوذ ہو چکا تھا، وزیر اعظم آصف جاہ اور ملکہ نور جہان ان کی سرپرست اعلیٰ تھی، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی روافض کے خلاف سرگرمیاں کوئی پوشیدہ بات نہیں تھی، آپ نے ان کے نظریات کے خلاف ایک جاندار رسالہ بھی رقم فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ کے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام اٹھانے کا عزم کر لیا، وزیر اعظم آصف جاہ نے ایک دن بادشاہ کے کان بھرے کہ شیخ احمد سرہندی کے باب میں احتیاط سے کام لیا جائے کیونکہ ان کا اثر ہندوستان، ایران، توران اور بدخشان میں پھیلتا جا رہا ہے، اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاہیوں کو شیخ احمد کے مریدین کے پاس آنے جانے اور عہد کرنے سے روکا جائے اور شیخ احمد کو نظر بند کر دیا جائے، ﴿مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید:۳۶﴾ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ لکھتے ہیں کہ شیعوں کا جہانگیر کے دربار میں کافی اثر و رسوخ تھا، حضرت مجدد نے جس شد و مد کے ساتھ ان کے نظریات کی تردید کی تھی اس لیے آپ کی شخصیت ان کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی، چنانچہ انہوں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی سرگرمیاں سلطنت کے لیے خطرناک ہیں، چنانچہ آپ کے ایک مکاشفے کی بنیاد پر ۱۰۲۸ھ میں آپ کو دربار میں طلب کیا گیا، دربار میں داخلے کے وقت آپ کے بے نیازانہ طرز عمل سے بادشاہ جل گیا اور قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دیا، ﴿انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ۱:۲۹۸﴾ بادشاہ خود بھی آپ سے نالاں تھا کیونکہ آپ کے پند و نصائح اس کے پندار شاہی کے خلاف تھے، آپ نے اس کے عمائدین سلطنت کے ذریعے ہی اسے ترویج دین اور احیائے ملت کا سبق نہیں دیا بلکہ اس کے نام مکتوب میں بھی اسکی ضرورت پر زور دیا اور درویشوں کی دعا کی قوت کو بادشاہوں کی تلوار سے زیادہ کارگر ثابت کیا، یہ مکتوب جلد سوم

میں مرقوم ہے اور اغلب یہی ہے کہ یہ مکتوب آپ نے اسی سال رقم کیا تھا جب بادشاہ نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا، ممکن ہے کہ آپ کے اس مومنانہ اور مخلصانہ خطاب نے جہانگیر کو چراغ پا کر دیا ہو، شاہی آدمی کو خودسر بنا دیتی ہے، نصیحتیں زہر معلوم ہونے لگتی ہیں، اس لیے ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ ایک فقیر بے نوا ہمارے سامنے اس شایان شان کے ساتھ کیوں خطاب کر رہا ہے، اس نے خود رقم کیا ہے:

''انہی دنوں ﴿چودھویں جلوس شاہی﴾ مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک جعل ساز نے سرہند میں مکر وفریب کا جال بچھا کر بھولے بھالے لوگوں کو پھانس رکھا ہے، اس نے ہر شہر اور علاقے میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کیا ہے جو لوگوں کو فریب دینے اور معرفت کی دکانداری کرنے میں بہت پختہ ہیں، اس نے مکتوبات کو جمع کیا ہے جن میں بہت سی ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتی ہیں، ایک مکتوب میں اس نے لکھا ہے کہ وہ مقام ذوالنورین میں سے گزر کر مقام فاروق اور مقام صدیق میں پہنچا اور وہاں سے گزر کر مقام محبوبیت میں پہنچا جو نہایت منور اور دلکشا مقام تھا، اس مقام میں اس پر مختلف الالوان روشنیوں کے پرتو پڑتے رہے، بزعم خویش وہ خلفائے راشدین کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا ہے، اسی طرح اس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں، ان وجوہ پر میں نے اسے دربار میں طلب کیا اور جتنے سوالات کیے، وہ ان میں سے کسی ایک کا بھی جواب نہ دے سکا، بے عقل اور کم فہم ہونے کے علاوہ وہ مغرور اور خود پسند بھی ہے، اس لیے میں نے اس کے حالات کی اصلاح کے لیے یہی موزوں سمجھا کہ اسے کچھ دنوں کے لیے قید رکھا جائے تاکہ اس کے مزاج کی شوریدگی اور دماغ کی آشفتگی جاتی رہے اور عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے وہ تھم جائے'' ﴿تزک جہانگیری:۵۶۳﴾

جہانگیر کا یہ گستاخانہ طرز تحریر بتا رہا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین کا داؤ چل چکا تھا اور بادشاہ کے ذہن میں یہ بات مرتسم ہو چکی تھی کہ آپ کا وجود اس کی سلطنت کے لیے خطرات کا باعث ہے، مخالفین نے آپ کے خلاف سازش تیار کرنے کے لیے آپ کے ایک مکتوب ﴿۱/۱۱﴾ کا حوالہ پیش کیا جو آپ نے اپنے روحانی مدارج کو بیان کرتے ہوئے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا، اس مکتوب کی تحریر سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ خلفائے راشدین کے بلند مقامات سے گزر کر مقام محبوبیت میں داخل ہوئے اور اس کے جلوؤں سے رنگین ہوئے مگر یہ رسائی حقیقی نہیں مجازی تھی، مستقل نہیں، عارضی تھی، اس کا عقلی جواب بھی آپ نے فراہم کر دیا تھا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے:

اکثر فراعین روزگار کو بہانوں کی ضرورت رہتی ہے، تاکتے کہیں ہیں اور نشانہ کہیں لگاتے ہیں، جہانگیر نے بھی اسی سیاسی چالبازی کا ثبوت دیا، آپ کے ایسے مکتوبات کا حوالہ پیش کیا اور اس سے ثابت کرنا چاہا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی افضل تصور کرتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو اہل سنت کو آپ سے بدظن کرنا چاہا تاکہ ان کی جمعیت منتشر ہو جائے اور مکمل اسلامی انقلاب کا راستہ روکا جا سکے، دوسری طرف شیعہ حضرات کی خوشنودی کو عملی جامہ پہنانا چاہا تاکہ ان کی ناراضگی سے پیدا ہونے والے حکومتی تعطل سے بچا جائے، چنانچہ اس نے آپ کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم نامہ بھیجا، ذرا غور کیجئے ایک دردمند مصلح نے اپنی خستہ حال قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہو اور جس بادشاہ کی رعیت میں رہ کر وہ اصلاح کرنا چاہتا ہو وہی اس کا دشمن جان بن گیا ہو، آتش غضب نے اس کو فرعون بے ساماں بنا دیا ہو، ایسے غضبناک فرعون کے سامنے جانا اور بے دھڑک جانا کوئی آسان بات نہیں، لیکن دیکھو! وہ جانے والا کس آن بان سے جا رہا ہے، کوئی مونس و غمخوار نہیں، کوئی اسکا دلدار و دمساز نہیں، ہاں اس کا رب اس کے ساتھ ہے، وہ بے نیازانہ دربار میں داخل ہوتا ہے، کس کا سجدہ، کیسی زمیں بوسی، کیسا بادشاہ، کس کا بادشاہ، وہ تو اس کا غلام ہے جس نے شہنشاہیت کو پیروں تلے روندا تھا اور بندوں کو خدا کے سامنے ہاں صرف ایک خدا کے سامنے جھکا کر زمین سے آسماں پر پہنچا کر بے نیاز عالم کر دیا تھا، ہاں وہ اسی

صاحب جبروت آقا کا غلام ہے، جو کچھ پوچھا گیا، برملا جواب دیا گیا، قربان جائیے اس ہمت و جرأت کے، نثار ہو جائیے اس استقامت و استقلال کے، آپ نے بادشاہ کے الزام کا یہ جواب دیا:

''میں خود کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں، چونکہ مجھ پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوئی تھی اس لیے یہ احوال میں نے اپنے شیخ بزرگوار کی خدمت میں لکھے تھے جو دشمنوں نے ناسمجھی کی وجہ سے آپ تک پہنچائے، اس کے جواب بہت سے ہیں، آسان تر جواب یہ ہے کہ آج پچاس سال کے بعد آپ نے یاد فرمایا ہے اور اپنے حضور طلب کیا ہے، چنانچہ میں امرا اور شاہزادوں کے مقامات سے گزر کر یہ رہا آپ کے سامنے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں پنج ہزاری سے افضل ہو گیا ہوں، میرا گھر تو وہی پرانا ہے جو سرہند میں جانا پہچانا ہے......ابھی ابھی گھر چلا جاؤں گا، آپ کے وزیر اور امیر ہمیشہ آپ کے قرب میں ہیں، ہم جیسے تو زندگی میں ایک بار اپنی ضرورت کے لیے آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں، اسی طرح اصحاب کرام حضور اکرم ﷺ کے مقرب ہیں اور ہم جیسے طالب ایک مرتبہ آپ کے قریب پہنچے ہیں، ضرورت پوری ہو گئی تو واپس آ گئے اور پھر اپنی جگہ پر آ رہے'' ﴿مناقب آدمیہ:۱۷۱﴾

آپ کا یہ جواب بھی منقول ہے کہ بادشاہ! آپ ایک سپاہی کو اپنے پاس بلائیں اور اس کے کان میں کوئی بات کہیں تو یقیناً وہ سپاہی پنج ہزاری کے مقامات سے گزر کر آپ کے حضور آئے گا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سپاہی کا درجہ پنج ہزاری سے بڑھ گیا ہے، اتنے معقول جواب کے بارے میں بھی جہانگیر کا کہنا کہ وہ کسی ایک سوال کا جواب بھی نہ دے سکا، کتنی عجیب و غریب بات ہے اور اس کی کذب بیانی اور افترا پردازی کی کتنی بڑی

دلیل ہے ، یہ معقول بات سن کراس کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہوا مگر دشمنان دین نے پھرایسی لگائی کہ غضبناک ہو گیا، اس نے دربارشاہی میں یہ منظر نہ دیکھا تھا کہ جو شخص مجرم بنا کر پیش کیا گیا تھا، وہ تو اس کے سامنے اس طرح کھڑا تھا جیسے آقا غلام کے سامنے کھڑا ہو، وہ فقیر غیور کی یہ ادا دیکھ کر جل گیا، درباریوں نے بھی متوجہ کیا کہ شیخ احمد نے آداب شاہی کا خیال نہیں رکھا ہے اور زمین بوسی اور سجدہ ریزی سے انحراف کیا ہے، یہ ان کی خودسری اور نخوت پسندی کی دلیل ہے، اس نے مطالبہ کیا کہ میرے حضور زمین بوسی اور سجدہ ریزی کی جائے، آپ نے واضح طور پر جواب دیا کہ جو سر بارگاہ الوہیت میں جھکتا ہے، کسی غیر کے سامنے نہیں جھک سکتا، کہتے ہیں کہ اس مقام پر شہزادہ خرم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فتویٰ دے کر چند مفتیوں کو بھیجا کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا ہے، آپ نے فرمایا، یہ فتویٰ تو رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر حق کو سجدہ نہ کیا جائے، ﴿مناقب آدمیہ:۱۷۱، سبحۃ المرجان:۴۹﴾ اب بادشاہ کو یقین ہو چکا تھا کہ آپ کبھی سجدہ نہیں کریں گے، اس نے کہا کہ میری زبان سے نکل چکا ہے اور میرا حکم کبھی ضائع نہیں ہوا، میں پورے سجدے کی تکلیف آپ سے اٹھاتا ہوں، آپ صرف سر کو خم کر دیں، آپ نے سر کو خم کرنے سے بھی انکار کر دیا، بادشاہ نے دو تین مقربوں کو حکم دیا کہ آپ کا سر پکڑ کر جھکا دیں تا کہ جلدی رخصت کر دیا جائے، انہوں نے زور لگایا مگر آپ کے سر کو ذرا بھی حرکت نہ ہوئی اور روئے توجہ آسمان کی طرف رہا، اسی وقت بادشاہ نے آپ کو چھوٹے دروازے سے گزارنے کا حکم دیا تا کہ اندر داخل ہوتے وقت آگے کو جھک جائیں مگر آپ نے فراست باطنی سے محسوس کرتے ہوئے گزرتے وقت پہلے اپنے پاؤں آگے کیے اور سر پیچھے کی طرف جھکا کر داخل ہوئے،، وزیر اعظم نے کہا کہ دیکھا کیا خودسری کا اظہار ہے، ان کا ارادہ ہے کہ آپ کی سلطنت کو پامال کر دیا جائے، اس سے بہتر کوئی موقع نہیں، لہذا ان کو گرفتار کر لیا جائے، بادشاہ نے برانگیختہ ہو کر آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا، پھر ایک ہندو راجپوت افسر آپ کو گرفتار کر کے گوالیار لے گیا، نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا، آگرے سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا، ہاں اس محبوب کے پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا، یہ کیسا ظلم کیا، سرزمین ہند پر اس کے جانثار ایک اشارے کے منتظر

ہیں مگر وہ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہے، پھر ظالم نے سارا گھر اجاڑ دیا، کتب خانہ ضبط، جائیداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا، سب کچھ ضبط کر دیا، بے آسرا کر دیا مگر جسکو خدا تعالیٰ کا آسرا ہو وہ کسی آسرے کی پرواہ نہیں کرتا، ظالم تو آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا بلکہ شہادت کی خبر پورے ہندوستان میں اڑ چکی تھی، حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے، آپ کے عزیز وا قارب از حد پریشان تھے، بادشاہ نے قلعہ گوالیار کی سزا صرف اس لیے سنائی تھی کہ آپ نے اسکو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ ایک قسم کی تادیب تھی، تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے، نواب صدیق حسن بھوپالی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

لقد برع الا قران فی الھند ساجع

وجد دفن العشق یا للمفرد

فلا عجب ان صادہ متقنص

الم ترفی الا سلاف قید المجدد

آپ کو قلعہ گوالیار کی سزا دینے سے پہلے جہانگیر نے آپ کے تمام منظور نظر عمائدین سلطنت کو ملک کے دور دراز علاقوں پر متعین کر دیا تھا، چنانچہ خان خاناں کو ملک دکن، سید صدر جہاں کو ممالک مشرقی، خان جہاں لودھی کو مالوہ اور مہابت خاں کو کابل کی گورنری تفویض کر دی تا کہ یہ تمام خیر خواہان مجدد دارالحکومت سے دور چلے جائیں اور نازک وقت میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔

قید گوالیار کے حالات:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ﷫ کو قید گوالیار کے متعلق پہلے ہی بذریعہ کشف معلوم ہو چکا تھا، ایک روز آپ نے فرمایا کہ ۵۰ اور ۶۰ سال کے درمیان مجھ پر ایک بلا نازل ہو گی اور اس سے میری تربیت جلالی کی جائے گی، وہ مقامات و کمالات جو بے مثال اور لامحدود ہیں بغیر اس محنت و مشقت کے میسر نہیں ہوں گے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ مکاشفہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور آپ اس قید میں کمالات عالیہ پر فائز ہوئے اور قیدی کافروں کو مشرف باسلام فرمایا، ڈبلیو آرنلڈ اور مفتی غلام سرور لاہوری جیسے مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں مشرکین نے اسلام قبول کیا تھا، ﴿پریچنگ آف

اسلام:۲۱۲﴾آپ نے ان قیدیوں کی تربیت فرمائی اور ارشاد فرمایا، اگر بادشاہ مجھ پر غضب نہ کرتا تو یہ قیدی کیسے ہدایت پاتے اور میں بلند درجات و مقامات پر کیسے پہنچتا، اسی وجہ سے آپ بادشاہ پر راضی تھے، اس کے لیے بددعا نہ فرمائی اور نہ اس کے درپے آزار ہوئے، خواب و بیداری میں اپنے مخلصین کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا، اس کے ساتھ برائی کرنا ساری مخلوق کے ساتھ برائی کرنا ہے، جو بادشاہ کو تکلیف پہنچائے، میں اس سے بیزار ہوں، ﴿مناقب آدمیہ، سیرت مجدد الف ثانی:۲۱۶﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو امید کامل تھی کہ بادشاہ ضرور راہ راست پر آکر اسلامی نظام نافذ کرے گا، اس لیے آپ نے اس کے جور و جفا کے مقابلے میں صبر و رضا کا اور محبت و اخوت کا مظاہرہ کیا اور اعلیٰ ظرفی، بلند ہمتی اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا، قید گوالیار میں بہت سے مصائب ومہالک آپ پر نازل ہوئے تھے لیکن آپ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نمودار نہیں ہوئی، ایک کوہ گراں کی طرح ہر طوفان بلاخیز کے آگے سینہ سپر رہے، آپ کی ہمت و جرأت کے چند واقعات رقم کیے جاتے ہیں تا کہ ہر اپنے اور بیگانے کو معلوم ہو جائے ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

......﴿1﴾......

بادشاہ آپ کو شہید کروانا چاہتا تھا، آپ کے ایک مرید پیر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں سلطان نے آپ کو تکلیف پہنچائی، میں ملک دکن میں تھا، ناگاہ سنا کہ سلطان زماں نے آپ کو سختی کے ساتھ طلب کر کے شہید کر دیا ہے، میں اس وحشت ناک خبر سے بے قرار ہو گیا اور بے تابانہ بازار میں نکل آیا کہ کسی قاصد سے کوئی فرحت اثر خبر سننے میں آئے، ﴿حضرات القدس،۲:۳۶﴾ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت تھی کہ وہ واقعی آپ کو شہید کروانا چاہتا تھا، اس کا اظہار آپ کے ان مکتوبات سے بھی ہوتا ہے:

''اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوا تو باہمی ملاقات ہو جائے گی ورنہ خدا تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہیں اور دعا فرمائیں کہ وہ ہم کو دار السلام میں جمع

فرمائے، اس کرم سے امید رکھتے ہوئے کہ دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت پر چھوڑتے ہیں، وہ جس حال میں رکھے، اسکا کرم ہے'' ﴿مکتوبات،۲:۳﴾

''وحشت ناک خبروں سے نہ گھبرائیں اور نہ دل تنگ ہوں کیونکہ اس جمیل مطلق کی طرف سے جو آئے وہ بھی جمیل وزیبا ہے، اگر دنیا میں ملاقات ہوگئی فبہا ورنہ معاملہ آخرت نزدیک ہے اور یہ خوشخبری کہ انسان اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی، مہجوروں کے لیے باعث سکون و اطمینان ہے''
﴿مکتوبات،۳:۳۷﴾

''اگر آقا و مولا اپنے غلام کے گلے میں چھری پھیرے تو غلام کو شاداں اور خنداں ہونا چاہیے اور اگر عیاذاً اس کو اس فعل سے کراہت آئے اور دل تنگ ہو جائے تو دائرہ غلامی سے باہر ہے''
﴿مکتوبات،۳:۸۸﴾

''پہلے بتقاضائے بشریت رنج و غم پیدا ہوا لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے جلدی ہی وہ تنگی فرحت و کشادگی میں بدل گئی اور یقین ہو گیا کہ اس جماعت کا ارادہ جو درپے آزار ہے، عین خدا تعالیٰ کے ارادے کے مطابق ہے، کراہت و رنج دعویٰ محبت کے خلاف ہے کیونکہ محبوب کی سختی بھی عاشق صادق کے لیے ایک نعمت ہے''
﴿مکتوبات،۳:۴۴﴾

یہ مکتوبات بالترتیب حضرت خواجہ محمد سعید، حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت خواجہ طاہر بدخشی، حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی اور حضرت خواجہ محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہم کو رقم فرمائے اور ان میں کمال درجے کی خود سپردگی اور خود باختگی کا ثبوت فراہم کیا۔

......﴿2﴾......

مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجھ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے

ایک مرید با صفا نے بیان کیا کہ جب میں نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو بازار میں نکل آیا تا کہ کسی آنے جانے والے سے اس کی تصدیق کر سکے، پھر کیا ہوا، میں نے دیکھا کہ کچھ سوداگر اترے ہیں، میں ان کے پاس گیا، سلام کیا، بیٹھ گیا، اس سے قبل کہ میں بات شروع کروں، ان میں سے ایک نے میرے اضطراب کو تاڑ لیا اور اس کا سبب دریافت کیا، میں نے سارا ماجرا بیان کر دیا، اس نے ایک سرہ آہ کھینچی ، سر جھکا لیا، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا کہ مطمئن رہو، آپ زندہ ہیں، بس اتنا ضرور ہے کہ آپ قید میں ہیں اور آپ کے پائے مبارک میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں، ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۳۱۹﴾

......﴿3﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا کہ ایک روز میں قلعہ گوالیار میں تلاوت کلام کر رہا تھا کہ آیت آئی، قل ان کان آباؤکم و ابناء کم ....اے محبوب! فرما دیجئے اگر تم اپنے باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں اور بیویوں اور رشتہ داروں اور مالوں اور تجارت جسمیں تمہیں گھاٹے خوف رہتا ہے اور پسندیدہ مکانوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبت کرتے ہو تو انتظار کرو اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا اور اللہ فاسقوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتا، ﴿سورۃ التوبہ﴾ پس پھر کیا تھا، از خواندن ایں آیہ کریمہ گریہ بسیار مستولی شد، یہ آیت کریمہ پڑھنے سے بہت زیادہ گریہ طاری ہو گیا، ﴿مکتوبات، ۱:۱۸﴾ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر پیش کی تھی، جہانگیر نے نہ صرف آپ کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا بلکہ اہل و عیال کو بھی خانماں برباد کر دیا تھا، نہ معلوم ان غمزدوں پر کیا گزری، اگر جہانگیر اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے کہ اس نے آپ کو محض تادیب اور تہذیب نفس کے لیے جیل میں ڈالا تھا تو پھر اہل و عیال پر ظلم وستم کیوں روا رکھا گیا؟ ہاں اے عدل جہانگیری! تو نے کیا ستم کیا، مورخ کا ہاتھ کس نے پکڑ لیا کہ وہ اس داستان خونچکاں کا ایک حرف بھی نہ لکھ سکا لیکن مکتوبات شریفہ میں اس غم ناک داستان کی جھلک نظر آ رہی ہے، آیئے اور یہ بھی دیکھئے کہ اس پیکر عزم وہمت نے کس بلند

حوصلگی اور کس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ فرمایا:

''ملاقات ہوگی یا نہیں، نصیحت یہی ہے کہ کوئی آرزو اور طلب نہ رہے، اپنی والدہ سے یہی کہیں اور سمجھا دیں کہ اس دنیا کے احوال آنی جانی ہیں، اس لیے ان کو کیا بیان کیا جائے، بچوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہاں تک ممکن ہو ان لوگوں کو خوش رکھیں جن کا مجھ پر حق ہے، نفسانی خواہشات کو جو باطل خدا ہیں، کلمہ لا کے تحت لائیں تا کہ تمام خواہشات کی نفی ہو جائے اور دل میں کوئی مراد و مقصود باقی نہ رہے، یہاں کہ میری رہائی جو سر دست تمہارے اہم مقاصد سے ہے، یہ بھی تمہاری آرزو نہ ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے، اس کے فعل اور اس کی مشیت پر راضی رہیں، حویلی، سرائے، کنوئیں، باغ، کتب خانہ اور دوسری چیزوں کا غم بہت سہل ہے، اس وقت تو کوئی چیز تمہارے مزاحم نہ ہونی چاہیے اور سوائے مرضیات حق جل وعلا کے تمہاری کوئی اپنی مرضی بھی نہ ہونی چاہیے، اگر ہم مرجاتے تو یہ سب چیزیں دنیا میں رہ جاتیں، یہ ہماری زندگی میں چلی گئیں لہٰذا کچھ فکر نہ کریں'' ﴿مکتوبات،۲:۳﴾

آپ نے ملاحظہ فرمایا، کیسا ظلم کیا، حویلی، سرائے، کنواں، باغ کتب خانہ اور اثاث البیت سے سب کچھ لے لیا، کچھ بھی نہ چھوڑا، مگر واہ رے استقامت کہ اف نہ کی اور محبت نباہ کے دکھادی، اعیان مملکت میں بہت سے لوگ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند، مرید اور خیر خواہ تھے مگر مطلق العنان بادشاہ غیظ وغضب میں تھا، ایسی حالت میں سامنے جانا آسان نہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی سی کوشش کی، خود آپ نے ان حضرات کی کوششوں اور ناکامیوں اور نامرادیوں کا ذکر کیا ہے، ہاں جب نظر بیدار ہو جاتی ہے تو اندھیروں میں اجالے نظر آنے لگتے ہیں، آپ فرماتے ہیں، لوگ ہر وقت ہماری مصیبتوں کا خیال رکھتے ہیں اور تنگی سے خلاصی اور نجات چاہتے ہیں لیکن ان کو نہیں معلوم

کہ نامرادی اور بے اختیاری اور ناکامی میں کس قیامت کا حسن و جمال ہے اور کون سی نعمت اس نعمت کے برابر ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیتے ہیں اور پھر اپنے اختیار سے اسے زندگی عطا کرتے ہیں اس کے امور اختیاری کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر کے اس کو اس کے دائرہ اختیار سے نکال لاتے ہیں اور پھر اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسے لاش غسال کے ہاتھ میں، ﴿مکتوبات،۸۳:۳﴾ نیز فرماتے ہیں، دوستوں نے بہت کوشش کی کہ رہائی کا کوئی سبب پیدا ہو جائے مگر ان کی کوششیں اکارت گئیں، جو خدا کرتا ہے اس میں بہتری ہوتی ہے، ﴿مکتوبات،۸۳:۳﴾

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مخلصین نے اپنی سی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور جو جماعت ایذا رسانی کے درپے تھی وہ مسلسل درپے آزار رہی لیکن بعض تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے لکھا ہے کہ اعیان مملکت میں آپ کے مخلصین جہانگیر سے کچھ ایسے بددل ہوئے کہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے مگر مستند سوانح زبدۃ المقامات اور حضرات القدس میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں، ممکن ہے کہ بعض سیاسی مصالح اس حقیقت بیانی میں مانع ہوں، یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس جہانگیر نے بڑے شدومد کے ساتھ آپ پر الزام لگائے اور زور و شور سے آپ کو طلب کیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو شہید کر دے گا یا سخت سے سخت سزا سنائے گا، ہاں اس جہانگیر نے ایک سال یا بروایت دیگر دو تین سال کے اندر اندر عزت و آبرو کے ساتھ رہا کر دیا، آخر یہ کیوں ہوا اور کیسے ہوا، اگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین اعیان مملکت کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ گتھی سمجھنا مشکل ہے، ﴿ملخصاً سیرت مجدد الف ثانی:۲۲۱﴾

......﴿4﴾......

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی روحانی قوتوں سے سرفراز کیا تھا لیکن آپ نے شعب ابی طالب میں تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے والے آقائے نامدار، مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل کیا اور اف تک نہ کی، مولانا محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے آپ کے معتمد خادموں سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ قلعہ گوالیار میں ایک روز آپ نے فرمایا کہ یہ رہا بادشاہ جہانگیر اور ہمارے دشمن، ان کو ہمارے سامنے لایا گیا

ہے، اگر چاہوں تو سب کو ہلاک کر دوں لیکن میں نہیں چاہتا، میں خدا تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں ، اس مصیبت میں بہت سے فائدے اور مزے دیکھے ہیں ، ﴿مناقب آدمیہ:۲:۱۷۱﴾ آپ نے اپنے فرزندان گرامی کی تعلیم و تربیت کا اس وحشتناک ماحول میں بھی خیال رکھا، فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی! مصیبت کا وقت اگر چہ تلخ و بے مزہ ہے لیکن اس میں فرصت میسر آجائے تو غنیمت ہے، اس وقت چونکہ تم کو فرصت ہے، خدا کا شکر بجالا کر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور ایک لمحہ بھی فارغ نہ بیٹھو، تین باتوں میں سے ہر ایک کی پابندی ضرور رہنی چاہیے، تلاوت قرآن پاک، طول قرأت کے ساتھ نماز، کلمہ لا الہ الا اللہ کی تکرار، کلمہ کے ساتھ نفس کے خود ساختہ خداؤں کی نفی کریں، اپنی مرادوں اور مقصدوں کی بھی نفی کریں، اپنی مرادیں چاہنا خدائی دعویٰ کرنا ہے، اس لیے چاہیے کہ سینے میں کوئی مراد نہ رہے، ہوس کا خیال تک نہ آنے پائے تا کہ حقیقت حیات متحقق ہو...... جہاں بیٹھے ہوئے ہیں اسکو اپنا وطن سمجھیں، یہ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرنی چاہیے'' ﴿مکتوبات،۲:۴۳﴾

اس طرح شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو لکھتے ہیں، برسوں تربیت جمالی کے تحت منزلیں طے کرائی جارہی تھیں، اب تربیت جلالی کے مراحل طے کرائے جارہے ہیں، اس لیے مقام صبر بلکہ مقام رضا پر قائم رہیں اور جمال وجلال کو ایک ہی جانیں، تم نے لکھا تھا کہ ظہور فتنہ کے وقت سے ذوق وحال جاتا رہا، جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے، یہ کیا مصیبت آئی ہے کہ تم بھی عام لوگوں کی طرح باتیں کرنے لگے اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے، خواجہ میر نعمان کو لکھتے ہیں، ہم عین بلا میں اطمینان سے ہیں، خواجہ بدرالدین سرہندی کو لکھتے ہیں، آپ نے لوگوں کی جفا و ملامت کا ذکر کیا تھا، یہ تو اس گروہ احرار کا حسن زیبائی ہے، یہ ان کے زنگ کو دھو کر چمکا دیتی ہے، ان مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کے بعد ملک کے طول و عرض میں آپ کے مریدین

و مخلصین پر لعنت و ملامت اور ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس پر آپ نے صبر و استقامت کی تلقین فرمائی تھی،، آپ نے میر محبّ اللہ مانک پوری کو لکھا کہ مخلوق کی ایذا رسانی پر تحمل و برداشت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں اور عزیز و اقارب کی جفاؤں پر صبر کے بغیر گزارہ نہیں، آپ نے کہا کہ اگر اجازت دیں تو تورآباش میں ٹھہر جاؤں یا پھر کوئی جگہ متعین فرمادیں کہ وہاں جا کر لوگوں کے ظلم و ستم سے نجات پا سکوں لیکن یہ طریق رخصت ہے، طریق عزیمت یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر کیا جائے، ﴿مکتوبات،۷:۸﴾

......﴿5﴾......

اللہ اللہ! کیا صبر ہے، کیا حوصلہ ہے، قید گوالیار کے مشکل دن گزرتے جا رہے ہیں، خود بھی مردانگی سے کھڑے ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی اسی مردانگی کا سبق دے رہے ہیں، روایت ہے کہ کچھ خلفا کرام بھی آپ کے ہمراہ تھے، جب بادشاہ کے دروغے ان پر سختی کرنے لگے تو انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا بادشاہ کون ہے جو ہم کو قید کر سکے، اگر تم ہمیں تنگ کرو گے تو قلعہ کی دیواریں پھاند جائیں گے اور تمہارے شاہی کارخانے کو درہم برہم کر دیں گے، پھر ایسے ہی خوارق و کرامات کو ظاہر کرنے لگے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کیا فقیر میں ان کرامات کے اظہار کی طاقت نہیں ہے، ہم تو اس جگہ ظلم و ستم پر صبر کرنے پر مامور ہیں، اس قسم کے کریمانہ اخلاق نے شاہی افسروں پر بہت اثر کیا تو وہ آپ کے طریق معاشرت، مہربانہ سلوک اور مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہونے کی صفات سے گرویدہ ہو گئے، انہوں نے اپنی تقصیرات کی معافی چاہی اور ذکر و مراقبہ کے حلقوں سے فیضیاب ہونے لگے، آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک شاہی افسر نے قید کا سبب دریافت کیا تو فرمایا، ہمارے بدعمل اس قید کا سبب ہوئے اور پھر آیت پڑھی ''**ما اصابکم من مصیبة** .... جو بھی تم کو مصیبت پہنچتی ہے تو تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے پہنچتی ہے، آپ اپنے ہمراہیوں کو بھی اس امر کی ہدایت فرماتے تھے کہ عجب عمل صالح کو ایسے نابود کر دیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو،

﴿ملخصا باقیات جہان امام ربانی،۲:۲۶﴾

رہائی اور پابندی لشکر:

بہت سے محققین نے آپ کی قید گوالیار کا عرصہ تین سال رقم کیا ہے، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں، آپ تین سال قید خانے میں رہے، بعد میں دو شرطوں پر رہا کیا گیا، اولاً آپ لشکر کے ساتھ رہیں، چنانچہ آپ نے لشکر میں قیام فرمایا، ﴿سبحۃ المرجان:۵۳﴾ نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی یہی لکھا ہے کہ آپ تین سال قید رہے اور بعد ازاں لشکر کے ہمراہ پھرتے رہے، ﴿ابجد العلوم:۸۹۹﴾ مولانا رحمان علی اور مولانا خیر الدین زرکلی نے بھی قید گوالیار کا عرصہ تین سال لکھا ہے، ﴿تذکرہ علمائے ہند ۱۲، الاعلام، ۱۳۹:۱﴾ جبکہ بادشاہ جہانگیر کے اپنے بیان کے مطابق قید گوالیار کا عرصہ ایک سال بنتا ہے، اس نے لکھا ہے:

''میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو زہد فروشی اور بیہودہ گوئی کی وجہ سے قید کاٹ رہا تھا حاضر ہونے پر خلعت اور ایک ہزار روپیہ عنایت کر کے آزاد کر دیا، یہ بھی اختیار عطا کر دیا کہ چاہے سرہند واپس چلا جائے، چاہے میرے حضور میں رہے، اس نے یہ منصفانہ بات کہی، یہ سزا ایک طرح کی ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی اور وہ حاضر خدمت رہنے میں بھلائی دیکھتا ہے'' ﴿تزک جہانگیری:۲۷۵﴾

جہانگیر کا یہ بیان پندرھویں جلوس شاہی ۱۰۲۹ سنہ ہجری کے تحت درج ہے جبکہ آپ کو گرفتار کرنے کا بیان ۱۰۲۸ سنہ ہجری کے تحت درج ہے، اس طرح قید گوالیار کا عرصہ ایک سال بنتا ہے، بہرحال اس کا یہ بیان غلط ہے کہ اس نے آپ کو سرہند جانے کا اختیار دیا تھا اور آپ اس کے ہاں حاضر خدمت رہنے میں بھلائی دیکھتے تھے، آپ کے اپنے مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر لشکر میں رہنے کی پابندی عائد کی گئی تھی، جہانگیر نے آپ کو آزاد کرنے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی، کیونکہ یہ اس کے پندار شاہی کے خلاف تھا لیکن تذکرہ نگاروں نے چند وجوہات کا ذکر کیا ہے جو درجہ ذیل ہیں:

......﴿1﴾......

جہانگیر نے یا اسکی بیٹی نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، سرکار

مدینہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اپنے دندان مبارک میں دبا رکھی تھی اور فرما رہے تھے، افسوس! تم نے ہماری امت کے اتنے بڑے آدمی کو گرفتار کر رکھا ہے، اس خواب کی ہیبت سے جہانگیر یا اس کی بیٹی بیقرار ہوگئی اور اس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کا سبب معرض وجود میں آ گیا۔

......﴿2﴾......

آپ کی تربیت جلالی پوری ہوگئی تو وہ وقت آ پہنچا کہ اللہ تعالیٰ سنت مصطفویہ کو روشن کرے اور ملت حنفیہ کو زینت دے اور دین اسلام ترقی پکڑے، آپ سے کہا گیا کہ جن امور کے لیے تمہیں قید کیا گیا تھا وہ ہم نے اپنے فضل و کرم سے پورے کر دیئے، اب تمہارے زندان سے نکلنے کا وقت آ گیا ہے، آپ نے نماز شکر ادا کی اور غلامان در کو بشارت سنائی، اسی رات کا ذکر ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا تھا، عیش و نشاط کی محفل گرم تھی، یکایک اس نے سامنے دیکھا تو پکار اٹھا، وہ شیخ احمد سرہندی آ نکلا، لوگ متعجب ہو گئے اور بولے حضور! وہ تو قلعہ گوالیار میں ہے اور آپ کشمیر میں ہیں، سیکڑوں کوس کا فرق ہے، اتنے میں آپ مجلس میں پہنچ گئے اور اہل مجلس حیران ہو گئے، آپ نے بادشاہ کو مع تخت اٹھا کر زمین پر اوندھا ڈال دیا اور فی الفور غائب ہو گئے، اہل مجلس نے بادشاہ کو اٹھایا، وہ دیر تک غشی میں رہا، بعد ازاں آرام ہوا تو حبس بول اور دیگر کئی امراض میں مبتلا ہو گیا، انہی ایام میں آپ کے ایک مخلص نے واقعہ میں دیکھا کہ لشکر ہر طرف سے جمع ہو رہے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ قلعہ میں ہیں اور حضرت خاتم الرسل ﷺ مع اصحاب کرام کے عیادت قید کے لیے تشریف لائے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد ایک شور اٹھا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قید سے رہا کر دیا ہے، اتنے میں میری نظر ایک سوار پر پڑی، لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ حضرت عثمان غنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، میں نے قدم بوسی کی اور گریہ طاری ہوا، انہوں نے فرمایا، جب تم بلاؤ گے، میں آ جایا کروں گا، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

......﴿3﴾......

شاہزادہ شاہجہان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت عقیدت مند تھا، اس نے بادشاہ کی بیماری دیکھی تو کہا کہ میں نے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا تھا کہ آپ کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے، پھر نہایت نادم ہو کر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست لکھی، اپنی تقصیرات کی معافی چاہی اور لشکر سلطانی میں رونق افروزی کی خواہش بیان کی نیز قلعہ کے کار پردازوں کو آپ کی رہائی کے احکامات جاری کیے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرا یہاں سے نکلنا چند شرطوں پر مشروط ہے:

⊙...... بادشاہ کو سجدہ کرنا بند کیا جائے...... گاؤکشی کی اجازت عام دی جائے...... شہید کی جانے والی مسجدوں کو از سر نو تعمیر کیا جائے...... ایک مسجد دربار عام کے مقابل بنائی جائے...... قاضی، مفتی اور محتسب جیسے حکام مقرر کیے جائیں...... کفار پر جزیہ لازم کیا جائے...... ہر خلاف شرع قانون منسوخ کیا جائے...... بدعت کے تمام کام مسدود کیے جائیں...... ہندوستان کے کل قیدی آزاد کیے جائیں۔

بادشاہ کو خواب بھی آیا کہ تمہاری تمام امراض حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے دور ہوں گی، اور تمہاری سلطنت کو ان کی توجہ سے قرار ملے گا، چنانچہ بادشاہ نے تمام شرائط قبول کر کے اپنے مقربان خاص کو بھیجا کہ آپ کو دربار شاہی میں لایا جائے، آپ کے حکم سے کل قیدی بھی آزاد کر دیئے گئے اور ان کو آپ کے ہمراہ رہنے کی اجازت بھی دی گئی، آپ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ سرہند پہنچے اور تین یا کچھ زیادہ دن قیام فرما کر عازم کشمیر ہوئے، وزیر اعظم اور ولی عہد نے استقبال کیا، آپ کو باعزاز تمام لشکر گاہ میں لایا گیا، پھر بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے دعائے صحت کے لیے استدعا کی، آپ نے وضو فرما کر نماز پڑھی اور دعائے صحت کی، بادشاہ تندرست ہو گیا اور اس نے تمام ممالک محروسہ میں مسجدیں بنوانے، مکتب تعمیر کرنے، ہر شہر میں قاضی، مفتی اور محتسب مقرر کرنے اور ہر بازار میں گائے کا گوشت فروخت کرنے کے احکام جاری کر دیئے، اس نے اپنے آپ کو سجدہ

کروانے کا قانون یکسر ختم کر دیا، دربار عام کے سامنے مسجد تعمیر کرنے کا بھی حکم جاری کر دیا، اس طرح مسلمانوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے، اسلام نے رونق پائی اور شریعت غرا کا رواج قائم ہوا، سنت نبویہ از سر نو چمکی اور بدعت کی تاریکی نابود ہوگئی۔

......﴿5﴾......

آپ کی رہائی کی ایک وجہ یہ بھی مرقوم ہے کہ جب آپ کے مخلص اعیان مملکت نے آپ کی گرفتاری کی خبر سنی تو آپس میں رابطے کیے اور مہابت خان والی کابل کی قیادت میں ایک لشکر جرار اکھٹا کر کے مقابلے پر نکل آئے، بدخشان، توران، خراسان کے بادشاہ بھی آپ کے عقیدت مند تھے، انہوں نے بھی بہت زیادہ امداد کی ادھر جہانگیر بھی اپنے مقربان خاص کے ہمراہ لشکر جرار لے کر نکلا اور پھر یہ دونوں لشکر دریائے جہلم کے کنارے خیمہ زن ہو گئے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور! آپ کے لیے مسند شاہی تیار ہے، قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا، مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ وفساد سے راضی نہیں، بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بغاوت سے باز آؤ اور فوراً بادشاہ کی اطاعت اختیار کرو، میں بھی انشاء اللہ جلد ہی آزاد ہو جاؤں گا، ادھر جنگ ہوئی تو مہابت خان نے جہانگیر، وزیر اعظم آصف جاہ اور ملکہ نور جہان کو قید کرایا، اسی وقت ان اعیان مملکت کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مراسلہ موصول ہو گیا تو انہوں نے جہانگیر کو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی وہ مراسلہ بھی پڑھایا جس سے وہ بہت متاثر ہوا، بعد ازاں اس نے آپ کی آزادی کے احکام جاری کیے اور خود کشمیر چلا گیا، وزیر اعظم کی وجہ سے ان احکام میں تاخیر ہوتی رہی، پھر شاہجہان نے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ممتاز اولیا عظام میں سے ہیں، ان کی قید کی تکلیف سے سلطنت پر کوئی بلائے عظیم نازل ہوگی، پھر جب تربیت جلالی پوری ہوگئی تو آزادی کا موقع بھی آ گیا، آپ نے مندرجہ بالا شرائط پر آزادی کو قبول فرمایا اور پورے ملک میں اسلامی انقلاب رونما ہو گیا۔

ان تمام وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و تصرفات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نوازشات سے رہائی کا موقع پیدا ہوا، یقینی طور پر اندرونی اسباب یہی ہوں گے بعض محققین کے نزدیک آپ کی رہائی کا سبب وہ سیاسی اور

اخلاقی دباؤ ہے جس کا جہانگیر کو ہر طرف سے سامنا کرنا پڑ رہا تھا، ابتدأ تو وہ آپ کا معتقد نہیں تھا، اس نے آپ پر لشکر شاہی کے ہمراہ رہنے کی پابندی عائد کی تھی جیسا کہ بعض مکتوبات میں بھی آشکار ہے، مثلاً فرماتے ہیں:

''ان سفروں میں دو عزیز بیٹوں کی جدائی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں'' ﴿مکتوبات،۳:۸۳﴾ ''بیٹے دور ہیں اور عمر ختم ہونے والی ہے، دیکھئے کیا ہوتا ہے'' ﴿ایضا،۳:۸۷﴾ ''لشکر میں اس طرح بے اختیاری کے ساتھ رہنے کو غنیمت سمجھتا ہوں'' ﴿ایضا،۳:۸۷﴾ ''بادشاہ کی طرف سے جو ممانعت اور پابندی ہے اسکو اپنے آقا کی کمال محبت کا دریچہ سمجھتا ہوں اور اپنی سعادت سمجھتا ہوں'' ﴿مکتوبات،۳:۸۷﴾

لشکر شاہی میں ''قید رفاقت'' کی اصل وجہ یہ تھی کہ بادشاہ آپ کی مقبولیت سے خائف تھا، چونکہ اکثر اعیان مملکت آپ کے زیر اثر تھے اس لیے زیادہ عرصہ قید گوالیار میں رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا، پھر سیاسی حکمت اور مصلحت کے تحت اس نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو قید گوالیار سے بلا کر اپنے ساتھ رکھے اور اندیشہ بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اعلان کر دے کہ ہم نے آزاد و خود مختار بنا دیا مگر انہوں نے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا، کس کا یارا تھا کہ بادشاہ کی اس غلط بیانی کی قلعی کھولتا، پھر دکھانے کو انعام بھی دیا، اگر واقعی وہ مستحق انعام تھے تو پھر پابند کیوں بنایا گیا، چنانچہ جدید محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

''شیخ احمد سرہندی کو لشکر میں کیوں رکھا گیا، کیا لشکر کے فائدے کے لیے لیکن خود شیخ احمد کے بیانات سے اسکی تردید ہوتی ہے، تو کیا بادشاہ کو آپ کی مبلغانہ جدوجہد سے کچھ خوف تھا، میرے نزدیک تو یہی معقول وجہ ہے، اس لیے شیخ احمد لشکر میں اس وقت تک پابند رہے جب تک آپ کی صحت جواب نہ دے گئی اور اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے گھر آ گئے اور مطلقاً خلوت نشین ہو گئے'' ﴿سلیکٹڈ لیٹرز آف احمد سرہندی:۹۸۸، ملخصا سیرت مجدد الف ثانی:۲۳۸﴾

دوران لشکر کے واقعات:

آدمی کچھ کرتا ہے لیکن تقدیر الٰہی کا اپنا پروگرام ہوتا ہے، جہانگیر نے آپ کے اثرات وثمرات سے خائف ہوکر لشکر شاہی میں رکھا مگر آپ کے کردار کی برکات نے وہاں بھی اپنا اثر جمانا شروع کر دیا، خود بادشاہ سلامت آپ کی ملاقاتوں سے از حد متاثر ہونے لگے اور لشکر جہانگیری لحہ بہ لحہ لشکر اسلامی میں تبدیل ہوتا چلا گیا، چند ایک واقعات سے دل وجاں کے دریچے روشن کیجئے:

......﴿1﴾......

صاحبزادگان مجدد کے ایک مخلص ارادت مند علی اکبر حسینی اردستانی نے واقعہ لکھا ہے کہ بادشاہ کشمیر سے لوٹتے وقت مرض ضیق النفس میں مبتلا ہو گیا، طبیب علاج کرتے مگر فائدہ نہ ہوتا، لوگوں نے کہا کہ اب اللہ والوں کو دکھانا چاہیے، چنانچہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی گئی، آپ تشریف لائے تو بادشاہ نے دعائے صحت کے لیے کہا، آپ نے فرمایا کہ میں حاضر ہوں مگر آپ شعائر اسلامی کی اشاعت کا وعدہ کریں، اس نے کہا، آپ کا فرمانا ہوگا اور ہمارا کرنا ہوگا، آپ اٹھے اور اپنی شال مبارک بچھا کر نماز دوگانہ ادا کی، پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور اس رات بادشاہ کا مرض رفع ہو گیا، ﴿بادشاہ نے آپ کو ۱۰۲۹ ہجری میں کشمیر طلب کیا تھا ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس سال مراجعت کے وقت پیش آیا ہو﴾ جب سرہند قریب آیا تو بادشاہ نے کہا، شیخ جیو! آپ کی دعا سے ہم نے صحت پائی ہے، کل آپ کے لنگر خانے سے پرہیز توڑیں گے، چنانچہ دوسرے دن کھانا تیار کرا کے مٹی کے برتنوں میں مخدوم زادوں کے ہاتھ بھجوایا، بادشاہ نے کھانا تناول کر کے آصف جاہ سے کہا، کھانا بہت مزیدار تھا، خاص طور پر مرغ بہت ہی اچھا پکایا تھا، آدھا کھایا اور آدھا اٹھا کر رکھ دیا، پھر کھائیں گے، پھر اس نے آصف جاہ کے ذریعے سے کہلوایا کہ درویشوں کے یومیہ خرچ کے لیے ہماری طرف سے کچھ قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا، خدا کے در کے بھکاری صرف خدا پر بھروسا کرتے ہیں، ﴿ملخصا سیرت مجدد الف ثانی: ۱۴۰، بحوالہ مجمع الاولیا: ۴۴۶﴾

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب لشکر شاہی سرہند پہنچا تو آپ کو گھر جانے کی اجازت دی گئی کہ وہ جا کر کھانا تیار کرائیں، کھانا معمولی نہیں تھا، پھر بادشاہ نے آدھا کھایا

اور آدھا بچایا، یہ اس کی قلبی عقیدت کی عکاسی کرتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی بزرگی نے اس کے دل کی دنیا مسخر کر دی تھی لیکن مطلق العنان بادشاہ تھا، اکبر کی بنائی ہوئی سیاسی فضا میں رہتا تھا، مروجہ پندار شاہی کا علمبر دار تھا اس لیے کھل کر عقیدت و محبت کا اظہار کرنے کے لیے ہچکچاہٹ محسوس کرتا تھا اور ظاہر ہے اس سے اس قسم کے اظہار عقیدت کی توقع بھی نہیں تھی جو بزرگان دین کے ارادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے اور جس سے وہ برسوں کا کام لمحوں میں سرانجام دیتے ہیں

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

......﴿2﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا لشکر شاہی کے ہمراہ قیام ایک انقلاب نو کا پیش خیمہ تھا، چنانچہ آپ حکمت و موعظت کے ساتھ بادشاہ اور اس کی فوجوں کا کردار بدلنے کے لیے مصروف عمل ہو گئے، ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

''یہاں کے حالات بہت اچھے ہیں، شکر کے قابل ہیں، عجیب وغریب صحبتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان ساری گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا، وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوتوں میں بیان کی جاتی تھیں، ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو رہی ہیں، اگر میں ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے لیے دفتر درکار ہے، خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی ۱۷ تاریخ ہے، پیغمبروں کی بعثت، عقل کی بیچارگی، آخرت، عذاب وثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار، ختم نبوت، ہر صدی کے مجدد، خلفائے راشدین کی پیروی، تراویح کے مسنون ہونے، تناسخ کے باطل ہونے، جنات کے ذکر اور ان کے عذاب وثواب کے مسئلے اور اس قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر آیا اور بادشاہ نے پوری توجہ سے

سنا، اس سلسلے میں اقطاب وابدال واوتاد اور ان کی خصوصیات کا بھی ذکر آیا،
خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ بادشاہ ایک حال پر قائم رہا، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں
ہوا، شاید ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں اور اسرار پوشیدہ ہوں، شکر
ہے خدا کا جس نے مجھے اس راہ کی ہدایت فرمائی'' ﴿مکتوبات، ۳:۴۳﴾

اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اتنی سختیوں اور بے سروسامانیوں کے باوجود اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ برابر سرانجام دیتے رہے اور جابر سلطان کے سامنے آواز صداقت بلند کر کے افضل الجہاد سے مشرف ہوتے رہے، آپ صرف الف ثانی کے مجدد ہی نہیں الف ثانی کے مجاہد بھی ہیں، آپ نے بادشاہ کے سامنے جن گونا گوں افکار کو بیان کیا ان سے ایک طرف تو آپ کے تعمق فکر اور تبحر علم کا ادراک ہوتا ہے اور دوسری طرف آپ کی سرمایہ ملت کی نگہبانی کا احساس ہوتا ہے، یہ وہی مسائل ہیں جو دور اکبری میں ایسے الجھ گئے تھے کہ سلجھائے نہ سلجھ سکے اور اس الجھن نے پوری فضا اور ماحول کو الجھا دیا تھا، مجلس شاہی میں ان مسائل کا ذکر خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بنیادیں ہل چکی تھیں ورنہ تحصیل حاصل سے کیا فائدہ، اقبال نے خوب کہا ہے

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

دوران لشکر اِن گرما گرم مجالس ومحافل کا سلسلہ جاری تھا، آپ بادشاہ کی دعوت خاص پر تشریف لے جاتے تھے اور اس کی اصلاح وہدایت کا پورا سامان فراہم کرتے تھے، آپ کی ہر کاوش بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں مقبول ومحبوب دکھائی دیتی ہے، ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا، خدا تعالیٰ کا شکر ہے
کہ صحت وعافیت ہے، آج ہی جو نئی بات رونما ہوئی اس کو لکھتا ہوں، غور
سے سنیں، آج رات جو ہفتے کی رات تھی مجلس شاہی میں گیا تھا، ایک پہر
رات گزرنے کے بعد وہاں سے واپس آیا اور حافظ سے تین پارے سنے،

دو پہر رات گزر چکی تھی کہ نیند آ گئی، خواب میں رسالت مآب ﷺ نے اس فقیر کے لیے اجازت نامہ تحریر فرمایا، اس اجازت نامے میں کچھ کسر رہ گئی تو اس کی پشت پر لکھوایا اور اپنی مہر سے مزین فرمایا، اجازت نامے کا مضمون یہ تھا، تمہیں اجازت نامہ دنیا کے عوض اجازت نامہ آخرت دیا گیا اور مقام شفاعت سے حصہ عنایت فرمایا گیا'' ﴿مکتوبات،۱۰۶:۳﴾

......﴿3﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و فیوضات سے انقلاب رونما ہوتا گیا، اہل دل خود نہیں بدلتے، حالات و واقعات کو بدل کر رکھ دیتے ہیں، اس حقیقت کا ظہور بہت جلد دیکھنے میں آ گیا، بادشاہ نے آپ کی خاطر سجدۂ تعظیمی موقوف کر دیا تھا، اعیان مملکت کی اولاد و اخلاف پر حیرت انگیز اثرات مرتب ہو رہے تھے، خود جہانگیر حیرت کے ساتھ ایک واقعہ رقم کرتا ہے، انہی دنوں خان جہان کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی ترک کرنے کی حیرت انگیز توفیق دی، وہ کثرت سے میخواری کی وجہ سے بہت بیمار ہو گیا تھا، اس مردافگن نشے کی کثرت نے یہ حال کر دیا تھا کہ اس کی زندگی ختم ہونے کے قریب آ گئی تھی لیکن اس نے توفیق الٰہی سے ایک دم اپنے آپ کو سنبھال لیا اور یہ عہد کیا کہ آئندہ کبھی شراب نہیں پیئے گا اگرچہ میں نے اسے نصیحت کی ایک بارگی چھوڑ دینا مناسب نہیں، طبی نقطہ نگاہ سے رفتہ رفتہ ترک کرنا چاہیے لیکن وہ نہ مانا اور مردانہ وار اس مرحلے سے گزر گیا، ﴿تزک جہانگیری:۶۳۶﴾ جہانگیر نہ کہے لیکن عقل کہتی ہے کہ میخواروں کی مجلس میں ایک جوان مرد کا اس طرح شراب نوشی سے منہ پھیر لینا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر کا اعجاز ہے، ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۲۴۵﴾

......﴿4﴾......

علی اردستانی نقل کرتے ہیں، حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نواب مرتضیٰ خان ﴿شیخ فرید بخاری﴾ آپ کے معتقد خاص تھے، جہانگیر کے حکم سے قلعہ کانگڑہ کی مہم پر متعین ہوئے، انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی لیکن آپ نے فرمایا کہ مرتضیٰ خان کے ہاتھوں فتح نہ ہو گی، چنانچہ یہی جواب لکھ دیا گیا، کچھ روز نہ گزرے ہوں

گے کہ ان کی وفات کی خبر ملی اور ان کا تابوت دہلی لایا گیا، پھر یہ مہم بکر ماجیت کے سپرد کی گئی، وہ خود آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے فرمایا، کافروں کے ساتھ جنگ ہر مسلمان پر واجب ہے، چونکہ تم نے اس واجب کو ہمارے سر سے ساقط کر دیا ہے تو ہم تمہارے حق میں دعا سے کیسے غافل رہ سکتے ہیں، آپ نے سر جھکا کر کچھ توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا، فتح از شما است خاطر خود جمع داشتہ بروید، کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ معلوم ہوا، قلعہ کانگڑہ فتح ہو گیا ہے، فتح کے بعد جہانگیر نے آپ سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے، آپ بادشاہ کے ساتھ قلعہ میں آئے اور بادشاہ نے جو کچھ فرمایا تھا کر دکھایا، ﴿تزک جہانگیری: ۶۵۶﴾ جہانگیر نے لکھا ہے کہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ کوئی مسلمان بادشاہ یا حاکم اسے فتح نہیں کر سکا تھا، یہ سعادت صرف اور صرف جہانگیر کے حصے میں آئی اور جسے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والے کم فہم لوگ بہت مشکل سمجھتے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، قلعہ کانگڑہ کی فتح کے بعد نقشبندی سلسلے کے ایک بزرگ عبدالعزیز کو قلعہ کے نواحی علاقوں کا فوجدار مقرر کیا گیا، اسکو محض اتفاق نہیں کہہ سکتے، یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنتوں کا ثمر ہے، بادشاہ نے ایک کوس چڑھائی چڑھنے کے بعد قلعہ میں داخل ہو کر بتوفیق ایزدی اذان دلوائی، نماز اور خطبہ پڑھوایا، اپنے سامنے گائے ذبح کروائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک عمل نہیں ہوا تھا، بادشاہ سجدہ شکر بجالایا تھا اور قلعے کے اندر عالی شان مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، پھر بے بدل خاں نے تعمیر مسجد پر یہ قطعہ تاریخ کہا ۔

ہاتف از غیب بگفت از پے تاریخ نباش
مسجد شاہ جہانگیر بود نورانی

یہ ۱۰۳۰ھ ہجری کا واقعہ ہے، قلعہ کانگڑہ کی سیر و سیاحت کے بعد بادشاہ نے درگا مندر کی سیر کی اور اسکا ذکر انتہائی نفرت و حقارت کے ساتھ کیا، ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں گائے کی قربانی پر پابندی تھی اور قربانی کرنے والے کی یہ سزا تھی کہ اسکی انگلیاں تراش دی جائیں، ایک وہ زمانہ تھا جب مسجدیں گرائی جارہی تھیں اور معبد و مندر بنائے جارہے تھے اور ایک یہ زمانہ تھا کہ بادشاہ وقت اپنے سامنے گائے ذبح

کروار ہا ہے، اور منادر کو نفرت وحقارت سے دیکھ رہا ہے، بہر کیف ان واقعات میں جہانگیر کی اسلامی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس ذہنیت کی تعمیر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مثبت اور اہم کردار ادا کیا، ایک عیسائی بشپ جان اے سبحان نے لکھا ہے کہ یہ شخص لوگوں پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ ایک زمانہ تھا، جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ دوسرے سلاسل پر چھا جائے گا، اس سلسلے کی اہمیت کا اندازہ روز کے اس بیان سے ہوتا ہے، سلسلہ نقشبندیہ کی تاریخ صرف اس لیے دلچسپ نہیں کہ اس نے اسلامی فکر میں ایک اہم کردار ادا کیا بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس نے ہندوستان کے سیاسی انقلابات کو بے حد متاثر کیا، ﴿صوفی ازم:۸۶، سیرت مجدد الف ثانی:۲۴۸﴾ اسی بشپ نے لکھا ہے کہ شیخ احمد تین سال تک قید رہے، اس عرصے میں جہانگیر کو آپ کی معصومیت کا اندازہ ہو گیا، اس نے آپ کو آزاد کر دیا بلکہ وہ آپ کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہوا اور حقیقت میں آپ کا مرید ہو گیا اور آپ کی ہدایت پر امور مملکت میں بعض تبدیلیاں کیں، مثلاً زمین بوس ختم کر دیا گیا، گائے کے گوشت سے پابندی اٹھالی گئی، بادشاہ اور اعیان مملکت کے لیے دیوان عام کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی، سنی فقہ کو مملکت کا قانون قرار دیا گیا، المختصر شیخ احمد کے زمانے سے مغل بادشاہوں کے درباروں میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کا اثر ونفوذ رہا چنانچہ اورنگ زیب آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اور اسی سلسلے کا پروردہ تھا، ﴿صوفی ازم:۲۹۳﴾ بعض تذکرہ نگاروں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پر توبہ کی، شباب وکباب اور دوسری منہیات سے کامل بے تعلقی اختیار کی، آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اس وقت تک میں جنت میں نہ جاؤں گا جب تک تم میرے ساتھ نہ ہو گے، جبکہ تزک جہانگیری کے تکملے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افیون چھوڑ چکا تھا جس کا چالیس سال سے عادی تھا مگر شراب انگوری سے آخری دم تک سرشار ہوتا رہا نشہ افیون کو ترک کرنا واقعی حیرت انگیز امر تھا لیکن شراب انگوری شاید اطباء کے مشورے سے بطور دوا استعمال کرتا رہا ہو، خواجہ ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ اس کو یہ بے ادبی نامبارک ثابت ہوئی، اس کی مملکت میں فتنے اور ہنگامے برپا ہونے لگے اور اس کے بعض شہروں پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا اور وہ خود مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو

کر مر گیا، ﴿زبدۃ المقامات:۳۴۸﴾ ان تمام متضاد بیانات سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جہانگیر بہت حد تک تو بدل گیا لیکن کامل ومکمل شخصیت کا حامل نہ ہوسکا، اس میں عصری اور شاہی خامیوں کا کچھ نہ کچھ شائبہ باقی تھا، وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہوا، اس کے قرائن وشواہد موجود ہیں لیکن اس کے کچھ بادشاہی تقاضے بھی راستے کی رکاوٹ تھے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی لائی ہوئی تبدیلیاں واضح طور پر محسوس ہوتی ہیں، اسلامی قوانین کا اجراء واضح طور پر دکھائی دیتا ہے، یہ بہتری کا تسلسل شاہجہان اور اورنگ زیب کے دور میں پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے جسمیں دراصل آپ کی تجدید واحیائے دین کا اثر کارفرما تھا۔

......﴿5﴾......

سنہ ۱۰۳۲ ہجری کا زمانہ تھا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لشکر شاہی کے ہمراہ اجمیر شریف قیام فرما تھے، آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر دیر تک مراقب رہے اور یہ بات محسوس کی کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا ہے کہ اس لشکر سے اپنی نجات کی کوشش نہ کریں اور معاملہ خدا کی نظر پر چھوڑ دیں، ﴿زبدۃ المقامات:۲۸۳﴾ اس سفر میں یہ نوازش بھی ہوئی کہ آپ کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار کی چادر عنایت کی گئی جسے آپ نے اپنے کفن میں شامل کرنے کی وصیت فرمائی، اور بھی بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔

......﴿6﴾......

آپ کے قیام لشکر کے دوران کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ شاہجہان نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی، بادشاہ نے گھبرا کر آپ سے درخواست کی کہ فتح ونصرت کے لیے دعا کریں، آپ نے فرمایا، تم خاطر جمع رکھو ہم نے شہنشاہ حقیقی سے عہد لیا ہے کہ ہم تمہارے سوا کسی کو سلطنت نہیں دیں گے، چنانچہ بادشاہ کو فتح ہوئی اور شہزادہ ناکام رہا، شہزادے نے ایک صاحب کشف بزرگ سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس دور میں چار بزرگوں کی رائے پر سلطنت کا مدار ہے، ان کے صدر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تین تو تمہاری طرف ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ابھی تمہاری سلطنت پر راضی نہیں، یہ سن کر شہزادے نے آپ سے رابطہ کیا اور عرض کیا کہ میں تو شروع ہی سے آپ کا عقیدت مند ہوں، عجیب بات

ہے کہ آپ میری سلطنت پر راضی نہیں، آپ نے جواب دیا کہ میں خدا تعالیٰ سے عہد کر چکا ہوں کہ سلطنت تمہارے والد کے پاس رہے مگر اب میری عمر کا آخری وقت ہے، بعدازاں یہ سلطنت تمہاری طرف منتقل کر دی جائے گی، آپ نے شہزادے کو اپنی دستار خاص بھی عنایت فرمائی اور اس کا نام شاہجہان رکھا، ﴿ملخصا باقیات جہان امام ربانی:۷۷﴾

﴿7﴾

وزیر اعظم آصف جاہ نے بادشاہ کو گمراہ کرنے کے لیے ملا نور اللہ شوشتری رافضی، سر آمد علمائے روافض کو بلوایا مگر وہ بادشاہ کے حکم سے اپنے ہمراہیوں سمیت قتل کر دیا گیا اور آصف جاہ اپنے منصوبے میں ناکام رہا، بادشاہ کی یہ غیرت دینی بھی حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی بدولت تھی۔

﴿8﴾

اس قیام لشکر کے دوران چند شعبدہ باز فرنگیوں کو بھی دربار جہانگیر میں رسائی حاصل ہوئی اور بادشاہ کا میلان طبع ان کی طرف ہونے لگا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات اولیا کی کرامات اور جوگیوں کے استدراج میں فرق بیان کیا اور فرنگیوں سے مناظرہ کیا، وہ سب ساکت ہو گئے، فرنگی پادریوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کر لیتے تھے، آپ نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر برحق ﷺ کو عالم ظاہر سے رحلت فرمائے ہزار سال گزر چکے ہیں، ﴿وہ تو وراء الوراہیں﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلاموں کو بھی یہ طاقت دی ہے کہ اگر تم کہو کہ ہم آسمان کے ایک ٹکڑے کو زمین پر گرا دیں، جب آپ نے یہ فرمایا تو بادشاہ آپ کی ہیبت سے دہشت زدہ ہو کر عرض گزار ہوا کہ خدا کے لیے ایسا نہ کیجئے، مبادہ ہم پر اور مصیبتیں نازل ہو جائیں گی، بعدازاں آپ نے نصف پادریوں پر نظر غضب ڈالی تو وہ مر گئے، باقی پادریوں نے بھی ان کی موت کی تصدیق کر دی تو آپ نے فرمایا قم باذن اللہ، وہ سب کے سب زندہ ہو گئے لیکن ازلی شقی القلب تھے، ہدایت یاب نہ ہو سکے اور حکم شاہی کی وجہ سے قتل کر دیئے گئے۔

﴿9﴾

لشکر جہانگیر ملک کے طول و عرض میں محو سفر رہتا تھا تا کہ عوام سلطنت پر بادشاہی

رعب قائم رہے نیز چھوٹی بڑی مہمات کو بحسن خوبی سرانجام دیا جا سکے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے ہمراہ دور نزدیک کے علاقوں میں پہنچتے اور اپنا فیضان نظر تقسیم فرماتے، کئی بار آپ کو چند دنوں کے لیے چھٹی بھی مل جاتی اور آپ سرہند چلے جاتے، کئی بار آپ کے صاحبزادگان اور نامور خلفائے کرام نے بھی آپ کے ہمراہ لشکر میں قیام کیا اور آپ کے فیوضات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کی سیر وسیاحت کی، مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سفر کا حال لکھا ہے کہ بادشاہ جہانگیر کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا بعض بلاد و دیہات میں گزر ہوا، اس میں احکم الحاکمین کی حکمتیں پوشیدہ تھیں، ان بلاد و دیہات کے باشندے حاضر خدمت ہو کر فیض یاب ہوتے رہے، چنانچہ ایک سفر میں بندہ بھی ہم رکاب تھا، ایک دن شاہی لشکر دریائے چناب کے کنارے ایک بڑے گاؤں میں پہنچا، آپ کے خدام آبادی کے نزدیک مناسب جگہ پر خیمہ نصب کرنے لگے، میں نے آپ کو دیکھا کہ تنہا پیادہ پا گاؤں کی ایک گلی میں تشریف لے گئے، بندہ بھی آپ کے پیچھے دوڑا، آپ نے فرمایا، دل میں آتا ہے کہ وضو کر کے مسجد میں نماز ادا کریں، مسجد میں آپ مصروف نماز ہو گئے، گاؤں کے ایک فقیر نے آپ کا حال دریافت کیا تو میں نے آپ کا نام نامی ظاہر کر دیا، وہ سنتے ہی شوق سے دوڑا گیا ﴿تا کہ لوگوں کو اکٹھا کرے﴾ اتنے میں ایک بوڑھا بزرگوار جو گاؤں کا پیشوا تھا، آیا، وہ بھی آپ کے کمالات سن کر مشتاق زیارت تھا مگر بڑھاپے اور کئی اور دوسرے باعثوں سے خدمت شریف میں نہ پہنچ سکتا تھا، اس نے قدم بوسی کی اور نہایت آرزو کے ساتھ آپ کی ضیافت کی، پھر تمام متعلقین سمیت آپ کے دست بیعت سے مشرف ہوا، اس گاؤں میں آپ کی برکت توجہ سے سو آدمی صاحب حضوری ہو گئے۔

اس سفر کے دوران آپ لاہور پہنچے تو حضرت خواجہ طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں کی قطبیت عطا فرمائی، آپ لشکر جہانگیر کے ہمراہ دہلی، آگرہ، بنارس، اجمیر شریف اور نجانے کہاں کہاں سے گزر گئے اور کفر وضلالت اور بدعت و سفاہت کی تاریکیوں کو خورشید عالمتاب بن کر کافور کر گئے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

حضرت خواجہ محمد امین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے، آپ کے صبر و استقامت سے مصیبتیں اور بلائیں دین و دنیا کی ترقی کا سبب بن گئیں، دینی ترقیات تو ظاہر ہیں کہ آپ اور آپ کی اولاد و خلفا سے لاکھوں انسان فیض پا چکے ہیں اور دینی و دنیوی فائدے حاصل کر چکے ہیں اور دنیوی ترقیاں اور بھی ظاہر ہیں کہ جہانگیر بادشاہ آخر کار مہربان ہوا اور آپ کے مخلصوں میں ہو گیا اور شاہجہان بادشاہ تو شہزادگی کے زمانے سے آپ کے محبّ و معین رہے اور آپ پر بہت احسان کیے، ﴿مناقب آدمیہ:۱۷۶﴾

وصالِ مبارک کی بشارات:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصال کے دس سال قبل ۱۰۲۴ھ ہجری میں جب کہ عمر شریف ۵۳ سال کی ہو گئی تھی، فرماتے ہیں: میں ۶۳ سال سے زیادہ اپنی عمر نہیں دیکھتا اور یہ قضائے مبرم صاف صاف نظر آ رہی ہے، ﴿وصال احمدی:۷﴾ ۱۰۳۲ھ ہجری میں اجمیر شریف سے مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کو تحریر فرمایا: دنیا کے اجازت نامہ کی جگہ آخرت کا اجازت نامہ دے دیا گیا ہے، زندگی کے دن نزدیک آ گئے ہیں، ﴿ایضاً:۷﴾ ۱۰۳۳ھ ہجری میں انتقال سے چھ ماہ قبل سرہند شریف سے جہاں گیر کے ایک درباری صادق خان کے نام ایک سفارشی مکتوب تحریر فرمایا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرما رہے تھے اور ان کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سرہندی پیچھے کھڑے پنکھا جھل رہے تھے اور، مکتوب دیکھتے جاتے تھے، مکتوب کی عبارت ان کی زبانی سنیے:

> ''معلوم ہوگا کہ بادشاہ نے فقیر کو ''رخصت مطلق'' عنایت فرما دی ہے اس وقت سے خلوت و تنہائی اختیار کر لی ہے اور خدا کے فضل سے اوقات اطمینان سے گزر رہے ہیں، چونکہ اس شہر میں ہر سال وبا آتی ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ اس سال زندگی وفا کرے گی، امید ہے کہ آپ خوش و خرم ہوں گے'' ﴿وصال احمدی:۷،۸﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی

وصال سے قبل کے حالات لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر شریف سے صاحبزادگانِ گرامی کو تحریر فرمایا:

''یہ دکھایا گیا ہے اور الہام کیا گیا ہے کہ قضائے مبرم اور زندگی ٦٣ سال کی ہے'' ﴿زبدۃ المقامات:٢٨٢﴾

اس مکتوب کے ملتے ہی دونوں صاحبزادگان اجمیر شریف روانہ ہو گئے، جہاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلوت میں رکھا اور مستفیض فرمایا، اس کے بعد فرمایا:

''مجھے اس دنیا سے اب کوئی تعلق اور وابستگی نہ رہی، اب اس جہان میں چلنا چاہیے، چل چلاؤ کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں'' ﴿ایضا:٢٨٤﴾

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجمیر شریف کے قیام کے دوران ایک رات حجرہ شریف کے قریب گیا تو اندر سے گریہ وزاری کی آواز آ رہی تھی، کان لگا کر سنا تو آپ زار و قطار رو رہے ہیں اور زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہے

از دو روزہ زندگی جانم نشد سیراز غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی داشتے

وصالِ مبارک کے آثار:

١٠٣٣ھ ہجری میں لشکر شاہی سے رخصت ہو کر سرہند شریف پہنچے اور خلوت نشین ہو گئے، جاںنثاروں کا وہ جمگھٹا نہ رہا جو ١٠٢٨ھ ہجری سے قبل رہتا تھا، رفیق اعلیٰ کی لگن نے مخلوق سے بے نیاز کر دیا، چل چلاؤ کا وقت قریب آ رہا تھا اس لیے عزلت گزین ہو گئے ......اس خلوت خاص میں معدودے چند افراد کو باریابی حاصل ہوئی، صاحبزادگان میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما، خلفا میں محمد ہاشم کشمی، خواجہ بدر الدین اور دو ایک خادم ......خواجہ محمد ہاشم وصال سے قبل ہی دکن تشریف لے گئے تھے، خواجہ بدر الدین آخر وقت تک حاضر رہے، جب خواجہ محمد ہاشم رخصت ہونے لگے تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم ایک جا جمع ہوں'' ﴿زبدۃ المقامات:٢٨٥﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خلوت گاہ حویلی سے کچھ دور تھی، صرف نماز جمعہ کے لیے باہر تشریف لاتے، نماز پنجگانہ اسی خلوت خانے میں ادا فرماتے، احباب میں چند

حضرات جماعت کے لیے اندر چلے جاتے اور نماز سے فارغ ہوتے ہی باہر آجاتے، ﴿مکتوبات معصومی،۱۸۳:۲﴾ بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے ایام مرض میں امامت فرمائی، چنانچہ چھوٹے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم تحریر فرماتے ہیں:

''ایام مرض میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی امامت کے فرائض خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ انجام دیتے تھے......فقیر سے فرما دیا تھا کہ تو مسجد میں جا کر احباب کے ساتھ نماز پڑھ اور امامت کر، یہ عاجز حسبِ ارشاد مسجد میں جماعت احباب کے ساتھ نماز پڑھ کر حضرت کی خدمت میں آجاتا اور باقی اوقات یہاں حاضر رہتا'' ﴿مکتوبات معصومی،۳۸۱:۲﴾

۱۵ شعبان المعظم ۱۰۳۳ھ ہجری کا ایک عجیب وغریب واقعہ صاحبزادگان والا شان نے خواجہ بدرالدین سرہندی سے اس طرح نقل فرمایا:

''حضرت والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ شبِ برات تھی اور حضرت خلوت خانے میں شب بیداری فرما رہے تھے، دو پہر رات گزر چکی تھی، اندرونِ خانہ تشریف لائے، میں مصلے پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی، میں نے آپ سے پوچھا، کیا آپ نے تہجد کی نماز پڑھ لی؟ فرمایا: نہیں ابھی نہیں پڑھی، طبعیت ذرا ملول تھی، جی میں آیا کہ تھوڑی دیر لیٹ جاؤں پھر تہجد کے لیے اٹھوں گا، تھوڑی دیر سو گئے، اس کے بعد اٹھ بیٹھے، وضو کے لیے پانی طلب فرمایا، آپ وضو فرما رہے تھے، میری زبان سے یہ بات نکلی کہ نہ معلوم خدا نے آج کس کس کے نام ورقِ ہستی سے مٹائے ہوں گے، یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا: تم یہ شک اور تردد سے کہہ رہی ہو، اس شخص کا کیا حال ہوگا جو یہ دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ صفحہ ہستی سے اس کا نام مٹا دیا گیا ہے'' ﴿وصال احمدی:۵۴﴾

اللہ اللہ کیا نظر ہے......اب وہ حدیث قدسی سمجھ میں آئی جس میں مولائے کل

ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے......اب اس کی آنکھ اس کی نہیں رہتی، مولا کی آنکھ بن جاتی ہے، جبھی تو ارشاد فرما رہے ہیں:

''چہ باشد حال کسے کہ می بیند و می داند کہ نام او از صحیفہ وجود محو کردہ اند''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زوجۂ محترمہ فرماتی ہیں:

''زمانہ علالت میں میں نے آپ سے دریافت کیا کہ زندگی سے مایوسی کے آثار نمایاں ہیں تو پھر آپ یوں صدقہ و خیرات کیوں کر رہے ہیں؟ جواب میں ﴿یہ ہندی﴾ مصرع پڑھ دیا ؂

آج ملا وا کنت سیوں سکھی سب جگ دیئوں وار

ترجمہ: آج وصال کا دن ہے، اے محبوب دل چاہتا ہے کہ سارا جہان فدا کر دوں، ﴿وصال احمدی:۶﴾

''ضعف و کمزوری میں شوقِ لقائے حق غالب ہو گیا تھا، کمالِ شوق کی وجہ سے ہر وقت اشکبار رہتے اور کلمہ 'اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ' اے اللہ! اے بہترین ساتھی! زبان پر جاری رہتا، غلبہ عشق میں فرماتے ہیں، اگر حکیم یہ کہہ دے کہ تیرا مرض قابلِ علاج نہیں تو میں سو روپے خدا کی راہ میں خیرات کروں'' ﴿وصال احمدی:۹﴾

مریض تو یہ تمنا کرتا ہے کہ حکیم و طبیب یہ کہہ دے کہ تو جی جائے گا لیکن مریضِ محبت کا حال عجیب ہے، وہ اس خوشخبری کا متمنی ہے کہ حکیم یہ کہہ دے کہ تو مر جائے گا، وہ موت کی خوشخبری سننا چاہتا ہے، وہی موت جو 'یوصل الحبیب الی الحبیب' کا مژدہ جان فزا ہے، وہ جینے کی خبر سن کر خیرات نہیں کرتا وہ تو مرنے کی خبر سن کر سب کچھ لوٹا دینا چاہتا ہے، اللہ اللہ خوشخبری اور موت کتنے متضاد الفاظ ہیں لیکن جن کو چاہِ ظلمات کا حال معلوم ہے وہ آبِ حیات کے لیے لپک کر جاتے ہیں، صاحبزادگان فرماتے ہیں کہ رات کے

وقت اس درجہ ضعف غالب ہوتا کہ آپ بے آرام و بے چین ہو جاتے ، جب دن نکلتا تو ضعف میں کمی ہو جاتی ، رات کی سختی و تکلیف کی اس کمی پر حسرت وافسوس فرماتے کیوں کہ وہ آپ کے لیے عین راحت ہوتی تھی، آپ فرماتے :

''ہجوم آلام میں جو نسبت میسر آتی ہے اور عین حرارت میں جو حلاوت پیدا ہوتی ہے عافیت وسکون میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی ، بیقراری اور اضطراب کی بات ہی کچھ اور ہے'' ﴿وصال احمدی:۹،۱۰﴾

۱۲ محرم ۱۰۳۳ھ ہجری کو صاحبزادگان سے فرمایا کہ چالیس اور پچاس کے درمیان ہماری قبر بنائی جائے گی ، چنانچہ جمعرات کی رات ۲۲ صفر المظفر ۱۰۳۳ھ ہجری کو حاضرین کے سامنے فرمایا کہ آج اس بات کو چالیسواں روز ہے، دیکھو ان دس دنوں میں کیا ہوتا ہے، جمعرات کے روز ۲۳ صفر المظفر کو فقرا اور صوفیا کو قبائیں تقسیم فرمائیں، آپ اس وقت صرف پیراہن پہنے ہوئے تھے، قبائے فرجی پر احتیاطاً دوسری قبا نہ تھی ، سردی لگ گئی اور بخار چڑھ گیا ، صاحب فراش ہو گئے ، جمعرات کی صبح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کا جواب لکھتے رہے ، یہ جواب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تحریر ہے، چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سب سے آخری چیز جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے، وہ مکتوب ہے جو مکتوبات جلد ثالث کے آخر میں مولانا حسن دہلوی کے نام ہے ، اس مکتوب میں، تعین وجودی سے اوپر تعین جبی کا اثبات کیا ہے ، دن میں ان معارف کی تحریر میں مشغول رہے ، رات کو حضرت والا کو بخار آ گیا اور اس بخار کے چھٹے روز انتقال فرما گئے ، وصال کے بعد یہ تحریر معرض ظہور میں آئی ، مخلصین اس کے مطالعے سے مشرف ہوئے اور اس کی نقلیں کر لیں ، اس تحریر کے بعد شدائد مرض میں بھی بہت سے معارف واسرار بیان فرمائے اور وصیتیں کیں'' ﴿مکتوبات معصومی،۱۸۳:۲﴾

صاحبزادگان فرماتے ہیں کہ سردی اور شدت ضعف کی وجہ سے حضرت مجدد

رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ عبد الرشید خادم سے فرمایا:

''انگیٹھی میں جلانے کے لیے دو روپے کے کوئلے لے آؤ، کچھ وقفے کے بعد فرمایا، ایک روپے کے لے آئیے کہ اب دل میں کوئی کہہ رہا ہے کہ اب فرصت کہاں کہ دو روپے کے کوئلے جلائے جائیں، شیخ حبیب خادم نے عرض کیا، حضرت! سردی کا موسم ہے، کام آجائیں گے، فرمایا کہ ملا حبیب کو بہت امید ہے، لیکن وقت کہاں ہے، خیر ایسا ہی کرو، جب کوئلے آگئے تو ایک روپے کے کوئلے اپنے لیے الگ کر لیے اور فرمایا کہ اتنے ہمارے لیے کافی ہوں گے اور باقی اندر بھجوا دیے، جو کوئلے اپنے لیے اٹھا کر رکھے تھے جب روح پرواز ہوئی تو اس میں سے ایک کوئلہ بھی نہ بچا تھا، سب جل چکے تھے'' ﴿وصال احمدی:۱۲﴾

وصالِ مبارک کی کیفیت:

وصال کے دن یعنی ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ہجری کی رات کے آخری حصے میں بے تابانہ فرمایا: اصبح الیل، اے رات! جلد صبح ہو! صاف صاف ارشاد فرمایا کہ آنے والا دن، یوم وصال ہے، اسی رات کو خادموں سے فرمایا: آپ نے بہت تکلیف اٹھائی، بس آج کی رات تکلیف اور ہے، آخیر رات پر استغراق ومحویت کا عالم طاری ہو گیا، سانس تیزی سے پھولنے لگا، خواجہ محمد سعید گھبرا گئے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی اور فرمایا، ہم اچھے ہیں، تھوڑی دیر بعد فرمایا، جو دو رکعت ہم نے پڑھی تھیں بس وہی کافی ہیں، یہ آپ کی آخری گفتگو تھی، وصال کے وقت کچھ وصیتیں بھی فرمائیں، صاحبزادگان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا:

''سنت را بدنداں خواہند گرفت''

ترجمہ: سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے پابند رہو

اللہ اللہ جان بلب ہیں لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھنا شریعت پر سختی سے پابند رہنا، وہ محی شریعت وطریقت تھے، وہ مجدد دین وملت تھے، انہوں نے سالہا سال

شریعت کو پرکھا تھا اور طریقت کی راہوں سے گزرے تھے، وہ منزل پر پہنچ کر راہ روان ملت کو آواز دے رہے تھے ؎

از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراہیم شو

وہ احکام الٰہی کی عظمت سے باخبر تھے، وہ ہر کس و ناکس کے قانون کو قانون الٰہی نہیں سمجھتے تھے، وہ اطاعت شعاری اور وفاداری کے حقیقی معنوں سے باخبر تھے، اسی لیے وہ بار بار شریعت کی طرف بلاتے رہے، انہوں نے بندوں پر بندوں کی حکومت کو ٹھکرا دیا تھا، وہ عظمت انسانیت کے علمبردار تھے، وہ خالق کائنات کے وفادار تھے، اسی لیے جاتے جاتے بھی ناموس پیمان محبت کو رسوا نہ کیا، محبت کا حق ادا کر دیا، ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۲۶۴﴾ اپنی قبر شریف کے لیے وصیت فرمائی، میری قبر کسی گمنام جگہ پر بنانا، ﴿زبدۃ المقامات:۲۸۹﴾ دیکھا کہ صاحبزادگان کو کچھ تامل وتردد ہے تو فرمایا، اگر یہ نہیں کر سکتے تو شہر کے باہر والد بزرگوار کے جوار میں دفن کر دینا یا باغ میں قبر بنا دینا، قبر کو کچا رکھنا تا کہ تھوڑے عرصے کے بعد اس کا نشان بھی باقی نہ رہے، لیکن جو اس بے نشان کے مبتلائے عشق ہیں، ان کا نام و نشان مٹانا گردشِ دوراں کے بس کی بات نہیں ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ ہجری بروز دوشنبہ صبح کے وقت جان عزیز جان جاناں کے سپرد کر دی، انا للہ و انا الیہ راجعون، ؎

بہر بہار گل از زیر گل بر آرو سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

وصال کے وقت قبلہ رخ بائیں کروٹ پر رخسار کے نیچے ہاتھ رکھے لیٹے تھے، جو لیٹنے کا مسنون طریقہ ہے، عمر شریف، حضور ﷺ کے سن شریف سے متجاوز نہ ہوتی تھی، اتباع کے اس نقطے کو بھی فراموش نہ کیا جو اختیاری نہ تھا، سبحان اللہ! سبحان اللہ!

تجہیز و تکفین:

غسل کے وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، انہوں نے بعض مشاہدات کا ذکر فرمایا ہے جو نہایت حیرت انگیز ہیں، وصال کے وقت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سیدھے کر دیئے تھے لیکن جب غسل دینے کے لیے تخت پر لٹایا گیا تو دونوں ہاتھ اس طرح بندھے ہوئے تھے جیسے نماز میں باندھتے ہیں، آیئے خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے:

''جب غسل کے لیے کپڑے اتارنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ناف پر ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جس طرح نماز میں ہوتے ہیں، حالانکہ وصال کے وقت خواجہ محمد سعید نے ہاتھ پیر سیدھے کر دیئے تھے، جب تخت پر لٹایا گیا تو مسکرا رہے تھے، غسل کے دوران بھی مسکراتے رہے ؎

پس چناں زی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

غسل کے وقت داہنی کروٹ سے جب نہلایا گیا تو دست مبارک اسی طرح بندھے رہے جس طرح نماز میں یعنی داہنا اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے، حالانکہ کروٹ کا تقاضا یہ تھا کہ بایاں اوپر ہوتا لیکن اعضائے مبارک موم کی طرح نرم ہونے کے باوجود داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہی رہا اور جب کفن دینے کے لیے ہاتھ پھیلائے گئے تو حاضرین نے دیکھا کہ دونوں ہاتھ متحرک ہوئے یہاں تک کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر زیر ناف آ گیا، یعنی نیت باندھ لی، حاضرین نے بے ساختہ تحسین و آفریں کی صدا بلند کی، حضرت شیخ محمد سعید نے فرمایا کہ جب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی اس طرح ہے تو رہنے دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے،

کما تعیشون تموتون'' ﴿وصال احمدی:۱۹،۲۰﴾

نماز جنازہ وتدفین:

حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد صاحبزادہ مرحوم خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، یہ وہی مقام تھا جہاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ایک نور دیکھا تھا اور وصیت فرمائی تھی:

> ''میرے بیٹے کی قبر کے سامنے رکھنا کہ وہاں میں جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری دیکھ رہا ہوں، چنانچہ اس جگہ آپ نے ایک قبہ تعمیر کرایا'' ﴿ایضاً:۲۲﴾

اس قبے میں پہلے فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کو رکھا گیا اور اس کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو، اب اس روضہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے جس پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے ؎

بعد از سہ صد سال نہ باشد ...... روضہ محبوب ربانی
پرتو گنبد خضریٰ گویا ...... کانِ مجدد الف ثانی

کلمات فراق:

اب ہم اس باب فراق کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے کلمات فراق پر تمام کرتے ہیں جو آپ نے عالم جذب و مستی میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق کشمی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمائے، ایک ایک جملے سے حسرت و یاس ٹپک رہی ہے، سچ ہے، موت العالِم موت العالَم، ایسے المناک اور غمناک فراق پر کیوں نہ آنسو بہائے جائیں۔

> ''جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، غم فراق قوی ہوتا جاتا ہے، جتنا زیادہ پرانا ہو رہا ہے، تازہ ہو رہا ہے، سارے جہان میں پھریں لیکن اس لِلّٰہ فی اللہ اجتماع کو کہاں دیکھیں گے؟ وہ فیوض و برکات کہاں پائیں گے؟ ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق وہ معارف و حقائق اور وہ

نزاکتیں جو آپ بیان فرماتے تھے اور ہم سنتے تھے، اب کس سے سنیں گے؟ محرمان خاص سے جو اسرار ورموز بیان ہوتے تھے اب وہ کہاں نظر آئیں گے؟ اور وہ خاص خاص معاملات، محرمانِ راز میں سے بھی ایک دو کے سوا کسی کو سننے کا یارانہ تھا، اب کون سنائے گا؟ اور ہاں وہ اسرار و معارف الگ رہے جن کا کوئی محرم نہ تھا اور یونہی سر بمہر مدفون ہو گئے'' ﴿سیرت مجدد الف ثانی:۲۶۹﴾

......⊙......

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اُداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

باب سوم

معمولات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات بندگی اور معاملات زندگی قرآن پاک اور سیرت سید لولاک ﷺ کی عملی تصویر دل پذیر تھے، چنانچہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس کمترین نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے کئی بار سنا کہ آپ نے فرمایا اگرچہ ہمارے کام کی کیا حقیقت ہے لیکن جو کچھ بھی ہم کو عطا کیا ہے میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے سبب جانتا ہوں، مثال کے طور پر اگر کوئی امر کرم کا بہانہ ہو تو وہ سید الاولین والآخرین ﷺ کی اطاعت ہوگی کہ میں اسی پر اپنے کام کا مدار سمجھتا ہوں، جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ اسی اتباع کی راہ سے جزئیاً وکلیاً دیا ہے جو کچھ نہیں دیا تو اس لیے نہیں دیا کہ پورے طور پر اتباع میں بتقاضائے بشریت کوئی نقص رہ گیا ہو، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ایک دن سہواً بیت الخلا میں جانے کے لیے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا اس دن کئی احوال مجھ پر بستہ ہو گئے، ایک دن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا تھا اور آپ معارف کی تحریر فرمانے میں مشغول تھے کہ اچانک استنجا کی شدید حاجت کے باعث تیزی کے ساتھ وضوخانہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن جس تیزی کے ساتھ وضوخانہ کی طرف گئے تھے اور اسی طرح بہت تیزی کے ساتھ باہر آ گئے، بندے کو حیرت ہوئی کہ اس تیزی کے ساتھ اور بہت جلد واپس آنے کا کیا سبب تھا، بیت الخلا سے واپس آتے ہی پانی کا لوٹا منگوا کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھو کر پھر بیت الخلا واپس تشریف لے گئے، جب کچھ دیر کے بعد واپس ہوئے تو فرمایا کہ پیشاب زور سے لگ رہا تھا اس لیے تیزی کے ساتھ میں وضوخانہ میں داخل ہوا، ابھی بیٹھا ہی تھا کہ

میری نظر ناخن پر پڑی، دیکھا کہ ایک سیاہ نقطہ اس پر تھا جو میں نے قلم کے امتحان کے لیے اس پر لگایا تھا، اس سیاہی کے نقطہ کے ساتھ جو حروف قرآن کی کتابت کے اسباب میں سے ہے وہاں بیٹھنا مناسب اور ادب کے لائق نہیں دیکھا، بوجود یہ کہ مجھے استنجا کے شدید تقاضا کے بعد محنت اٹھانی پڑی لیکن ادب کے مقابلہ میں یہ محنت حقیر دکھائی دی، اس لیے باہر آ کر اس سیاہی کے نقطہ کو میں نے دھویا اور پھر واپس ہوا۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۵﴾

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بندہ روز آپ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے مولانا صالح ختلانی کو حکم دیا کہ چند لونگیں تھیلی سے نکال لائیں، انہوں نے چھ لونگیں پیش کیں، آپ غصہ میں آ گئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے اس صوفی نے اتنا بھی نہیں سنا ہے کہ اللہ وتر یحب الوتر ﴿اللہ وتر ہے وتر کو پسند فرماتا ہے﴾ وتر ﴿طاق﴾ کی رعایت مستحبات میں سے ہے، مستحب کو لوگ کیا جانیں، مستحب اللہ تعالیٰ کا پسند کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے پسند کیے ہوئے ایک عمل کے بدلے اگر دنیا وآخرت کو دیدے تو کچھ بھی نہ دیا اور فرمایا کہ ہم استحباب کی رعایت اس قدر پیش نظر رکھتے ہیں کہ چہرہ دھوتے وقت قصد کرتے ہیں کہ پانی پہلے دائیں رخسار پر پڑے کیونکہ دائیں طرف سے شروع کرنا بھی مستحبات میں سے ہے۔ ﴿ایضاً﴾

نیز دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی روز نفلی روزوں کی طرف پوری توجہ کی، حالانکہ بدن کی کمزوری کی وجہ سے ان دنوں میں آپ کے لیے روزہ رکھنا بہت دشوار تھا، جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے روزے ہیں تو فرمایا کہ رمضان کے روزوں کی احتیاطی قضا ہے کہ ان دنوں میں نے روزانہ استنجا کیا تھا، اس موقع پر فرمایا کہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جس قدر ممکن ہوتا رمضان میں استنجا نہیں کرتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو پھر اس روزہ کی قضا کرتے تھے، کس قدر اچھے ہیں سلف اور کس قدر اچھے ہیں خلف۔

ایک دن آپ اپنے فرش پر لیٹے ہوئے تھے اچانک مضطرب ہو کر بستر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا کہ بستر کے نیچے ایک کاغذ دیکھا تھا اگرچہ معلوم نہ تھا کہ اس میں کچھ لکھا ہے اور کیا کچھ لکھا ہے، اتنی دیر بھی بستر پر بیٹھنے کو بے ادبی سمجھا کہ کسی کو اٹھانے کے لیے کہوں۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۵﴾

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک وقت دیکھنے میں آیا کہ ایک حافظ جس نے سرہانے کے پاس فرش بچھایا ہوا تھا، قرأت میں مشغول ہوا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں وہ اس فرش سے کس قدر بلند ہے جس پر حافظ تلاوت کرتا ہے، چنانچہ آپ نے اس زائد فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے لپیٹ کر کنارے پر کر دیا۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۶﴾

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عزیز جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ﴿برہان پور سے﴾ پہنچے تھے اور دیگر مشائخ وقت کو بھی دیکھا تھا بیان کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے بعد جب میں شیخ معظم اور اس دربار سے محبت کرنے والوں کے مقتدا حضرت خواجہ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو شیخ نے مجھ سے ان بزرگوار کے طور طریقے پوچھے کہ تم سرہند میں ان کی خدمت میں پہنچے ہو بتاؤ تم نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا کہ ان کے احوال باطنی کی مجھ جیسے نامراد کو کیا خبر؟ لیکن بظاہر آداب سنت کی اور ان کے دقائق کی رعایت میں میں نے ان کو ایسا پایا کہ اگر مشائخ وقت جمع ہو جائیں تو انکا عشر عشیر بھی ان سے نہ ہو سکے، شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو جو کچھ بزرگ دین اسرار حقیقت کے متعلق کہتے اور لکھتے ہیں سب صحیح اور اصل ہیں اور وہ اس میں سچے ہیں اور یہ محقق ہے کہ صدق مقال اور علو حال کمال اتباع کی نشانی ہے، شیخ مذکور رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اخلاص اور کامل محبت تھی، اس بات کو راقم الحروف سے جبکہ ان کی خدمت میں پہنچا کئی بار ظاہر فرمایا، جس زمانہ میں سلطان وقت سلیم جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قید میں ڈال دیا تھا جب بھی یہ فقیر ﴿شیخ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ﴾ کی خدمت میں پہنچتا تھا تو فرماتے کہ نماز کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے لیے دعا و فاتحہ کا ورد کیا ہے، ایک دن ایک شخص نے سرہند سے شیخ ﴿موصوف﴾ کی خدمت میں آکر درخواست کی کہ بیعت کر لیں، شیخ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے ہوئے فرمایا کہ تعجب ہے، اس طرح کے بزرگ تمہارے شہر میں موجود ہوں اور تم دوسری جگہ مرید بنو۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۷﴾

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امرائے وقت میں سے ایک کو

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معاملہ میں تر دد تھا، ایک دن وقت کے قاضی القضاۃ سے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ہمسایہ تھے ان سے خلوت میں پوچھا کہ آپ عالم آدمی ہیں، قول کے سچے اور دیانتدار ہیں، ان عزیز کے احوال کچھ بیان کیجئے جو آپ کے ہمسائے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ اس گروہ کے باطنی احوال ہمارے علم سے ماورا ہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ان بزرگوار کے اطوار کے مشاہدہ نے ہم کو اولیائے متقدمین کے متعلق مزید یقین بخشا کیونکہ جب باکمال متقدمین کی عجیب عجیب ریاضتوں اور عبادتوں کے متعلق ہم کتابوں میں پڑھتے تھے تو خیال ہوتا تھا کہ شاید ان سے محبت کرنے والوں نے مبالغہ کے ساتھ لکھا ہوگا لیکن جب ان عزیز کے طریقوں کو دیکھا تو تر دد جاتا رہا، بلکہ ان کے حالات لکھنے والوں سے لڑتا ہوں کہ اب بھی کم ہی لکھا ہے، حق یہ ہے کہ آپ ایسے ہی تھے جیسا کہ اس عالم منصف نے انصاف و دیانت کے ساتھ بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ﴿ایضا:۲۷۷﴾

ایک درویش جن کے حوالے وضو کے پانی، مصلیٰ اور عبادت کے متعلق امور کا انتظام کرنا تھا، بیان کرتے ہیں کہ سارے دن میں صرف قیلولہ کے وقت اور رات کی دوسری تہائی میں فرصت پاتا ہوں، ان دو وقتوں کے علاوہ آپ کی اطاعت سے فرصت نہیں ہے، اسی طرح آپ اصحاب کو بھی دوام ذکر، حضور اور مراقبہ کا شوق دلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دنیا دار عمل ہے اور کھیتی اور کاشتکاری کی جگہ ہے، حضور باطنی کو ظاہری آداب واعمال کی رعایت کرتے ہوئے کام میں مشغول رہو اور آپ فرماتے ہیں کہ حضرات خواجگان نقشبند رضی اللہ عنہم کے بعض رسائل سے کچھ لوگوں نے جو قلت عمل کا مفہوم لیا ہے تو بات ایسی نہیں ہے کیونکہ ان بزرگوں کا طریقہ اتباع نبوی میں سب ... قابل اعتماد طریقوں میں سب سے زیادہ موافق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کثرت عبادت کی وجہ سے متورم ہو جاتے تھے باوجود اس کے کہ آپ محبوبیت اور بلند مرتبہ پر فائز تھے، اس بات میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ چونکہ ہمارے خواجگان کا طریقہ ابتدا میں بلکہ وسط کی ابتدا میں بھی جذبات سے متعلق ہے اس لیے لازماً ان کا حال اس وقت کثرت سکر واستدراق کی وجہ سے اعمال جوارح کی کثرت کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ حضور و توجہ کے ساتھ فرائض وواجبات وسنن موکدہ کی بجا

آوری کو جمع کر کے انہیں پر اکتفا کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عزیمت کی رعایت کو تو لازمی شمار کیا ہے کہ یہ عظیم ریاضتوں میں سے ہے، خصوصاً اسی حال میں جبکہ جذبات اور غلبات ہوں لیکن جب خداوند بزرگ و برتر کی عنایت سے تلوین کے احوال سے تمکین تک پہنچتے ہیں تو لازماً کثرت اطاعت کی طرف آتے ہیں اور جس قدر عبادات زیادہ ہوتی ہیں اسی قدر ترقیاں زیادہ دیکھتے ہیں۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۸﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مسائل فقہ بھی پوری طرح مستحضر تھے اور اصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے لیکن احتیاط کی بنا پر اکثر قابل اعتماد اور معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے تھے، سفر و حضر میں فقہ کی بعض معتبر کتابیں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آپ کی ساری ہمت اس میں صرف ہو جاتی تھی کہ مفتی بہ اور فقہائے کبار کے مسلک مختار کے مطابق عمل کریں اور جس عمل میں بعض فقہا جواز کی طرف اور بعض فقہا کراہت کی طرف مائل ہیں تو کراہت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس کے مطابق عمل کرتے تھے اور اگر جواز و عدم جواز، حلت و حرمت میں تعارض واقع ہو تو ترجیح عدم جواز اور حرمت کو ہے۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۸﴾

جہاں تک ممکن ہوتا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مذاہب کو جمع کرتے چنانچہ جن روایات میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے اور صاحبین ﴿امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما﴾ دوسری طرف تھے اور اگرچہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہو تو اس صورت میں کبھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے احترام کے پیش نظر ان کے قول پر بھی عمل کر لیتے تھے، جیسا کہ زیارت قبور کا معاملہ ہے کہ آپ اکثر اس میں قرآن پڑھتے تھے کہ صاحبین کے مذہب کے مطابق جائز ہے اور فتوی بھی اس پر ہے لیکن کبھی کبھی اس کو ترک بھی کر دیتے تھے اور صرف دعا پر اکتفا کرتے تھے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق قبور پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۷۸﴾

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ بہ نفس نفیس امامت کراتے تھے، ایک دن دل میں خیال گزرا کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اس خیال کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو جمع مذاہب کی بحث چھیڑتے

ہوئے آپ نے فرمایا کہ شافعیہ اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ قرات فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے، اس لیے وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور احادیث صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن ہمارے امام، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ﴿دیگر احادیث صحیحہ کی روشنی میں﴾ امام کی قرات فاتحہ کو مقتدی کی قرات قرار دے کر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہائے حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں لیکن حنفیہ سے بعض روایات مرجوحہ امام کے پیچھے قرات کے جواز کے متعلق بھی منقول ہیں جس قدر ممکن ہوتا ہے میں جمع مذاہب کی کوشش کرتا ہوں اور جمع کی صورت اسی میں دیکھتا ہوں کہ امامت کروں۔ ؎

گر نو یسم شرح آں بے حد شود

گر لکھوں میں شرح اس کی حد نہ ہو

مختصر یہ کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل جاڑے، گرمی اور سفر و حضر میں یہ تھا کہ اکثر نصف اخیر میں اور کبھی رات کی آخری تہائی میں اٹھ کر اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے پھر پورے طور پر احتیاط کے ساتھ وضو کرتے تھے، آپ اس کے قائل نہ تھے کہ وضو میں کوئی دوسرا شخص آپ کے ہاتھ پر پانی ڈالے، وضو کے پانی میں آپ سے اس قدر احتیاط ظاہر ہوتی تھی کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کی جاسکتی، اس میں قبلہ رو ہونے کی رعایت کرتے تھے لیکن دونوں پاؤں کے دھونے کے وقت شمال یا جنوب کی طرف پھر جاتے تھے اور مسواک کو ہر وضو میں اور وضو کو ہر نماز میں لازم سمجھتے تھے، الا ماشاء اللہ ﴿بجز اس کے جب کبھی اللہ تعالیٰ چاہے﴾ اور ہر عضو کو تین بار دھوتے تھے اور ہر بار ہاتھ سے پانی کو نچوڑتے تھے تاکہ قطرہ گرنے کا احتمال نہ تو دھوئے ہوئے عضو میں اور نہ دھونے والے ہاتھ میں رہے اور اس کی حکمت یہ ظاہر کرتے کہ چونکہ غسالہ کی نجاست وطہارت میں اختلاف ہے اور اگرچہ فتویٰ اس کے پاک ہونے پر ہے لیکن احوط پر عمل کرتے تھے اور ہر عضو کے دھونے میں کلمہ شہادت، درود اور ماثورہ دعائیں بھی پڑھتے تھے جو احادیث کی کتابوں میں تکملہ مشکوٰۃ اور بعض کتب فقہ اور عوارف میں منقول ہیں، وضو کے بعد چشم حق بین کے گوشہ کو آسمان کی طرف کرتے اور جو دعا اس وقت کے لیے منقول ہے پڑھ کر تہجد کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور اطمینان اور پورے حضور و جمعیت اور طویل قیام کے ساتھ تہجد ادا کرتے تھے اس طرح

کہ طاقت بشری بغیر تائید الٰہی جلشانہ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہے، ابتدائے احوال میں اکثر تہجد، چاشت اور زوال میں سورۃ یٰسین کی قرات بار بار کرتے اس طرح کہ کبھی تو اس کی تعداد اسی مرتبہ تک پہنچ جاتی اور کبھی کم ہوتی اور کبھی تو اس سے بھی زائد ہو جاتی اور آخر میں اکثر نماز میں ختم قرآن میں مشغول ہو جاتے، تہجد ادا کرنے کے بعد پورے خشوع واستغراق کے ساتھ خاموش اور مراقبے میں بیٹھتے، فجر سے دو تین گھڑی یا ایک گھڑی پہلے سنت کے مطابق اونگھ لیتے تا کہ تہجد دو نیندوں کے درمیان ظہور پذیر ہو، پھر طلوع فجر سے بیدار ہو کر نماز فجر میں مشغول ہوتے، فجر کی سنت گھر ہی میں ادا کرتے اور سنت اور فرض کے درمیان، **سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم** کا تکرار مخفی طور پر کرتے، فجر کے فرض ادا کرنے کے بعد اشراق کے وقت تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد ہی میں حلقہ کر کے مراقبہ میں بیٹھتے، اس کے بعد نماز اشراق طویل قرات کے ساتھ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ ادا کر کے ان تسبیحات اور ماثورہ دعاؤں میں مشغول ہوتے جو اس وقت کے لیے منقول ہیں، اس کے بعد حرم میں جا کر عورتوں اور بچوں کی خبر گیری کرتے اور معاش کے متعلق جو امور ہوتے ان کا حکم دیتے، اس کے بعد خلوت میں چلے جاتے اور قرآن مجید کی تلاوت کی طرف توجہ فرماتے، تلاوت کے بعد طالبوں کو طلب فرما کر ان کے حالات دریافت فرماتے یا مخلص اصحاب کو بلا کر اسرار خصوصی بیان فرماتے اور ان کو سنا کر از خود رفتہ کر دیتے کیونکہ اس معرفت کے سنانے میں نسبت کا القا کرتے اور نعمت عطا فرماتے اچانک ہر ایک دوست کو اس کے حال اور استعداد کے مطابق کسی امر کی طرف رہنمائی فرماتے اور جس حالت یا کیفیات کا اس پر فیضان ہوا ہوتا اس کی اطلاع دیتے اور سبھوں کو علو ہمت، اتباع سنت، دوام ذکر و حضور، مراقبہ اور اخفائے حال کی تاکید کرتے اور فرماتے اگر تمام دنیا و مافیہا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو عظیم غنیمت سمجھو اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص خزف ریزہ خرچ کر کے عالم کو خریدے اور فضول بے جان چیزوں کے عوض روح قبضے میں لائے نیز کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے تکرار کی ترغیب موقع پر فرماتے کہ اس عظیم کلام کے مقابلہ میں کاش تمام عالم کو وہی نسبت حاصل ہوتی جو قطرے کو سمندر سے ہے، یہ کلمہ طیبہ تمام

کمالاتِ ولایت و نبوت کو جامع ہے، لوگ تعجب کرتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے کہنے کی وجہ سے کس طرح جنت کا داخلہ میسر ہوگا، اس فقیر کو محسوس ہوا اور مشاہدہ میں آیا کہ تمام عالم کو اس ایک کلمہ کے کہنے پر بخش دیں اور جنت میں بھیج دیں تو اس کی گنجائش ہے اور اگر اس کلمہ کی عظمت کا ظہور اور برکت کا حصول اس کے کہنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہے، اس کلمہ کا کہنے والا جس قدر عظیم ہوگا اس کی عظمت اور برکت کا ظہور اسی قدر زیادہ ہوگا،

نیز فرماتے ہیں، دنیا میں کوئی ایسی آرزو معلوم نہیں ہے جو اس کے برابر ہو کہ آدمی کسی گوشہ میں گھس کر اس کلمہ طیبہ کی تکرار سے لذت یاب اور محظوظ ہو لیکن کیا کر سکتے ہیں تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتی ہیں۔

نیز اپنے ساتھیوں کو فقہ کی معتبر کتابوں کے مطالعہ کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ علمائے دین سے شرح مبین کے احکام کی تحقیق کرنی چاہیے کہ کونسا حکم مفتی بہ ہے، کونسا عمل مسنون و معمول ہے اور کونسا بدعت و مردود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ ﴿ظاہری﴾ سے زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اور فاسد ہو گیا ہے اور بدعت و فجور کی تاریکیاں شامل ہو گئی ہیں، ان تاریکیوں میں چراغ سنت کی روشنی کے بغیر نجات کی راہ نہیں پا سکتے،

: نیز فرماتے ہیں، کشف میں معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو بدعت نے تاریک بھنور کی طرح غرق کر دیا ہے اور اس میں سنت کی روشنی رات کو روشن کرنے والے کیڑے کی طرح دکھائی دیتی ہے آپ کی صحبت اکثر خاموشی کی حالت میں گزرتی اور کبھی مسلمانوں کے عیب اور غیبت کا ذکر نہیں ہوتا تھا، آپ کے ساتھیوں کو آپ کی ہیبت بہت زیادہ ادب اور خشوع کی حالت میں رکھتی تھی اور ان کو کھلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، آپ کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ ان عظیم احوال کے وارد ہونے کے باوجود تلوین کے آثار آپ پر ظاہر نہیں ہوتے تھے، شور چیخ بلکہ بلند آواز سے آہ بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی، دو سال کی مدت تک بندہ حاضر خدمت رہا لیکن اس مدت میں تین چار بار دیکھا گیا کہ آنسو کے قطرے چہرہ مبارک پر گرے اور اس کے علاوہ تین چار بار معارف عالیہ بیان کرتے وقت آپ کے چشم و رخسار میں سرخی اور دونوں مبارک گالوں پر حرارت کا پسینہ دکھائی دیا، ایک دن معرفت کے بیان کے دوران تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا، خاموشی کے اس واقعہ میں عجیب احوال اور عظیم معاملہ ظہور

میں آیا اور اس وقت آپ کی آنکھوں سے غیر حاضر ہونے کا اور چہرے سے ایک گونہ سرخی کا اثر ظاہر تھا، تلوین کا اس کے علاوہ کوئی اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔

جب ضحوہ کبریٰ ہو جاتا تو نماز چاشت خلوت میں ادا کر کے پھر باہر تشریف لے جاتے اور اس جماعت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، خود بنفس نفیس توجہ فرماتے اور تمام فرزندوں اور درویشوں کو جو کچھ پکا ہوتا ایک ایک کر کے پہنچاتے، اگر اس وقت فرزندوں اور درویشوں میں سے کوئی حاضر نہ ہوتا تو حکم دیتے کہ اس کا حصہ رکھ دیں، کھانا تناول کرنے کے بعد ماثورہ دعائیں پڑھتے جو اس وقت کے لیے منقول ہیں اور اخیر زمانہ میں جب آپ نے تنہائی اختیار کر لی تھی اور روزہ تھا تو آپ کھانا اسی خلوت خانہ میں تناول فرماتے، کھانا کے بعد فاتحہ پڑھنا جیسا کہ لوگوں کے درمیان معروف ہے، آپ سے بہت کم دیکھا گیا کیونکہ احادیث صحیحہ میں اسکا ذکر نہیں آیا، روزانہ دوپہر سے پہلے کوئی چیز کھا لیتے اور وہ بھی بہت ہی کم مقدار میں ہوتی، اس کے باوجود فرماتے کہ کیا کیا جائے آخری عمر کے تقاضا کی بنا پر بھوک کی حالت میں سرور دین و دنیا حضرت محمد ﷺ کا کامل اتباع میسر نہیں ہوتا ہے، نیز فرماتے ہیں، جو امور عارف کو ملکیت سے بشریت کے نزدیک کر دیتے ہیں ان میں کوئی چیز کھانے کی طرح نہیں ہے، کبھی تہجد کے وقت اس کی کدورتوں کی صورت مثالیہ نظر میں آتی ہے، کھانا پورے خشوع وحضور کے ساتھ تناول فرماتے اور ساتھیوں کو بھی اسی وقت خشوع وحضور کی تاکید فرماتے، کھانا کھاتے وقت بائیں زانو کو لٹا دیتے اور دائیں زانو کو اس پر رکھتے اور کبھی غیر مجالس میں دیکھا گیا کہ دونوں زانو کو اٹھا کر تناول فرماتے، کھانا تناول کر لینے کے بعد تھوڑی دیر سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے اور آپ کا موذن ظہر کے اول وقت میں اذان کہتا، اذان سننے کے بعد بلا تاخیر وضو کی طرف متوجہ ہوتے اور سنت زوال میں مشغول ہوتے اور فرماتے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے بعثت کے زمانہ سے رحلت تک سنت زوال کو ترک نہیں کیا اور اس میں قرات کبھی تو طوال مفصل کی کرتے اور کبھی قصار کی کرتے اور اس کے بعد ظہر کے فرض کی رکعتیں اور دو رکعت سنت پڑھتے اور چار رکعت اور بھی ادا کرتے، نماز ختم کر کے بیٹھتے اور حافظ سے قرآن پاک کا ایک پارہ یا کم وبیش سنتے اور اگر کوئی درس ہوتا تو درس دیتے اور اگر کوئی حافظ موجود نہ

ہوتا تو خود خلوت میں جا کر تلاوت کرتے تھے اور نماز عصر اول وقت میں مثلین گزر جانے کے بعد ادا کرتے، یہ نہیں دیکھا گیا کہ عصر سے پہلے کی چار رکعت سنت کو آپ نے ترک کیا ہو، عصر کے بعد سے وقت غروب کے قریب تک ساتھیوں کے ساتھ سکوت اور مراقبہ میں گزارتے تھے، فجر اور عصر کے ان حلقوں میں باطنی طور پر مریدوں کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے اور نماز مغرب بھی اگر بادل نہ ہوتے تو اول وقت میں ہی ادا کرتے، فرض ادا کر لینے کے بعد اسی جلسہ میں دس بار کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ'' پڑھتے اور سنت اور فرض کے درمیان فصل کرنے کے لیے ''اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام'' سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے دو رکعت سنت اور چار رکعت اوابین ادا کرنے کے بعد اس وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے اور اوابین کبھی چار رکعت اور کبھی چھ رکعت ادا کرتے اور اس میں اکثر سورۃ واقعہ کی قرات کرتے، افق کی سفیدی زائل ہونے کے بعد عشا کی نماز ادا کرتے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک شفق سے یہی مراد ہے، عشا کے فرض سے پہلے چار رکعت سنت اسی طرح عشا کی دو رکعت سنت کے بعد بھی چار رکعت سنت ادا کرتے اور آخری سنت کی چار رکعتوں میں چاروں قل پڑھتے، اگر ان چاروں رکعتوں میں الم سجدہ، سورۃ تبارک، ''قل یا ایھا الکافرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' کی قرأت کرتے، کبھی ان چاروں رکعتوں میں چاروں قل پڑھتے، اگر ان چاروں رکعتوں میں الم، سجدہ اور سورۃ الملک نہ پڑھی ہوتی تو وتر ادا کرنے کے بعد ان دونوں سورتوں کو سورۃ دخان کے ساتھ ملا کر پڑھتے اور ساتھیوں کو بھی ان سب وقتوں میں ان سورتوں کو پڑھنے کی ہدایت کرتے، وتر کی پہلی رکعت میں اکثر ''سبح باسم'' اور دوسری رکعت میں ''قل یا ایھا الکافرون'' اور تیسری رکعت میں ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے، قنوت حنفی کے ساتھ قنوت شافعی کو بھی ملاتے، وتر ادا کرنے کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر ادا کرتے، ان دو رکعتوں میں ''اذا زلزلت'' اور دوسری رکعت میں ''قل یا ایھا الکافرون'' پڑھتے، آخری زمانہ میں شاذونادر ان دو رکعتوں کو ادا کرتے اور فرماتے کہ اس کے متعلق فقہا نے بہت قیل وقال کیا ہے اور وتر کے بعد جو دو سجدے متعارف ہیں وہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علما نے اس کی کراہت کا فتویٰ دیا ہے، وتر کبھی اول شب

میں اور کبھی تہجد کے بعد پڑھتے اور جب اول شب میں وتر پڑھ لیتے تو اخیر شب میں اس کو دوبارہ نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں اور فرماتے تھے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہوتے اور فرماتے کہ ایک رات انہیں دکھایا گیا کہ وتر تاخیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سو جاتا ہے اور نیت کرتا ہے کہ آخر شب میں وتر ادا کرے گا تو اس کے کاتبین اعمال ساری رات اسی کے نام سے نیکیاں لکھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ وتر ادا کرے، اس کے ساتھ ساتھ فرماتے اور تحریر بھی فرمایا کہ وتر کے جلد پڑھنے یا دیر سے پڑھنے میں سید البشر ﷺ کی متابعت کے سوا اور کوئی چیز پیش نظر نہیں ہے اور میں کسی فضیلت کو متابعت کے ہم پلہ نہیں قرار دیتا ہوں اور حضرت رسالت مآب ﷺ نے وتر کبھی اول شب میں کبھی آخر شب میں ادا فرمائے ہیں اور اپنی خوش نصیبی اس کو سمجھتا ہوں کہ کسی امر میں آنحضور ﷺ سے تشبیہ اختیار کروں اگرچہ وہ تشبیہ صورت کے اعتبار ہی سے ہو، لوگ بعض سنتوں میں شب بیداری اور اس طرح کی نیت کو دخل دیتے ہیں ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو آدھی متابعت کے عوض ہم نہیں خریدتے، رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کے لیے بیٹھے اور دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوگا، ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں۔

آنرا کہ در سرائے نگار یست فارغ ست

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کا کمال اتباع نصیب فرمائے۔ ﴿زبدۃ المقامات: ۲۸۰ تا ۲۸۵﴾

اس موقع پر تحریر فرمایا ہے کہ ایک وقت میں درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی تھی، اس فقیر نے اپنی محبت کی بنا پر جو آنحضور ﷺ کے غلاموں سے ہے ان سے اس طرح کہا کہ آنسرور ﷺ کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا ربّ ہے، حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے، یہ بات حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی اس بات کے خلاف ہے جو انہوں

نے آنسرور ﷺ سے جواب میں کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس طور پر مسلط ہوگئی ہے کہ آپ کی محبت کے لیے جگہ باقی نہیں رہی، یہ دونوں باتیں اگر چہ سکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے، انہوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے ابتدائے صحو میں کہی ہے، انکی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے، اس لیے کہ مرتبہ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے تمام نسبتوں کا مرتبہ اس سے کوتاہ ہے، جہل کی بنا پر بلکہ ذوق کی بنا پر اس مرتبہ میں محبت کی نفی کرتے ہیں اور کسی طور پر اپنے کو اس محبت کا لائق نہیں جانتے ہیں، محبت و معرفت صرف صفات ہی میں ہے محبت ذاتی جو کہتے ہیں تو اس سے مراد ذات احدیت ہے، بلکہ ذات بعض اعتبارات ذات کے ساتھ مراد ہے چنانچہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت مرتبہ صفات میں ہے،
﴿اللہ سبحانہ اعلم﴾، ﴿مبداء معاد منھا ۳۷﴾

نماز عشا اور وتر ادا کرنے کے بعد جلد ہی خوابگاہ کی طرف جاتے اور سو جاتے، لیٹنے سے پہلے ماثورہ دعائیں پڑھتے، عشا کے بعد فوراً سو جاتے تو اس کی حکمت بھی بیان کرتے کہ عشا کے بعد کی بیداری آخیر شب کی بیداری میں سستی پیدا کرتی ہے، اس کے علاوہ یہ کہ اگر کوئی شخص بیٹھے گا تو بعید نہیں ہے کہ رسمی باتیں بھی کرے گا اور اس وقت میں یہ بات کراہت سے خالی نہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ ایک رات عشا کے بعد رعایا کے دریافت حال کے لیے چھپ کر تنہا نکلے ہوئے تھے، اچانک پہرہ داروں نے ان کو نہ پہچانا اس لیے پکڑ کر قید کیا اور گھر لے آئے صبح روشنی میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو خلیفہ ہیں، ان پہرہ داروں نے معذرت کی اور عرض کیا کہ اے خلیفہ آپ نے کیوں نہ بتایا کہ میں فلاں ہوں؟ انہوں نے فرمایا: میں عشا کی نماز ادا کر چکا تھا اس کے ادا کرنے کے بعد دنیا کی بات مکروہ ہے۔

آپ درود بھی اکثر پڑھتے تھے، خصوصاً جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن میں اور دو شنبہ کی شب اور دن میں، آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں کو احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے، اس عدد کے پورا کرنے کے بعد ایک گھڑی مراقبہ میں جاتے اور پورے

انکسار کے ساتھ دعا کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر مامور کیے گئے ہیں، رسالہ صلوات ماثورہ جو ایک جزو سے زیادہ ہوتا یا درود کا وہ رسالہ پڑھتے جو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ترتیب دیا ہوا ہے، نماز جمعہ جامع مسجد میں اور عیدین عید گاہ میں ادا کرتے، جمعہ ادا کرنے کے بعد احتیاطاً ظہر بھی ادا کرتے، جمعہ کے فرض ادا کرنے کے بعد چار سورتیں یعنی سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں سے ہر ایک کو سات سات بار پڑھتے، عید الضحیٰ کے دن تکبیرات راستہ میں بلند آواز سے کہتے اور کبھی مضمرات کے فتویٰ کی بنا پر آہستہ کہتے، ذی الحجہ کے آخری عشرہ میں بال اور ناخن حاجیوں کی مشابہت اختیار کرنے کی غرض سے نہ کٹواتے جیسا کہ مستحب ہے، لیکن عرفہ کے دن لوگ اہل عرفات کی مشابہت اختیار کرتے ہیں تو آپ یہ نہیں کرتے تھے، اس عشرہ میں روزانہ سورۃ الفجر کی تلاوت کرتے، اس طرح اس مہینہ کے باقی حصہ میں بھی پڑھتے تھے، نماز کسوف وخسوف ادا کرتے اور نماز تراویح سفر وحضر میں پوری دلجمعی کے ساتھ ادا کرتے تھے اور ختم قرآن کئی بار کرتے، ہر تراویح کے درمیان کبھی تو درود پڑھتے اور کبھی خاموش رہتے، کبھی وہ دعائیں آہستہ سے پڑھتے جو منقول ہیں، غیر رمضان میں ہمیشہ زبانی ختم کرتے اور فرماتے کہ ختم احزاب جو لوگوں کے درمیان مشہور ہے اور اس کو نفی شوق کے ساتھ مقرر کیا ہے مسنوناً اس طریقہ کی صحت میں کلام ہے اور فرمایا کہ ایک عزیز نے تحریر کیا ہے کہ مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خط میں دیکھا گیا کہ ختم احزاب اس طرح ہے۔

فاتحہ ، انعام و یونس گیر و طٰہٰ اے ہمام
عنکبوت آنگہ زمر پس واقعہ داں والسلام

تلاوت کے وقت آپ کی پیشانی سے اور پڑھنے کے طریقے سے سننے والوں پر ظاہر ہوتا تھا کہ قرآنی اسرار اور آیات فرقانی کی برکات کا آپ پر فیضان ہو رہا ہے، ایک دن دوران تلاوت متوجہ ہو کر فرمایا کہ سبحان اللہ وبحمدہ کیسے کیسے راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قرآن میں درج ہوئے ہیں، انکا سمجھنا علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے اور فرمایا کہ کبھی بعض آیات تلاوت کرنے والے کو ایسی جگہ لے جاتی ہیں کہ فہم اور وہم میں نہیں آتا اور نماز میں اور نماز کے باہر خوف کی آیات اس طرح ادا کرتے

کہ خشیت کا فائدہ ظاہر ہوتا تھا اور رجا ﴿امید﴾ کی آیتوں سے رجا ﴿امید﴾ کا فائدہ حاصل کرتے تھے اور تعجب سے تعجب کا، استفہام سے استفہام کا اظہار ہوتا تھا اور مطلقاً مقررہ اوقات کی رعایت بھی فرماتے تھے۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۸۵ تا ۸۷﴾

سفر میں دیکھا جاتا کہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھے ہوتے تو ایک چادر اپنے چہرے پر ڈال کر قرآن پڑھتے، میں شمار کرتا کہ کبھی چار سپارے کبھی تین اور کبھی اس سے کم تلاوت کرتے، جب سجدہ کی آیت پر پہنچتے تو نیچے اتر کر سجدہ کرتے اور چہرے پر جو چادر ڈالتے تو اس میں حکمت یہ تھی کہ عورتوں پر نظر نہ پڑے، رکوع وسجود کی تسبیح میں تنہا نماز کی صورت میں اکثر سات، نو، گیارہ تک پہنچا دیتے اور فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ تنہا نماز پڑھنے میں قوت استطاعت رکھتے ہوئے کمتر تسبیحات پر اکتفا کروں اور فرماتے کہ نماز میں سنن ومندوبات اور آداب کی رعایت حضور قلب کا کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تمام رعائتیں ذکر ہی ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اس کی توجہ ہے، نیز فرماتے تھے کہ لوگ ریاضات ومجاہدات کی ہوس کرتے ہیں حالانکہ کوئی ریاضت ومجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں ہے، خصوصاً فرض وواجب اور سنت نمازیں آپ اسی طرح ادا کرتے کہ بہت ہی مشکل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " انھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین " ﴿بقرہ آیت ۵۴﴾

نیز فرماتے تھے کہ بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایت اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں، مکتوبات کے دفاتر میں اس قسم کی نصیحت آموز باتوں کی جو نماز کی محافظت اور اس کے اسرار کے متعلق ہیں آپ نے بہت زیادہ تحریر فرمایا، جو پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہ ہوگا۔

نماز تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی دو رکعتوں کو ترک نہ کرتے تھے اور سنن رواتب کی طرح سنن زوائد بھی سفر وحضر میں بے تکلف ادا کرتے تھے اور اس بات میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے کہ کسی فعل اور ماثورہ عمل میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہونے پائے اور تراویح کے سوا کوئی نفل نماز جماعت سے نہیں پڑھتے تھے بلکہ نفل نماز میں جماعت کو مکروہ جانتے تھے اور جو لوگ عاشورہ کے دن یا شب برات اور شب قدر میں یہ

نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرتے تو آپ ان کو منع فرماتے تھے اور اس باب میں ایک مکتوب آپ نے تحریر فرمایا ہے جن کی معتبر روایات فقہیہ سے تائید کی گئی ہے اور اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض متاخرین تہجد کو جو جماعت سے ادا کرتے ہیں ان پر آپ تعجب کرتے کہ اس سلسلہ شریفہ کے لوگوں سے یہ عمل کس طرح واقع ہوسکتا ہے جب کہ ان کے طریقہ کی بنیاد عزیمت وکمال اتباع پر ہے، نماز استخارہ سے کام شروع کرتے اور کبھی استفتائے قلب اور دعائے مسنون پر اکتفا فرماتے جیسا کہ احادیث میں منقول ہے، ہر کلی و جزئی مہم میں استخارہ کو لازم رکھتے اور کبھی کئی مہمات کو ایک استخارہ میں جمع کرتے اور ان کو اسی میں شمار کرتے، اگر مہم کی ابتدا میں اتفاقاً استخارہ بھول جاتے تو درمیان میں یا آخر میں اس کا تدارک فرماتے ،تشہد میں سبابہ سے اشارہ نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگرچہ بعض احادیث کا ظاہر اس کے فعل پر دلالت کرتا ہے اور حنفیہ سے بھی بعض روایات اس کے جواز کے متعلق منقول ہیں لیکن جب اچھی طرح تلاش اور جستجو کی گئی تو احوط اور مفتی بہ اس کا ترک معلوم ہوا کہ بہت سے علما نے حرام اور مکروہ بھی کہا ہے اور جب کوئی امر حلت وحرمت کے درمیان دائر ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے، نیز حنفیہ کا عمل اصل اور ظاہر الروایہ کی روایت پر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس عمل کے کرنے کا ذکر نہیں کیا بلکہ نوادر میں ذکر کیا ہے، جلد اول کے آخر میں ایک مکتوب میں بھی آپ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے، کبھی بعض نوافل میں احتیاطاً اور احتمال سنت کی بنا پر ایسا کرلیا کرتے تھے۔ ﴿ایضاً﴾

ادائے فرض کے بعد گزرے ہوئے لوگوں کی روح پر ﴿ایصال ثواب کے لیے﴾ اور مہمات دین و دنیا کے لیے جیسا کہ مشہور رہے، فاتحہ نہیں پڑھتے تھے [1] کیونکہ فقہا نے اسکو مکروہ کہا ہے، فجر اور عصر کی نماز

---

[1]: لیکن اس موقع کے علاوہ آپ ہمیشہ ایصال ثواب کے لیے فاتحہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے، مکتوبات میں اس کی تاکید بھی ملتی ہے۔

ادا کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے لیکن دوسری تین نمازوں میں ایسا نہیں کرتے تھے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور اسکو مستحسن شمار کرتے تھے، [1]

ہر نیک و بد کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے تھے اور ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھتے تھے، مریض کی عیادت کرتے اور مریض پر دعائے ماثورہ پڑھتے تھے اور بعض بیماروں کے دفع مرض کے لیے توجہ باطنی سے بھی کام لیتے اور بہت سے امراض ان مظہر فیاض کی توجہ سے دور ہو گئے، زیارت قبور کے لیے جاتے اور استغفار اور ماثورہ دعاؤں کے ذریعے اعانت کرتے تھے نیز توجہ خاص کے ساتھ مردوں کے احوال کی طرف متوجہ ہوتے، ابتدائی زمانہ میں جب اپنے پیر عالی مرتبت بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور کی زیارت کے لیے جاتے تو ہاتھ قبر پر پہنچاتے کہ فقہا نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور آخری زمانہ میں اس کو ترک کر دیا کیونکہ فقہا سے اس باب میں منع کی روایت بھی منقول ہے، الغرض قبروں کے بوسہ کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے لیکن مردوں سے استعانت کو جائز قرار دیتے تھے۔

آپ دعوت قبول کرتے تھے لیکن جس مجلس میں منکرات اور سماع و رقص ہوتے تو اس مجلس میں شریک نہ ہوتے، ذکر جہر کا بھی بجز شریعت کے شمار کیے ہوئے مقامات مثلاً تکبیرات تشریق وغیرہ کہ ان کے سوا جائز نہیں قرار دیتے تھے اور اس حال کو جس میں سر مو بھی شریعت اور اہل سنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے اور فرماتے کہ احوال شریعت کے تابع ہیں، شریعت احوال کے تابع

---

[1]: لگتا ہے کہ یہاں خواجہ کشمی سے تسامح ہوا ہے، اس مقام پر حضرات القدس میں فاتحہ خلف الامام کا ذکر تک نہیں، ویسے بھی آپ تمام معاملات میں احناف مسلک کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، جو آپ کی اپنی تحاریر سے ثابت ہے۔

نہیں ہے کیونکہ شریعت قطعی ہے، وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف والہام سے ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے کہ ان بعض خام ناتمام درویشوں پر تعجب ہوتا ہے جو اپنے کشف پر اعتبار کر کے اس روشن شریعت کے انکار اور مخالفت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بلند مرتبہ کے باوجود جو ان کو حاصل ہے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے بعد ان کا مرتبہ ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو اس شریعت کی پیروی کرتے تو ان بے سروسامان تہی دستوں کی کیا حقیقت ہے؟ علمائے ماتریدیہ کی رائے کو مقدم رکھتے، علمائے اشعریہ پر ترجیح دیتے اور فرماتے یہ بزرگوار فلسفیانہ دخل اندازی سے دور ہیں اور نور نبوت سے اقتباس کے قریب ہیں، خواص بشر کو خواص ملک سے اور نبوت کو ولایت سے افضل کہتے، اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو اور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے اور لوگوں کی صحبت میں رہنے والے ولی کو گوشہ نشین ولی سے بہتر جانتے تھے۔ ﴿زبدۃ المقامات:۲۸۷ تا ۲۹۰﴾

تمام صحابہ کو خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ تمام اولیائے امت پر ترجیح دیتے تھے اور صحابہ کے منازعات اور مشاجرات کو نیک محمل پر حمل کرتے تھے اور اجتہاد رائے کا نتیجہ سمجھتے تھے، ہوا و ہوس کا نہیں، کیونکہ یہ ان کی شان کے نامناسب ہے، اس کے متعلق آپ نے کئی مکاتیب تحریر فرمائے، مشائخ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم کے طریقے کو اندراج النہایہ فی البدایہ کے تعلق کی بنا پر بعینہٖ صحابہ کرام کا طریقہ سمجھتے تھے اور فرماتے اس طریقہ کو لوگوں نے جو کہا ہے کہ یہ نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے تو اسی وجہ سے کہا ہے کہ ان کا طریقہ سنت کی پیروی اور عزیمت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے تمام طریقوں سے بڑا ہوا ہے اس لیے لازماً ان کی نسبت بھی دوسرے تمام طریقوں کی نسبت سے بڑھ کر ہوگی اور آپ ان رخصتوں کو پسند نہیں فرماتے تھے جن کو اس طریقہ کے متاخرین نے خواجہ بزرگ اور خواجہ علاؤ الدین عطار، خواجہ محمد پارسا اور خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہم کے طریقہ مبارکہ کے خلاف ایجاد کر لیا ہے، شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت بزرگ جانتے تھے اور اچھے طور پر یاد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس محبت کے باوجود جو مجھ کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، شیخ کے بعض کشفی علوم کو پسند نہیں کرتا ہوں اور حق اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ یہ خطا، خطائے کشفی ہے اس لیے مواخذہ سے بری ہے اور اس خطا کے مرتکب خطائے

اجتہادی کی طرح ہیں، لیکن خطا کرنے والے مجتہد کا مقلد مجتہد کی طرح قابل مواخذہ نہیں ہے بخلاف اس کے جو کشف خطا والے کا مقلد ہے کہ کشف خطا کی پیروی میں اس کا مواخذہ ہوگا اس لیے کہ ایک کا کشف دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔

دینی کتابوں مثلاً بیضاوی، بخاری، مشکوٰۃ، عوارف، بزدومی، ہدایہ اور مواقف کا درس بغیر کسی کلام، بحث اور اختلاف کے دیتے تھے، اور طلبہ کو علوم دینی کی تحصیل کا شوق دلاتے تھے اور علوم کی تحصیل کو طریقہ صوفیا کے سلوک پر مقدم رکھتے تھے، جب کہیں کا سفر کرتے تو ایام مسنونہ میں سفر کرتے تھے اور نجومیوں کی ساعتوں کے پابند نہ تھے اور فرماتے کہ آں سرور ﷺ کی ولادت کی برکت سے دنوں کی نحوست اٹھالی گئی ہے، اس حدیث کی بنا پر کہ " **الا یام ایام الله و العباد عباد الله** " ﴿دن اللہ کے دن ہیں اور بندے اللہ کے بندے ہیں﴾

سفر کے شروع میں استخارہ کی نماز ادا کرتے اور دیگر ماثورہ دعائیں پڑھتے جو اس باب میں منقول ہیں نیز کپڑا پہننے، پانی پینے، کھانا کھانے، چاند اور آئینہ دیکھنے کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھتے تھے، ہم نے ان دعاؤں کے محض بیان پر اکتفا کیا ہے، ایک عزیز نے آپ کے وظائف روز و شب کو جمع کیا ہے اور اس میں ان اکثر دعاؤں کی تصریح کی ہے، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ حمد و استغفار کرنے والے تھے، تھوڑی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے اور اولیٰ کے تھوڑا سا چھوٹنے پر بہت زیادہ استغفار کرتے، اگر کوئی مصیبت پہنچتی تو فرماتے کہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے لیکن اس مصیبت کو بہت سے گناہوں کے لیے بمنزلہ صابون کے سمجھتے اور اس کو بہت سی ترقیات کا زینہ فرماتے، ایک دن کسی نے آپ سے پوچھا کہ سلطان وقت سلطان سلیم جہانگیر نے ادب سے تجاوز کرتے ہوئے جو آپ کو تکلیف پہنچائی تو اس کا سبب کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے اعمال بد کا نتیجہ تھا اور یہ آیت پڑھی " **ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم** " ﴿جو کچھ مصیبت تم کو پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے﴾ کثرت عمل کے باوجود عمل کی کوتاہی کا خیال آپ پر پوری طرح رہتا اور ساتھیوں کو بھی اس کی ہدایت کرتے اور فرماتے کہ غرور عمل صالح کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح کہ آگ سوکھی لکڑی کو ختم کر دیتی ہے اور غرور کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ

عمل عامل کی نگاہ میں بھلا معلوم ہوتا ہے، چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں پر نظر کرے اور نیکیوں کو متہم کرے بلکہ نیکیاں کر کے شرمندہ ہو، عمل کرنے والوں کی ایک جماعت ایسی ہے کہ اعمال کی کوتاہی کا خیال اس قدر ان پر غالب ہوتا ہے کہ اپنے کاتب یمین کو بیکار اور معطل جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کاتب شمال ہمیشہ کام میں مصروف ہے اس سے اشارہ اپنے حال کی طرف تھا، جس زمانہ میں آپ اس سلطان کے حکم سے ایک قلعہ میں مقید تھے آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے عریضہ لکھ کر آپ کو اپنے قبض حال اور ملامت خلق کی شکایت کی تو آپ نے اس کے جواب میں یہ تحریر لکھ کر بھیجی:

''الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى'' آپ کا ارسال کردہ صحیفہ شریفہ پہنچا، جفا اور ملامت خلق کے متعلق تحریر کیا تھا، یہ تو اس طائفہ کا جمال اور ان کے زنگ کا صیقل ہے، پھر قبض و کدورت کا سبب کیوں ہو؟ ابتدائے حال میں جب یہ فقیر قلعہ پہنچا تو محسوس ہوا کہ ملامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں کی طرف سے نورانی بادلوں کی شکل میں متواتر آرہے ہیں، معاملہ پستی سے بلندی تک پہنچا ہے، برسوں تربیت جمالی کے ذریعے مراحل طے کرا رہے تھے، اب تربیت جلالی کے ذریعے مسافت طے کرا رہے ہیں، آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمال و جلال کو مساوی جانیں، آپ نے لکھا تھا کہ فتنہ کے ظہور کے وقت سے نہ ذوق باقی رہا ہے اور نہ حال باقی رہا ہے، چاہیے کہ ذوق و حال مضاعف ہو، جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے، کیا مصیبت آگئی کہ عوام کی طرح آپ نے بات کی ہے اور محبت ذاتی سے دور جا کر اس کے خلاف چلے گئے، جلال سے جمال کو زیادہ سمجھیں اور ایلام ﴿تکلیف رسانی﴾ کو انعام سے زیادہ تصور کریں کیونکہ جمال و انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد کی آمیزش ہے اور جلال و ایلام میں صرف محبوب کی مراد ہے اور اپنی مراد کے خلاف ہے، یہاں وقت و حال گذشتہ وقت و حال کے ماورا ہے، ان دونوں میں کتنا بعد ہے، نیز اس قلعہ سے انہی دنوں میں یہ نامہ مبارکہ حضرت سیدی مرشدی میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو ارسال فرمایا تھا:

''الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى'' پوشیدہ نہ رہے کہ

جب تک اللہ سبحانہ کی عنایت سے جو حال وغضب کی صورت میں جلوہ گر ہوئی قید خانہ کے پنجرہ میں مقید نہ ہوا ایمان شہودی کے تنگ میدان سے بالکل رہائی نہ پائی، ظلال وخیال اور مثال کے بہت سے کوچوں سے پورے طور پر باہر نہ نکلا، شاہراہ ایمان میں غیب مطلق تک راستہ طے نہ کیا، حضور سے غیب تک، عین سے علم تک، شہود سے استدلال تک پورے طور پر نہ پہنچا، دوسروں کے ہنر کو عیب دوسروں کے عیب کو ہنر کامل ذوق وجدان سے نہیں پایا، بے ننگی و بے ناموسی کا خوشگوار شربت اور خواری ورسوائی کا مزیدار مربہ نہیں چکھا، خلق کے طعن اور ملامت سے مزہ نہیں لیا، حسن بلا اور لوگوں کے جفا سے محفوظ نہیں ہوا اور اس میت کی طرح جو غسال کے سامنے ہوتا ہے بالکل یہ ارادہ واختیار کو ترک نہیں کیا اور آفاق وانفس کے تعلق کے رشتوں کو پورے طور پر نہیں توڑا، تضرع والتجا، انابت واستغفار اور ذلت وانکسار کی حقیقت حاصل نہیں کی، حضرت حق سبحانہ، کے استغنا کے بلند مرتبہ میزان کا جو عظمت وکبریائی کے خیموں سے گھری ہوئی ہے، مشاہدہ نہیں کیا اور اپنے آپ کو خوار و زار، ذلیل و بے ہنر، بے قدرت اور مکمل احتیاج والا نہیں جانا" وما ابری نفسی ان النفس لا مارة با لسو ء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم ' ﴿میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ نفس ہمیشہ بدی کا حکم کرتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے﴾ اگر محض فضل کی وجہ سے واردات الٰہی جل سلطانہ کے فیضان کا تواتر اور اللہ سبحانہ کے بے انتہا انعامات وعطیات کا تسلسل اس محنت کدہ میں اس شکستہ دل کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس وناامیدی تک پہنچ جاتا اور امید کا رشتہ ٹوٹ جاتا، شکر ہے اس خدا کا جس نے عین بلا میں مجھے عافیت بخشی اور نفس جفا میں مجھے مکرم بنایا، رنج کی حالت میں میرے ساتھ احسان کیا، آرام وتکلیف میں مجھے شکر کی توفیق عطا کی اور مجھ کو انبیا کی اتباع کرنے والا اور اولیا کے نقش قدم کی پیروی کرنے والا اور علما وصلحا سے محبت کرنے والا بنایا۔ ﴿زبدۃ المقامات: ۲۹۰ تا ۲۹۴﴾

......⊙......

باب چہارم

کرامات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

...... کرامت کا مفہوم ......

کرامت کا لغوی معنیٰ ہے عزت وعظمت، جبکہ اصطلاحی طور پر اس خلاف عادت کام کا نام کرامت ہے جو کسی ولی برحق کے دست مبارک پر ظاہر ہوتا ہے اور اسکی عزت و عظمت کو آشکار کرتا ہے، حضرت امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کسی ایک ایسے آدمی سے خلافِ عادت کام کا ظہور ہونا کرامت کہلاتا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ نہ کیا اگر یہ خلافِ عادت کام ایمان اور عملِ صالح کے بغیر ظاہر ہو تو استدراج اور دعویٰ نبوت کے ساتھ ظاہر ہو تو معجزہ ہے''

﴿کتاب التعریفات ۷۹﴾

حضرت امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ کرامت اس خلافِ عادت کام کا نام ہے جو کسی صالح آدمی سے ظہور پذیر ہو مگر دعویٰ نبوت کے ساتھ نہ ہو، ﴿شرح عقائد ۱۴۵﴾ کرامت کی تین اقسام ہیں، قسم اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کے کسب واختیار کے بغیر ہی اس کے دست مبارک سے کوئی خلاف عادت کام ظاہر فرمادے، جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے بے موسمی پھلوں کا موجود ہونا، دوسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کی دعا کے نتیجے میں کسی خلافِ عادت کام کا ظہور فرمادے، جیسے حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ جب بھی مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور ضرور عطا کرتا ہوں، تیسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کے کسب اور ارادے سے کوئی خلاف

عادت کام ظاہر فرما دے، جیسے حضرت آصف رضی اللہ عنہ نے آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی ملکہ بلقیس کا تخت عظیم حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار نبوت میں حاضر کر دیا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے واقع ہوا تھا کرامت کی قسم سوم کو بعض مکاتب فکر تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اس کے اثبات پر قرآن وحدیث کے بے شمار قرائن و شواہد موجود ہیں، جلیل القدر علمائے اسلام نے اس معاملے میں تحقیقات کا حق ادا کر دیا ہے، حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث ﴿جس میں بنی اسرائیل کے تین بچوں کے کلام کا واقع مذکور ہے﴾ سے اولیا کرام کی کرامات کا ثبوت ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے، معتزلہ اس کو تسلیم نہیں کرتے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اولیا کرام کی کرامات انکے اختیار اور مرضی سے بھی ظاہر ہوتی ہیں، یہی امر ہمارے متکلمین کے نزدیک صحیح ہے'' ﴿شرح مسلم ۲:۳۱۴﴾

حضرت امام ابن حجر، حضرت امام بدر الدین عینی، حضرت امام عیاض مالکی، حضرت امام احمد قسطلانی، حضرت امام تفتازانی، حضرت امام عبد الوہاب شعرانی اور حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگان علم و دانش نے تصریح فرمائی ہے کہ بعض اولیا کرام کو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ سے کرامت کا اختیار دیا جاتا ہے اولیا کرام کی کرامت کا سلسلہ ذائقہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے، کیونکہ موت سے ان کی ولایت ختم نہیں ہوتی تو ولایت کا ثمر کرامت کیسے ختم ہوگی، حضرت امام محمد شوبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''**کرامات الاولیاء لاتنقطع بموتهم**، اولیا کرام کی کرامات انکی موت سے ختم نہیں ہوتیں، ﴿شواہد الحق:۱۱۸﴾

اس عقیدے پر تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے، چونکہ ولی نبی برحق کا پیروکار ہوتا ہے اس لیے اس کی کرامت نبی برحق کے معجزے کا عکس جمیل ہوتی ہے اور اس کے تصرفات کو دیکھ کر نبی برحق کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، ولی کی کرامت کی صورت میں نبی برحق کے معجزے کا ظہور دراصل لوگوں پر اس کے دین کی صداقت اور نبوت کی حقانیت کو واضح کر دیتا ہے، حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم ﷺ کے معجزات کئی انواع کے ہیں، بعض معجزات بعثت سے پہلے وقوع پذیر ہوئے اور ان کو ارہات کہا جاتا ہے' بعض معجزات بعثت کے بعد جلوہ گر ہوئے اور بعض معجزات آپکی رحلت مبارکہ کے بعد تابعین کرام اور اولیا کرام سے ظاہر ہوئے، درحقیقت یہ تمام کرامات آپکے معجزات ہیں جو آپکے دین کی صحت وصداقت پر روشن دلیل ہیں'' ﴿تکمیل الایمان:۱۵۸﴾

زیرِ نظر باب میں حضرت امام ربانی، آیۃ من آیات صمدانی، غوث صمدانی، قندیل نورانی، عارف حقانی، قیوم زمانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم کرامات کا بیان ہے جن کی بدولت اکبر و جہانگیر کے تشکیک زدہ زمانے میں روحانی اور ایمانی قوتوں کو حیات نو نصیب ہوئی اور دین الٰہی کے گمراہ کن اندھیروں میں صداقت محمدی اور وجاہت اسلامی کے اجالے جگمگا اٹھے، واقعی اسلام کے ہزارہ دوم کا مجدد اعظم ایسا ہی ہونا چاہیے۔

......﴿1﴾......

مولانا محمد یوسف اپنے وقت کے بڑے عالموں میں سے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تربیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے فرمادی تھی، سلوک طے کرنے کے زمانے میں ان کی موت کا وقت آگیا اور وہ جان کنی کے عالم میں تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ انکے سرہانے پہنچ گئے اور ان کے سلوک کی تکمیل کیلئے توجہ فرمائی اور ان کو اس معاملے میں اطلاع بھی دے دی، وہ ہر لمحہ ان کا حال بھی دریافت فرمارہے تھے اور وہ بھی اپنی ترقیات اور تلقیات جو آپ کی توجہ سے حاصل ہو رہی تھیں آپ سے عرض کررہے تھے، یہاں تک کہ آپ کے تصرف سے ان کا کام تکمیل کو پہنچ گیا اور انہوں نے اپنے کمال کے حصول اور سلوک کی تکمیل کی خبر بھی دے دی، بس اس دم ان کا انتقال ہوگیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۸۰﴾

کرم ہو آپ کا اک لحظہ بھی تو بہتر ہے
ہزار سال کی تسبیح اور نوافل سے

......﴿2﴾......

وجد وحال والے ایک درویش نے بیان کیا کہ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب اور حالات تمام دنیا اور دنیا والوں میں پھیل گئے اور مشہور ہو گئے تو میں آپ کے دیدار فائض الانوار کیلئے سرہند آیا اور رات کا چوتھائی حصہ ختم ہوا ہو گا کہ میں شہر میں داخل ہوا اور ایک مسجد میں چلا گیا، مسجد کا ایک ہمسایہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور مجھ پر مہربانی کی، اسی دوران اس سے میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دریافت کیے، وہ طعن اور اعتراض کرنے لگا، میں رنجیدہ ہوا اور اپنے باطن میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو ناگاہ دیکھا کہ آپ تشریف لے آئے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے اور آپ نے اس طعن کرنے والے کے ٹکڑے کر دیئے ہیں اور باہر تشریف لے گئے ہیں، میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر دہشت طاری ہوئی اور میں اضطراب کے عالم میں آپ کے پیچھے دوڑا لیکن آپ کو نہ پایا، صبح جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو مجھے رعشہ ہو رہا تھا، آپ نے مجھے لپٹا لیا اور مسکرا کر کان میں فرمایا ''جو کچھ رات میں واقعہ گزرا ہو دن میں اس کا ذکر نہیں کرتے'' اس کے بعد اس محلہ میں جب میں گیا تو دیکھا کہ ایک شور برپا تھا کہ اس شخص کو کسی نے قتل کر دیا اور چلا گیا۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۱۸۱﴾

......﴿3﴾......

ایک درویش نے کہ جس میں جذب کے آثار، بے نفسی کی علامات اور آزادی اور بے نیازی کی نشانیاں موجود تھیں، بیان کیا کہ میں بنگال سے اکبر آباد ﴿آگرہ﴾ آیا ہوا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اس شہر میں تشریف رکھتے تھے، ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ مجھے تعلیم ذکر فرمائیں، آپ نے قبول فرما لیا ﴿لیکن﴾ اسی وقت مجھ پر ایسا جذب طاری ہوا کہ رات ہی کو میں دیوانہ وار وہاں سے باہر نکلا اور دشت وصحرا میں چلا گیا اور مدت تک کوہ وبیابان میں پھرتا رہا اور مجھے سونے، کھانے اور آرام کرنے کی خبر نہ رہی، کیا کہوں کہ اس زمانے میں کیا کیا میں نے دیکھا اور کیا کیا حاصل کیا۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۱۸۱﴾

......﴿4﴾......

ایک سید صاحب جو بظاہر تاجر تھے لیکن حقیقت میں اہل دل تھے، بیان کرتے تھے

کہ میں بہت سے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ہر ایک سے ذکر و مراقبہ کا طریقہ سیکھا ہے لیکن جب میں سرہند پہنچا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر عشا کے وقت حاضر ہوا اور مورد الطاف ہو کر آپ سے ﴿ذکر حاصل کرنے کا﴾ اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کو ذکر کا طریقہ بتایا جائے گا ﴿انشاء اللہ﴾ میں نے بہت تنگ دلی سے عرض کیا کہ میں نے بہت سے مشائخ سے اذکار حاصل کئے ہیں لیکن ان کے ثمرات اور برکات کی امید آپ کی بارگاہ سے ہے، آپ مراقب ہو گئے اور اپنی خاص توجہ سے مجھے نوازا، پھر تو استغراق اور وارفتگی نے بہت زیادہ مجھ پر غلبہ کیا، یہاں تک کہ صبح کے وقت مجھے اپنا ہوش نہ رہا، آخر کار علی الصباح جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے آپ سے ترک و تجرید کیلئے التماس کی، آپ نے فرمایا کہ تجارت تو لقمہ حلال اور نفقہ عیال کا وسیلہ ہے، اسے نہ چھوڑ و اور جو کچھ ﴿بھی﴾ تم کو پہنچا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "**رجال لاتلهيهم تجارة ولابيع عن ذكر الله**" ﴿اللہ کے بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی ﴾ اور مجھے رخصت فرمایا۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۱۸۲﴾

......﴿5﴾......

ایک سید صاحب جو صحیح النسب اور سعید الفطرت تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کا حال یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ زمین و آسمان کے طبقات ان پر کھل گئے تھے اور عجیب و غریب واردات ان پر ہوا کرتے تھے، بیان کرتے تھے کہ ایک دن مجھے خیال آیا، ان دنوں میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی کرامت ظہور میں نہیں آئی، محض اس خیال کے آتے ہی میرے احوال میں انقباض ہو گیا اور میں سمجھ گیا اس انقباض کا سبب وہی برا خیال ہے، میں نے معافی مانگنے کیلئے اپنی دستار کو گردن میں ڈالا اور خود کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں ڈال دیا اور تضرع و زاری کی، مگر اس خیال کو ظاہر نہیں کیا اور اپنی زبان سے وہ بات نہیں بتائی، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لمحے بعد میرا سر اوپر کیا اور فرمایا کہ "سید صاحب نے کرامت طلب کی ہے اور یہ برا خیال فلاں کی صحبت سے پیدا ہوا ہے" اور آپ نے اس شخص کا نام بھی بتایا جس کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے ایسا خیال پیدا ہوا تھا۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۱۸۲﴾

﴿6﴾

ایک دفعہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کمزوری لاحق ہوگئی تھی اور اس بیماری کے زمانے میں آپ نے دس پندرہ منقے کے دانے طلب فرمائے، خادم نے وہ دانے پیش کیے تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے متوجہ ہو کر مراقبہ فرمایا کہ ان دانوں کا کھانا مفید ہے یا نہیں؟ کچھ دیر کے بعد مراقبے سے سر اٹھایا اور فرمایا: عجیب بات ظاہر ہوئی کہ ان دانوں نے بارگاہ الٰہی میں مناجات کی اور دعا مانگی، اے اللہ! چونکہ تیرے دوست نے اپنے استعمال کے لیے ہم کو طلب کیا تو ہمارے اندر نفع اور صحت کا اثر پیدا فرما دے، جو شخص ایک دانہ ہم میں سے کھائے اس کا ہر قسم کا مرض صحیح ہو جائے، حضرت حق سبحانہ نے ان دانوں کی مناجات اور دعا منظور فرمالی اور یہ بات محسوس بھی ہوئی اور نظر بھی آئی، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ آپ نے چند دانے تناول فرمائے تو فوراً آپ کی تکلیف دور ہو گئی، اس کے بعد ہر بیمار نے جونہی ان دانوں میں سے ایک دانہ کھایا اس کی بیماری عافیت سے تبدیل ہوگئی، آپ فرماتے تھے کہ کاش یہ دانے زیادہ ہوتے تو زیادہ لوگوں کی صحت کا موجب بن جاتے۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۱۸۲﴾

﴿7﴾

ایک سید صاحب جو صحیح النسب تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مریدوں میں سے تھے، بیان فرماتے تھے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حقیقی بھائی سرونج ﴿مالوہ﴾ میں تھے، آپ نے ان کے بلانے کے لیے دو کلمے لکھے اور مجھے فرمایا کہ تم خود جاؤ اور ان کو لے آؤ، اس حکم کی تعمیل میں وہاں جانے کا میں نے عزم کیا، آپ نے فاتحہ رخصت پڑھ کر فرمایا کہ راستے میں " لایلف قریش "خوب پڑھنا تاکہ خطرات سے محفوظ رہو اور کسی چیز کی حاجت نہ رہے اور اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے یاد کرنا، میں نے آپ کے قدموں پر ہاتھ رکھے ﴿قدم بوسی کی﴾ اور روانہ ہو گیا، اتفاق سے ایک جماعت اس سفر میں میرے ساتھ ہوگئی، جب سرونج دو تین منزل رہ گیا تو وہاں ایک ہیبت ناک جنگل نظر آیا، وہاں گھانس دو قد آدم تھی، میں وہاں قضائے حاجت کے لیے گیا اور ساتھی وہاں کھڑے رہے، فراغت اور طہارت کے بعد وضو کر کے میں نے دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھی، اس اثناء

میں گھانس ملنے لگی اور میں نے دیکھا کہ ایک دھاڑنے والا شیر آ پہنچا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا، میں نے بے اختیار حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کیا اور کہا ''آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی مشکل در پیش ہو تو مجھے یاد کر لینا، ﴿چنانچہ﴾ اب مدد کا وقت ہے تو مجھے اس دھاڑنے اور پھاڑ کھانے والے شیر کے چنگل سے نجات دلایئے''۔ ابھی میری یہ بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور اس شیر کو اشارے سے فرمایا کہ دور ہو، شیر پلٹا اور بھاگ گیا، پھر جو میں نگاہ نے اٹھائی تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ میری نگاہ سے غائب ہو چکے تھے، میرے ساتھیوں نے بھی یہ واقعہ دیکھا اور مجھ سے دریافت کیا، وہ کون بزرگ تھے جنہوں نے ایسے وقت میں تمہاری مدد فرمائی؟ میں نے آپ کا اسم مبارک بتایا تو سب دل و جان سے آپ کے معتقد ہو گئے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۳﴾

......﴿8﴾......

ایک معتبر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا: ''بتوں کی پرستش کرنے والوں کی جس قدر ایک مسلمان کے ہاتھوں اہانت ہو سکے کوتاہی نہ کی جائے کہ اسے اللہ کی راہ میں غازیوں کا ثواب ملے گا''۔ میں دو تین درویشوں کے ساتھ ملک دکن کے اطراف کے ایک صحرا میں گیا ہوا تھا کہ وہاں ایک بت خانہ نظر آیا اور اس کے اطراف میں کوئی شخص موجود نہ تھا، دل میں خیال آیا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اس بت خانے کو ڈھا دینا چاہیے، چنانچہ ہم لوگ وہاں پہنچے اور بت کو توڑ دیا اور اس بت خانے کو ڈھا دینے کا بھی ارادہ کیا، ہم بعض مورتیوں کو توڑ چکے تھے کہ قریباً ایک ہزار بت پرست لاٹھیاں، پتھر اور تیر و تفنگ لے کر پہنچ گئے، مجھے اور ساتھیوں کو دہشت پیدا ہوئی اور بھاگنے کی صورت نہ تھی سوائے اس کے کہ سب قتل ہو جائیں، اتنے میں مجھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آئی، میں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو حاضر تصور کر کے تضرع و نیازمندی سے عرض کیا کہ اے بزرگ دین ہم نے آپ کی نصیحت پر عمل کر کے یہ کام کیا ہے، ہم کو ان کفار اشرار سے نجات دلایئے، اس تضرع و زاری کی حالت میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی آواز میرے کان میں آئی کہ اطمینان رکھو ہم تمہاری مدد کے لیے اہل اسلام کا ایک لشکر بھیج رہے ہیں، میں نے ساتھیوں کو اس بات سے مطلع کر دیا،

کفار بالکل قریب ایک تیراندازی کے فاصلے پر پہنچ چکے تھے کہ یکا یک ایک بلندی سے چالیس سوار ظاہر ہوئے اور تیزی سے گھوڑوں کو دوڑا کر پہنچ گئے اور کافروں کی جماعت پر حملہ کر دیا اور ہم لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیا، جب وہ کفار نظروں سے غائب ہو گئے تو ﴿ان سواروں نے﴾ ہم کو رخصت کیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۳﴾

......﴿9﴾......

ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سیر و تفریح کے ارادے سے دشت و بیاباں کی طرف متوجہ ہوئے، راستے میں گرم ہوا اور گرد و غبار بہت ہو گیا، جو حضرات ساتھ تھے وہ پیادہ تھے، ان پر پیاس، گرمی اور تھکاوٹ نے غلبہ کیا، لیکن آپ کے جلال اور رعب کی وجہ سے جو سب کے دلوں پر متمکن تھا آپ سے عرض حال کرنے کی جرأت نہ کر سکے، یہ خطرات ان حضرات کے دلوں میں جاری تھے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا یوسف سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''سورج کی گرمی اور گرد و غبار کی شدت سے احباب کو تکلیف ہو رہی ہے''۔ مولانا نے عرض کیا ''حضرت کو خود ہی معلوم ہے، ہم لوگوں کو عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور آپ نے آسمان کی طرف نگاہ کر کے خاموشی سے کچھ پڑھا، چند قدم نہ چلے تھے کہ ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور اس نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر سایہ کر لیا اور صرف اس قدر بارش ہوئی جتنی کہ گرد و غبار کے دفع کرنے کے لیے ضروری تھی اور باد شمال بہت اعتدال کے ساتھ چلنے لگی کہ سب مسافروں سے راستے کی کوفت، ہوا کی گرمی اور گرد و غبار کی تکلیف دور ہو گئی، حالانکہ وہ موسم بادل اور پانی کا نہیں تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۴﴾

......﴿10﴾......

ایک سید صاحب نے بتایا کہ مجھے حضرت امیر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں سے اور بالخصوص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت اعتراض تھا، ایک رات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں یہ عبارت پڑھی: ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کے برابر قرار دیا ہے''۔ اس عبارت سے میں آزردہ ہو گیا اور میں نے مکتوبات کو زمین پر ڈال دیا

اور سو گیا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بڑے غصے میں تشریف لائے اور میرے دونوں کان اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا کہ اے طفل نادان، تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور ہمارے کلام کو زمین پر پھینکتا ہے، اگر تو ہماری بات پر یقین نہیں کرتا تو چل، تجھے حضرت امیر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے چلوں، آپ پھر اسی طرح کشاں کشاں مجھے ایک باغ میں لے گئے، میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ وہاں ایک عمارت میں تشریف رکھتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بزرگ کے آگے تواضع کی تو اس بزرگ نے بہت خوشی کا اظہار کیا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے میری بات اس بزرگ کو بتائی، پھر مجھ سے فرمایا کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے ہیں، سنو، وہ کیا فرماتے ہیں، میں نے سلام کیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''خبردار، ہزار بار خبردار، کبھی رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اپنے دل میں بغض نہ رکھنا اور ان کے عیب زبان پر مت لانا کیونکہ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی ﴿صحابہ کرام﴾ بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ کس بات کو حق سمجھ کر اعتراض کر رہے تھے، پھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کی بات کا انکار مت کرنا''، اس خواب کو دیکھنے والے راوی ﴿سید صاحب﴾ نے بتایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت کے باوجود میرا دل ان بزرگوں کی بابت کدورت سے صاف نہیں ہوا تھا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ اس شخص کا دل ابھی بھی صاف نہیں ہوا ہے، اس کو تھپڑ لگائیں، پھر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے پوری قوت سے میری گدی پر تھپڑ مارا تو اس وقت میرا دل کدورت سے صاف ہو گیا اور مجھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کلام سے عقیدت اور محبت پیدا ہو گئی۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۱۸۵﴾

......﴿11﴾......

حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے بہت بڑے عالم اور بہت سی کتابوں کے مصنف روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں ایک عالم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، ایک موقع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آ گیا، وہ عالم آپ پر طعن وتعرض کرنے لگا، میں نے کہا کہ میں آپ کی صحبت میں بہت بیٹھا ہوں اور بہت سے دوسرے مشائخ کو بھی میں نے دیکھا ہے لیکن جو صفائے قلبی اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے یہاں دیکھی ہے

وہ کسی دوسرے کے یہاں نہیں دیکھی نہ کہیں سنی، وہ عالم پھر یہاں وہاں کی باتیں کرنے لگا، میں نے کہا، آیئے ہم دونوں تازہ وضو کریں اور قرآن مجید کھولیں، جو آیت کریمہ نکلے گی ہم اسے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے متعلق فال سمجھیں گے، اس عالم نے یہ بات پسند کی، ہم دونوں نے تازہ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اس عالم نے قرآن پاک ہاتھ میں لیا اور پورے خشوع وخضوع کے ساتھ اسے کھولا تو یہ آیت سامنے آئی "رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله" ﴿اللہ کے نیک بندوں کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی﴾، وہ عالم حیران رہ گیا اور اپنے کہے پر پشیمان ہوا اور میں نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۶﴾

......﴿12﴾......

ایک امیر نے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھا، ایک دن یہ سنا کہ آپ بادشاہ کے وزیر کے یہاں تشریف لے گئے ہیں، وہ دل تنگ ہو کر کہنے لگا کہ آپ کو زیبا نہیں دنیا والوں کے گھر تشریف لے جائیں، وہاں آپ کے ایک مخلص بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کسی مسلمان کی حاجت روائی یا امور دین کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے ہوں گے اور یہ کہ اولیا پر اعتراض کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا، اس امیر نے اسی رات خواب میں دیکھا کہ رجال الغیب کی ایک جماعت آئی ہے اور اس کو مجرموں کی طرح کھینچ کر لے گئی ہے اور چھری نکال کر اس کی زبان قطع کرنا چاہی ہے کہ تو نے آپ پر اعتراض کیوں کیا، اس امیر نے بہت کچھ توبہ اور استغفار کیا تو اسے چھوڑ دیا گیا، اس کے بعد اس امیر نے ہرگز آپ پر اعتراض نہیں کیا اور اس کی عقیدت اور محبت بڑھ گئی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۷﴾

......﴿13﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی زمانے میں جبکہ آپ کی شہرت زیادہ نہ ہوئی تھی ﴿قریب ہی﴾ ایک بڑی چوری ہوئی، کوتوال نے آدمیوں کو بھیجا کہ پڑوسیوں کو پکڑ کر لے آئیں، وہ خدا کا خوف نہ رکھنے والے آئے اور آپ سے کہا کہ آپ کو کوتوال طلب کرتا ہے، آپ اسی وقت مکان سے باہر نکلے تھے اور جماعت کے لوگ بھی موجود نہ تھے، آپ اس کوتوال کے آدمیوں کے ساتھ پیدل ہو لیے، کوتوال نے جونہی آپ کو دیکھا تو

لرزنے لگا اور فوراً آپ کو رخصت کر دیا، لیکن چونکہ تیر نشانے پر نکل چکا تھا اسی دن یا دوسرے دن اس کوتوال کی جنگ ﴿تیر وتفنگ کے ساتھ﴾ شہر والوں سے ہوئی اور ایک آگ غیب سے وہاں کی بارود میں لگ گئی اور وہ کوتوال اپنے بھائیوں اور بیٹوں سمیت جو اس جگہ تھے جل کر خاک ہو گیا، پھر ان لوگوں کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۸۷﴾

......﴿14﴾......

ایک امیر زادے کو بادشاہ نے بہت غصے کے ساتھ لاہور سے طلب کیا کہ اس کے آتے ہی اس کو ہاتھی کے پیروں میں روند دیا جائے کیونکہ اس نے سخت قصور کیا تھا، وہ امیر زادہ جب سرہند پہنچا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ آپ کے آستانے پر جبہ سائی کرنے لگا تاکہ اس کی جان بخشی ہو جائے، آپ تھوڑی دیر کے لیے مراقب ہوئے، پھر فرمایا کہ خاطر جمع رکھو، انشاء اللہ تم کو بادشاہ کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی بلکہ شاہانہ الطاف سے سرفراز ہو گے، امیر زادہ سخت اضطرار کی وجہ سے عرض کرنے لگا کہ حضرت آپ لکھ کر دے دیں تاکہ میرے پریشان دل کو تسلی ہو سکے، آپ نے اس کی تسلی کے لیے لکھ دیا "کیونکہ فلاں شخص نے بادشاہ کے غضب کے خوف سے اللہ کے در کے فقیروں سے رجوع کیا ہے، اس لیے اس فقیر نے اس کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اور اس کو اس مصیبت سے رہائی دے دی ہے"۔ چند دنوں کے بعد کسی نے خبر دی کہ بادشاہ اس امیر زادہ پر برہم ہوا اور ایسا ایسا ہوا، آپ نے فرمایا کہ میری نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ امیر زادہ بادشاہ کی طرف سے لطف وعنایت حاصل کر رہا ہے اور وہ خبر صحیح نہیں ہے، چنانچہ دو تین دن کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق لگا تار خبریں آئیں کہ جب بادشاہ نے امیر زادے کو دیکھا تو مسکرایا اور نصیحت کے طور پر چند باتیں کہیں اور نہایت مہربانی سے خلعت خاصہ پہنا کر مقررہ خدمت پر روانہ کر دیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۸۸﴾

......﴿15﴾......

آپ کا ایک مخلص درویش ملتان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری اہلیہ جو آپ کی مریدہ ہے کئی سال سے مختلف امراض میں مبتلا ہے اور اطبا اس کے

علاج سے عاجز ہو چکے ہیں، اب آپ کی توجہ سے امید رکھتی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہم اس کی شفا کے لیے فاتحہ پڑھتے ہیں، فاتحہ پڑھی گئی تو اس شخص نے بہت تضرع وزاری کے ساتھ کہا کہ آپ اسے اپنی ضمانت میں لے لیں، آپ نے فرمایا کہ اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے،

کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

پھر اس کی التجا اور تضرع بہت بڑھ گیا، آپ نے فرمایا: ''مطمئن رہو، ہم نے اسے اپنی ضمانت میں لے لیا'' وہ شخص رخصت ہو کر اپنے وطن واپس چلا گیا، وہاں اس نے عریضہ لکھا کہ میری اہلیہ اسی دن اچھی ہوگئی جس دن حضرت نے فرمایا تھا کہ ہم نے اسے اپنی ضمانت میں لے لیا، آپ نے یہ خط پڑھ کر کہا، **الحمد للہ علیٰ ذالک**، ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۸﴾

......﴿16﴾......

ایک دولت مند جو آپ کے خاندان عالیشان کا بزرگ زادہ تھا اور اپنی ماں کی طرف سے شاہی اولاد میں سے تھا، مرض قولنج میں مبتلا ہو گیا، بہت عرصہ ہو گیا لیکن اطبائے حاذق کے علاج سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا، وہ زندگی سے مایوس ہو کر پریشان تھا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص کے توسط سے اس نے عرض کیا، آپ نے فجر کے وقت اس کے حال پر توجہ فرمائی اور صبح کو اس مخلص سے فرمایا کہ جاؤ اس عزیز کو خوش خبری سناؤ، وہ مخلص حسب ارشاد وہاں گیا اور دیکھا کہ وہ تو بستر پر پڑا ہوا ہے، اس نے اس سے کہا کہ تم کو تو صحت ہو چکی ہے، پھر کیوں پڑے ہوئے ہو؟ اس نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے رات تمہاری صحت کی خوشخبری سنا دی ہے، ﴿یہ بات سن کر﴾ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے اندر بیماری کا مطلق اثر نہ پایا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۸۹﴾

......﴿17﴾......

مولانا محمد امین جو پہلے خواجہ دیوانہ سواتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، سخت بیماری میں مبتلا تھے کہ دعا اور دوا کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، انہوں نے ایک شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور

توجہ کے لیے التماس کی اور آپ کا کچھ کپڑا تبرک کے طور پر طلب کیا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر رحم آیا اور ان کے عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا: ''ضعف کی شدت کی وجہ سے اندیشہ نہ کریں انشاء اللہ صحت ہو گی، اس معاملے میں مجھے اطمینان ہے اور آپ نے جو اس فقیر کا کپڑا طلب کیا ہے تو وہ بھیجا جا رہا ہے، اسے پہنیں اور اس کے ثمرات اور نتائج سے امیدوار رہیں کہ وہ ﴿انشاء اللہ﴾ کثیر البرکت ہے

قصہ ، قصہ ہے توجہ گر نہیں
ورنہ اس میں ہے سبق اہل دیں

انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا پیراہن پہنا اور ان کا کئی سال کا مرض دور ہو گیا، پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے بہت عقیدت مند مرید بن گئے اور تمام عمر آپ کی خدمت میں جمعیت اور استقامت کے ساتھ گزاری اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے اور آپ کے خاص اصحاب میں شمار ہوئے، میرا خیال ہے کہ انہوں نے آپ ہی سے تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کی ہو گی۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۱۸۹﴾

......﴿18﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دولت مند مخلص نے بیان کیا کہ میں ایک ضروری کام کے لیے لاہور سے اکبر آباد ﴿آگرہ﴾ کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں سرہند میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اتفاق سے وہاں میں بیمار ہو گیا، اس لیے خیال ہوا کہ چند روز کے لیے سفر موقوف کر کے وہاں ٹھہر جاؤں، آپ نے فرمایا: ''جاؤ اچھے ہو، ضروری کام درپیش ہے'' میں اس وقت بیماری سے شفایاب ہو گیا اور سفر کے لیے روانہ ہو گیا، تین دن تک تو اچھا رہا چوتھے دن وہ بیماری پھر آ گئی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا تھا ''جاؤ اچھے ہو'' اور مجھے تو اب بخار غلبہ کر رہا ہے جو عجیب بات ہے، اسی اثنا میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ﴿روحانی طور پر﴾ تشریف لے آئے اور فرمایا: ''جاؤ خاطر جمع رکھو تمہاری بیماری میں نے اٹھا لی ہے، اٹھو اور اپنی راہ لو'' پھر اسی وقت ضعف کے آثار جاتے رہے اور میں نے پوری صحت حاصل کی اور روانہ ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۱۹۰﴾

......﴿19﴾......

نواب ﴿عبدالرحیم﴾ خان خانان مرحوم صوبہ دکن کے گورنر تھے اور اس بات پر مامور تھے کہ دکن کے علاقوں پر قبضہ اور تصرف کریں، اس کام میں ایک بڑی مدت گزر گئی، بادشاہ کے قرب والوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ خان خانان نے دشمن سے پوشیدہ طور پر صلح کر لی ہے اور ظاہر میں جنگ کرتا ہے، بادشاہ نے غیض وغضب میں آ کر خان خانان کو معزول کر دیا اور یہ خیال بھی تھا کہ شاید اسے قتل بھی کرا دیا جائیگا، خان خانان، میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ﴿جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور برہان پور تھے﴾ حاضر ہوا، میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس معاملے میں بہت التجا اور نیاز مندی کے ساتھ عریضہ لکھا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس عریضے کے مطالعے کے بعد قلمدان منگوایا اور اس عریضے کے جواب میں تحریر فرمایا: ''تمہارے خط کے مطالعے کے وقت خان خانان بہت قدر ومنزلت والے نظر آئے، اس معاملے میں خاطر جمع رکھیں'' میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکتوب بجنسہ خان خانان کے پاس بھیج دیا، اس نے کہا بزرگان علو شان کی توجہ سے یہ بات عجیب وغریب تو نہیں ہے لیکن بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ بادشاہ بہت زیادہ بدگمان ہو چکا ہے اور حاسد لوگ زہر اگل رہے ہیں، لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب گرامی کو ابھی دس بارہ دن نہ گزرے تھے کہ بادشاہ کا دل خان خانان کی طرف سے صاف ہو گیا اور وہ پھر سے دکن کا گورنر بنا دیا گیا اور اس کے لیے خلعت خاصہ بھی عنایت ہوئی۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۱۹۱﴾

......﴿20﴾......

ایک درویش نے کہ ابھی وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، آپ کو عریضہ لکھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صحبت کی وجہ سے بڑے بڑے اولیا سے افضل ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے، شاید پہلی ہی صحبت میں ان کو سب کچھ دے دیا جاتا ہوگا جو تمام اولیا کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مقام سے زیادہ ہوگا، حضرت مجدد نے اس کے جواب میں یہ فرمایا: ''اس عقدے کا حل صحبت پر موقوف ہے'' وہ درویش صفا کیش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس پر پہلی ہی صحبت میں عجیب حالت طاری ہو گئی، آپ نے اسی دن اس کو خلوت میں طلب فرما کر فرمایا: ''آج ہی ہم نے تمہارا ورق لوٹ دیا ہے اور

تمہارے احوال بدل گئے ہیں، تم بھی یہ بات سمجھے ہو یا نہیں'' اس درویش نے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور اپنے احوال جو وارد ہوئے تھے بیان کیے اور صحبت کی فضیلت کا معترف ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۱﴾

......﴿21﴾......

ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کا دل ایسا ذاکر تھا کہ اس کے پاس بیٹھنے والا بھی سن لیتا تھا اور بالخصوص جب وہ سو جاتا تو دور سے سنائی دیتا تھا اور وہ کئی مشائخ سے خلافت بھی حاصل کر چکا تھا، آپ سے بھی اسے یہی توقع تھی، آپ نے فرمایا، یہ شخص صاحب استعداد ہے لیکن ذکر کے غلبے اور مشائخ کی خلافت نے اسے غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اس کی ترقی مسدود ہو گئی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی کیفیت سلب کر لی جائے، چنانچہ دو روز نہ گزرے ہوں گے کہ اس کی یہ کیفیت سلب کر دی گئی، وہ حیران ہو گیا، اب وہ روتا تھا اور اس کی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی تھی، آپ نے چند دنوں تک اس کے حال پر توجہ نہ فرمائی اور اس کا غرور اور خود پسندی دور ہو گئی، اس کے بعد آپ نے اس کو خلوت میں طلب فرما کر معاملات اور مقامات سے نوازا کہ اس کا پہلا ذکر ان معاملات کے مقابلے میں پہلی سیڑھی کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا، پھر وہ اپنی پہلی حالت کے نقص کا معترف ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۱﴾

......﴿22﴾......

جن ایام میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے، ماہ رمضان عین برسات کے موسم میں آیا اور بارش کثرت سے تھی کہ دن رات میں فرصت نہیں ملتی تھی، آپ مسجد میں تراویح میں قرآن پڑھتے تھے، ہوا کے تعفن اور گرمی کی وجہ سے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو بہت تکلیف پہنچ رہی تھی، ایک رات تراویح سے فراغت کے بعد آپ مسجد سے باہر آ رہے تھے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا، اگر تین ختم قرآن تک جو ہماری دائمی سنت ہے، بارش راتوں میں نہ ہوا کرے اور ہم تراویح مسجد کے صحن میں ادا کریں تو کیا ہی اچھا ہو! ﴿خدا کی شان کہ﴾ ایسا ہی ہوا ﴿یعنی دن میں بارش اور رات میں کوئی بارش نہیں﴾، پھر ایک دم خوب بارش ہوئی، گویا ایک مشک کا منہ بند کر دیا گیا تھا جو بعد میں

کھول دیا گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۲﴾

......﴿23﴾......

کہتے ہیں کہ اجمیر شریف کی مسجد کی جنوبی دیوار اپنی بنیاد میں کمزور ہوگئی تھی اور اس کا ستون بھی جھک گیا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ آج کل میں وہ دیوار گر جائے گی، جو شخص بھی اس دیوار کے پاس سے گزرتا جست لگا کر گزرتا تھا، خود آپ کے اصحاب اس کے گر جانے کا اندیشہ برابر ظاہر کرتے تھے، ایک دن آپ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا: ''جب تک ہم فقیر یہاں ہیں ان کی رعایت کر کے یہ دیوار نہیں گرے گی ﴿انشاء اللہ﴾'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب تک آپ وہاں قیام پذیر رہے، دیوار قائم رہی اور جس دن آپ نے وہاں سے کوچ کیا تو آپ کا اور آپ کے اصحاب کا وہاں سے آگے بڑھنا اور دیوار کا گرنا ایک ساتھ ہوا، حالانکہ وہ برسات کا زمانہ بھی نہ تھا، گویا کسی نے اس دیوار میں ایک کھمبا نصب کر دیا تھا کہ ایک دم اس کے نیچے سے ہٹا دیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۳﴾

......﴿24﴾......

خواجہ جمال الدین حسین جو خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں، اپنے والد صاحب کے حکم سے بڑی عقیدت اور ارادت مندی کے ساتھ دہلی سے سرہند شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور میرے حال پر توجہ فرمائی، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ تیرے دل پر کسی عورت کا نقش قدم ایسا جما ہوا ہے جیسے مٹی کے اندر پتھر گڑھ گیا ہو، سچ بتا کہ کیا معاملہ ہے اور جب تک وہ اثر دور نہ ہوگا تو مستفید نہ ہو سکے گا، میں نے عرض کیا کہ میرا دل اپنی پھوپھی کی ایک کنیز پر آ گیا ہے اور میں اس کا شیفتہ ہو گیا ہوں، پھر آپ نے توجہ فرمائی اور میرے دل سے اس تعلق کو دور کر دیا اور میرا دل اس کی محبت میں اس قدر سرد ہو گیا کہ گویا کبھی اس طرف میرا رجحان ہی نہ تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۳﴾

......﴿25﴾......

آپ کے ایک قدیم مرید نے غلبہ وبا کے زمانے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے محلے میں اور ہمارے گھر کے اطراف اور نواحی میں شدت کے

ساتھ وبا پھیلی ہوئی ہے، آپ سے توجہ کی درخواست ہے کہ آپ کے تصرف کی برکت سے مریدوں اور مخلصوں کی جان بچ جائے، وبا کی یہ کیفیت تھی کہ جس محلے میں بھی آ جاتی اور اگر ایک گھر میں کسی ایک کو بھی پکڑ لیتی تھی تو اس گھر میں شاید ہی کوئی اس سے محفوظ رہ سکتا تھا، یعنی سبھی کو ہلاکت کا اندیشہ تھا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سر جھکایا اور مراقب ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا: ''خاطر جمع رکھو تمہارے گھر والے سوائے اس ملازمہ کے سب محفوظ رہیں گے ﴿انشاء اللہ﴾'' چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ہمارے گھر میں صرف ایک ماما اس وبا کی وجہ سے مرگئی اور بقیہ سب لوگ اس سے محفوظ رہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۴﴾

......﴿26﴾......

آپ کے آستانہ کے معتقدین میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور کچھ نذر بھی پیش کرنی چاہی اور بیٹے کی صحت کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے وہ نذر قبول نہیں فرمائی، انہوں نے بہت کچھ التجا کی لیکن وہ قبول نہ ہوئی حالانکہ آپ نذر قبول کرلیا کرتے تھے، تمام اصحاب کو یقین ہوگیا کہ نذر کا قبول نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ لڑکا مر جائے گا، چنانچہ یہی ہوا اور اسی شام کو وہ فوت ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۴﴾

......﴿27﴾......

آپ کے مخلصوں میں سے ایک عالم نے بیان کیا کہ میرا ایک عزیز تھا جو بہت پیارا تھا، وہ ایک سخت مرض میں مبتلا ہوگیا، طبیبوں کی دوائیں اور احباب کی دعائیں کارگر ثابت نہ ہوئیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور توجہ کی درخواست کی، آپ نے دعا کی اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے طلب فرمایا، میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''ہم نے اس کی مغفرت کے لیے فاتحہ پڑھ دی ہے'' میں تعجب میں آگیا اور اس کے گھر کی طرف جو شہر سرہند سے کئی میل دور تھا روانہ ہوا تاکہ اس کی خیریت معلوم کروں، جب میں وہاں پہنچا تو لوگ اس کے دفن سے فارغ بھی ہو چکے تھے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۵﴾

......﴿28﴾......

ایک درویش صفا کیش نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے سنپات کی بیماری میں سخت

مصیبت اور صعوبت ہوگئی تھی، اسی اثنا میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کی طرف متوجہ ہوا اور اس توجہ میں مجھے استغراق ہوا کہ خود سے غائب ہو گیا، حضرت تشریف لے آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اٹھ جاؤ'' بس آپ جیسے عیسیٰ دم کے فرماتے ہی میرا استغراق دور ہوا اور مجھے افاقہ ہو گیا، میں نے عالم بیداری میں ایسی عظیم المرتبت ہستی کا دیدار حاصل کیا اور اپنے اندر قوت و طاقت محسوس کر کے کھڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا: ''کیا ﴿تحفہ﴾ لائے ہو؟'' میں نے عرض کیا ''اخلاص'' آپ نے فرمایا: ''بس تم سب کچھ لے آئے'' پھر آپ نظر سے غائب ہو گئے، اب جو میں نے خود پر غور کیا تو اس بیماری کا کوئی اثر باقی نہ تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۵﴾

......﴿29﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی شیخ مسعود قندہار کے لیے روانہ ہوئے تھے، ایک دن صبح کے وقت آپ نے اپنے محرمان اسرار سے فرمایا کہ شیخ مسعود کو میں نے قندہار جانے والے قافلے میں تلاش کیا، پتا نہ چلا، قندہار میں بھی تلاش کیا، وہاں بھی دکھائی نہ دیا بلکہ سرہند سے قندہار تک ہر منزل کو دیکھا لیکن بھائی نظر نہ آیا بلکہ تمام روئے زمین کو چھان مارا کہیں نہ پایا، شاید اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، سامعین نے یہ تاریخ لکھ لی، پھر جب ایک عرصے کے بعد وہ قافلہ واپس آیا اور شیخ مسعود کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ فلاں روز، فلاں تاریخ اور فلاں ماہ میں انہوں نے انتقال کیا تھا اور قندہار کے قرب و جوار میں دفن ہوئے، ﴿تصدیق ہوئی کہ﴾ وہی دن، وہی تاریخ اور وہی مہینہ تھا جیسا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۵﴾

......﴿30﴾......

ایک صوفی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ مجھے حج کرنے کا ارادہ غالب ہو گیا تھا، میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا اور رخصت کے لیے اجازت چاہی تو آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر مراقب ہو گئے، اس کے بعد فرمایا: ''میں نے تم کو حج کے میدان میں نہیں دیکھا'' بیان کرنے والا کہتا ہے کہ اس ارشاد کو آج تیس سال ہو چکے ہیں، جب کبھی میں نے حج کا ارادہ کیا، عزیمت فسخ ہو گئی یا

زادِراہ مہیا نہ ہو سکا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۵﴾

......﴿31﴾......

شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اصفہان کے سفر سے واپسی میں گھوڑے پر سے خرجین کہیں گر گئی، میں اس کی تلاش کے لیے گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس جستجو اور بھاگ دوڑ میں بہت وقت گزر گیا پھر قافلہ میری نظر سے غائب ہو گیا اور میں قافلے سے جدا ہو گیا، وہاں سوائے جنگل اور پہاڑ کے کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی اور میں پریشان روتا ہوا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، ﴿آخر﴾ میں نے ایک چشمے کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور بہت گریہ وزاری سے آپ قطب انام کی طرف متوجہ ہوا اور آپ سے مدد کا خواہاں ہوا، ناگاہ دیکھا کہ آپ ایک عراقی گھوڑے پر سوار ظاہر ہوئے اور میرے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: ''اپنا ہاتھ مجھے دو'' بس آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا پھر گھوڑے کو کوڑا مارا اور تیز دوڑایا اور تھوڑی دیر میں مجھے قافلے میں پہنچا دیا، جب قافلہ نظر آیا تو آپ نے مجھے گھوڑے سے اتار دیا اور فرمایا کہ جاؤ، میں قافلے میں چلا گیا اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۶﴾

......﴿32﴾......

سرہند کے ایک قاضی زادے جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، سخت بیمار ہو گئے کہ حکیموں نے انہیں لاعلاج قرار دے دیا، حالت بہت مایوس کن تھی، آپ کی خدمت میں نیاز نامہ بھیجا اور بہت عجز وانکسار کے ساتھ درخواست کی کہ ایسی توجہ اور امداد فرمایئے کہ آپ کا یہ مخلص صحت یاب ہو جائے، آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: ''ہم نے تم کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے، انشاء اللہ اس بیماری سے صحت پاؤ گے، خاطر جمع رکھو'' اللہ پاک کا ایسا کرم ہوا کہ حضرت کی توجہ اور بشارت سے وہ جوان اس مہلک بیماری سے فوراً اچھا ہو گیا پھر جب کبھی مجلسوں میں آپ کا ذکر خیر ہوتا ہے تو وہ اس واقعے کو بڑی آب وتاب، ذوق وشوق اور عقیدت سے بیان کرتا ہے اور حضرت کی وہ تحریر اس کے پاس تبرک کے طور پر موجود ہے۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۶﴾

......﴿33﴾......

مرحوم نواب مرتضیٰ خان جو سلطنت سلطانی کے معتمد اور اپنے وقت کے حاتم تھے

قلعہ کانگڑہ کی فتح کے لیے متعین ہوئے، یہ قلعہ ہندوستان کے مشہور قلعوں میں شمار ہوتا تھا، نواب مرحوم آپ کے خاص مخلصوں میں سے تھے، اس لیے آپ کی خدمت میں نیاز نامہ لکھا کہ اس وقت امداد کی ضرورت ہے، آپ توجہ فرمائیں کہ یہ سنگین قلعہ میرے ہاتھوں فتح ہو جائے، اس خط کے وصول ہونے کے دوسرے دن آپ نے اصحاب کے درمیان فرمایا کہ پچھلی شب میں تہجد کے وقت توجہ کی تو معلوم ہوا کہ وہ قلعہ نواب مرتضیٰ خان کے ہاتھوں فتح نہ ہوگا، ان کو آپ نے جواب لکھ دیا، چند روز گزرے تھے کہ نواب مرحوم کی خبر پہنچی اور وہ قلعہ ان سے فتح نہ ہوسکا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۶﴾

......﴿34﴾......

سلطان وقت ﴿جہانگیر﴾ نے ایک معتمد بکر ماجیت کو ﴿نواب مرتضیٰ خان کے انتقال کی خبر کے بعد﴾ قلعہ کانگڑہ کی مہم پر بھیجا، جب وہ سرہند پہنچا تو آپ کی خدمت میں بہت نیاز مندی اور عاجزی کے ساتھ حاضر ہوا اور بہت عاجزی ظاہر کی اور بہت ادب کے ساتھ بیٹھا بلکہ اپنے باطنی طور پر مسلمان ہونے کے حالات بھی بیان کیے، آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص باطن میں مسلمان ہے اور ظاہر میں کفر و انکار کی علامات ظاہر کرتا ہے تو وہ کافر ہے، پھر اس نے کہا کہ بادشاہ نے مجھے قلعہ کانگڑہ کی مہم کے لیے متعین کیا ہے جو بہت سخت ہے کہ نواب خان جیسے شخص کو اس مہم پر بھیجا گیا اور کوئی صورت فتح کی پیدا نہ ہوسکی، میں حیران ہوں کہ دارالحرب کے کفار پر کس طرح حملہ کروں، مگر آپ دستگیری فرمائیں اور بشارت دیں کہ وہ قلعہ میرے ہاتھوں فتح ہو جائے، آپ نے فرمایا کہ دارالحرب کے کفار کے ساتھ جنگ کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور جب تم اس واجب کو ہماری گردنوں سے ساقط کرا رہے ہو ﴿یعنی سب کی طرف سے تم ہی جنگ کر رہے ہو﴾ تو ہم تمہارے لیے دعا کیوں نہیں کریں گے؟ جب اس ﴿بکر ماجیت﴾ نے آپ کو اس معاملے میں مہربان پایا تو اس نے اور بھی زیادہ عاجزی اور انکساری ظاہر کی اور عرض کیا کہ جب تک آپ فتح کی بشارت نہیں دیں گے میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا، آپ نے یہی بات دہرائی تو پھر اس نے اور بھی زیادہ التجا و زاری ظاہر کی، جب آپ نے دیکھا کہ اسے کسی طرح تسلی نہیں ہوتی تو آپ مراقب ہوئے اور توجہ فرمائی، پھر سر اٹھا کر فرمایا: ''﴿انشاء اللہ﴾ تمہاری فتح ہوگی خاطر جمع

رکھواور جاؤ'' وہ اٹھ کھڑا ہوااور بہت تواضع وانکسار ظاہر کیا اور چلا گیا، وہ قلعہ جس کو اگلے بادشاہوں میں سے شاید ہی کسی نے فتح کیا ہو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھوڑی سی توجہ کی وجہ سے فتح ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۱۹۷﴾

......﴿35﴾......

ایک صحیح النسب سید جو آپ کے مخلصین میں سے تھے، نے بیان کیا کہ میں ملک دکن کے شہر اجین میں لشکر کے ساتھ تھا، ایک دن مجھے انقباض ہوا تو میں تفریح کے لیے خیمے سے باہر آیا اور بازار میں ایک دکان پر بیٹھ گیا، اتنے میں ایک درویش نے کہ ریاضت کے آثار اور جذب کی علامات ان سے ظاہر ہو رہی تھیں میری طرف التفات فرمایا اور سلام کیا، میں نے جواب دیا اور میرے قریب آ گئے اور بیٹھ کر کہنے لگے کہ میں یہاں پہاڑوں کے گوشے میں رہا کرتا ہوں اور سب سے قطع تعلق، علیحدگی اور خلوت میں اپنا وقت گزارتا ہوں، میں اس گوشے سے باہر آنے والا نہ تھا، میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں، میں نے ان کا نام مبارک سنا تو ان کی خوشبو میرے مشام جان میں آنے لگی، میں اس خوشبو کے پیچھے روانہ ہوا تو وہ خوشبو تم میں سونگھ رہا ہوں، میں نے کہا کہ صحیح ہے، میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں اور اسی نسبت نے تم کو یہاں کھینچ لیا ہے، پھر ہم دونوں دیر تک بیٹھے رہے، اس ضمن میں انہوں کہا کہ میں ایک مدت تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ چکا ہوں، ایک رات عشا کے بعد آپ خلوت خاص میں تشریف لے گئے، لیکن آپ کا ایک عزیز وہاں حاضر تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ ماحضر تیار ہے، اگر آپ واقفیت کریں تو ہم ساتھ ساتھ کھالیں، میں نے قبول کر لیا، اس شخص نے جو خدا کا خوف نہ رکھتا تھا آپ کے متعلق شکوہ وشکایت راستے میں ہی شروع کر دی، میں اس کی رفاقت سے بیزار ہو گیا، لیکن میں نے صبر کیا اور اس کے گھر پہنچ گیا، اس نے کھانے کا طباق میرے سامنے رکھ دیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا، اتنے میں اس کے تمام اعضا آپ کی غیرت کی تلوار سے کٹ کر جدا جدا ہو گئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، میں یہ دیکھ کر لرزنے لگا اور خوف کے مارے وہاں سے بھاگا، جب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ آپ خلاف معمول اپنے دروازے پر کھڑے ہیں، آپ نے مجھ پر توجہ فرمائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر

روانہ ہوئے، یہاں تک کہ اسی شخص کے گھر پہنچے، حضرت اس کے گھر کے اندر چلے گئے اور میں باہر کھڑا رہا، تھوڑی دیر کے بعد آپ باہر تشریف لے آئے اور وہ شخص بھی آپ کے ساتھ تندرست اور سلامت آیا اور آپ سے مصافحہ کیا، آپ نے اسے رخصت کیا اور اپنے مکان میں تشریف لے آئے، میں حیرت میں تھا کہ ابھی تو اس شخص کو اس حال میں دیکھا تھا اور اب اسے بغیر زخم کے زندہ دیکھ رہا ہوں، آپ نے فرمایا: ''جو کچھ تم نے دیکھا کسی نا محرم کو مت بتانا''۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۸﴾

......﴿36﴾......

ایک صوفی نے بیان کیا کہ میں معرفت کی طلب میں شروع شروع میں کمال طلب کی وجہ سے خود پر پیچ وتاب کھاتا رہا اور اپنی ناکامی کی وجہ سے خود سے ناراض ہوتا رہا، اس مقصد کے جوش وخروش نے میرے دل کو بے آرام اور بے خور وخواب کر دیا تھا، میں دیوانہ وار گھومتا تھا اور اپنی ناکامی پر ماتم کرتا تھا اور کسی طرح اس اضطراب سے سکون نہیں ملتا تھا، اگر جنگل میں جاتا تو میرا جنون اور بھی بڑھ جاتا اور اگر خلوت میں ہوتا تو کسی طرح آرام نہ آتا تھا، آخر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوا، اتفاق کی بات یہ تھی کہ آپ اپنے دروازے کے اندر کھڑے ہوئے تھے اور آپ کے اصحاب ایک حلقے میں دست بستہ اور ادب سے سر جھکائے اس طرح کھڑے تھے کہ گویا ان کے بدن میں جان ہی نہیں تھی، میں ابھی آپ کے دروازے پر پہنچا نہیں تھا کہ آپ نے میرے پہنچنے پر متوجہ ہو کر اپنا سر مبارک دروازے سے باہر نکال کر فرمایا: ''اے شخص آجا اور جلد پہنچ جا'' میں تیزی سے آگے بڑھا اور آپ کی قربت میں ہو گیا، آپ نے کمال بندہ نوازی اور سرفرازی سے اپنا ہاتھ میری گردن میں ڈالا اور میرا سر اپنی بغل میں لے کر فرمایا: ''اے شخص! جو نعمت تجھ کو حاصل ہوئی ہے تیرے معاصرین میں کسی کو نہیں ملی'' حضرت کا یہ ارشاد گویا آب زلال تھا جس نے میری پیاس کی آگ کو بجھا دیا اور بے قراری، بے آرامی، بے دلی اور جوش وخروش سب آرام وسکون سے بدل گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۹۹﴾

......﴿37﴾......

ایک حافظ صاحب جو ہمیشہ قرآن پاک تراویح میں پڑھتے تھے اور حضرت مجدد

الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم اصحاب میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنی مشیخت کی ابتدا میں سیر کے لیے نکلے اور پہلے قصبہ مسدگان تشریف لے گئے، پھر وہاں سے حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے قصبہ کیتھل تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر اجراوڑ آئے اور شیخ احمد اجراڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ان کے گنبد میں تشریف لائے، میں چونکہ تمام راستے آپ کے رکاب میں دوڑتا ہوا آیا تھا اس سے میرے اعضا گرم ہو گئے تھے اور میں پسینے سے تر ہو گیا تھا اور ہوا بھی خشک تھی، پیاس کا غلبہ ہو گیا تو میں نے ٹھنڈا پانی مانگا اور پیا، اس پانی کے پیتے ہی میرا حال کچھ سے کچھ ہو گیا، میرے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا اور دل کمزور ہو گیا اور جان پر بن گئی، مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا روح پاؤں کی طرف سے نکل کر میرے سینے تک پہنچ گئی ہے، لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور میری حالت مایوس کن ہو گئی، اتنے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ گنبد سے باہر نکلے اور مجھ سے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا، چونکہ میں گرمی میں آیا تھا، مجھ پر پیاس غالب ہو گئی تھی، اس لیے میں نے پانی پی لیا تو میرے دل میں ضعف پیدا ہو گیا اور گویا اب جان نکلی جا رہی ہے، آپ نے فرمایا: ''ان کو ہماری پالکی میں بیٹھا دو'' اور آپ خود گھوڑے پر سوار ہو گئے اور احباب سے فرمایا، ان کی جان نکلنے کو تھی، میں نے ان کو اپنی ضمانت میں لے لیا ہے اور وہ اب جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے ﴿انشاء اللہ﴾، ابھی تھوڑا ہی راستہ طے ہوا تھا کہ میں نے اپنے اندر قوت اور صحت پائی، چنانچہ میں پالکی سے اتر گیا اور آپ کی رکاب میں پیدل چل کر منزل تک پہنچا۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۲۰۰﴾

......﴿38﴾......

یہی حافظ صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن حفظ کیا تھا، پھر چونکہ الہ آباد کا سفر درپیش آیا تو وہ تلاوت چھوٹ گئی اور میرے حفظ میں خلل پیدا ہو گیا اور چند سال اسی طرح گزر گئے، ایک عرصے کے بعد میں اپنے وطن سرہند واپس آیا تو اسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خواجہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت ہو کر پہنچے تھے اور اپنے دروازے کے سامنے نئی مسجد بنوائی تھی اور وہ زمانہ رمضان المبارک کا تھا، میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا، حافظ صاحب، تراویح میں آپ ہم کو

آن سنایئے، میں نے عرض کیا کہ میرا حافظہ چھوٹ گیا ہے، آپ نے فرمایا ﴿نہیں﴾ سنایئے، میں نے دو تین مرتبہ اسی طرح عرض کیا، لیکن آپ نے وہی جواب دیا، مجبوراً آپ کے حکم کی تعمیل میں شروع کیا اور آپ کی برکت سے میں نے دو رکعتوں میں اکیس پارے پڑھے، صرف آپ ان رکعتوں میں کھڑے رہے اور کوئی دوسرا شخص کھڑا نہ رہ سکا، پھر میں نے دوسری رات میں قرآن ختم کر دیا، بہت کم سہو واقع ہوا اور یہ بات خالص تصرف کی وجہ سے ہوئی، ورنہ میں قرآن بھول چکا تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۰﴾

......﴿39﴾......

یہی حافظ صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار تراویح میں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں قرآن پڑھ رہا تھا، اتفاق یہ ہوا کہ جب چھ پارے ختم ہوئے تو مجھے سخت بخار آ گیا اور مجھے بخار نے اس قدر بے ہوش کر دیا کہ میری عصر کی نماز بھی قضا ہو گئی اور مجھے شام کو ہوش آیا، افطار کے وقت سخت نقاہت کے عالم میں آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ بخار آ گیا ہے، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ بخار سخت ہے، پھر کیا تم قرآن پڑھ سکو گے؟ میں نے عرض کیا، حال تو ایسا ہے، لیکن آپ کی توجہ اور مدد میری رفیق ہوئی تو ضرور پڑھوں گا، آپ نے فرمایا: ''جلدی آؤ پڑھو، خیر ہے'' پھر جب میں تراویح میں قرآن پاک پڑھنے آیا تو مجھے پسینہ آ گیا اور میرا بخار پوری طرح جاتا رہا اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے پوری عافیت اور صحت کے ساتھ میں نے کلام پاک کو اختتام تک پہنچایا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۱﴾

......﴿40﴾......

خواجہ قاسم قلیچ خانی جن کا لقب عقیدت خان تھا اور جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبول اور منظور تھے، آپ ﴿حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ﴾ سے بھی بہت عقیدت اور محبت رکھتے تھے، آپ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ آپ توجہ فرمائیں تو میں بڑے عہدے پر پہنچ جاؤں، آپ نے تھوڑی دیر تک توجہ فرمائی اور پھر فرمایا، تو منصب ہزاری تک نظر آتا ہے، وہ اٹھے اور ادب بجالائے، اس وقت تو ان کا کوئی عہدہ نہ تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں منصب ہزاری مل گیا اور اسی منصب پر وہ قائم رہے۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۱﴾

......﴿41﴾......

محمد تراب جو طالقانی احباب میں سے تھے اور آپ سے اخلاص رکھتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میرا بھائی سخت بیمار تھا، ایسا کہ لوگوں کو اس کی زندگی کی امید نہ تھی، بلکہ اس کے لیے کفن بھی آ گیا تھا، اسی اثنا میں اس نے آپ کی خدمت میں ایک گائے اور دس روپے بطور ہدیہ بھیجے، صبح کے وقت اس نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھڑا کر دیا، پھر فرمایا: ''تجھے صحت ہو گئی، گھبرا نہیں'' وہ خواب سے بیدار ہوا اور اپنے اندر بہت طاقت محسوس کی اور کھڑا ہو گیا پھر کہنے لگا میں بھوکا ہوں جو لوگ موجود تھے انہوں نے کہا کہ یہ بکواس کر رہا ہے، اس نے کہا کہ بکواس نہیں ہے، پھر اس نے خواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے کا واقعہ بیان کیا اور اپنی صحت کی بشارت کا ذکر کیا، پھر اس کو شوربا دیا گیا اور اس نے اسی روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے کامل صحت حاصل کی اور اس بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۲﴾

......﴿42﴾......

آپ کے ایک قدیم مخلص نے بیان کیا کہ میرے وطن انبالہ کے حاکم نے میری زمین جو میرے معاش کے لیے تھی ضبط کر لی اور زمین کا ٹکڑا جو اس نے زبردستی لے لیا تھا اور ایک مرتبہ واپس دے دیا تھا ﴿دوبارہ﴾ اس نے ظلم و تعدی کر کے لے لیا، ایک دن میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس ظالم کا ذکر کیا کہ اس نے میرے ساتھ ایسا ظلم کیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ سالانہ بندوبست کے ذیل میں بڑی رقم ضم نہ ہو جائے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تھوڑی دیر مراقب رہے اور فرمایا کہ ایسا نہ ہو گا اور حاکم ذلیل ہو گا، دوسری فصل کے موقع پر اس زمین کے محصول کے لیے رقم حاصل کرنے کی کوشش ہو رہی تھی کہ ناگاہ اس حاکم کی معطلی کا حکم آ گیا اور وہ اٹھارہ سال کے لیے قید میں ڈال دیا گیا، پھر وہ رقم دوسرے حاکم نے مجھ سے طلب نہیں کی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۲﴾

......﴿43﴾......

ایک دن آپ کی زبان ترجمان سے یہ بات نکلی، ''دیکھا گیا ہے کہ شیخ مزمل ایک خطرناک مقام پر ایک گھڑے کے اندر گر گئے ہیں اور وہاں سے نکلنے کے لیے

ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں‘‘ چند روز کے بعد خبر آئی کہ شیخ مزمل، سرہند کی بعض پہاڑیوں میں سیر کے لیے گئے تھے کہ اتفاقاً ایک غار کے کنارے ان کے پاؤں میں لغزش ہوئی اور وہ غار میں گر گئے، چنانچہ اس غار سے باہر آنا دشوار ہو گیا، ہاتھ پاؤں مار رہے تھے کہ باہر آ جائیں، اتنے میں ایک دہقان نے دور سے دیکھ لیا اور اس نے لوگوں کو خبر دی پھر وہ لوگ اس غار پر پہنچ گئے اور ان کو رسی کے ساتھ باہر کھینچ لیا، یہ شیخ مزمل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مرید اور خلیفہ تھے۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۲۰۲﴾

......﴿44﴾......

علامہ میرک جو شاہزادہ ولی عہد ﴿شاہجہان﴾ کے استاد اور بادشاہ کے مقرب تھے، بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کدورت تھی، اس لیے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا تھا کہ آپ نے کہیں لکھا ہے، میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے، اسی زمانے میں میرا آنا ہندوستان میں ہوا اور میں سرہند میں ٹھہرا، اتفاق سے میری ملاقات میرے ایک قدیم دوست سے ہوئی جو پہلے بالکل آزاد طبیعت کا تھا اور صلاح وتقویٰ سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا، لیکن اب شریعت وتقویٰ کے لباس میں آراستہ ہے اور خدا طلبی اور حق پرستی اس کی پیشانی سے ٹپکتی ہے، میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہو گیا ہوں اور ان کی خدمت میں حاضری نصیب ہو گئی ہے اور اللہ نے ان کی صحبت کی برکت سے یہ دولت مجھے عطا فرمائی ہے، میں نے کہا کہ انہوں نے تو ایسی ایسی بات کہی ہے، ان کی صحبت میں کیا اثر ہو گا؟ اس نے کہا خبردار، ہزار بار خبردار، بے سمجھے ہوئے انکار مت کرو، وہ اس وقت قطب عالم ﴿قطب مدار﴾ ہیں، اگر تم خود ان کو دیکھو اور ان کی صحبت میں بیٹھو تو تمہیں خود ہی حقیقت کا پتا چل جائے گا، مجھے چونکہ آپ سے سخت کدورت تھی اس لیے میں نے کہا کہ میں تو ان کو نہیں دیکھ سکتا، وہ بہت مصر ہوا کہ ضرور دیکھ لو اور اپنے خیال سے باز آ جاؤ، پھر تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا، اگر میری تین باتوں کا جواب ﴿جو میرے دل میں ہیں﴾ وہ دے دیں تو میں ان کا معتقد ہو جاؤں گا، پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خود ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کریں اور میرے دل سے انکار کی

کدورت دور کریں، دوسری یہ کہ میرے آبا و اجداد کا ذکر چھیڑیں اور ان کے حالات کسی قدر بیان کریں، تیسری یہ کہ خواجہ خاوند محمود کے احوال بھی بیان کریں، آخر کار میں اپنے اس دوست کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جونہی میں نے ان کو دور سے دیکھا تو میرے تمام اعضا میں رعشا طاری ہو گیا اور میرے دل میں دہشت اور ہیبت پیدا ہو گئی، ڈرتا ہوا اور لرزتا ہوا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے بیٹھنے کی اجازت دی، میرے بیٹھتے ہی آپ نے تکیے کے نیچے سے ایک تحریر نکالی اور میرے حوالے کی، وہ وہی مکتوب تھا جس سے لوگوں نے یہ بدگمانی پیدا کر لی تھی کہ گویا آپ نے خود کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل کہا ہے، آپ نے یہ بات ایسے واضح فرمائی کہ میرے دل میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی، پھر فرمایا، اے مولانا میرک: تمہارے والد کا نام ایسا ایسا تھا، تمہارے دادا ایسے تھے، تمہارے پردادا یوں تھے، ہر ایک کے نام اور فضائل بیان کیے حالانکہ میں کبھی ان کی خدمت میں متعارف نہیں تھا، اس کے بعد آپ اٹھے اور چاہا کہ مجھے رخصت کریں، میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ نے ﴿تیسری بات یعنی﴾ خواجہ خاوند محمود کا ذکر نہیں فرمایا، آپ نے پلٹ کر میری طرف روئے سخن کیا اور فرمایا کہ خواجہ خاوند محمود ہمارے پیر زادے ہیں اور موروثی جذبہ ﴿روحانیت﴾ رکھتے ہیں، راوی ﴿یعنی شیخ میرک﴾ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تین کرامتیں ایک ہی مجلس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مشاہدہ کیں۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۲۰۴﴾

......﴿45﴾......

ان ایام میں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لے گئے تھے عالم معنوی مولانا جمال تلوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلوت میں آپ سے عرض کیا کہ ﴿بحمد اللہ﴾ آج آپ جیسا جامع علوم ظاہری اور باطنی زمانے میں موجود نہیں، آپ بتائیں کہ مسئلہ وحدت الوجود جو بظاہر شریعت کے مخالف ہے اور بہت سے اولیا اس کے قائل ہیں آپ کے نزدیک کس طرح حل ہوگا؟ آپ نے توجہ اور تصرف فرما کر مولانا کو حل کر دیا اور کان میں چند کلمات فرمائے، مولانا بے تاب ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو اس طرح جاری ہوئے جیسے ابر نیساں برستا ہے اور سکر و وجد والوں کی طرح آپ کے

بشرے سے عجیب تغیر ظاہر ہوا، پھر مولانا میں برداشت نہ رہی اور انہوں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے قدم چومے اور بہت تواضع وانکسار کے ساتھ رخصت ہوئے،

اس تصرف پر فخر کیوں نہ کروں؟

مولانا جمال کو دلائل عقلیہ سے مطمئن کرنا دشوار تھا اس لیے ایک لمحے میں جان بخشی فرمائی گئی، اور اس مقام پر ہی پہنچا دیا جس کو وہ سمجھنا چاہتے تھے اور مولانا کے شک و شبہ کو اس حال کے وارد کرنے سے دور کر دیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۴﴾

......﴿46﴾......

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں میں سے ایک درویش نے بیان کیا کہ میں قلعہ گوالیار میں آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، ایک بزرگ کا وہاں سے گزر ہوا تو بہت افسوس اور حیرت سے آپ کو کہلا بھیجا کہ اس جگہ سے آپ کی رہائی ممکن نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اس آزار کا سبب رافضی لوگ ہیں اور یہ قلعہ بالفعل انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر وہ لوگ قلعہ کے اوپر سے پھینک دیں تو کون روکنے والا ہے؟ آپ نے ان کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میری رہائی ﴿انشاء اللہ﴾ ضرور ہونے والی ہے، کیونکہ بعض لوگ جن کا حصہ میرے پاس ہے ان کا وہ حصہ پہنچانا ابھی باقی ہے اور یہ کام میری رہائی کے بغیر ممکن نہیں، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ کی رہائی اس قلعے سے واقع ہوئی اور آپ کا ارشاد جلد از جلد ظہور میں آیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۵﴾

......﴿47﴾......

آپ کے مخلصین میں سے ایک نے بیان کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ تھا کہ ہر یگانہ و بیگانہ کو پہلے سلام کیا کرتے تھے، ایک دن میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چلتا ہوں اور اچانک پہنچ کر سلام کروں گا، چنانچہ اس ارادے سے میں آپکی خدمت میں روانہ ہوا اور آپکے جماعت خانے کے قریب پہنچ گیا تھا کہ اگر دو تین قدم آگے بڑھاتا تو بالکل آپکے سامنے پہنچ جاتا، لیکن ابھی آپ نے مجھے دیکھا بھی نہ تھا اور نہ میں نے آپ کو دیکھا تھا کہ جماعت خانے کے اندر سے آپ نے آواز دی، اے فلاں السلام علیکم، ناچار میں نے قدم بڑھایا اور خود کو آپ کے سامنے پیش کر

کے وعلیکم السلام عرض کیا اور آپ سے اپنے ارادے کا ذکر بھی کیا کہ میں سلام کی ابتدا کرنا چاہتا تھا تو آپ نے تبسم فرمایا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۵﴾

......﴿48﴾......

ایک دن ایک طالب علم نے آپ کی نسبت قادریہ کے لیے التجا کی، آپ نے اس سلسلہ عالیہ کا طریقہ ان کو تفویض فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اکثر صحبت میں حاضر ہوا کرو، آپ نے اس شخص کی خاطر خود کو بھی دو تین روز تک نسبت قادریہ میں رکھا اور اس کی برکتیں اس پر تفویض فرمائیں اور وہ لوگ جو آپ سے انوار نقشبندیہ کا اکتساب کیا کرتے تھے ان دنوں خود کو معطل اور بیکار پا رہے تھے اور اپنے معاملے میں انقباض دیکھ رہے تھے اور اصل حقیقت سے واقف نہ تھے، مجبوراً انہوں نے آپ سے عرض کیا، آپ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں، دو تین روز سے میں خود کو آپ لوگوں سے الگ کر کے نسبت قادریہ کی تحصیل کر کے فلاں طالب علم کی طرف متوجہ ہوں، اس لیے تمہاری نسبت میں انقباض ہو گیا ہے، اس کے بعد آپ ان لوگوں کے حال پر متوجہ ہوئے اور ایام گزشتہ کی تلافی فرما دی اور وہ فیوض و برکات جو چلوں میں بلکہ سالوں میں بھی ان کو حاصل نہ ہوتے وہ ان دنوں میں حاصل ہو گئے، سبحان اللہ، کیا تصرف تھا اگر طالبوں کے معاملے میں تھوڑا سا خلل ایک توجہ میں پیدا ہوا تو نیم نگاہ میں شروع سے آخر تک کا تمام کام ان کا مکمل کرا دیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۶﴾

......﴿49﴾......

ایک صحیح النسب سید نے بیان کیا کہ میں اجین میں تھا اور سوداگروں کی ایک جماعت میرے پڑوس میں تھی، ان میں ایک شخص جان محمد جالندھری تھا جو مجھ سے خصوصی تعلق رکھتا تھا، اتفاقاً ایک دن یہ خبر ملی کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ سے ایذا پہنچی ہے اور آپ کو گوالیار بھیج دیا گیا ہے، میں بہت مغموم اور سنجیدہ تھا، جان محمد میرے پاس آیا اور مجھے رنجیدہ دیکھ کر سبب پوچھا، میں نے واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا کہ میں بھی ان کا مرید ہوں، آج میں ابھی سے تحقیق کرا لیتا ہوں، وہ گیا اور آپ کی طرف متوجہ ہوا، پھر قیولہ کیا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مراقبے میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ یہ خبر صحیح ہے لیکن بعض مقامات ﴿سلوک کے﴾ جلالی تربیت پر موقوف ہیں، اگر ایسا

نہ ہوتا تو ان کا حصول ممکن نہ تھا، دوستوں سے کہہ دو کہ اس معاملے میں خاطر جمع رکھیں کیونکہ اس معاملے کا راز یہی ہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۶﴾

......﴿50﴾......

تاجر موصوف نے یہ بھی بتایا کہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت رہا ہوں، جب بھی آپ کو دیکھتا تھا، آپ کی پیشانی اور رخسار پر لفظ اللہ لکھا ہوا پاتا تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۷﴾

......﴿51﴾......

وہی شخص یہ بھی بتاتا تھا کہ ایک دن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شام سے پہلے مجھے فرمایا کہ ایک کام تجھ سے کہتا ہوں، تم کرو گے؟ میں نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں کیوں نہ کرسکوں گا! پھر آپ نے ایک اخروٹ میرے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ باغ حافظ رخنہ میں چند درویش ٹھہرے ہوئے ہیں، ان کے پاس جاؤ، ایک فقیر ان سے الگ بیٹھا ہوا ہے، چیچک رو ہے، اس کے پاس جاؤ میری دعا کہو اور یہ اخروٹ اسے دے دو اور اس کو بلا کر میرے پاس لاؤ، میں آپ کے حکم کی تعمیل میں وہاں گیا، دیکھا کہ قلندروں کی ایک جماعت بیٹھی ہے اور چیچک رو فقیر تھوڑے فاصلے پر بیٹھا ہے، جونہی اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ کیا تمہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا، جی ہاں، پھر میں نے وہ اخروٹ اس کو دیا اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی دعا بھی عرض کی، اس نے کہا کہ ہم کو بلوایا ہے خود تشریف نہیں لائے، پھر وہ اٹھا اور میرے ساتھ روانہ ہو گیا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ دوسری طرف آ کر بیٹھ گیا، اسی اثنا میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ قہوہ لاؤ، میں اس طرف کو دوڑتا ہوا گیا جہاں قہوہ تیار ہو رہا تھا، میں وہاں پہنچا اور قہوہ کا پیالہ لے کر آپ کی خدمت میں لایا، آپ نے فرمایا کہ ان کو پیش کرو، جب میں نے ان کی طرف رخ کیا تو دیکھا کہ وہ فقیر بھی حضرت ہی تھے، فقیر نے کہا کہ یہ انہی کی طرف لے جاؤ، پھر جب میں نے ان کی طرف رخ کیا تو وہاں بھی حضرت ہی تھے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۷﴾

......﴿52﴾......

اس درویش نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے میرے حالات دریافت کئے، حضرت نے فرمایا کہ یہ شخص جالندھر کا ہے اور اس کا نام جان محمد اور فلاں کا بیٹا ہے، اس نے کہا کہ اس کا باپ میرا جاننے والا تھا، اس کو آپ نے کس سلسلے میں بیعت کیا ہے؟ آپ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ میں، اس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں کہ اس کو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا دیجئے، اتنے میں حضرت اٹھے اور آفتابہ، نیز چند ڈھیلے مجھ سے منگوائے، میں لایا، آپ بیت الخلا تشریف لے گئے، جب وہاں سے نکلے تو فرمایا، جان محمد، تم قطب تارا جانتے ہو؟ دیکھو یہی ہے یا اور ہے؟ قطب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو، میں نے دیکھا کہ قطب تارے کے اندر سے ایک بزرگ سیاہ خرقہ پہنے ہوئے باہر آئے اور تیر کی طرح تیزی سے اسی جگہ پہنچ گئے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ان کو آداب بجالاؤ، یہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ان کو میں آداب بجالایا، اس کے بعد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ رخصت ہو گئے اور پھر اسی قطب تارے کی طرف متوجہ ہو کر اسی تارے کے اندر غائب ہو گئے، جب آپ وضو کر کے مسجد تشریف لے گئے تو اس درویش نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۲۰۸﴾

......﴿53﴾......

سید موصوف نے کہا کہ میں نے جان محمد سے کہا، ایسے امور کے مشاہدے کے باوجود پھر سوداگری میں کیوں پڑ گئے؟ اس نے کہا عجیب قصہ ہے، میرے اقربا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کرنے لگے کہ اس شخص ﴿جان محمد﴾ کو ہمیں دے دیجئے تا کہ ہم اس کی شادی کر دیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، جاؤ اور شادی کر لو، لیکن میں نہیں گیا، تو رشتہ دار پھر آئے، غرض کہ وہ رشتہ دار ہمیشہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے آڑے آتے رہے اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے فرماتے رہتے تھے مگر میں نہیں گیا، آخر کار ان رشتہ داروں کی وجہ سے آپ تنگ آ گئے، ایک دن آپ

پان کھا رہے تھے، آپ نے اپنے دہن سے تھوڑا سا پان نکال کر مجھے دیا، اس کا کھانا اور میرے احوال کا سلب ہو جانا ایک ساتھ ہوا، گویا میں پہلے مست تھا اور اب دنیا کا کاروبار نظر آنے لگا، پھر میں نے ان رشتہ داروں کی رفاقت اختیار کی اور میری شادی ہو گئی اور میں تجارت کرنے لگا، لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے محبت وہی ہے جو پہلے تھی، جب کبھی میں متوجہ ہوتا ہوں، آپ کو دیکھ لیتا ہوں۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۸﴾

......﴿54﴾......

حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی نے بتایا، میں آپ رحمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوا تو اس کا سبب یہ کرامت تھی کہ ایک رات میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھے یہ آیت سنا رہے ہیں "قل اللہ ثم ذرھم" ﴿کہو اللہ پھر ان لوگوں کو چھوڑ دو﴾ تلاوت کے دوران تصرف فرمایا اور میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا، چنانچہ میں نے اپنے دل کو ذاکر پایا، علامہ مذکور ایک عرصے تک اسی نسبت کے ساتھ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی طور پر استفادہ کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ میں شیخ احمد کا اویسی ہوں، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہری تعلیم ذکر بھی حاصل کی۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۰۸﴾

......﴿55﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ایک صاحب نے بتایا، ایک دن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم اور فلاں شخص دونوں کو ولایت ابراہیمی حاصل ہے، مجھے خیال ہوا کہ آپ کا فرما دینا بالکل کافی ہے لیکن اگر مجھے بھی اس بات کا علم ہو جائے تو بہتر ہو گا، اسی رات میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت شان و شوکت کے ساتھ دیکھا اور وہاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے اور میں اور وہ دوسرا شخص ﴿جس کو ولایت ابراہیمی حاصل ہوئی تھی﴾ دونوں کھڑے ہوئے تھے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا، ہم دونوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدم بوسی کی اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے، وہ راوی بیان کرتا ہے کہ اس واقعے کو دیکھنے کے بعد جب میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قبل اس کے کہ میں وہ واقعہ عرض کروں، آپ نے فرمایا، جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں تردد کی گنجائش نہیں ہے اور تم کو معلوم

نہیں کہ تم سالکوں کو ان کے احوال کے دقائق اور ان کے مشرب و استعداد کی خبر نہیں دی جاتی بلکہ زیادہ تر زمانے ایسے ہیں کہ ایک ہی خاص الخاص کو بزرگوں میں سے اس نعمت اعلیٰ اور دولت عظمیٰ سے نوازا جاتا ہے، شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے قطب تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ کس نبی کے زیر قدم ہیں، اس کی تحقیق کے لیے انہوں نے اپنے ایک مرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا جو اس علم سے بہرہ مند کیے گئے تھے، اس بزرگ نے دیکھتے ہی کہا، ''وہ یہودی توجہ کر رہا ہے'' وہ مرید آرزدہ خاطر ہو کر اپنے شیخ کے یہاں واپس پہنچا اور سارا ماجرہ بیان کیا، شیخ بہت خوش ہوئے اور جھومنے لگے اور کہا، انہوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہو۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۰۹﴾

......﴿56﴾......

ایک روز آپ کے ایک مخلص کو خیال ہوا کہ آپ ہی ہمیشہ امامت فرماتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس خیال کو لے کر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابھی وہ اپنی بات زبان پر نہیں لایا تھا کہ آپ نے فرمایا، شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز جائز نہیں اس لیے مقتدی ﴿امام کے پیچھے﴾ بھی سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور صحیح احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿حدیث رسول ہی کی روشنی میں﴾ امام کی قرات کو مقتدیوں کی قرات قرار دیا ہے اور فرمایا ہے، مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اور جمہور فقہائے حنفیہ کا مذہب یہی ہے گو کہ بعض ضعیف روایتوں سے اس قرات کو جائز کہا ہے، ہم حتی الامکان یہ کوشش کرتے ہیں کہ تمام ائمہ کے مذاہب جمع ہو جائیں تو اس معاملے میں جمع مذاہب نہیں ہوتا مگر جب تک کہ میں خود امامت نہ کروں۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۰﴾

......﴿57﴾......

وبائے طاعون کے غلبہ کے زمانہ میں ایک صاحب کے متعلق لوگوں نے ناخوش واقعات دیکھے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیے، آپ نے فرمایا کہ حصن حصین کا ختم کیا جائے، اس شخص نے یہ ختم کیا اور عرض کیا، آپ نے فاتحہ ﴿دعا﴾ پڑھی اور پڑھنے کے بعد ان سے فرمایا کہ اس فاتحہ کے پڑھتے وقت میں نے تمہارے گرد ایک قلعہ

دیکھا کہ قائم کر دیا گیا ہے، لیکن اس قلعہ کی بعض دیواریں صحیح نہیں ہیں، اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ختم کے پڑھنے میں کوئی نقص واقع ہوا ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ جی ہاں، حصن حصین کا وہ نسخہ بہت بد خط تھا بعض مقامات پڑھے نہیں گئے اور غلط بھی تھا، وہ شخص چلا گیا، دوبارہ ختم پڑھا اور پھر آ کر عرض کیا، اب آپ نے فرمایا کہ یہ ختم درست ہے اور پہلا ختم دوسرے شخص کے لیے منتقل ہو گیا ہے جو اس کے لیے درست ثابت ہوا یعنی وہ شخص مرض ﴿طاعون﴾ میں مبتلا تھا حتی کہ اطبا اس بیماری سے مایوس ہو چکے تھے، وہ اب جلد ہی صحت یاب ہو گیا اور وہ پہلا شخص بھی عافیت سے رہا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۰﴾

......﴿58﴾......

ایک سفر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سرائے میں فروکش ہوئے، آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ آج اس سرائے میں آگ لگ جائے گی اور سامان کے ساتھ گھر جل جائیں گے، احباب ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں کہ ہر شخص یہ دعا بار بار پڑھے تاکہ وہ اور اس کا اسباب آگ سے محفوظ رہے، وہ دعا یہ ہے: "اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق" ابھی تھوڑی دیر ہی نہ گزری تھی کہ اس سرائے کے بعض گھروں میں آگ لگ گئی اور ایسی شدت کے ساتھ کہ اس کا بیان نہیں ہو سکتا، ایسے شعلے اٹھے کہ ان کا بجھانا مشکل ہو گیا، لوگوں نے بہت بھاگ دوڑ کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بہت سے گھر جل گئے اور بہت سا اسباب تباہ ہو گیا، لیکن احباب میں سے جس کسی نے بھی وہ دعا پڑھی وہ اور اس کا اسباب محفوظ رہا، مولانا عبدالمومن لاہوری جو بڑے فاضل تھے اور آپ کے مرید تھے ان کا سامان جل گیا، کیونکہ ان کو کسی نے خبر نہ دی تھی کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں دعا پڑھنے کے لیے اشارہ فرمایا ہے، پھر وہ خود بھی ہزار دقت سے آپ کی خدمت میں پہنچ سکے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۰﴾

......﴿59﴾......

اس زمانے میں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لے گئے تھے، ایک رات عشا کی نماز کے بعد اس گھر کی ایک دیوار کے قریب جہاں کہ آپ ٹھہرے ہوئے تھے، کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آج رات کوئی شخص اس دیوار کے قریب ہرگز نہ آئے اور نہ سوئے حالانکہ اس وقت نہ بادل تھے اور نہ بارش تھی، بعض لوگوں کو اس اشارہ سے تعجب ہوا

کہ دوسری دیواریں زیادہ شکستہ تھیں اور وہ دیوار تو سب سے مضبوط تھی ، ﴿پھر تو یہ ہوا کہ﴾ اخیر کی تہائی رات میں وہ دیوار اللہ کے حکم سے گر پڑی ،ایک لونڈی اس دیوار کے قریب تھی ،اس پر چند ڈھیلے گرے ،حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ میں نے رات کو نہیں کہا تھا کہ کوئی بھی اس دیوار کے قریب نہ رہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۱﴾

......﴿60﴾......

میرزا مظفر جو سرہند کا فوج دار تھا،قصبہ جیت پور میں تھا،ارادہ کر رہا تھا کہ سرکش پہاڑ والوں پر حملہ کرے ،وہ ایک درویش سے رجوع کر کے بشارت کا طالب ہوا،اس درویش نے فتح کی بشارت دی،اس کے بعد اس کے دل میں تردد پیدا ہوا اور اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خط لکھا اور اس بشارت کے متعلق بھی آپ کو اطلاع دی،آپ نے جواب میں لکھا،اس حملے میں فوجدار کو شکست ہوگی ، بشارت دینے میں عجلت کی گئی ہے،جب تک صبح کی سپیدی کی طرح کوئی بات صاف طور پر ظاہر نہ ہو جائے زبان پر نہیں لانی چاہیے،تین چار دن نہ گزرے ہوں گے کہ فوجدار کی جنگ ان پہاڑ والوں سے چھڑ گئی اور اسے شکست ہوئی،اس کا علم اور نقارہ بھی چھن گیا اور وہ پریشانی اور حیرانی میں واپس ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۱﴾

......﴿61﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں بیمار تھا اور تپ محرقہ میں مبتلا تھا،ایک عرصہ لگ گیا اور ضعف وتوانائی اس حد تک بڑھ گئی کہ زندگی کی امید نہ رہی، اقربا نے میری خاطر شب بیداری کی تاکہ نزع کے وقت حاضر رہیں، میں نے حضرت کی طرف توجہ کی تو میں نے شدت مرض میں دیکھا کہ ایک شخص ظاہر ہوا ،بہت سفید چادر اوڑھے ہوئے تھا جو سر سے پیر تک تھی اور چہرہ بھی ڈھکا ہوا تھا،میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یہ چادر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قطب وقت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کیلئے بھیجی تھی اور انہوں نے تمہارے لئے بھیجی ہے، میں وہ چادر تم کو اوڑھاتا ہوں،اس کی برکت سے تم کو صحت حاصل ہوگی ﴿انشاء اللہ﴾ پھر اس نے مجھے سر سے پیر تک اوڑھا دی، جب میں نے اس چادر پر ہاتھ بڑھایا تو اس سے کچھ بھی میرے ہاتھ نہ آیا،اور میرے پیر کی طرف سے

برودت مجھ میں سرایت کرگئی جو سر تک پہنچ گئی، جب میری بہن نے دیکھا کہ میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے ہیں تو وہ یہ سمجھی کہ میرا وقت آخر ہے، وہ دوڑی اور مجھے بغل میں لے کر رونا، چیخنا اور نالہ کرنا شروع کردیا، میں اس کے شور وغل سے جاگ اٹھا اور اس سے کہا کہ میں اچھا ہوں، غم نہ کرو میں نے شوربا منگوایا، پیا اور اچھا ہوگیا، چنانچہ میں نے صبح کی نماز کھڑے ہوکر پڑھی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۲﴾

......﴿62﴾......

وہی صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور میرے ایک دوست نے ﴿جو حضرت کے مریدوں میں سے تھے﴾ امساک کیلئے اپنے گھر میں دوا تیار کی، لیکن اس میں افیون شامل تھی اور ہم دو کے علاوہ کوئی شخص اس بات سے واقف نہ تھا، ہم دونوں ظہر کی نماز کے حلقے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ﴿اور خیال کیا﴾ کہ وہاں سے واپسی پر دوا کھائیں گے، آپ فراغت کے بعد چاہتے تھے کہ گھر تشریف لے جائیں، دروازے پر کھڑے ہوگئے اور ہم دونوں کو قریب طلب فرما کر بہشت اور حور وقصور کا ذکر شروع فرما دیا، دنیوی لذتوں کی نفی فرمائی اور آخرت کی لذتوں کی ترغیب دلائی، پھر فرمایا کہ ''وہ دوا افیون سے تم نے تیار کی ہے کہ کھائیں، تو اس کو مت کھانا۔'' ہم لوگ حیران ہوئے اور آپ کا حکم قبول کیا اور اس دوا کو پانی میں ڈال دیا، یہ کرامت دیکھی تو آپ سے اور بھی زیادہ گرویدگی بڑھ گئی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۲﴾

......﴿63﴾......

وہی صاحب یہ بھی کرامت بتاتے تھے کہ ان کی والدہ بیمار تھیں، میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ رقم حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کیلئے لے گیا اور آپ سے شفا کیلئے دعا کی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ یہ نذر اپنے پاس رکھو اور اس خوبی کے ساتھ اسے قبول کرنے سے انکار کردیا، میں نے رات کو خواب میں آپ کو دیکھا کہ آپ تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں: ''اے شخص جاگ جا اور اپنی والدہ کے نزع کے وقت اس کے پاس پہنچ جا'' میں خواب سے بیدار ہوا اور اسی وقت بے تابی کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ تہجد کی نماز سے

فارغ ہو چکے ہیں، میں نے سلام پیش کیا اور جو خواب دیکھا تھا آپ سے عرض کیا، آپ مراقب ہو گئے اور دیر تک اس حالت میں رہے اور پھر فرمایا: اے شخص جا کے دیکھ، تیری والدہ کا وقت نزع ہے، میں روتا ہوا والدہ کے سرہانے آیا اور ان کی نبض دیکھی کہ ڈوب چکی ہے، تھوڑی دیر کے بعد وہ فوت ہو گئی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۲﴾

......﴿64﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بتایا کہ جن دنوں آپ کو بادشاہ کے ہاتھوں اور دین دشمنوں کی چغل خوری کی بنا پر گزند پہنچا تھا ایک شخص جو افسون اور منتر سے واقف تھا مجھ سے کہنے لگا کہ میں ہندی میں چند اسم جانتا ہوں کہ ظہر کے وقت سے عصر کی نماز تک اگر وہ پڑھ لو تو اسی دن دشمن ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ چیز مجرب ہے، اس نے یہ اسم مجھے ایک کاغذ پر لکھ کر دیئے کہ مکان کی چھت پر لکڑی میں رکھ دو، میں نے اس سے وہ اسم سیکھ لئے اور وہ کاغذ مکان کی چھت میں رکھ دیا، پھر دل میں طے کیا کہ کل منگل کو وہ پڑھوں گا، ناگاہ رات کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ اپنے دانتوں میں کلمہ کی انگلی دبا کر فرما رہے ہیں کہ میرے مرید اور ایسا عمل کریں، بڑے تعجب کی بات ہے، ہرگز وہ عمل مت کرنا کہ وہ جادو ہے پھر مجبوراً میں نے اسے ترک کر دیا، اس کے بعد بادشاہ اس ایذا رسانی سے نادم اور شرمندہ ہوا اور آپ کو گوالیار سے بلوایا اور آپ اپنے وطن تشریف لے آئے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک عالم آپ کے دیدار کو آرہا تھا، میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میرے سامنے مجھے اس عمل سے منع فرمائیں گے بغیر اس کہ میں اس کا اظہار کروں، تو میں اس عمل کو چھوڑ دوں گا ورنہ ایک بار تو دشمن کے دل میں تیر ضرور ماروں گا، حضرت تین دن تک سرہند میں رہے اور میں تین دن تک حضرت کی خدمت میں اسی نیت سے گیا، تیسرے دن آپ مجمع خلائق سے رخصت ہو کر مکان میں تشریف لے جا رہے تھے کہ دروازے پر اندر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ فلاں شخص کو بلاؤ، میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہندی اسم مت پڑھنا، وہ جادو ہے، میں نے شرمندگی کی وجہ سے اس کا انکار کیا، آپ نے فرمایا ایسی بات کیوں کہتے ہو؟ تم نے وہ اسم فلاں جادوگر سے سیکھے ہیں ﴿آپ نے مجھے اس جادوگر کا نام بتایا جس سے میں نے سیکھا تھا﴾ اور وہ کاغذ جس پر اس نے وہ اسم لکھ کر دیئے تھے تم نے اپنے گھر کی فلاں لکڑی میں رکھ دیئے ہیں، وہ

اپنی تاثیر میں ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے بتایا تھا لیکن جادو حرام ہے، جاؤ اور اس کو پھاڑ ڈالو اور اس عمل کے قریب بھی نہ جاؤ'' پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا، مجھے اس کرامت سے دہشت ہونے لگی اور میں حیرت میں گم ہو گیا، کیونکہ یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی، میں فوراً گھر آیا اور اس کاغذ کو چاک کر دیا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۱۳﴾

......﴿65﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ ایک ملا ایک خواجہ زادہ کے بیٹے کو تعلیم دیتا تھا اور وہ خواجہ زادہ باہر سفر میں تھا، اس ملا کو اندرونی دروازے کے قریب مکتب کیلئے جگہ دی گئی تھی، اس لئے کبھی کبھی اپنے بچے کے حالات پر نظر رکھنے کیلئے اس کی والدہ آ کھڑی ہو جاتی تھی، اس طرح اتفاق سے ملا کی نظر اس پر پڑ جاتی تھی، ملا اپنا دل کھو بیٹھا اور خان و ماں سے آوارہ ہو کر حیران و پریشان پھرنے لگا، کیونکہ جمال محبوب کا دیدار ہر وقت نہ ہو سکتا تھا اور اس کے جانکاہ درد کو اس کے بغیر تسکین نہ ہو سکتی تھی، وہ مجنوں کی طرح دشت و بیاباں میں گھومتا تھا اور کسی طرح صبر نہ پاتا تھا، وہ شخص چونکہ راقم الحروف ﴿بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ﴾ کا واقف تھا، اس لئے میں نے اس سے ایک دن کہا کہ صحیح بات تو بتاؤ اس پریشانی کا سبب کیا ہے؟ اور اس سرگشتگی کا باعث کیا ہے؟ اس نے کہا کہ سلطان عشق نے بحکم: **ان الملوک اذ دخلوا قریة......** ﴿النمل: ۳۴﴾ اس بیدل کے دل پر نزول اجلال فرما کر اسے تہہ و بالا کر دیا ہے اور عقل کو جو اس دیار کے اعزہ میں سے ہے ذلیل کر کے معطل کر دیا ہے اور اس کی جگہ جنون کو بٹھا دیا ہے، اگر ہو سکے تو میرا حال حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کر دو، میں نے کہا کہ تم لکھ دو، میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دوں گا، اس نے حقیقت حال بے کم و کاست لکھ دی، میں نے وہ رقعہ عشا کے وقت تنہائی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا کہ وہ عورت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہے اور حضور کی توجہ کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا'' اس سے کہہ دو کہ کل حلقہ ذکر میں میرے سامنے بیٹھے، توجہ کی جائے گی اور وہ بلا دفع ہو جائے گی، انشاء اللہ'' میں نے یہ بات اس سے کہی اور وہ علی الصباح آپ کی خدمت میں آیا اور آپ ہی کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، پھر آپ کے سامنے ہی حلقہ ذکر میں بیٹھ گیا، آپ نے اس کے حال پر توجہ فرمائی اور اس محبت مجازی کا کانٹا اس

کے دل سے نکال دیا، جب آپ کے حلقے سے اٹھا تو میں نے اس ملا سے اس کی کیفیت حال دریافت کی، اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میرا دل اب اس عورت کے عشق سے سرد ہو گیا ہے، چنانچہ اسی وقت اس نے اجازت لی کہ وطن جا رہا ہوں، میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے اس بلا اور آزمائش سے آزاد ہو گیا ہوں، پھر وہ چلا گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۵﴾

......﴿66﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ایک امیر تھا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ملک احمد کی حویلی میں رہتا تھا، ایک روز آپ نے اسے آگاہ فرمایا کہ اس حویلی سے نکل جاؤ، ورنہ تم پر ایک عظیم بلا نازل ہو جائے گی، اتفاق سے اس امیر کو اس کام کی توفیق نہ ہوئی اور وہ بادشاہی غضب اور دوسرے حوادث کا شکار ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۵﴾

......﴿67﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ایک تاجر تھا، اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں آ گیا، لیکن کوئی فرزند پیدا نہ ہوا جو دنیا میں میری یادگار رہتا، آپ اس معاملے میں توجہ فرمائیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی دیر کیلئے مراقبے میں سر جھکایا، پھر فرمایا کہ ''تجھے اس بیوی سے جو تو رکھتا ہے لوح محفوظ میں کوئی فرزند ثابت نہیں، اگر دوسری شادی کرو گے تو اس سے فرزند پیدا ہوں گے۔'' اتفاق یہ ہوا کہ اس کی ﴿پہلی﴾ بیوی فوت ہو گئی، اس نے دوسری شادی کی اور اس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بعد میں اس کی یادگار رہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۵﴾

......﴿68﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رشتہ دار نے بتایا کہ مجھے ہمیشہ یہ جذبہ رہتا تھا کہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقہ ﴿ذکر﴾ حاصل کروں، لیکن بعض موانع کی وجہ سے اس سعادت کے حصول میں دیر ہو گئی، ایک رات میں نے پکا ارادہ کیا کہ کل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر التماس کروں گا کہ مجھے اپنے مریدوں کے حلقے میں شامل فرما لیں اور ذکر کی تعلیم فرما دیں، اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گہرا سمندر ہے اور میں اس کے کنارے پر کھڑا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے کنارے پر ہیں اور میں کوشش میں ہوں کہ خود کو اس

کنارے تک پہنچادوں، اتفاق سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ مجھ پر پڑی، فرمایا ''اے شخص جلد آجا، جلد آجا تو نے دیر کردی'' آپ کا اس طرح فرمانا اور میرے دل میں ذکر کا شروع ہونا ساتھ ساتھ واقع ہوا، جب میں بیدار ہوا تو میرا دل ذاکر ہو چکا تھا، جیسا کہ طریقہ نقشبندیہ ہے، حالانکہ میں نے کسی سے بھی نہ سنا تھا کہ آپ کے ذکر کا طریقہ کیا ہے، صبح کو جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور گذشتہ شب کے تصرف اور کرامت کا تذکرہ کیا اور ذکر کا طریقہ جو رات سیکھا تھا وہ بھی عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہی ہمارا طریقہ ہے، اسے جاری رکھو۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۵﴾

......﴿69﴾......

مولانا مرتضیٰ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ ایک بار میں لشکر میں گیا اور معاش کیلئے مہم شروع کردی، اس زمانے میں یہ کام بہت مشکل سے ہوتا تھا اور بہت سے خدمت گزار بہت عرصے تک لشکر میں رہتے تھے اور ان کا کام نہ بنتا تھا، مجھے اس کام میں مایوسی ہوئی، تو ایک رات میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ﴿خواب میں﴾ دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں اور میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے، آپ نے وہ کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس پر اپنے قلم سے کچھ لکھ دیا اور میرے حوالے کردیا، صبح میں نے اہل دفتر سے اپنے کام کیلئے رجوع کیا تو اسی روز میری درخواست منظور ہوگئی، سب خادموں کو حیرت ہوئی کہ تمہارا کام اتنی جلد اور دو تین روز میں کس طرح ہوگیا، جب کہ ہم برسوں سے لشکر میں امیدوار ہیں اور ہمیں کامیابی نہیں ہوئی، میں نے یہ واقع بیان کیا تو سب لوگ آپ کی کرامت کے معتقد ہوگئے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۲﴾

......﴿70﴾......

وہی صاحب بیان کرتے تھے کہ میرے والد نے ﴿انتقال کے وقت﴾ وصیت کی تھی کہ میری نعش کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے جانا اور عرض کرنا کہ مجھے سلسلے میں داخل فرمالیں، آپ کا طریقہ بھی تھا کہ مردوں کو بھی اپنی نسبت عطا فرمادیا کرتے تھے، میں نے والد صاحب کے انتقال کے بعد ان کی وصیت پر عمل کیا، والد کا جنازہ آپ کی خدمت میں نماز جنازہ کیلئے لایا اور والد کی وہ التماس بھی عرض کی، فرمایا کہ کل حلقہ ذکر میں معلوم کرلینا، چنانچہ دوسرے دن جب میں حلقہ ذکر میں بیٹھا ہوا تھا تو مجھے استغراق ہوگیا، میں نے دیکھا کہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور میرے والد اس حلقہ ذکر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر میں مشغول ہیں، اس کرامت پر میں شکر خدا بجالایا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۲﴾

......﴿71﴾......

وہی صاحب بیان کرتے تھے کہ اس زمانے میں جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ قلعہ گوالیار میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح محبوس تھے تو سرہند میں آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوگئی، میں بہت غمزدہ اور رنجیدہ ہوگیا اور فاتحہ پڑھی، اسی رات ﴿خواب میں﴾ جب کہ میں گریہ کررہا تھا تو دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چند درویشوں کے ساتھ حجرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے فرمارہے ہیں کہ ''اے شخص میرے انتقال کی خبر جو مشہور ہوگئی ہے وہ جھوٹ ہے'' جب میں بیدار ہوا تو اٹھا اور ہر طرف سے خبر معلوم کی، پے در پے اور تواتر سے لوگوں نے آپ کی عافیت کی خبر سنائی اور آپ اس کے بعد کئی سال تک حیات رہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۷﴾

......﴿72﴾......

مولانا محمد امین نے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ نواب شیر خواجہ اپنے والد کی طرف سے سید ہے، لیکن والدہ کی طرف سے خواجہ زادہ ہے، اور اس کے آباؤ اجداد باہر سے بلند مرتبہ ہوکر آئے تھے، آپ توجہ فرمادیں کہ اس شخص کو شراب نوشی اور فسق و فجور کی کثرت دامن گیر ہے، اسے آپ اس ورطہ ہلاکت سے نکال دیں اور اصلاح فرمادیں کیونکہ وہ بڑے امیروں میں سے ہے، اگر وہ اصلاح پاجائے گا تو اس کے لشکریوں میں ایک کثیر جماعت اصلاح پاسکے گی، چونکہ اس کے حقوق میرے ذمے ہیں، اس لئے آپ سے گزارش کرتا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کی، لیکن جب مولانا نے بار بار التماس کی اور بہت عاجزی و انکساری ظاہر کی تو آپ نے ایک دن توجہ فرمائی اور فرمایا کہ ''مولانا میں شیر خواجہ کے حالات کی طرف متوجہ ہوا تھا، وہ فسق و فجور کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے، میں نے بہت توجہ کی کہ اسے وہاں سے باہر لے آؤں، بالفعل میرا قابو نہ چل سکا، لیکن ﴿انشاء اللہ﴾ آخر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لاؤں گا'' اس کے بعد بہت عرصہ گزر گیا اور جب بادشاہ دین پناہ صاحبِ قران شاہجہان سلمہ الرحمٰن کی سلطنت کا

زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے شیر خواجہ کو توفیق بخشی کہ وہ تمام ممنوعات سے تائب ہو گیا اور اس نے خود کو اطاعت اور عبادت میں مشغول کر لیا، اتفاق سے اسے صوبہ ٹھٹھہ کا حاکم بنا کر بھیجا گیا، لیکن جب وہ سرہند کے قریب پہنچا تو بیمار ہوا اور سرہند کے جوار میں فوت ہو گیا، اس کے بیٹے اس کا جنازہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ انور کے قریب لائے اور وہیں اسے دفن کر دیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا تھا ''آخر میں اس کو اپنی طرف کھینچ لاؤں گا'' وہ اس طرح ظاہر ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۷﴾

......﴿73﴾......

اکبر بادشاہ کی وفات کے وقت جہانگیر کی تخت نشینی کے موقع پر میرزا شاہ رخ کے بیٹے میرزا فتح پوری نے بے اعتدالی ﴿بغاوت﴾ ظاہر کی تھی، اتفاقاً خواجہ کلاں نے عبداللہ خان کو اس کی بے اعتدالیوں کے متعلق لکھ بھیجا، خان موصوف نے اس پر حملہ کر دیا، اور اسے گرفتار کر لیا اور بادشاہ ﴿جہانگیر﴾ کے پاس لایا، بادشاہ نے اسے قید کرا دیا اور بہت عرصہ گزر گیا مگر وہ قید میں رہا اور جب کوئی شخص اس کا ذکر ﴿رہائی کیلئے﴾ بادشاہ سے کرتا تو بادشاہ ضامن طلب کرتا، لیکن چونکہ وہ بہت سرکش تھا اس لئے کوئی شخص اس کا ضامن نہ بنتا، اور اس کا معاملہ تعویق میں پڑ گیا، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سیر و سیاحت میں اکبر آباد ﴿آگرہ﴾ پہنچے اور کٹڑہ مظفر خان میں قیام فرمایا، میرزا فتح پوری کو آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی تو اس نے اپنا ایک وکیل بڑی نیازمندی کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی رہائی کے لئے عرض کرایا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جاؤ میرزا فتح پوری کی رہائی ہو گی'' اس نے عرض کیا کہ کب رہائی ہو گی، آپ نے فرمایا: کل ہو گی، جب دوسرا دن ہوا تو بادشاہ نے اسے یاد کیا اور بغیر اسکے کہ کوئی یاددہانی کراتا، اسے اپنے پاس طلب کیا اور رہا کر دیا اور کہا کہ میں ہی تمہارا ضامن ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۸﴾

......﴿74﴾......

خواجہ حسام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو رقعہ لکھا کہ زیارت حرمین شریفین کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے اور چاہتا ہوں کہ متعلقین کے ساتھ یہ مبارک سفر اختیار کروں اور حرمین شریفین میں سے کسی ایک جگہ قیام کروں اور دفن ہو جاؤں، اس معاملے میں آپ توجہ فرما کر بتائیں کہ یہ بات میسر ہو گی یا نہیں اور اللہ کی مرضی ہے یا نہیں؟ حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جواب میں لکھا کہ ''متعلقین کا سفر نظر نہیں آتا بلکہ ممانعت جیسی چیز ظاہر ہوتی ہے، ہاں اگر آپ تنہا چاہیں تو اچھا ہے، امید ہے کہ سلامتی کے ساتھ پہنچ جائیں گے'' لیکن چونکہ خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا شوق بھی کمال کا تھا، اس لئے انھوں نے بہت کوشش کی کہ اہل وعیال کے ساتھ سفر حجاز اختیار کریں، بلکہ بادشاہ ﴿شاہجہان﴾ سے بھی اسکا اظہار کیا، مگر اجازت نہ ملی اور اس وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی صداقت ظاہر ہوئی اور انھیں متعلقین کے ساتھ جیسی کہ تمنا تھی سفر میسر نہ ہوا اور وہ ہند میں ۱۰۴۳ھ میں فوت ہو گئے۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۱۸﴾

......﴿75﴾......

مولانا محمد حنیف کابلی جو حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفا میں سے ہیں اور جو کابل میں طالبوں کی رشد وہدایت میں مصروف ہیں، بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ محمد صدیق ﴿فرزند شیخ بادشاہ﴾ کہ دراصل وہ کولاب ﴿نزدیک قندہار﴾ کے ہیں اور اب کابل میں متوطن ہیں، وہ بیان کرتے تھے کہ میں تجرید وتفرید کی وضع میں برہان پور کی طرف روانہ ہوا، راستے میں جب سرہند پہنچا تو میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف ومناقب جو پہلے سنے تھے ان سے بھی زیادہ سنے، لوگوں نے بتایا کہ اگر تمام دنیا میں گھوم کر دیکھو گے تو جو کچھ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہو سکتا ہے اس کا شمہ بھر بھی تمہیں کہیں نہیں مل سکے گا، یہ بات سن کر میں بہت خوش ہوا اور بلا توقف آپ کے آستانہ عالیہ کی طرف متوجہ ہوا، جب میں آپ کی خانقاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ ظہر کی نماز ادا کر کے اصحاب کے ساتھ مراقبے میں بیٹھے ہوئے ہیں، میں ایک گوشے میں بیٹھ گیا، فراغت ہوئی تو میں نے سلام عرض کیا اور آپ کے قدموں میں گر پڑا، آپ نے میرا احوال باطنی پوچھا اور فرمایا ''اے درویش جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھ سے کہو اور انکار کی راہ نہ اختیار کرو'' میں نے اپنے احوال کا انکار کیا اور عرض کیا کہ جہاں میرا عبور تھا پورا پورا بیان فرمادیا، اس کو سن کر مجھے سخت حیرت ہوئی پھر آپ خلوت میں تشریف فرما ہوئے اور مجھ سے فرمایا کہ کل اشراق کے بعد آنا، دوسرے دن مقرر وقت پر حاضر ہوا کہ آپ نماز اشراق ادا کر کے خلوت میں تشریف لے گئے تھے، میں تھوڑی دیر کھڑا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک صوفی مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، اس سے میں نے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی تشریف لائیں تو ان سے کہہ دیجئے گا کہ ایک درویش آپ سے ملنے آیا ہوا ہے لیکن چونکہ آپ باہر تشریف نہ رکھتے تھے

اس لئے اس نے دعا کی درخواست کی اور برہان پور کیلئے روانہ ہوگیا، اس صوفی نے کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے آپ کیلئے یہاں بیٹھا رکھا ہے اور فرمایا ہے کہ محمد صدیق نام کے کوئی درویش آئیں تو مجھے اطلاع کر دینا حالانکہ میں نے اپنا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ظاہر نہیں کیا تھا، وہ صوفی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خلوت میں گیا اور میری درخواست دعا پہنچائی، آپ نے مجھے اندر بلوایا اور خود اٹھے، وضو کیا اور نماز تحیۃ الوضو ادا کرنے لگے، پھر مراقب ہو گئے اور اس کے بعد فرمایا کہ یہاں آؤ، میں آگے بڑھا اور آپ کے قریب بیٹھ گیا، آپ پھر مراقب ہو گئے اور اس کے بعد ذکر قلبی فرمایا اور متوجہ ہوئے اور میرے حالات ذرا ذرا سی دیر میں بدلتے رہے، اور ایک گھڑی میں اس قدر کیفیات عنایت فرمائیں کہ برسوں کی ریاضت میں اس کا شمہ بھر بھی حاصل نہ ہوتا اور ہر حال جو مجھ پر وارد ہوتا آپ فرماتے کہ اب یہ حال تم پر وارد ہوا ہے، یہاں تک کہ میرے تمام حالات جو وارد ہوئے تھے بیان فرما دیئے، اس کے بعد آپ نے مجھے برہان پور کیلئے رخصت دے دی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۰﴾

......﴿76﴾......

وہی مولانا ﴿محمد حنیف کابلی﴾ بیان کرتے تھے کہ ایک صفا کیش درویش نے مجھے بتایا کہ میں حرمین شریفین کیلئے عازم سفر ہوا، جب سرہند پہنچا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کی حاضری سے بھی مشرف ہوا، اس وقت حضرت نماز عشا سے فارغ ہو چکے تھے اور خلوت گاہ میں تشریف لے جانا چاہتے تھے، اسی اثنا میں میں نے سلام عرض کیا اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے خادم سے فرمایا ''اے درویش، وقت اچھا ہے یہی روٹی مرشد کی حیثیت سے تمہاری تربیت کیلئے کافی ہے'' اس کے بعد میں آپ سے رخصت ہوا اور ہر گھڑی میری کیفیات بڑھتی گئیں اور ہر لحظہ میرے حالات میں تبدیلی پیدا ہوتی گئی اور جو کچھ میں نے ایک ساعت میں حاصل کیا، بیس سال کی ریاضت میں اس کی بو بھی نہ پائی تھی اور اس کا رنگ نہ دیکھا تھا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۱۸﴾

......﴿77﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عقیدت مند مخلص نے بیان کیا کہ مجھے ایک مرتبہ فاحشہ سے تعلق داری اور شیفتگی پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ میں بے اختیار ہو گیا تھا، ایک دن میں نے

اسے اپنے خلوت خانے میں طلب کر کے بزم آراستہ کی اور چاہا کہ اس سے قربت کروں، ناگاہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ صاف ظاہر ہوئے اور میرے منہ پر طمانچہ مارا اور میری نظر سے غائب ہو گئے، طمانچہ لگتے ہی میرے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا اور اس برے کام کیلئے طاقت ہی سلب ہو گئی پھر جو کام میں چاہتا تھا اس سے نادم اور تائب ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۰﴾

......﴿78﴾......

شیخ نور محمد تہاری جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم مریدوں میں سے ہیں اور آپ کے خلفا میں سے ہیں اور آٹھ مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں، بیان کرتے تھے کہ ایک مکان میں ایک جن رہتا تھا جو میرے بھائی سے ہمیشہ دشمنی رکھتا تھا بلکہ وہ اسی کی اذیت سے فوت ہوئے، میں بھی اسی گھر میں رہا کرتا تھا، بھائی کے انتقال کے بعد مجھے ہیبت ناک شکلیں دکھائی دینے لگیں، پھولوں کی خوشبو ہمیشہ دماغ میں رہتی تھی اور مجھے بھی ویسی ﴿بھائی جیسی﴾ حالت درپیش ہوئی، جب میرے عزیزوں اور قرابت داروں نے یہ بات سنی تو وہ میری زندگی سے مایوس ہو گئے، ایک رات میں اپنی اہلیہ کے ساتھ تھا اور ابھی نیند نہیں آئی تھی کہ وہ جن یکا یک ہم دونوں کو نظر آیا اور ہم لوگوں پر بیٹھ گیا اور اس قدر زور دکھایا کہ ہم لوگوں میں ہاتھ اٹھانے کی طاقت نہ رہی، لحاف بھی پاؤں سے اٹھا نہ سکتے تھے، جب حالت اس طرح اضطراب اور اضطرار کی ہوئی تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور آواز دی کہ اے نور محمد کچھ خوف نہ کرنا یہ جن ابھی بھاگ جائے گا، ''ان کید الشیطن کان ضعیفا'' ﴿بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی آواز سنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا، اور جب میں اٹھا تو آپ نظر سے غائب تھے، اس کے بعد ہمارے گھر والوں میں کسی کو جن کا خوف نہیں رہا اور تمام جنات وہاں سے دفع ہو گئے، میں نے خود دیکھا کہ وہ اپنے سامان اور اسباب کے ساتھ کوچ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم کو جلاوطن کر دیا اور ہم موضع شادوال ﴿سوڈی وال﴾ جا رہے ہیں۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۱﴾

......﴿79﴾......

میر شرف الدین حسین حسنی جن کا لقب ہمت خان تھا، بیان کرتے تھے کہ ایک دن مجھے خیال گزرا کہ چند نفیس کپڑے سلئے دکن کی جنس کے جو میرے گھر میں تھے اور کچھ مصالحے کھانا

پکانے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجوں، جب میں نے ان چیزوں کو نکال کر رکھا تو اپنے رضائی بھائی اللہ یار کے ساتھ روانہ کیا، اتفاق سے ایک عورت جو میرے خسر کی طرف سے عزیز تھی اور میرے گھر مہمان تھی کہنے لگی کہ اس قسم کے کپڑے درویش لوگ کیا کریں گے، وہ خود تو پہنیں گے نہیں، میں نے اس سے کہا کہ بالفرض اگر آپ نہیں پہنیں گے تو آپ کے اہل خانہ کے کام آسکیں گے، جب اللہ یار نے وہ کپڑے اور مصالحے آپ کی خدمت میں پیش کیے تو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا، مصالحے لے لئے جائیں اور کپڑوں کو دیکھ کر فرمایا کہ میر شرف الدین سے کہو کہ یہ کپڑے نفیس ہیں اور بعض عورتیں جو تمہارے گھر میں ہیں ان کو دے دو تا کہ وہ پہن لیں کیونکہ یہ ان کے لائق ہیں، اس طرح آپ نے کپڑے واپس بھیج دیئے، اس کرامت کے ظہور سے وہ عورت جس نے ویسا کہا تھا بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے نادم و پشیماں ہو کر توبہ کی کہ آئندہ آپ کے متعلق ایسی بات کبھی نہیں کہے گی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۲﴾

......﴿80﴾......

میر مذکور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ میرا بیٹا شمس الدین احمد جب دو سال کا تھا تو دہلی کے نواح میں عظیم وبا پھیلی، وہ سخت بیمار ہو گیا اور دو تین دن تک اس نے دودھ نہ پیا اور ہوش کھو بیٹھا، جان کنی کے آثار ظاہر ہو گئے تو ایسا لگتا تھا کہ اس کے پیروں سے جان نکل کر کمر تک آگئی ہے اور کمر سے نکل کے سینے تک پہنچ گئی ہے، جو لوگ وہاں بیٹھے تھے وہ رونے لگے لیکن میں بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہو گیا اور نذر مانی کہ یہ بچہ جب پانچ چھ سال کا ہو گا تو اس کی دایہ کے ساتھ اسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجوں گا کہ وہیں بڑا ہو گا اور وہاں کی غلامی کرے گا اور عبادت میں مشغول رہے گا، یہ نذر ماننے کے بعد ہی فوراً ایسا ہوا کہ اس کے بدن میں جان پھر آگئی ہے، پھر وہ حرکت کرنے لگا، آنکھیں کھولیں، دودھ مانگا اور اچھا ہو گیا۔

بعدہٗ اسے جس کسی نے بھی دنیا داری کی طرف کھینچنا چاہا اور اسے امیرانہ لباس پہنایا تو وہ شخص جانی اور مالی نقصان میں مبتلا ہوا، چنانچہ اس کے نانا اور دادا بڑی کوشش کرتے رہے کہ وہ درویش نہ بنے اور نہیں چاہتے تھے کہ میں اسے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی میں بھیجوں تو وہ دونوں جلد فوت ہو گئے اور اس کی ماں بھی اسی کوشش میں تھی تو وہ بھی اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۰﴾

......﴿81﴾......

ایک دن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے اور نو مسلم عبد المومن خدمت میں تھا، آپ نے فرمایا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے؟ ﴿انشاء اللہ﴾ وہی ملے گا" اس نے کہا کہ حضور میرا بھائی اور والدہ اپنے کفر میں بڑی شدت اور تعصب رکھتے ہیں، میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ مسلمان نہیں ہوتے، آپ توجہ فرمائیں کہ وہ مسلمان ہو جائیں، آپ نے فرمایا کہ "اور بھی کچھ چاہیے؟" اس نے کہا کہ آپ کی توجہ سے سب بھلائی مجھے مل جائے گی، لیکن ابھی یہی آرزو ہے کہ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں، آپ نے فرمایا "بہت اچھا ﴿انشاء اللہ﴾ وہ بہت جلد مسلمان ہو جائیں گے" آپ کے فرمانے کے تیسرے دن بعد اسکا بھائی اور والدہ دونوں سامانہ سے سرہند آئے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۳﴾

......﴿82﴾......

لوگ کہتے ہیں، شیخ حسین اندجانی نقشبندی نے واقعے میں دیکھا کہ بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا اور جہانگیر کی سلطنت میں فتور پیدا ہوگا، انہوں نے اپنا یہ کشف خان اعظم سے بیان کیا اور یہ بات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی، آپ نے فرمایا کہ "ہاں ایسا ہی تھا جیسا شیخ حسین پر ظاہر ہوا تھا لیکن ہم نے اس فتنے کو ٹھنڈا کر دیا ہے" چند روز گزرے تھے کہ شاہزادہ خسرو نے بغاوت کی اور اس کے ساتھ بہت سے امرا اور اغنیا حامی ہو گئے اور ملک میں فتنہ برپا ہو گیا، بادشاہ ﴿جہانگیر﴾ نے اس کا پیچھا کیا، شاہزادہ نے گوبندوال کے نزدیک شکست کھائی اور دریائے چناب کے کنارے گرفتار ہوا اور اس طرح حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کے مطابق وہ فتنہ فرو ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۳﴾

......﴿83﴾......

لوگ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شہزادہ خسرو نے بغاوت کی تھی، بعض امرا نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے مرتضیٰ خان کے مشورہ سے ایسا کیا ہے اور وہ بادشاہ کے خاص معتمدوں میں سے تھا، بادشاہ نے کہا کہ مرتضیٰ خان ہی کو اس کے تعاقب میں بھیجنا چاہیے تو وہ اس کو پکڑ کر لے آئے گا یا خود ہی مارا جائے گا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ مرتضیٰ خان ہمارے خانوادہ سے محبت رکھتے ہیں اور اس سلسلے کے مروج بھی ہیں اس لیے ان کی مدد کرنی

چاہیے، آپ متوجہ ہوئے، پھر فرمایا کہ مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ اس جنگ میں مرتضٰی خان کی فتح ہو گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۲۳﴾

......﴿84﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عزیز کے یہاں بیٹا پیدا ہوتا تھا لیکن زندہ نہیں رہتا تھا اور چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو جاتا تھا، اس لیے وہ حیران و پریشان رہتے تھے، ایک مرتبہ جب ان کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا تو وہ اسے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا کہ حضور میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہ کر بڑا ہو جائے گا تو اسے آپ کی غلامی میں دے جاؤں گا، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ فرمائی اور فرمایا کہ اس بچے کا نام عبدالحق رکھیے، انشاء اللہ زندہ رہے گا اور بڑی عمر پائے گا، لیکن ہر ماہ پانچ بہلولی ﴿سکہ﴾ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام نذر دیتے رہو، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی برکت سے وہ بچہ بڑی عمر کو پہنچا۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۲۴﴾

......﴿85﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے بیان کیا کہ میں چھپ کر افیون کھایا کرتا تھا اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ تھی، ایک دن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا، اتنے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر نگاہ کی اور فرمایا کہ ''اے شخص میں تیرے دل میں تاریکی دیکھتا ہوں کیا بات ہے؟'' ناچار میں نے اقرار کیا کہ میں چھپ کر افیون کھاتا ہوں، لیکن اب تائب ہوتا ہوں۔ ﴿حضرات القدس،۲: ۲۲۴﴾

......﴿86﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر گرامی جب پچاس سال کی ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ عمر کے پچاس سال اور ساٹھ سال کے درمیان مجھے اپنے اوپر ایک عظیم حادثہ ظاہر ہوتا ہے اور اس وقت میری رحلت سے متعلق قضائے معلق مشہود ہو رہی ہے لیکن ساٹھ سال کے بعد جس کو اب بارہ سال باقی ہیں، اس دنیا سے قضائے مبرم اور قطعی محسوس ہوتی ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، ویسا ہی ہوا، یعنی پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین بادشاہ کی طرف سے عظیم حادثہ پیش آیا، کیونکہ بعض اعدائے دین نے چغل خوری کی تھی اور آپ نے بادشاہ کو سجدہ تعظیمی نہیں کیا تھا جو بادشاہوں

کیلئے رائج تھا اور یہ واقعہ مشہور ہے اور جب آپ کی عمر گرامی تریسٹھ سال کی ہوئی تو جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا تھا ساٹھ سال کے بعد واقع ہوگی، تو ایسا ہی ہوا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۴﴾

......﴿87﴾......

۱۰۳۲ھ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب اجمیر شریف میں تھے تو فرمایا کہ "میرے انتقال کا زمانہ قریب ہے" اور آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارتیں اور کرامتیں حاصل کیں، جیسا کہ آپ نے صاحبزادوں کو لکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم کو دنیا کے اجازت نامے کی بجائے آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقام شفاعت عطا کیا گیا ہے" آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "امہات المومنین رضی اللہ عنہن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعض خدمات کا اہتمام فرما رہی ہیں اور فرماتی ہیں کہ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے، ایسا اور ویسا کرنا چاہئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت میرے لئے کوئی اجنبی نہیں۔"

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح سے آخرت کے کاموں میں لگ گئے اور گو کہ آپ کو ارشاد و تکمیل میں راحت حاصل ہوئی تھی لیکن چونکہ محبوب حقیقی کے وصال نے پرتو ڈال رکھا تھا، آپ نے تنہائی اختیار کر لی تھی اور آپ کے مکتوب گرامی کے ملنے کے بعد صاحبزادوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور اجمیر شریف پہنچ گئے، آپ نے ان کو تنہائی میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اب کسی طرح بھی اس دنیا سے وابستگی نہیں رہی ہے، مجھے دوسری دنیا میں جانا چاہئے، پھر آپ نے وصیتیں فرمائیں، پھر آپ اپنے وطن ﴿سرہند﴾ پہنچ گئے اور اپنے لئے الگ ایک خلوت خانہ متعین فرمایا، جہاں آپ رہتے رہے اور تھوڑے عرصے میں وہیں رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۴﴾

......﴿88﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شعبان ۱۰۳۳ھ میں گوشہ نشین تھے اور شب برات تھی، آپ نے اس رات بیداری فرمائی اور دو حصہ رات گزر جانے کے بعد آپ گھر تشریف لائے، اس وقت مخدوم زادگان کی والدہ ماجدہ جو زہرائے وقت تھیں اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی تسبیحات پڑھ رہی تھیں، ناگاہ محترمہ کی زبان سے نکلا کہ یہ رات تو ایسی ہے کہ لوگوں کی موت وحیات اور تقدیر مقرر ہوتی ہے، خدا جانے کس کا نام ورق ہستی سے مٹا دیا گیا ہے اور کسی کا نام ثابت رکھا ہے،

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم تو شبہ وشک اور تردد سے کہتی ہو لیکن اس شخص کا حال کیا ہوگا جو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کا نام نامہ وجود سے محو کر دیا گیا ہے اور اشارہ اپنے متعلق فرمایا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس رات سے چھ ماہ بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۵﴾

......﴿89﴾......

ایک روز آپ اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے، کہ فرمایا: ''موسم سرما میں اب اس گھر میں ہم نہ سوئیں گے'' حاضرین نے عرض کیا کہ اس مکان میں تو آرام فرمائیں گے جو آپ نے گوشہ نشینی کیلئے متعین فرمایا ہے، فرمایا کہ ''اس جگہ بھی نہیں'' انہوں نے عرض کیا، تو پھر کس جگہ آرام فرمائیں گے؟ اس طرح آپ نے بات پوشیدہ رکھی اور دوستوں کو رنج سے بچانے کیلئے صراحت نہیں فرمائی پھر موسم سرما میں آپ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۶﴾

......﴿90﴾......

ایک دن فرمایا کہ میں اپنی عمر تریسٹھ سال سے زیادہ نہیں پاتا، پس ایسا ہی ہوا کہ آپ کی عمر گرامی تریسٹھ سال کی تھی جب رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۴﴾

......﴿91﴾......

ایک روز آپ نے ایک صادق العقیدہ امیر کو کسی حاجت مند کی سفارش میں مکتوب لکھا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ ''چونکہ اس شہر میں ہر سال وبا آتی ہے، معلوم نہیں کہ اس سال میری زندگی وفا کرتی ہے یا نہیں، امید ہے کہ آپ اچھی طرح ہوں گے'' اسی طرح آپ نے بات پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنے انتقال کی خبر کر دی، پھر اسی سال آپ نے رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۶﴾

......﴿92﴾......

ایک دوست نے بتایا کہ اس زمانے میں جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے، مجھے خیال آیا کہ چند روز کی اجازت لے کر اپنے وطن ہو آؤں، پھر خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مصمم ارادہ ہو گیا ہے کہ اپنے وطن جا کر ﴿جلد﴾ واپس خدمت میں پہنچوں، آپ نے فرمایا کہ چند روز ٹھہر جاؤ، میں نے عرض کیا کہ خطرہ غالب ہے، آپ نے پھر فرمایا کہ چند روز صبر کرو، میں نے عرض کیا کہ عنقریب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا، آخر آپ نے با دل ناخواستہ اجازت دے دی اور یہ مصرع پڑھا ؎

کجا تو، کجا ما، کجا نو بہار

﴿کہاں تم، کہاں ہم، کہاں نو بہار﴾

پھر اس بات کے چند روز بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۶﴾

......﴿93﴾......

۲ محرم الحرام ۱۰۳۴ھ کو آپ نے فرمایا، مجھے فرمایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دنوں کے اندر تمہارا انتقال ہو جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۲۸ ﴿بروایت دیگر ۲۹﴾ صفر کو رحلت فرمائی۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۶﴾

......﴿94﴾......

اپنی بیماری سے پہلے فرمایا تھا کہ دو روپے کے کوئلے انگیٹھی کیلئے لائیں، اس کے بعد فرمایا کہ ایک روپیہ ہی کے کافی ہیں کہ واعظ الٰہی نے میرے دل میں ﴿ابھی﴾ کہا ہے کہ فرصت کہاں ہے کہ دو روپے کے کوئلے جلائے جائیں، عرض کیا کہ موسم سرما ہے اس لئے اندر ﴿مکان میں﴾ آ جائیں گے، آپ نے فرمایا کہ احباب طویل امید رکھتے ہیں، وقت کہاں ہے کہ ایسا کریں، جب دو روپے کے لائے گئے تو ان میں سے نصف اپنے لئے آپ نے جدا کر لئے کہ بس اس قدر ہمارے لئے کافی ہیں بقیہ گھر بھیج دیئے اور جتنے کوئلے آپ نے اپنی انگیٹھی کیلئے جدا کر لئے تھے وہ آپ کے وصال کے وقت تک کافی ہوئے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۶﴾

......﴿95﴾......

اپنی وفات سے بہت پہلے صاحبزادوں کی والدہ سے آپ نے فرمایا تھا، مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ تم سے پہلے میرا انتقال ہوگا، اس لئے تم اپنے مہر کی رقم میں سے جو کہ یقینی طور پر حلال ہے میری تکفین کرنا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محترمہ سے پہلے آپ نے انتقال فرمایا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۷﴾

......﴿96﴾......

حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے منگل کی فجر کے وقت، ایک پہر دن چڑھنے کے بعد ۲۸ ﴿بروایت دیگر ۲۹﴾ صفر ۱۰۳۴ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی، فقیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے غسل کے وقت موجود تھا، آپ کے بھتیجے شیخ بہاؤ الدین جو غسل دے رہے تھے ان کو میں پانی دیتا تھا، میں نے آپ کے پائے مبارک کو بوسہ

دیا اور اپنی آنکھوں پر ملا، جن لوگوں نے چاہا کہ غسل کیلئے آپ کے کپڑے اتاریں اور آپ کے اوپر سے بالا پوش کو اٹھائیں، تو میں نے دیکھا کہ آپ نے دونوں ہاتھ ناف پر باندھے ہیں اور ﴿داہنے ہاتھ کا﴾ انگوٹھا، چھنگلیا کے ساتھ حلقہ کئے ہے، جیسا کہ نماز میں اس طرح کرنا مستحب ہے، حالانکہ انتقال کے وقت آپ کے ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے گئے تھے جیسا کہ عام طریقہ ہے، حاضرین نے یہ دیکھنے کیلئے کہ ﴿نماز کی طرح ہاتھ باندھنا﴾ اختیاری بات ہے یا اتفاقی ہے، مکرر ہاتھوں کو کھول دیا، مگر پھر وہ اسی طرح باندھ لیے گئے، جب لوگ سمجھ گئے کہ یہی وضع آپ نے اختیار فرمالی ہے، اس لئے اس وضع پر چھوڑ دیا گیا، لوگ تجہیز میں مشغول ہو گئے اور جب غسل کیلئے کپڑے اتارے گئے اور دستار کو سر مبارک سے ہٹایا گیا اور غسل کے تختے پر آپ کو لٹایا گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ تبسم فرما رہے ہیں جیسا کہ زندگی میں آپ کا طریقہ مسکرانے کا تھا اور جب تک تختہ غسل پر آپ لیٹے رہے مسکراتے رہے، حاضرین بہت ہی تعجب کر رہے تھے، اس کے بعد آپ کو وضو کرایا گیا اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو پھر لمبا کیا گیا اور آپ کو بائیں پہلو لٹایا گیا، اتنے میں آپ نے پھر سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ کے ساتھ باندھ لیا، ہاتھوں کو پھر لمبا کر کے ٹخنوں پر لایا گیا اور تمام حاضرین نے دیکھا کہ سیدھا ہاتھ سیدھی طرف سے اور الٹا ہاتھ الٹی طرف سے دھیرے دھیرے چل کر ایک دوسرے سے مل گئے اور سیدھے ہاتھ نے الٹے ہاتھ کو پکڑ لیا، چنانچہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا نے الٹے ہاتھ کے پہنچے کو حلقہ کر لیا، اس غیر معمولی کرامت سے حاضرین نے بہت زور سے چیخ ماری اور سب نے بے اختیار ہو کر سبحان اللہ پڑھا، پھر چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی مرضی دیکھی تو آپ کے ہاتھوں کو اس طرح بند چھوڑ دیا اور ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا اور نہ لمبا کیا، آپ کے ہاتھوں کا اس طرح حلقہ کرنا، آپ کا ﴿اس حالت میں﴾ مسکرانا ایسے خوارق اور کرامات ہیں جو رحلت کے بعد ظاہر ہوئے، **ذالک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم**، ﴿اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے دیدے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے﴾ اس کے بعد آپ کو اس قبہ منورہ میں جو آپ نے اپنے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کیلئے تعمیر کرایا تھا رکھا گیا۔ ﴿حضرات القدس، ۲: ۲۲۸﴾

......﴿97﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے دن آسمان کے اطراف میں بہت زیادہ

سرخی پھیلی ہوئی تھی، کہتے ہیں کہ آسمان کی سرخی اس ﴿ آسمان ﴾ کا گریہ ہے جو اللہ کے پیاروں کیلئے ہوتا ہے، چنانچہ شرح الصدور میں ہے کہ ''آسمان اور زمین مومن پر گریہ کرتے ہیں'' اور اسی میں ہے کہ ''آسمان کا رونا یہ ہے کہ اس کے اطراف سرخ ہو جاتے ہیں'' حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ''آسمان کی جو سرخی ہے وہ آسمان کا رونا ہے مومن پر'' ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۹﴾

......﴿98﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد ﴿ تین چار روز میں ﴾ ایک مخلص نے بتایا کہ میں آج ظہر کے وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں نماز کیلئے حاضر ہوا، مؤذن نے اقامت کہی اور لوگ جماعت کیلئے کھڑے ہو گئے، میں امام کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میرے پہلو میں کھڑے ہوئے ہیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر متصل کھڑا کر دیا ہے تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے، یہی آپ کا طریقہ اپنی زندگی میں بھی تھا، نماز کے آخر تک میں آپ کو دیکھتا رہا، ایک چوغہ اور سفید شال میں تھے اور چمڑے کے موزے پاؤں میں تھے، جب میں نے نماز کا سلام پھیرا تو آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۹﴾

......﴿99﴾......

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر غم کے زمانے میں فرمایا کہ میں آج رات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ منورہ کے صحن کے حجرے میں تھا اور الم فراق اور درد اشتیاق کی حالت میں سو گیا تھا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ صحن روضہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ٹہل رہے ہیں، اتنے میں جاگ گیا اور دیکھا کہ آپ حجرے کے دروازے کی طرف ہو کر اندر آ گئے اور میرے بستر میں بیٹھ کر مجھے اچھی طرح گود میں دبا لیا اور دیر تک دبائے رکھا جیسا کہ مشائخ اپنے مریدوں کو نعمت باطنی عطا کرتے وقت کیا کرتے ہیں، مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور تمام اعضا لرزنے لگے، اس کے بعد آپ میری نظر سے غائب ہو گئے، میں جب تک اس حجرے میں رہا تو میں آپ کو روضہ کے صحن میں دیکھتا تھا کہ سیر کر رہے ہیں اور چونکہ طبعی وجود یہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں عالم قدس میں رہنے والوں سے معانقہ کر سکوں اس لئے میں ڈر جاتا تھا اور میں نے آپ کو پھر اس طرح نہیں پایا جیسا کہ پہلی رات دیکھا تھا، صرف

روحانی فیض پر اکتفا ہوتا رہا۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۲۹﴾

...... ﴿100﴾ ......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ میرا لڑکا بیمار ہوا اور اس بیماری میں اسے ڈراؤنی صورتیں اور خوفناک شکلیں دکھائی دیتی تھیں، وہ ڈرتا اور لرزتا تھا، میں نے کہا کہ اے بیٹے، تو نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی خورد سالی میں دیکھا تھا، کیا تجھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ یاد ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی اور موچھیں مجھے یاد ہیں، میں نے کہا کہ بس تو اتنی ہی بات یاد رکھ، پھر شیطانی وسوسے تیرے پاس نہیں آئیں گے اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی صورت مبارکہ کی یاد کے طفیل تجھے صحت عطا ہو گی، اس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلیے کو ذہن میں رکھا، ناگاہ اسے استغراق ہو گیا، افاقے کے بعد اس نے بتایا کہ میں نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا، وہ فرماتے تھے کہ ''ہم خدا سے واصل ہیں اور ہم جنت میں آگئے ہیں، پہلے ہم نے دایاں قدم جنت میں رکھا اور اللہ تعالیٰ کے قدم رحمت پکڑ لیے'' میں نے عرض کیا، اے حضرت مجھے بھی خدا سے ملا دیجیے، میں بھی اللہ تعالیٰ کے قدم رحمت پکڑوں، آپ نے فرمایا: ''ابھی تمہارا اور میرے فرزندوں کا وقت نہیں آیا ہے'' جب وہ لڑکا خواب سے بیدار ہوا تو پوری صحت حاصل کر چکا تھا، ضعف کا بھی کوئی اثر باقی نہ تھا اور وسواس بھی پوری طرح دور ہو چکے تھے، ﴿اس مخلص نے بتایا کہ﴾ اس واقعہ صادقہ کے دیکھنے کے بعد ہمارے ممالک میں اطلاع پہنچی کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا ہے۔ ﴿حضرات القدس،۲:۲۳۰﴾

تصور سے بالا کمال مجدد
تخیل سے اونچا خیال مجدد
جھکے جس کے آگے جہانگیر عالم
یہ دیکھو تو جاہ و جلالِ مجدد

باب پنجم

مکاشفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صوفیہ کرام کے کلام میں لفظ کشف کا بہت زیادہ استعمال ہوا ہے، اس کا معنیٰ ہے غیبی امور کا ظاہر ہونا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے بندگان خاص کو ایسی نگاہ عطا کرتا ہے جس کے سامنے جہان غیب کے اسرار فاش ہو جاتے ہیں اور ان کو وہ کچھ دکھائی دیتا ہے جس کا دوسرے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے، اقبال کہتے ہیں ۔

حادثہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

قرآن پاک میں حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کے تصرف و کرامت کا ذکر بھی ہے اور اس سے ان کا کشف صریح بھی ثابت ہوتا ہے، انہوں نے ایک لمحے میں سیکڑوں میل کے فاصلے پر ملک سبا کا مشاہدہ بھی کیا اور وہاں سے تخت بلقیس بھی اٹھا کر لے آئے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے مقام سے پوشیدہ نہیں ہوئے، اللہ اکبر کیا مقام کشف ہے اور کیا شان تصرف ہے، اب ذرا غور کیجئے کہ محمدی اولیا کے مکاشفات و کرامات اور تصرفات و کمالات کا کیا عالم ہوگا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی، بیٹی تمہارے دو بھائی ہیں اور تمہاری دو بہنیں ہیں، میرا ورثہ جو صرف بیس وسق کٹی ہوئی کھجوریں ہیں تم آپس میں کتاب اللہ کے مطابق تقسیم کر لینا، انہوں نے عرض کیا، میری بہن تو ایک ہی ہے جس کا نام اسما ہے، آپ نے فرمایا، ذو بطن ابنة خارجة اراها جارية، وہ تمہاری سوتیلی ماں بنت خارجہ کے پیٹ میں لڑکی

ہے، ﴿موطاامام مالک:۳۱۴،تاریخ الخلفا:۶۱،بیہقی:۲:۱۷۰،طحاوی:۲:۲۴۵،الاصابہ:۸:۲۸۶﴾ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ کی پیشگوئی کے مطابق ام کلثوم پیدا ہوئیں، علمائے کرام نے اس روایت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان کشف بیان کی ہے اور اسے ثبوت کشف کے طور پر پیش کیا ہے، اس طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقع منقول ہے کہ آپ نے سیکڑوں میل کے فاصلے سے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو دیکھا، اس کی پشت سے کفار حملہ آور ہو رہے تھے، آپ نے خطبہ جمعہ میں ان کو آواز دی، اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ﴿مشکوٰۃ:۵۴۶، دلائل النبوۃ:۶:۳۷۰﴾حضرت امام علی القاری فرماتے ہیں، **فیہ انواع من الکرامۃ له رضی اللہ عنہ کشف المعرکة وایصال صوته وسماع کل منهم لصیحة و فتحهم و نصرهم ببرکته**، اس روایت میں آپ کی کئی کرامات ہیں، مثلاً آپ پر میدان جنگ کا ظاہر ہونا، اپنی آواز وہاں تک پہنچانا، ہر مجاہد کا آواز کو سماعت کرنا اور آپ کی برکت سے اہل لشکر کا فتح یاب ہونا ﴿مرقاۃ:۱۱:۲۳۴﴾اس طرح حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی متعدد مکاشفات منقول ہیں کہ انھوں نے نگاہ حق بین سے لوگوں کے احوال و مقامات کو مشاہدہ فرمایا، اولیا کرام کے ہزاروں مکاشفات بھی تواتر کے ساتھ مروی ہیں جب کا انکار کوئی ہٹ دھرم ہی کر سکتا ہے، زیر نظر باب میں حضرت امام ربانی محبوب سبحانی، شہباز لامکانی، غوث صمدانی، شیخ الاسلام والمسلمین، بدر الملۃ والدین، حجۃ اللہ فی الارضین، احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور مکاشفات کو حضرات القدس سے بیان کیا گیا ہے تاکہ آپ کی نگاہ کشف آفرین کو سلام نیاز پیش کیا جائے۔

......﴿1﴾......

ایک رات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عالی درجات اصحاب اور بلند مقامات مریدوں کے ساتھ حضرت امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، امام صاحب آپ کے اجداد امجاد میں سے تھے اور حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے، آپ بہت دیر تک امام صاحب کی قبر پر ٹھہرے رہے اور مراقبے میں رہے، اس مزار سے رجوع کے بعد آپ نے اصحاب اسرار سے فرمایا کہ جب میں امام صاحب کے مزار کے مقابل کھڑا ہوا تو میں نے بارگاہ الٰہی میں

توجہ کی اور عرض کیا کہ خدایا ان مزارات والوں پر رحم فرما اور ان قبروں سے عذاب دور فرما، حکم ہوا کہ تمہاری التماس کی وجہ سے ایک ہفتے کے لیے اس قبرستان والوں پر سے عذاب اٹھالیا گیا، میں نے عرض کیا، خدایا تیری رحمت کی انتہا نہیں ہے ان کی مغفرت میں اضافہ فرمادے تو حکم ہوا کہ تمہاری التماس پر اب ایک ماہ کے لیے ان قبروں سے ہم نے عذاب دور کر دیا، پھر میں نے بیش از بیش التجا کی تو جواب ملا کہ چونکہ تم نے اس جماعت سے رفع عذاب کے لیے ہماری بارگاہ میں مکرر التماس کی ہے اس لیے ہم نے ان کو بخش دیا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۱﴾

......﴿2﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد ﴿حضرت خواجہ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ﴾ کی قبر انور کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جب کوئی عالم کسی مقبرے سے گزرتا ہے تو اہل مقبرہ سے چالیس روز کے لیے عذاب اٹھالیا جاتا ہے، اس وقت الہام ہوا کہ تمہارے آنے سے قیامت تک کے لیے اس قبرستان والوں سے ہم نے عذاب اٹھالیا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۱﴾

......﴿3﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ امام رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اس مقبرہ میں ایک عورت آپ کے اہل قرابت میں سے بلکہ اہل حقوق میں سے بھی دفن تھی، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی اور فارغ ہو کر آپ اس عورت کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لائے اور اس کی قبر کے مقابل بہت دیر تک کھڑے رہے، آپ کے چہرہ مبارک سے اس وقت خشوع وخضوع کے آثار ظاہر تھے اور کچھ دیر کے بعد خوشی اور تازگی ظاہر ہوئی، جب آپ اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو اس قبلہ ابرار سے بعض محرمان اسرار نے دریافت کیا کہ قبر پر اتنی دیر ٹھہرنے اور چہرہ مبارک پر پہلے خضوع اور الم کے آثار اور بعد میں مسرت اور تازگی کے آثار ظاہر ہونے کا سبب کیا تھا، فرمایا کہ جب میں اس قبر پر پہنچا اور اس کو عذاب میں مبتلا پایا تو متوجہ ہوا اور معلوم ہوا کہ دفع عذاب کی کوئی صورت نہیں ہے، میں پھر اپنے آباواجداد کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا اور ارواح تشریف لے آئیں لیکن پھر بھی عذاب دور نہ ہوا، پھر تو میں اپنے سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا

تو دیکھا کہ رسول انور ﷺ تخت نبوت پر بیٹھے ہوئے تشریف لے آئے اور تشریف لاتے ہی فوراً عذاب دور ہو گیا، پھر اس عورت نے میرے لیے دعا فرمائی، اللہ تم کو راحت پہنچائے جس طرح تم نے مجھے راحت پہنچائی ہے، اس بات پر میرے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے تھے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۲﴾

......﴿4﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریب میں فرمایا کہ جب نظر کشفی دوڑائی جاتی ہے تو حضرت غوث الثقلین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بعد مشائخ سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کوئی کم نظر آتا ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۲﴾

......﴿5﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ صبح کے حلقے میں بیٹھے تھے اور استغراق، توجہ اور مراقبے میں تھے، یکا یک شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ مبارک آپ کے کندھے پر ڈال دیا، آپ نے آنکھ کھولی اور شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور نہایت تواضع کے ساتھ معانقہ کیا، شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت یہ خرقہ میرے سپرد کیا تھا کہ امانت کے طور پر تم کو دیتا ہوں اور جس کسی کو میں کہوں تم اس کو پہنچا دینا، اب چند مرتبہ حضرت نے مجھے واقعے میں حکم دیا کہ میں یہ خرقہ آپ کو پہنچا دوں، مجھ پر بہت شاق گزرا کہ اپنے دادا کا خرقہ مبارک اپنے گھر کی نعمت باہر کیوں دوں، لیکن سخت تاکید و تحدید سے حکم دیا گیا ہے اس لیے ناچار لے آیا ہوں، آپ نے وہ خرقہ زیب تن کیا، کھڑے ہوئے اور تنہائی میں تشریف لے گئے، فرماتے ہیں اس وقت مجھے یہ خیال گزرا کہ مشائخ کا طریقہ ہے کسی کو اپنا جامہ پہنا کر اپنا خلیفہ بناتے ہیں، اس لیے چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے خلعت معنوی پہناتے اور احوال و کمال کا آب زلال پلاتے اور اپنا خلیفہ بناتے، اس اثنا میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنے خلفائے سلسلہ ﴿تا حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ﴾ تشریف لے آئے اور میرے معاملے میں تصرف فرمایا اور میرے دل کو اپنے تصرف میں لیا اور اپنی خاص نسبتوں کے اسرار و انوار عطا فرمائے اور میں دریائے انوار میں غرق ہو کر اس سمندر

میں غواصی کرنے لگا، جب اس طرح ایک ساعت گزر گئی تو ٹھیک انہی غلبات احوال میں مجھے خیال آیا کہ تم تو اکابر نقشبند کے تربیت یافتہ ہو، ایسی صورت اب کیوں پیدا ہوئی ہے؟اس خیال کے آتے ہی میں نے دیکھا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تک سب کے سب تشریف لے آئے اور حضرت بہاوالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے، بیٹھنے کے بعد اکابر نقشبندیہ نے فرمایا کہ یہ تو ہمارے تربیت یافتہ ہیں اور ہماری تربیت کی وجہ سے کمال درجہ کو پہنچے ہیں، آپ حضرات کو ان سے کیا واسطہ؟ اکابر قادریہ نے فرمایا کہ ان کے بچپن ہی سے ان پر ہماری نظر رہی ہے اور انہوں نے ہمارے خوان نعمت سے چاشنی حاصل کی ہے اور ابھی ہمارا خرقہ بھی پہنا ہے، ابھی یہی بحث ہو رہی تھی کہ کبرویہ اور چشتیہ کی ایک جماعت اور بہت سے مشائخ بھی آگئے اور ایسا اجتماع ہو گیا کہ اس شہر کے جنگل اور بیابان بھی ان سے بھر گئے، پھر تو دن کے آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ تربیت نقشبندیہ سے درجہ کمال کو پہنچے ہیں اور اعتبار تکمیل کا ہوا کرتا ہے، **لہٰذا** ان کو اسی طریقے پر شرف حاصل ہوگا اور اسی طریقے میں رشد و ہدایت فرمائیں گے تاہم طریقہ قادریہ میں بھی ہدایت و تکمیل فرمائیں گے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۳﴾

......﴿6﴾......

حاجی حبیب جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادموں میں سے تھے، بہت خدمت اور بہت ریاضت کرتے تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ اجمیر شریف میں جب میں آپ کی خدمت میں تھا تو میں ستر ہزار بار کلمہ طیبہ ختم کر کے آپ کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں نے اتنا ختم کیا ہے اور اس کا ثواب میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، آپ نے فوراً اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا کی اور دوسرے دن فرمایا کہ جس وقت میں دعا کر رہا تھا فرشتوں کی فوجیں اس کا ثواب لے کر آسمان سے آرہی تھیں، وہ اس قدر تھیں کہ زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی اور یہ ختم میرے معاملے میں بہت مفید ثابت ہوا، پھر آپ نے فرمایا کہ ہزار دانے کی تسبیح تیار کریں اور آپ ہمیشہ تنہائیوں میں کلمہ طیبہ کا ذکر زبان سے لیکن دل کی موافقت کے ساتھ کیا کرتے تھے اور

جمعہ والی رات کو یہ تسبیح حلقہ میں حاضر کی جاتی تھی اور اجتماعی طور پر ایک ہزار مرتبہ درود شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پڑھا جاتا تھا اور اب تک آپ کا یہ طریقہ آپ کے خادموں میں رائج ہے، آپ کے تسبیح لینے کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے پھر آپ نے حاجی حبیب سے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اس پر تعجب نہ کرو، میں اپنا حال بھی تم کو بتاتا ہوں کہ میں ہر رات تہجد کے بعد اور سحر کے وقت پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم ﴿اپنے بچوں﴾ کو جو فوت ہو چکے ہیں بخشتا تھا، اب پھر ہر رات محمد عیسیٰ کی روح آتی ہے اور مجھے بیدار کرتی ہے اور مجھے کلمہ طیبہ کے ختم کے لیے آمادہ کرتی ہے اور مجھے بیدار کرنے کے بعد چلی جاتی ہے اور وہ اپنے بھائی محمد فرخ اور اپنی بہن ام کلثوم کی روحوں کو بلا کر لاتی ہے کہ چلو والد صاحب بیدار ہو گئے ہیں، جب تک میں وضو کر کے تہجد پڑھتا اور کلمہ طیبہ کا ختم کرتا وہ روحیں میرے گرد و پیش رہتیں، اسی طرح کہ ایک ماں ایک روٹی تیار کرتی ہے تو چھوٹے بچے اس کے گرد و پیش میں رہتے ہیں تاکہ انہیں روٹی دے دے، جب میں کلمہ طیبہ کا ثواب ان کو پہنچا دیتا تھا تو وہ روحیں چلی جاتی تھیں مگر اب کثرت ثواب کی وجہ سے وہ معمور ہیں اور اب انکا آنا نہیں ہوتا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۴﴾

......﴿7﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہر سرہند کے فلاں گاؤں کے متعلق ﴿جو ہماری خانقاہ کے خادموں کے لیے بادشاہ نے بطور جاگیر عطا کیا ہے﴾ مشاہدہ ہوا کہ وہاں بارگاہ عظمت و جلال حضرت بیچون نے نزول اجلال بے کیف فرمایا اور ایک خیمہ عالی طناب بیچون قائم کیا گیا اور چشم بے قیاس بیچونگی نے ظہور فرمایا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۵﴾

......﴿8﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک تقریب سے حضرت شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جو کہ مزارات متبرکہ سرہند میں سے ہے تشریف لے گئے، آپ اس مزار پر تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے رہے اور توجہ اور مراقبہ فرمایا، بہت دیر کے بعد آپ اٹھے اور رخصت فرمائی، جب آپ اپنی خانقاہ میں پہنچے تو بعض محرمان اسرار نے آپ کی اور شاہ ابو بخاری کی گفتگو کے متعلق پوچھا، آپ نے فرمایا کہ جب میں شاہ صاحب کے مزار پر گیا تو شاہ صاحب تشریف لائے

اور بہت کچھ تعظیم وتکریم فرمائی اور عنایتوں اور محبتوں کا اظہار فرمایا کہ ان کا ذکر طویل ہوگا، البتہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خود کو یہاں کا صاحب ولایت کہا اور یہ بھی کہا کہ جب آپ جیسا بزرگ مہمان میرے پاس آئے تو اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی ولایت آپ کو پیش کردوں، پس آج سے اس ملک کے صاحب ولایت آپ ہیں اور یہ ملک اب آپ کے تصرف میں رہے گا، اس واقعے کے ایک مدت بعد آپ کے صریح اور صحیح کشف کے مطابق ایک معمر شخص نے بیان کیا کہ سرہند میں ایک بزرگ مجذوب شیخ داود نامی رہا کرتے تھے جن کا مزار شیخ مجدالدین قصداری رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں ہے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک شخص کو حضرت شیخ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا کہ ان کو بلا کر لائے، اس نے کہا کہ شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو ایک مجذوب شخص ہیں اور وہ ہمیشہ سرہند کے بڑے حوض کے پانی میں کھڑے رہتے ہیں، میں ان سے کیا کہوں؟ انہوں نے کہا کہ تم میرا پیغام پہنچادو، وہ خود چلے آئیں گے، چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور شیخ داود کو انکا پیغام پہنچایا، شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس پیغام کو سنتے ہی فوراً روانہ ہوگئے اور شیخ داود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے، شیخ داود رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ اس شہر میں اب تک میں صاحب ولایت تھا اور اس کی پاسبانی اور نگہبانی میرے حوالے تھی، اب میں جارہا ہوں اور یہ شہر تیرے حوالے کیا گیا ہے اور تجھے صاحب ولایت بنایا گیا ہے، خوب خبردار رہنا، انہوں نے اتنی بات کہی اور وصال فرمایا، پھر شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ آئے اور اپنی جگہ آبیٹھے، اس دن سے لوگوں کا ہجوم شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس قدر رہا کہ گروہ کے گروہ ان کی زیارت کو آتے اور ان سے خوارق دیکھتے، ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے کتوں کی دعوت کی، وہ ایسا ہوا کہ انہوں نے ایک کتے کو فرمایا کہ جا اور شہر کے کتوں کو بلا کر لے آ، وہ گیا اور بعض کتوں کو خبر دی اور انہوں ایک دوسرے کو خبر کر کے سب کو اطلاع کردی، پھر تو قطار در قطار سب کتے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچنے لگے اور شہر میں شور مچ گیا، لوگ دیکھنے کو آگئے جب سب کتے جمع ہوگئے تو شاہ صاحب اٹھے اور ان پر نظر ڈال کر فرمایا ایک سگ گرگیں کہ جس کی وجہ یہ مہمانی کی گئی ہے نہیں آیا، پھر تو ایک کتا شہر کی طرف روانہ ہوا اور اس کو بھی بلا لایا، شیر برنج پکا ہوا تھا، ہر کتے کے سامنے ایک مٹی کا پیالہ رکھ دیا گیا، سب نے بغیر جھگڑا کیے ہوئے ادب کے ساتھ مل جل کر کھالیا،

اس کے بعد وہ سب منتظر بیٹھے رہے، شاہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ اب جاؤ، چنانچہ سب اٹھے اور چلے گئے، اسی معمر شخص نے یہ بھی بتایا کہ شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بکریاں بھی تھیں اور ان کا مسکن سرہند کے اطراف میں مشرق میں تھا اور ہر طرف کھیتی ہوتی تھی، بکریاں وہ کھیتی چر جاتی تھیں، کاشتکاروں نے شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی، انہوں نے فرمایا کہ چھوڑ و انہیں کھانے دو، جو کچھ دوسرے قصبوں میں زراعت ہوتی ہے ﴿انشاء اللہ﴾ اتنی ہی تمہارے خرمن سے بھی حاصل ہوگی، عجیب اتفاق ہوا کہ دوسرے کاشتکاروں نے کھیت کاٹ کر خرمن کیا اور ان کاشتکاروں نے بھی جن کی کھیتی کو بکریاں کھا گئی تھیں اور بے خوشہ کر چکی تھیں اپنا خرمن کیا، شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت سے ان کے یہاں بھی اتنا بلکہ اس سے زیادہ غلہ حاصل ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس: ۲، ۱۰۵﴾

......﴿9﴾......

ایک روز لاہور سے ایک سبزی فروش حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا، آپ کھڑے ہو گئے اور اس کی تعظیم کی، جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس کے جانے کے بعد آپ سے عرض کیا کہ وہ تو سبزی فروش تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ ابدال ہے اور اس پیشے کو اس نے خود کو چھپانے کے لیے اختیار کیا ہے۔ ﴿حضرات القدس: ۲، ۱۰۷﴾

......﴿10﴾......

ماہ رمضان کے آخری عشرے میں ﴿ایک مرتبہ﴾ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج میں نے عجیب بات دیکھی، میری آنکھیں مراقبے میں بند تھیں کہ یکا یک دیکھا، ایک صاحب میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں، جب میں نے بغور دیکھا کہ وہ سرور کائنات ﷺ ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے اجازت نامہ لکھ دوں جو میں نے آج تک کسی کے لیے نہیں لکھا، میں نے دیکھا کہ اس اجازت نامے میں بہت ہی بلند عنایات اور الطاف لکھے ہوئے تھے جو اس دنیا کے متعلق تھے اور اس کی پشت پر بھی کثیر مرحمت و مکرمت درج تھی جو اس دنیا سے تعلق رکھتی تھی، یہ بات آپ کے مکتوبات دفتر سوم ﴿مکتوب ۱۰۶﴾ میں مذکور ہے۔ ﴿حضرات القدس: ۲، ۱۰۷﴾

......﴿11﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ نماز تہجد کے لیے اذان، اعلام یا کسی آواز سے یا کسی طرح بیدار کر دیا گیا اور میں از خود نماز تہجد کے لیے نہیں اٹھا، مگر ایک مرتبہ صریح اور واضح طور پر آواز نہ آئی تھی کہ میں بیدار ہو گیا تو میں نے کہا کہ میں کون ہوں کہ خود ہی اٹھ بیٹھوں اور اس کی بندگی اور اطاعت میں مشغول ہو جاؤں، میں پھر سو گیا، ایک لحظہ نہ گزرا تھا کہ ہر طرف سے اذان اور اعلام کی آوازیں آنے لگیں، میں اٹھ بیٹھا اور نماز تہجد ادا کی۔ ﴿حضرات القدس:۲، ۱۰۷﴾

......﴿12﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شریعت کو دیکھا کہ ہمارے اس مقام میں اتری ہے جس طرح کوئی قافلہ کسی جگہ اترتا ہے، پھر آپ نے اپنی مسجد اور خانقاہ کی طرف اشارہ کیا۔ ﴿حضرات القدس:۲، ۱۰۷﴾

......﴿13﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تراویح کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا، اس وقت ایک خادم میرے پاؤں دبا رہا تھا، میں سہو اور نسیان کی وجہ سے بائیں پہلو پر لیٹ گیا، اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ سونے کی سنت کہ دائیں پہلو پر لیٹنے کی ابتدا کی جاتی ہے مجھ سے چھوٹ گئی، لیکن نفس نے کاہلی کی وجہ سے ظاہر کیا کہ سہو اور نسیان کی وجہ سے ایسی کوئی بات واقع ہو جائے تو وہ معاف ہے، لیکن مجھے خوف ہوا اور میں ﴿اٹھ کر﴾ از سر نو لیٹ گیا اور اس کی ابتدا داہنے پہلو سے کی، اس سنت کے ادا کرتے ہی مجھ پر عنایات، برکات اور سلسلے کے انوار کا ظہور ہونے لگا اور آواز آئی کہ تمہاری اس قدر رعایت کی وجہ سے آخرت میں تم پر کسی طرح کا کوئی عذاب نہ ہوگا اور تمہارا خادم جو اس وقت تمہارے پیر مل رہا ہے وہ بھی بخشا گیا۔ ﴿حضرات القدس:۲، ۱۰۸﴾

......﴿14﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حلقہ ظہر میں حافظ قرآن پاک پڑھ رہا تھا کہ بعض وسوسے قرآن پاک کے بارے میں پیدا ہوئے، میں بہت متفکر ہوا کہ ﴿اللہ کے فضل

سے ﴾ مجھے نفس مطمئنہ مل گیا، ولایت بھی متحقق ہوگئی اور فنا و بقا بھی حاصل ہوگئی ہے، پھر یہ خطرات کیوں ہیں، ﴿بارگاہ الٰہی میں﴾ متوجہ ہوا، پھر کچھ توجہ اور الحاح وزاری کے بعد میں نے دیکھا کہ بہت بڑا پرندہ میرے سینے سے باہر نکلا اور اڑ کر چلا گیا، پھر متوجہ ہوا کہ یہ کیا تھا ؟ آواز آئی کہ یہ خناس تھا جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور حضور انور ﷺ کو بھی اس خناس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ o" اور یہ بھی الہام ہوا کہ اصول دین میں جو برا خیال پیدا ہو جاتا ہے وہ اسی خناس سے ہوتا ہے جو دلوں میں رہتا ہے اور یہ بھی آواز آئی کہ تمہارے سینہ بے کینہ سے اس خناس کو ہم نے دور کر دیا، سچ ہے کہ اس خناس کے نکل جانے کے بعد سے مجھے عجیب شرح صدر ہونے لگا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۸﴾

......﴿15﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چند روز تک مجھے اپنے احوال کے قصور کی دید اس قدر غالب ہوئی کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کا لفظ "ایاک" پڑھتا تھا تو حیران ہو جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے اگر میں یہ آیت "ایاک نعبد و ایاک نستعین" پڑھتا ہوں تو "لم تقولون مالا تفعلون" ﴿تم وہ کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے﴾ کا مصداق ہو جاتا ہوں اور اگر نہ پڑھوں تو واجب کا ترک ہو جاتا ہے، پھر آواز آئی کہ ہم نے تمہاری عبادت سے شرک دور کر دیا ہے اور الا لله الدین الخالص ﴿جان لو کہ خدا ہی کے لیے دین خالص ہے﴾ کا مطلب ظاہر ہو گیا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۹﴾

......﴿16﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں صبح کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک قسم کی فنائے خاص ظاہر ہوئی اور میرے یقین کو لے اڑی اور یہ دید ایک عرصے تک قائم رہی، اسی روز نماز عصر کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنے تمام شاگردوں اور اپنے طریق مبارک کے تمام مجتہدوں اور بعض استادوں مثلاً ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں اور مجھے گھیر لیا ہے، اس وقت میں نے یہ دیکھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور

دوسرے ائمہ رضی اللہ عنہم کا نور میرے دل میں داخل ہو گیا اور میں نے ان انوار سے تحقق اور بقا حاصل کی ہے اور میں ان انوار کا مجسمہ بن گیا اور ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزا بن گئے، دو تین دن بعد اسی طرح کا معاملہ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگردوں اور ان کے مذہب کے مجتہدوں کے انوار کے ساتھ تحقق اور بقا کا پیش آیا، میں نے دیکھا کہ اب علمائے حنفیہ کے انوار میرے اندر سے نکل گئے اور میں نے انوار شافعیہ میں بقا پائی، اور ان میں سے بھی ہر ایک کے انوار الگ الگ میرے اجزا بن گئے، یہ اسی طرح ہوا جیسا کہ پہلی مرتبہ ﴿انوار حنفیہ کا معاملہ﴾ ہوا تھا، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جو انوار میرے اندر سے نکل گئے تھے وہ پھر میرے اندر آ گئے اور میں نے اب دونوں مذہبوں کے انوار میں تحقق حاصل کیا اور اس وقت ایسا دیکھا کہ اب دونوں مذہبوں سے حق دور نہیں، یعنی اگر حنفیہ سے کسی جگہ حق کا موقع رہ گیا ہے تو شافعیہ نے اسے پا لیا ہے اور ان سے حق متجاوز نہیں ہونے پایا، یہ بات آپ نے تفصیل سے بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ سے حق آگے نہیں گیا گویا اس طرح آپ کو حنفی الشافعی کہا جا سکتا ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۰۹﴾

......﴿17﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بغیر تکلف اور تعصب کے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت میری نظر کشفی میں ایک عظیم سمندر معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۰﴾

......﴿18﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک مرحوم فرزند کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے فقیروں اور درویشوں کے واسطے کھانا تیار کروایا اسی اثنا میں میری زبان پر یہ بات آئی کہ یہ صدقہ ہم سے کیونکر قبول ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انما یتقبل اللہ من المتقین'' ﴿اللہ متقیوں سے قبول فرماتا ہے﴾ میں اسی تردد میں تھا کہ حضرت جل جلالہ کی طرف سے آواز آئی: ''انک من المتقین'' ﴿بے شک تم متقین میں سے ہو﴾۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۰﴾

......﴿19﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بشارت دی گئی ہے، جس جنازے پر تم نماز پڑھو گے اس میت کو میں بخش دوں گا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے بشارت حاصل ہے کہ روز قیامت میں کتنے ہزار مسلمانوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیا جائے گا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۰﴾

......﴿20﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان میں بھی ﴿انبیا﴾ گزرے ہیں، لیکن بہت کم لوگ ان کے پیرو ہوئے ہیں، یعنی بعض پیغمبروں میں سے دو شخص، بعض سے تین شخص اور بعض سے صرف ایک شخص ایمان حاصل کر سکا اور تین سے زیادہ ﴿ایمان لانے والے﴾ نظر نہیں آتے اگر میں چاہوں تو ان انبیا علیہم السلام کے مبعوث ہونے کے مقامات اور ان کے مسکن بھی بتا دوں کہ مجھ پر ظاہر کیے گئے ہیں اور ان کے مقبرے بھی بتا سکتا ہوں کہ ان مقبروں پر ابھی تک انوار کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۰﴾

......﴿21﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے زمانے سے لے کر حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ظہور تک یہ کمالات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں کسی اور کو حاصل نہ ہوں گے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۰﴾

......﴿22﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ کسی جگہ تنہائی میں گوشہ نشین ہو جاؤں اور سب سے علیحدگی اور خلوت نشینی اختیار کر لوں، میں نے استخارہ کیا اور حضرت رب العزت سے اجازت چاہی، اللہ پاک کی طرف سے خطاب ہوا کہ پسندیدہ، مناسب اور صحیح طریقہ وہی ہے جس پر تم قائم ہو، خلوت اور گوشہ نشینی کا طریقہ نہیں چاہیے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۱﴾

......﴿23﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے بڑے فرزند خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے کہ میں نے وہاں جنت کے باغوں میں سے

ایک باغ دیکھا ہے۔﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۱﴾

......﴿24﴾......

مخدوم زادہ عالی قدر خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر مٹی کسی قبر پر ڈال دی جائے تو ﴿بفضلہٖ تعالیٰ﴾ رحمت عظیم کے نزول کی امید ہے" پھر اس ہستی کا کیا رتبہ ہوگا جو اس روضے میں دفن ہے۔﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۱﴾

......﴿25﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد اور باہر کی زمین جو اس وقت داخل احاطہ تھی آپ فرماتے ہیں "وہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے" اب وہ احاطہ باقی نہیں رہا، وسیع ہو گیا ہے۔ (حضرات القدس:۲، ۱۱۱)

......﴿26﴾......

اسی مخدوم زادہ بلند اقبال ﴿یعنی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے روایت کی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ "قبر ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں" تو اس کا مطلب یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر اور جنت کے درمیان جو فاصلہ ہے وہ اٹھالیا جاتا ہے گویا وہ قبر جنت کے ساتھ فنا اور بقا پیدا کر لیتی ہے یہی مطلب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ہے کہ "میری قبر اور منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے" واضح ہو کہ روضہ کی یہ قسم خاص الخاص کے لیے ہے اور ہر مسلمان کو یہ بات میسر نہیں، البتہ اتنا ہوسکتا ہے کہ جب ان کی قبر میں پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہو جائے تو ایسی استعداد پیدا ہوسکتی ہے کہ جنت کا ایک پرتو اس قبر پر پڑ جائے اور اس آئینے کے مصداق ہو جائے جو مصفی کیا جاتا ہے۔﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۲﴾

......﴿27﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورج کی طرف تو بے تکلف دیکھا جاسکتا ہے لیکن شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کی طرف نہیں دیکھا جاسکتا، اس میں انوار کی شعاعیں بہت غالب ہیں اور رسائی مشکل ہے۔﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۲﴾

......﴿28﴾......

ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ معارف و حقائق جو تحریر میں آگئے ہیں حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ کی نظر اقدس سے گزریں گے،

﴿حضرات القدس:۲،۱۱۲﴾

......﴿29﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ اسی نسبت علیہ ﴿نقشبندیہ﴾ پر ہوں گے، ﴿اس میں آپ نے اپنی نسبت خاصہ کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ آپ کے رسائل اور مکتوبات میں تصریح آئی ہے﴾۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۲﴾

......﴿30﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک رات مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اگر کوئی نمازی وتر کی نماز دیر سے ادا کرنے کے ارادے سے تہجد کے وقت تک سو جائے اور نیت رکھے کہ آخر شب میں وتر ادا کروں گا تو کاتبین اعمال تمام رات اس کے نام پر نیکیاں لکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ وتر ادا کرے، پس جس قدر وتر نماز کے ادا کرنے میں دیر کرے گا بہتر ہوگا۔

﴿حضرات القدس:۲،۱۱۲﴾

......﴿31﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو بدعت کی تاریکیوں نے گھیر لیا ہے اور سنت کا نور بعض مقامات پر جگنو کی طرح خال خال نظر آتا ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۲﴾

......﴿32﴾......

ایک روز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے ورد کے سلسلے میں فرمایا کہ اے کاش تمام جہان اس کلمہ طیبہ کے مقابلے میں دریائے محیط کے سامنے ایک قطرہ ہی کی مناسبت رکھتا، یہ کلمہ مقدسہ تمام کمالات ولایت و نبوت کا جامع ہے، لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے جنت میں داخلہ کیونکر میسر ہوسکتا ہے اور جہنم کے خلود سے کس طرح رہائی حاصل ہوسکتی ہے؟ مجھے محسوس اور مشہود

ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم کو کلمہ طیبہ ایک مرتبہ ادا کرنے سے بخش دیں اور جنت میں داخل کر دیں تو یہ بھی ممکن ہے، اگر اس کلمہ طیبہ کی برکتیں تقسیم کی جائیں تو تمام عالم ابد الآباد تک معمور اور سیراب رہ سکے گا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۲﴾

......﴿33﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی ہمارے طریقے میں داخل ہوا اور داخل ہوگا قیامت تک بالواسطہ اور بلا واسطہ مردوں میں سے یا عورتوں میں سے، وہ سب میری نظر میں لائے گئے اور ان کا نام، نسب، مولد اور مسکن بھی مجھے بتایا گیا، اگر چاہوں تو سب کو بیان کر سکتا ہوں۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۳﴾

......﴿34﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم و عنایت خالص سے اور اپنی مہربانی و رحمت و مرحمت خاص سے مجھے بشارت دی کہ ہم نے تمہاری دنیا کو بھی آخرت بنا دیا ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۳﴾

......﴿35﴾......

ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا گئے، وہاں دیکھا کہ مٹی کا ایک ٹوٹا ہوا پیالہ ہے کہ جس سے بھنگی گندگی اٹھاتا تھا اس پر اللہ کا نام کندہ تھا لیکن وہ نجاستوں سے آلودہ تھا، آپ نے وہ ٹوٹا پیالہ اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور باہر آئے اور خادم سے فرمایا کہ آفتابہ لاؤ اور آپ نے اپنے ہی ہاتھ سے اسے نجاستوں سے پاک کیا، خادموں نے ہر چند التماس کی کہ ہم اسے صاف کر دیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا، اس کو صاف کرنے کے بعد آپ نے سفید کپڑے میں لپیٹ کر پوری تعظیم کے ساتھ اونچے طاق میں رکھ دیا اور جب کبھی آپ پانی پینا چاہتے تو اسی ٹوٹے ہوئے پیالے میں پیتے، اسی اثنا میں رب العزت کی بارگاہ سے آپ کو خطاب کیا گیا، جس طرح تم نے میرے نام کی تعظیم کی میں بھی تمہارے نام کو دنیا اور آخرت میں اونچا کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں سو سال بھی ریاضت اور مجاہدہ کرتا ان سے اتنے فیوض و برکات حاصل نہ ہوتے جتنے اس عمل سے مجھے حاصل ہوئے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۳﴾

......﴿36﴾......

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ ﴿حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ﴾ فرماتے ہیں، مجھے وضو میں شک تھا کہ بیٹی ام کلثوم کا جنازہ لایا گیا، میں نے چاہا کہ تازہ وضو کرلوں، پھر نماز جنازہ ادا کروں، اسی اثنا میں مجھے باطن میں آواز دی گئی کہ اگر تم اسی طہارت کے ساتھ نماز جنازہ ادا کرلو گے تب بھی ہم اس میت کو بخش دیں گے چنانچہ اسی وضو سے میں نے نماز جنازہ ادا کی۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۳﴾

......﴿37﴾......

ایک دن صبح کے حلقے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ مراقب تھے اور آپ پر اپنے اعمال کی خامی کا تصور غالب تھا اور انکسار و تضرع کا غلبہ تھا، حدیث میں من تواضع لله رفعه الله ﴿جو خدا کے لیے تواضع کرتا ہے خدا اسے بلند کرتا ہے﴾ کے مصداق اللہ تعالیٰ غفار الذنوب وستار العیوب کی طرف سے خطاب ہوا کہ ''میں نے تم کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تمہارا وسیلہ اختیار کرے بالواسطہ یا بلاواسطہ، قیامت تک سب کو بخش دیا'' پھر اس بشارت کے اظہار کا حکم بھی دیا گیا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۴﴾

......﴿38﴾......

ایک دن اجمیر شریف میں آپ رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور بہت دیر تک اس بدر الاولیا کی خدمت میں مراقب رہے، جب باہر نکلے تو آپ نے قریب والوں سے فرمایا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت لطف وکرم فرمایا اور اپنی خاص برکات سے ضیافت فرمائی اور اسرار ورموز بھی بیان فرمائے اور پھر لشکر کی رفاقت سے خلاصی کے لیے جو لوگ میرے لیے کوشش کررہے تھے اس سے منع فرمایا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینے کے لیے حکم فرمایا، اسی اثنا میں یہ ہوا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی چادر جو ہر سال تازہ ڈالی جاتی ہے اور پرانی چادر کسی بزرگ کو بھیجی جاتی ہے یا بادشاہ وقت کو پیش کی جاتی ہے اور بادشاہ اس کو صندوق میں لعل کی طرح ادب اور تعظیم کے ساتھ رکھتے ہیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کی گئی، خادموں نے کہا کہ آپ سے زیادہ اس کا مستحق کون ہوسکتا ہے

؟ آپ نے پورے ادب اور تعظیم کے ساتھ اسے قبول کیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس متبرک کپڑے کو میرے کفن کے لیے محفوظ رکھا جائے کہ اس وقت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے لباس کی بجائے یہی چادر عنایت فرمادی ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۴﴾

.......﴿39﴾.......

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری مرض کے زمانے میں فرمایا کہ ''ہر وہ کمال جو بشر کے لیے سوچا جا سکتا ہے اور اس کے لیے ممکن الحصول ہو سکتا ہے اللہ پاک نے حضور انور ﷺ کے صدقے، اس میں سے ایک حصہ مجھے عطا فرمایا ہے'' اس عبارت کی تشریح مخدوم زادوں نے فرمائی ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۴﴾

.......﴿40﴾.......

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات کے دفتر سوم میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

خلق کی ملامت اس جماعت ﴿صوفیہ﴾ کے لیے حسن اور ان کے زنگار کو دور کرنے کے لیے صیقل ہے، اس سے قبض اور کدورت کیسے ہو سکتی ہے؟ شروع زمانے میں جب کہ میں قلعہ ﴿گوالیار﴾ میں قید ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلق کی ملامت کی وجہ سے انوار مختلف شہروں اور قریوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں، پہلے تو برسوں تک میری تربیت جمالی طور پر کر کے قطع مسافت کی جاتی تھی لیکن اب جلالی تربیت سے یہ مسافت طے کرائی جارہی ہے، اب مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہتے ہیں اور جمال وجلال کو مساوی جانتے ہیں کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے...... ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۵﴾

.......﴿41﴾.......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام بیانات اور شطحیات کے باوجود اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں نظر آتے ہیں اور اولیائے کرام میں سے ظاہر ہوتے ہیں

کریموں پہ مشکل نہیں کوئی کام

کبھی دعا سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالیوں پر ہنستے ہیں، شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا منکر بھی خطرے میں ہے اس لیے شیخ کو تو قبول کر لینا چاہیے لیکن ان کی شطحیات کو قبول نہیں

کرنا چاہیے، ان کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا درمیانی طریقہ اس فقیر کا یہی ہے۔
﴿حضرات القدس:۲،۱۱۶﴾

......﴿42﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دستور تھا کہ فجر کی نماز کے بعد جماعت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے اور دعا کے بعد مراقبے میں مشغول ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ عرفہ کی صبح کو فجر کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد آپ قبلہ رو ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا، اس کے بعد آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور اپنے محرمان اسرار سے فرمایا کہ آج مجھے زیارت کعبہ کا شوق پیدا ہوا اور حرم پاک کا اشتیاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ یکا یک خود کعبہ میرے طواف کے لیے آیا اور میرے گرد گھومنے لگا، تعجب ہے کہ ارباب کشف اس واقعے سے غافل رہے ورنہ وہ خود میرے گرد گھومتے اور میرا طواف کرتے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۶﴾

......﴿43﴾......

ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آج شب قدر ہے، تراویح سے فراغت کے بعد فرمایا کہ مجھے شب قدر غیبت میں ظاہر ہوئی اور اس ساعت کا آخری حصہ نصیب ہوا، جس طرح لشکر آگے آگے جاتا ہے اور بچے ہوئے لوگ پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے ہیں اسی طرح میں نے شب قدر کو دیکھا۔
﴿حضرات القدس:۲،۱۱۶﴾

......﴿44﴾......

شب برات کی صبح تھی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ پر منکشف ہوا کہ شیخ طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے وہ نیکوں کی فہرست سے خارج کر دیئے گئے اور بدبختوں کی فہرست میں ڈال دیئے گئے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئے اور اس واقعے کے دفعیہ کے لیے کوشش فرمائی، معلوم ہوا کہ اس معاملے کو عرش مجید ﴿لوح محفوظ﴾ میں قضائے مبرم قرار دیا گیا ہے، آپ حیران ہوئے اور اسی اثنا میں آپ کو حضرت غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد آیا ''قضائے مبرم میں سوائے میرے کسی کو دست تصرف حاصل نہیں'' آپ نے بارگاہ الٰہی میں التجا، تضرع و مناجات کی کہ الٰہی جب تو نے اپنے

ایک برگذیدہ بندے کو وہ دست تصرف والی دولت عطا فرمائی ہے تو اس فقیر کو بھی اس دولت سے سرفراز فرما دے تو تیرے کرم سے دور نہیں، آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں قضا کی ایک قسم مبرم ہے اور اللہ کے نزدیک وہ معلق ہے اور اس قضائے مبرم میں خاص الخاص بزرگوں کو دست تصرف عطا کیا جاتا ہے اور جو اللہ کے نزدیک مبرم ہے اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہے ﴿قولہ تعالیٰ﴾ ''میرے نزدیک جو قول ہے تبدیل نہیں ہوتا'' اس قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۶﴾

......﴿45﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پہاڑوں میں رہنے والے لوگوں ﴿شاہق جبل﴾ اور رسولوں کے درمیانی وقفے میں ہونے والے مشرکوں ﴿مشرکان فترت رسل﴾ کے متعلق فرمایا کہ ایک بہت عرصے کے بعد اللہ پاک کی عنایت سے یہ معما حل ہوا، یعنی مجھ پر منکشف کیا گیا کہ یہ جماعت نہ بہشت میں ہمیشہ رہے گی اور نہ دوزخ میں رہے گی بلکہ دوبارہ زندگی کے بعد ﴿بعثت واحیائے اخروی کے بعد﴾ ان کو مقام حساب میں رکھ کر ان کے گناہوں کے مطابق ان پر عتاب وعذاب کیا جائے گا اور تکمیل حقوق کر کے شریعت سے غیر مکلف جانوروں کی طرح انہیں بھی مطلق معدوم اور نیست کر دیا جائے گا، پس ان کو نہ ہمیشگی ہوگی اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ نادر معرفت ﴿حقیقت﴾ جب میں نے انبیا کرام علیہم السلام کی بارگاہ میں پیش کی تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور سب نے اس کو پسند اور ﴿قبول﴾ فرمایا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۷﴾

......﴿46﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے قضا و قدر کے اسرار سے مطلع کیا گیا ہے اور اس بات کو اس طرح منکشف کیا گیا ہے کہ کسی طرح بھی شریعت مطہرہ کے اصول سے مخالفت لازم نہیں آسکتی اور جو نقص ایجاب اور آمیزش جبر سے قطعی پاک ہے اور جو اپنے ظہور میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے تعجب ہے، کہ اصول شریعت سے مخالف نہ ہونے کے باوجود اسے ﴿کسی مصلحت سے﴾ پوشیدہ رکھا گیا ہے اگر مخالفت کا شائبہ بھی اس میں ہوتا تو اس کی پوشیدگی مناسب تھی ﴿بہر حال﴾ جو کچھ اللہ پاک کرے کس.

میں طاقت ہے کہ اس کو پوچھ سکے ۔

کر از ہرہ آں کہ از بیم او
کشاید زبان جزبہ تسلیم او
کہاں کس میں طاقت کہ کھولے زباں
یہ لازم ہے تسلیم ہو ہر بیاں

﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۷﴾

......﴿47﴾......

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیاض میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عام دعوتوں میں تشریف نہیں لے جاتے تھے، ایک دن ایک دولت مند نے حاضر خدمت ہو کر التجا کی کہ میں نے اپنے ایک عزیز کے ایصال ثواب کے لیے کھانا تیار کیا ہے، آپ میری دعوت قبول فرمائیں، آپ نے اس عام دعوت کو قبول نہیں فرمایا، اس نے نہایت عقیدت، انکسار اور اخلاص کا اظہار کیا، اس وقت آپ پر الہام ہوا کہ تم وہاں جانے میں حرام ہونے کا شک کرو گے تو ہم قیامت کے دن اس میت کو جس کے لیے ایصال ثواب ہے اس قدر نور عطا کریں گے کہ اس سے تمام اہل محشر منور ہو جائیں گے ﴿اس الہام سے﴾ آپ متفکر ہو گئے کہ آخر یہ حرمت کیونکر دور ہوگی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، پھر ظاہر کیا گیا کہ تمہارا اس مجلس میں جانا ہی حرمت کا دور ہونا ہے پس آپ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا اور اس شخص کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۸﴾

......﴿48﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقام رضا سے اوپر کسی کی رسائی نہیں سوائے حضور انور ﷺ کے، اس بات کو تحریر کرنے کے چند روز بعد آپ نے فرمایا کہ نماز تہجد سے فراغت کے بعد میں تمام انبیا علیہم السلام پر درود بھیج رہا تھا کہ میں نے ان سب کو اپنے مقامات سے عروج فرماتے دیکھا کہ وہ مقام رضا سے اوپر ایک مقام پر چند واسطوں سے واصل ہو گئے، اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے اس مقام پر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت سے ملا ہوا تھا عروج فرمایا اور اس مقام عزیز میں رسائی حاصل فرمائی۔ ﴿حضرات القدس:۲، ۱۱۸﴾

......﴿49﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہم پر منکشف فرمایا گیا ہے کہ حقیقت ھاءِ دو چشمی ﴿رموز مقطعات میں سے ہے﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمانی کا گنجینہ رحمت ہے اور کوئی رحمت اس گنجینے سے باہر نہیں ہے خواہ وہ دنیوی رحمتیں ہوں خواہ اخروی......ننانوے رحمتیں جو آخرت کے لیے رکھی گئی ہیں انکا مستقر ﴿اس ھاءِ دو چشمی کا﴾ ایک چشمہ ہے اور دوسرا چشمہ وہ گنجینہ رحمت ہے جو دنیا کے لیے پھیلا دیا گیا ہے۔﴿حضرات القدس:۲،۱۱۹﴾

......﴿50﴾......

ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان صاجبزادوں کی فاتحہ کے لیے کھانا تیار کرایا جو آپ کے سامنے وفات پاچکے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ توجہ کثیر کے بعد وہ کھانا مقبول ہوا اور ایسا مکشوف ہوا کہ ملائکہ کھانے کے خوان لارہے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچا رہے ہیں اور بہشت کے ایک چمن میں ان کو جمع کر رہے ہیں، جب وہ سب کھانا وہاں جمع ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ میرے فرزند اس کھانے کے پاس گئے اور وہ تمام کھانا ان کے پیٹ میں پہنچ گیا اس کے بعد دیکھا کہ ان میں استعداد اوپر جانے کی پیدا ہوئی اور وہ عروج میں مصروف ہو گئے اور جب وہ بہت اوپر گئے تو ایک بہشت ظاہر ہوئی جس میں انتہائی رفعت، منزلت ، تازگی اور تراوت تھی ، پس وہ سب اس بہشت میں داخل ہو گئے ، چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایصال ثواب میں تمام مومنین ، مومنات اور ملائکہ عالیات کو بھی شامل فرمالیا تھا اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی مومن اور مومنہ کی قبر کو نہیں دیکھا جہاں وہ کھانا نہ پہنچا ہو اور کوئی بہشت ایسی نظر نہیں آئی جو اس کھانے سے خالی ہو اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ ملائکہ میں بھی مختلف خوان بھیجے گئے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی گئی اسی طرح جب آپ مریدوں کی روحانیت کے لیے ایصال ثواب فرماتے تھے تو اسی طرح مکاشفات اور معائنات ہوتے تھے۔﴿حضرات القدس:۲،۱۱۹﴾

......﴿51﴾......

ایک مرتبہ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جانے کا ذکر فرماتے ہیں جو قریبِ مرگ تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے حال کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ اس

کے قلب میں بہت سیاہی ہے، اس سیاہی کو دفع کرنے کے لیے آپ نے بہت توجہ فرمائی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا پھر بہت دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ سیاہیاں خفیات کفر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں اور ان کدورتوں کا سبب اس شخص کا تعلق کافروں کے ساتھ رکھنا ہے اور ان سیاہیوں کا دور ہونا موقوف ہے عذاب جہنم پر جو کفر کا بدلہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص کے دل میں ایمان کی رمق موجود ہے کہ جس کی برکت سے آخر کار اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا، جب آپ نے اس کا یہ حال مشاہدہ کیا تو پھر خیال آیا کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہیے یا نہیں، پھر توجہ سے ظاہر ہوا کہ نماز جنازہ ضرور پڑھنی چاہیے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۱۹﴾

......﴿52﴾......

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اذان کے بعد دعا کر رہا تھا اور ہاتھ زانو پر تھے، اسی حالت میں خیال آیا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کروں اور میرا وہ طریقہ ادب سے دور معلوم ہوتا ہے، چنانچہ میں نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگا ﴿اللہ کی شان کہ﴾ صرف اس قدر ادب کی رعایت کرنے سے خدائے غفار و ستار کی بارگاہ سے آواز آئی کہ تم پر کسی طرح کا کوئی عذاب نہ کیا جائے گا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۲۰﴾

......﴿53﴾......

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اس کے ذمے کوئی قرض ہوتا ہے یا حقوق العباد میں سے کچھ ادا کرنا رہ گیا ہو تو اس کی روح کو ترقی نہیں ہوتی حتیٰ کہ اس کی طرف سے وہ قرض یا حق ادا نہ کر دیا جائے اور یہ کہ وہ روح محبوس رہتی ہے، اسے آسمان سے اوپر نہیں لے جاتے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مجھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا کہ یہ حکم اس شخص کے لیے مخصوص ہے جس کو اس دنیا میں ترقی نہ ہوئی ہو لیکن اگر اس دنیا میں ان تعلقات کے باوجود ترقی ہوئی ہے تو مرنے کے بعد بھی اس کو ترقی ہوگی لیکن اس کو نہیں جو اس دنیا میں بھی محبوس تھا ایسے شخص کو موت کے بعد بھی قید ہے کیونکہ موت کے بعد کی ترقی یہاں کے تعلقات سے خلاصی پر موقوف ہے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۲۰﴾

......﴿54﴾......

حضرت مخدوم زادہ خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خاص بیاض میں لکھا ہے، اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر گواہی دے گی اور ہم تمہارے اعمال لکھتے رہتے ہیں" علما کرام نے اس سے فرشتوں کا لکھنا مراد لیا ہے اور خدا کی طرف اس استناد کو مجازی بتایا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں یہ آیت بار بار تلاوت کر رہا تھا کہ یکا یک میرے دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لکھنے کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے تو اس کی کوئی حقیقت ضرور ہوگی، اس کے بعد ایسا ظاہر ہوا کہ اس مرتبہ مقدسہ میں فرشتوں کی اعمال نویسی کے علاوہ ایک اور قسم کا لکھنا بھی ثابت ہے اور وہ ان بعض افراد کے لیے ہوگا جن کے حالات سے اللہ تعالیٰ اپنے سوا فرشتوں کو بھی مطلع کرنا نہیں چاہتا "یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے" اور یہی راز ہے اس معاملے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خواص اور اپنے ارباب اختصاص کے اعمال سے ملائکہ کاتبین کو بھی آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔

یہ رمز عاشق و معشوق جس سے
کراماً کاتبین بھی بے خبر ہیں

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ "جانوں کو مرتے دم اللہ تعالیٰ نکالتا ہے" یہاں توفی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی ہے اگر چہ جان نکالنے والا ملک الموت ہے، اس لیے ممکن ہے بعض خاص الخاص کے ساتھ جان نکالنے کا معاملہ فرشتہ موت کے بغیر ہی ہو اور بعض احادیث میں جو ملک الموت کا توسط مذکور ہے تو وہ بعض دوسرے خواص کے لیے ہو پس آیت مذکورہ کا مطلب تھوڑے تامل سے سمجھ میں آجاتا ہے پس غور کرو۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۲۰﴾

......﴿55﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات ﴿دفتر اول﴾ جب اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ ہو چکے تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو جائے تو بعد کے مکتوبات بھی جمع کر لیے جائیں اور دفتر دوم شروع کر دیا جائے، فرمایا کہ وہ تمام علوم و معارف جو ان مکتوبات میں تحریر ہوئے ہیں کیا معلوم وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول و منظور ہیں یا نہیں، اسی

اثنا میں آپ نے انکسار و تضرع کے ساتھ خاص توجہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو آواز آئی کہ یہ تمام علوم و معارف جو تم نے تحریر کیے ہیں بلکہ وہ سب جو تمہاری گفتگو میں آئے ہیں ہمارے نزدیک مقبول و منظور ہیں بلکہ اس طرح بھی اشارہ ہوا کہ یہ سب ہمارا کلام ہے اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس وقت تفصیلاً اور اجمالاً ان علوم کا میں نے ملاحظہ کیا اور بالخصوص ان علوم کا بھی ملاحظہ کیا جن کے متعلق مجھے تردد تھا وہ سب اسی حکم میں داخل پائے گئے اور مجھے دفتر دوم کے جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۲۱﴾

......﴿56﴾......

گناہ کبیرہ کے تعین میں علما نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے جیسا کہ علم الکلام اور فقہ کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے تہجد کے بعد یہ خیال گزرا کہ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہونا چاہیے اور گناہ کبیرہ کی تعیین کو سمجھنا چاہیے ﴿اللہ کا کرم ہوا کہ﴾ تھوڑی سی توجہ کے بعد مجھے بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ صرف سات ہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''سات موبقات مہلکات سے بچو'' یہ مہلکات وہ ہیں جن کی جڑ شرک ہے ﴿اور شرک کے علاوہ﴾ چھ گناہ اس کے گرد گھومتے ہیں گویا شرک ایک تنا ہے اور چھ کبائر اس کی شاخیں ہیں ان کے علاوہ دوسرے گناہ صغیرہ کے دائرے میں داخل ہیں، بعض صغائر ﴿شرک صغیرہ﴾ کی تعیین بھی آپ فرماتے تھے مثلاً سود کھانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا کہ ان کو آپ شرک صغیرہ کہتے تھے۔ ﴿حضرات القدس:۲،۱۲۲﴾

باب ششم

اجتہادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام اہل اسلام کیلئے بالعموم اور اسلامیان ہند کیلئے بالخصوص حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات باکمال علم وعرفان کا ایک لازوال سر چشمہ ہے، جس کے توسل سے آج بھی لاکھوں تشنہ کام سیراب اور شاداب ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر آشوب دور میں پیدا فرمایا جب شریعت اور طریقت کے بنیادی اصولوں پر علمائے سوء، صوفیائے خام اور شاہان برصغیر اپنے اپنے انداز میں تیشہ زنی اور انگشت نمائی کا ارتکاب کر رہے تھے، اب ضرورت تھی ایسے عظیم القدر انسان کی جو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کا بھی بحر ذخار ہوتا اور اپنی جولانی موجوں سے دلوں اور ذہنوں کی بنجر زمین کو فکر و آگہی کی ہریالیوں سے مالا مال کر دیتا، حضرت علامہ بدر الدین سرہندی رقمطراز ہیں:

⊙...... ''حضور پرنور ﷺ کا نور ہر صدی کے بعد قطب وقت کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور ارشاد و ہدایت فرماتا ہے لیکن قطب الاقطاب کی صورت میں ظاہر ہونے کیلئے ایک ہزار سال تک اس کی طینت کی تخمیر کی جاتی ہے، مادر زمانہ اس کو تینتیس قرن ﴿۹۹۰ سال﴾ اور دس سال تک اپنے شکم میں رکھتی ہے اور قضا وقدر کی دایہ اسے تین لاکھ ساٹھ ہزار دنوں تک تربیت دیتی ہے اور مشاطہ ازل بارہ ہزار ماہ تک اس کے ظاہر و باطن کو آراستہ اور مزین کرتی ہے اور اسکی ظاہری اور روحانی زینت کرتی ہے اور آخر کو اول سے ملاتی ہے اس لئے اس کا ظہور بھرپور اور زیادہ سے زیادہ

ہوتا ہے اور چونکہ یہ تجدید سراپا حقیقت و معنیٰ ﴿روحانیت﴾ کا ظہور و بروز ہے اس لئے وہ سب کیلئے ہے اور سب کو شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ کارخانہ رحمت اور خزانہ فضل واحسان آپ کے حوالے کیا گیا اور وہ جو ومــــا ارسلنک الا رحمة للعالمین کا خطاب مستطاب اللہ پاک کی طرف سے حضور انور ﷺ کو ہوا ہے تو ایک ہزار سال کے بعد محمد ﷺ کا پرتو اس احمد ﴿مجدد الف ثانی قدس سرہٗ﴾ پر ڈالا گیا، آپ کا ازلی نام عبد الرحمٰن ہے اور آپ زمانے کیلئے عجوبہ اور عطیات الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں،

﴿حضرات القدس ۲/۲۰ مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ﴾

مظہریت محمدی کی اس سے بہتر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ قرآنی حروف مقطعات کے اسرار جو حضور انور ﷺ کیلئے راز سبحانی تھے اور صرف حضور انور ﷺ سے مخصوص تھے وہ آپ کے باطن پر ظاہر کئے گئے، ایسے خدیو کارخانہ ہستی کی تعریف مجھ جیسے خود پرست سے کیا ہوسکتی ہے.......... آپ کے اطوار، اسرار، مقامات اور کرامات کی تعداد بارش کے قطروں اور آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے، ﴿ایضاً ۲/۲۱﴾ بقول اقبالؔ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں اپنی کوشش پیہم سے نظام اسلام کو نافذ کروایا وہاں علم الکلام اور عرفان التصوف کی صدیوں پرانی الجھنوں کو دور فرمایا اور جسمانی و روحانی طور پر امت محمدیہ کی قیادت کا حق ادا کردیا، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

⊙ ...... ''وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے ہیں' اللہ پاک نے محض اپنی عنایت سے مجھ پر منکشف فرمادیئے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنیٰ ہیں، برقی تجلی کیا ہے، محمدی المشرب کون ہے، اسی طرح کی دوسری باتیں اور ہر مقام میں اس کے لوازم اور ضروریات بتائی جاتی ہیں اور ان کی سیر کرائی جاتی ہے، بہت کم چیزیں ایسی ہوں گی جن کی نشاندہی اور اولیاء اللہ نے کی ہوگی اور وہ راستے

میں چھوڑ دی گئی ہوں اور نہ دکھائی گئی ہوں، وہ شخص مقبول ہو گیا جس نے اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔" ﴿ایضا ۲:۳:۷﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر ولایت کے تین درجات منکشف فرمائے گئے، یعنی ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا، ان تینوں کی تفصیل آپ نے مکتوبات شریفہ میں تحریر فرمائی ہے۔ ﴿مکتوب ۲۶ دفتر ۱، مکتوب ۲۸۷ دفتر ۱، مکتوب ۳۰۲ دفتر ۱﴾ اسی طرح آپ پر حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ، حقیقت بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقت احمدی کے ساتھ حقیقت محمدی متحد کر دی گئی، اس کی تفصیل بھی آپ نے خود تحریر فرمائی ہے، ﴿مکتوب ۷۷ دفتر ۳ مکتوب ۱۲۴ دفتر ۳، مکتوب ۲۷ دفتر ۲﴾ آپ کو قلوب خمسہ کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا، ﴿مبداء معاد منہا ۱۲﴾ آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سات درجہ متابعت سے نوازا گیا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے، ﴿مکتوب ۲۵ دفتر ۲﴾ آپ پر تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی، ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز کیا گیا، ﴿مکتوب ۸۹ دفتر ۳﴾ آپ کی بلند استعداد کا یہ عالم ہے کہ دیگر صوفیہ کے نزدیک جو حق الیقین ہے وہ آپ کے نزدیک عین الیقین ہے، نیز فرمایا، یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں، یہ علوم و انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں، ﴿مکتوب ۴ دفتر ۲﴾ آپ کو خزینہ دار رحمت کے بلند درجے پر فائز کیا گیا جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۳۱۱ میں ہائے دو چشمی کی حقیقت کے سلسلے میں اشارہ فرمایا ہے، آپ قیومیت کے وصف عظیم سے بھی متصف ہوئے، ﴿مکتوب ۱۱ دفتر ۲، مکتوب ۹۳ دفتر ۲، مکتوب ۸۰ دفتر ۳، مکتوب ۲۵۶ دفتر ۱﴾ اس حقیقت کو مبداء و معاد کے ابتدائی حصے میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ الغرض جیسا وحشت ناک دور تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے تقاضوں کے مطابق کامل المعرفت انسان کو ہویدا کر دیا جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کا قائم مقام تھا اور جس نے علوم شرعیہ کو نظریہ استدلالیہ کے مطابق بدیہی اور کشفی بنایا اور نظریت سے ضرورت کی طرف قدم اٹھا کر پیاسی قوم کو راہنمائی عطا فرمائی۔

وہ ہند میں، سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

زیرنگاہ مضمون میں آپ کے لاتعداد کمالات میں سے صرف ایک کمال کو اجاگر کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے اور وہ ہے آپ کا کمال اجتہاد، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم الکلام میں درجہ اجتہاد پر فائز فرمایا ہے، آپ خود ارقام فرماتے ہیں:

⊙......''مجھے توسط حال میں ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم الکلام کے ایک مجتہد ہو اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے، اکثر مسائل خلافیہ میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کا خلاف ہے، شروع مسئلہ میں اشاعرہ حق بجانب معلوم ہوتے ہیں لیکن نورفراست سے دیکھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ حق بجانب ہیں، میری رائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے''

﴿مبدا و معاد منھا ۲۸، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ علم الکلام کے ساتھ عرفان وسلوک کے بھی مجتہد اعظم ہوئے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبہ یورپ میں ارشاد فرمایا ہے، ﴿تشکیل جدید الہیات ص ۲۷۸ مطبوعہ لاہور﴾ آپ کے صحیح مقام سے تو آپ کے شیخ کامل ہی آشنا تھے، انہوں نے آپ کیلئے ''کثیر العلم، قوی العمل، چراغے شود کہ عالم ہا از وے روشن گردند'' کے مبارک الفاظ استعمال کئے ہیں، ﴿رقعات باقی باللہ ۲۵، بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۲۷، مطبوعہ دہلی﴾ آپ کی اس شان اجتہاد کو اجاگر کرنے سے پہلے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ''اجتہاد کے بارے میں علمی اور تحقیقی مواد فراہم کیا جائے، پھر آپ کے بیان کردہ ان مسائل اور افکار کی نشاندہی کی جائے جن سے آپ کی اجتہادی فراست کا ثبوت ملتا ہے، وما توفیقی الا باللہ القوی۔

اجتہاد کا مفہوم:

لفظ اجتہاد کا لغوی معنٰی ہے کوشش کرنا، اور اصطلاحی معنٰی ہے کسی شرعی مسئلے میں قرآن وحدیث سے استدلال کرنے کیلئے اپنی ذہنی اور فکری قوتوں کو استعمال کرنا، ﴿کتاب التعریفات ص ۴ از علامہ میر سید شریف مطبوعہ ایران﴾ اجتہاد کا مفہوم مندرجہ ذیل علما کی تعریفات سے بھی بہت واضح ہو جاتا ہے:

⊙......حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کسی شرعی مسئلے میں کوشش کر کے اپنی ذاتی رائے کا قائم کرنے والا مجتہد کہلاتا ہے، ﴿الرسالہ ص ۱۲۷ مطبوعہ قاہرہ مصر﴾

⊙......حضرت امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حاکم کا کسی مسئلے کو قیاس کی روشنی میں قرآن وحدیث کی طرف لوٹا دینے کا نام اجتہاد ہے، ﴿النہایہ ا: ۳۳۰ مطبوعہ ایران﴾

⊙......حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، شرعی احکام کو معلوم کرنے کیلئے کسی مجتہد کی ازحد کوشش کا نام اجتہاد ہے اور مکمل اجتہاد یہ ہے کہ وہ کسی مسئلے میں اسقدر کوشش کرے کہ مزید غور وفکر کرنے سے اسکا نفس عاجز آجائے، ﴿المستصفی ۲/ ۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر﴾

⊙......حضرت امام ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کسی مسئلے کو کتاب و سنت کی طرف لوٹانے کا نام اجتہاد ہے، کتاب وسنت کی طرف لوٹائے بغیر اپنی ذاتی رائے کو اجتہاد نہیں کہا جاسکتا، ﴿لسان العرب ۳/ ۱۳۵ مطبوعہ ایران﴾

اجتہاد کا ثبوت:

قرآن اور حدیث میں دینی مسائل کے متعلق غور وفکر سے کام لے کر کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو ان کی بنیادی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، بہت سے مقامات پر ثابت ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

⊙......**وداود وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم و کنا لحکمهم شٰهدین ۝ ففهمنٰها سلیمان و کلا اتینا حکما و علماً** ط اور داود اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا جھگڑا چکاتے تھے، جب رات کو اس میں کچھ بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے، ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکم اور علم کی دولت سے نوازا، ﴿سورۃ الانبیاء آیت: ۷۸، ۷۹﴾

حضرت داوٗد علیہ السلام کے روبرو ایک مسئلہ اٹھایا گیا کہ بکریاں چرانے والا موقع پر موجود نہیں تھا اور وہ کھیتی کھا گئیں تو اسکا کیا حل ہے، آپ نے تجویز کیا کہ بکریاں کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں کیونکہ بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر ابھی گیارہ سال تھی، آپ نے فرمایا، فریقین کیلئے اس سے زیادہ آسان صورت بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ

کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے، اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے، بعد میں کھیتی والے کو کھیتی اور بکری والے کو اسکی بکریاں دی جائیں، یہ تجویز حضرت داؤد علیہ السلام نے پسند فرمائی، اس معاملے میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے، ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصانات کرے اس کا ضمان لازم نہیں، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا، وہ اس مسئلہ کا حکم تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو تجویز فرمائی یہ صورت صلح تھی، ﴿خزائن العرفان ص ۳۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور﴾ دونوں حضرات کا اجتہاد اپنی اپنی جگہ درست تھا اسی لئے دونوں کے حکم اور علم کو سراہا گیا، یہ بھی معلوم ہوا کہ جن علما کو اجتہاد کی اہلیت حاصل ہو انہیں ان امور میں اجتہاد کرنے کا حق ہے جن میں کتاب وسنت کا حکم نہ پا سکیں، اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو بھی ان پر مواخذہ نہیں، ﴿ایضا﴾ اسی طرح حدیث پاک سے بھی اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے:

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو عورتیں اپنے بچوں کے ساتھ گامزن تھیں، ایک عورت کا بچہ بھیڑیا اٹھا کر لے گیا، دونوں میں تکرار ہوگئی ایک نے کہا کہ بھیڑیا تیرے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا نہیں، تیرے بچے کو لے گیا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کے حضور یہ مقدمہ دائر کیا گیا تو آپ نے فرمایا، بچہ بڑی عورت کا ہے، وہ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں تو انہوں نے فرمایا، ایک چھری لاؤ تاکہ میں بچے کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو ایک ایک ٹکڑا عنایت کر دوں، چھوٹی عورت نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، یہ بچہ اسی بڑی عورت کا بیٹا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی عورت کو عطا کر دیا ﴿کیونکہ اس سے ممتا کی مخصوص محبت کا اظہار ہوا تھا﴾ ﴿صحیح مسلم ۲/۷۷﴾

⊙......ایک سرد رات میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر غسل فرض ہوا تو انہوں نے تیمّم کیا اور یہ آیت تلاوت کی، اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو

آپ ﷺ نے کوئی اعتراض نہ کیا، ﴿صحیح بخاری ۱/۴۹ مطبوعہ کراچی﴾

حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضور اکرم ﷺ کے اعتراض نہ کرنے اور ان کے نماز نہ لوٹانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں تیمّم جائز ہوتا ہے، پھر اس سے یہ قاعدہ اخذ ہوا کہ جس آدمی کو پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو وہ تیمّم کرسکتا ہے، یہ خطرہ سردی کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، آدمی مسافر ہو یا مقیم، جنبی ہو یا بے وضو، پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے زمان ظاہر میں بھی اجتہاد ہوا کرتا تھا، ﴿عمدۃ القاری شرح البخاری ۴/۳۴ مطبوعہ مصر﴾

⊙......حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ غزوہ احزاب سے واپس ہوئے تو ہمیں حکم دیا کہ بنوقریظہ میں پہنچ کر نماز ادا کرنا، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا، بعض صحابہ کرام نے کہا کہ ہم بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کریں گے، بعض صحابہ کرام نے کہا، ہم نماز ادا کریں گے کیونکہ آپ کی یہ منشا نہیں تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے کسی فریق کو بھی مورد اعتراض نہیں ٹھہرایا، ﴿صحیح بخاری ۱/۱۲۹ مطبوعہ کراچی﴾

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے نزدیک دلائل متعارض ہو گئے تھے، آپ کا ارشاد تھا، بنوقریظہ میں نماز ادا کرنا تو دوسری طرف نماز کو وقت مقرر پر ادا کرنے کا حکم موجود تھا، چنانچہ بعض صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ حدیث میں جلد پہنچنے کا حکم تھا اور انہوں نے نماز ادا کر لی جبکہ بعض صحابہ کرام نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور نماز ادا نہ کی، چونکہ دونوں فریقوں نے اجتہاد کیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے کسی فریق پر بھی اعتراض نہ کیا، ﴿عمدۃ القاری شرح البخاری ۲/۲۶۵ مطبوعہ مصر﴾

⊙......حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی یمن بنا کر بھیجا اور پوچھا، تم کیسے فیصلہ کرو گے، میں نے کہا، اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا، اگر اللہ کی کتاب میں صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا، اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی

صراحت نہ ملے تو پھر کیا کرو گے، میں نے عرض کیا، میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، فرمایا، الحمد لله الذی وفق رسول رسولِ الله، اللہ تعالیٰ کیلئے تمام تعریف جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو یہ توفیق بخشی، ﴿جامع ترمذی ص ۲۱۰ مطبوعہ کراچی﴾

⊙ ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر نصیب ہوتے ہیں اور اگر وہ فیصلہ میں خطا کر جائے تو اس کو ایک اجر نصیب ہوتا ہے، ﴿ایضاً ص ۲۱۰﴾

ان تمام احادیث نبویہ میں اجتہاد کا ثبوت پایا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اجتہاد کی شرائط کیا ہیں، حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

⊙ ...... مجتہد کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا علم تمام شرعی علوم کا احاطہ کرتا ہو اور وہ اپنے فکر رسا سے شرعی حکم معلوم کر سکتا ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ مسائل کو اخذ کرنے کیلئے کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم موخر ہیں۔

⊙ ...... مجتہد کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان گناہوں سے بچتا ہو جو اس کے تقویٰ کے خلاف ہوں۔

⊙ ...... شرعی علوم میں کتاب وسنت، اجماع اور عقلی علوم کی امداد سے استدلال کی قوت پیدا ہوتی ہے، علم کتاب سے مراد کتاب کی تمام آیتوں کا علم مراد نہیں بلکہ ان آیتوں کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں اور ان کی تعداد پانچ سو ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیتیں بھی حفظ ہوں بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجتہد کو ان کے مقام کا علم حاصل ہو تاکہ بوقت ضرورت ان کی تلاش کر سکے، علم سنت سے مراد تمام احادیث کا علم مراد نہیں بلکہ ان احادیث کا علم مراد ہے جو احکام سے متعلق ہیں، مجتہد کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مثلاً سنن ابی داؤد اور سنن بیہقی میں کونسے احکامات کے بارے میں احادیث مروی ہیں تاکہ بوقت ضرورت انہیں تلاش کر سکے، علم اجماع سے مراد یہ ہے کہ مجتہد کو معلوم ہونا چاہیئے، پہلے کن احکام ومسائل میں اجماع وارد ہو چکا ہے تاکہ اس کا اجتہاد اجماع امت کے خلاف نہ ہو جائے۔

⊙......کتاب وسنت کے علوم کو جاننے کیلئے مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ لغت، صرف، نحو، بلاغت کے علوم سے بہرہ مند ہو، یہ ضروری نہیں کہ اسے ان علوم میں زمخشری، اصمعی، خلیل اور سیبویہ کی طرح عبور ہو بلکہ اسقدر مہارت کی ضرورت ہے جس سے وہ عرب کے اسلوب کے مطابق احکام کو صحیح طریقے سے سمجھ سکے۔

⊙......مجتہد کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عقائد اسلام کے مضبوط دلائل سے مکمل آشنا ہو، یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کے حدوث، باری تعالیٰ کے وجود، وجوب اور وحدانیت، نبوت کی ضرورت، قرآن کے اعجاز اور ختم نبوت کو ثابت کر سکے تاکہ علم الکلام میں اسکا مقام مقلد سے اعلیٰ ہو۔

⊙......مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ اسے صریح، مجمل، حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ مطلق، مقید، ناسخ اور منسوخ کا علم حاصل ہو۔

⊙......مجتہد کو چاہئے کہ وہ سنت کے ساتھ مخصوص علوم کو بھی حاصل کرے تاکہ صحیح اور فاسد، مقبول اور مردود روایت میں پہچان کر سکے، اسے روایت کے راویوں کی معرفت حاصل ہو سکے، ہاں جن کتابوں کی روایات کی صحت پر اجماع امت ہے مثلاً صحیحین کی روایات تو ان میں اس کیلئے امام بخاری و مسلم کی تقلید کافی ہے، اس طرح راویوں کے ضعف وثقاہت کیلئے جرح وتعدیل کے اماموں کی تقلید کافی ہے جبکہ وہ امام اس فن میں شہرت دوام کے حامل ہوں اور امت کو ان کی تحقیق پر اعتماد ہو۔

⊙......علم الکلام کے تفصیلی مباحث اور علم الفقہ کی تعلیمات کو جاننا ضروری نہیں کیونکہ یہ دوسرے مجتہدین کے اجتہاد کا ثمر ہیں اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں ۔

﴿المستصفی ۲: ۳۵۰ مطبوعہ قاہرہ مصر﴾

اسی طرح اجتہاد کیلئے ایک دائرہ کار متعین ہے، کسی شخص کو اجازت نہیں کہ جس دینی مسئلے پر چاہے اپنی فکری موشگافیوں سے رائے زنی کرتا رہے، قرآن کریم اور احادیث رسول عظیم سے جو عقائد ثابت ہیں اُن میں اجتہاد جائز نہیں مثلاً توحید و رسالت، ملائکہ، تقدیر، حیات بعد الممات وغیرہ، اسی طرح جن مسائل میں اجماع امت واقع ہو چکا ہے ان میں بھی اجتہاد کی گنجائش نہیں، اجتہاد کے دائرے میں فرعی اور عملی مسائل داخل ہیں جن میں اختلاف کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا، اگر ان مسائل میں کسی صاحب فکر کی تحقیق صحیح ہوئی تو اسے دو اجر

نصیب ہوں گے، غلط ہوئی تو ایک اجر حاصل ہوگا، ﴿المستصفی ۲/۳۵۴﴾ حضور اکرم ﷺ کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو چکا ہے مگر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، اگرچہ ائمہ اربعہ کے بعد ان کی قابلیت علمی کے برابر کسی بھی شخص کا مقام نہیں لیکن جن مسائل میں ان سے کوئی روایت مروی نہیں ان میں ائمہ اربعہ کے قائم کردہ ضابطوں کی اتباع کرتے ہوئے اہل علم و فضل اجتہاد کرسکتے ہیں اور عصر حاضر کے نت نئے فتنوں اور آزمائشوں کا حل تلاش کرسکتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد پرآشوب کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قوم کو بہت سے مسائل نے الجھا رکھا تھا، کلام اور عرفان کے نام پر اسلام کے بنیادی عقائد پر تیشے چلائے جا رہے تھے۔ آپ نے عقلی اور کشفی طور پر بھی صوفیہ کے مقابلے میں علما کے اقوال وافکار کو ترجیح دی اور خود اپنے مجتہد فی المسائل، صاحب التخریج اور صاحب الترجیح ہونے کا ثبوت فراہم کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال درجے کی ژرف نگاہی اور وسعت علمی سے سرفراز فرمایا جو اس دور کی راہنمائی کیلئے اشد ضروری تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہزارہ دوم کے جملہ مسائل کا حل آپ کے علمی و عملی کمالات میں پوشیدہ ہے، جناب ملک حسن علی جامعی غیر مقلد ہو کر تحریر کرتے ہیں:

> ''اگر اہل اسلام انصاف سے کام لے کر شیخ مجدد کی تعلیمات کو آویزہ گوش بنائیں تو مسلمانوں کی بہت سی تلخیاں دور ہوسکتی ہیں اور بہت سے خانہ برانداز جھگڑے نمٹائے جاسکتے ہیں'' ﴿تعلیمات مجددیہ ص ۲۳﴾

آیئے اب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات اور علمی کمالات کا نظارہ کیجئے جن سے ایک زمانے نے استفادہ کیا اور قیامت تک اہل علم وفکر جن کی خیرات سے مالا مال ہوتے رہیں گے۔

قضائے مبرم اور قضائے معلق:

اللہ تعالیٰ کی قضا، قدر اور تقدیر کا معاملہ بہت ہی نازک ہے، جب تک قرآن و حدیث کا سہارا نصیب نہ ہو، انسانی تفکر وتدبر اس کی گہرائیوں کو نہیں پاسکتا، حضرت علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: امام تفتازانی نے تلویح میں لکھا ہے، قضا کا معنی حکم اور فعل ہے، حکم اس آیت سے ثابت ہے، وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ تمہارے رب نے

حکم دیا کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے ، اور فعل اس آیت سے ثابت ہے، **فقضا ھن سبع سمٰوٰت**، پس ان کو مکمل سات آسمان بنایا، ﴿حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ﴾

آپ مزید فرماتے ہیں: قضا کے تین مطلب ہیں؛

⦿......لغوی طور پر حکم اور فعل کا نام قضا ہے۔

⦿......اشاعرہ کی اصطلاح میں جتنی اشیا نفس الامر میں واقع ہیں، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ازل سے متعلق تھا، اسکا نام قضا ہے۔

⦿......فلاسفہ کی اصطلاح میں تمام موجودات کے بارے میں خدا تعالیٰ کے علم ازلی کا نام قضا ہے اور یہی علم تمام موجودات کے لیے فیض کا مبدا ہے، اسکو حکما اشیا کے وجود اجمالی، وجود ظلی، لوح محفوظ اور جوہر عقلی سے تعبیر کرتے ہیں، محقق طوسی نے لکھا ہے عالم عقلی میں موجودات کا تخلیق کے طور پر اکٹھا ہونا قضا کہلاتا ہے اور خارج میں اپنے مواقع پر یکے بعد دیگرے واقع ہونا قدر ہے۔قرآن پاک میں ہے: **وا ن من شی الاعندنا خز آئنہ وماننزلہ الابقدر معلوم**، اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے، ﴿سورۃ الحجر:۲۱﴾ امام تفتازانی نے بھی رقم کیا ہے کہ حکما کے نزدیک مخلوقات کا وجود قضا ہے، ﴿حاشیہ علی الخیالی ص ۲۸۸ مطبوعہ کوئٹہ﴾ امام تفتازانی نے تقدیر کے متعلق لکھا ہے: ہر مخلوق کے حسن، قبح، نفع، ضرر، زمان یا مکان اور اس کے ثواب اور عقاب کی حد مقرر کا نام اسکی تقدیر ہے، ﴿شرح عقائد نسفی ص ۶۳ مطبوعہ دہلی﴾

اگر کسی عقل نارسا کی طرف سے یہ اعتراض کیا جائے کہ تقدیر پر ایمان لانے سے یہ لازم آتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور فاسق اپنے فسق میں مجبور ہے، اس کو ایمان واطاعت کا مکلف ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ کافر اور فاسق اپنے اختیار سے کفر اور فسق کا ارتکاب کریں گے اس لئے اس نے ان کے اختیار سے ان کے کفر اور فسق کا ارادہ کیا لہذا یہ جبر نہیں ہے اور نہ انہیں محال امر کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے، اہل حق کا مذہب یہ ہے، تقدیر ثابت ہے اور اسکا معنیٰ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیا کو مقرر کیا اور اسے علم تھا کہ یہ اشیا ان اوقات میں اسطرح واقع ہوں گی تو اب وہ اشیا اس کے علم ازلی کے مطابق واقع ہوتی ہیں، قدریہ تقدیر الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیا کو مقرر نہیں کیا اور نہ ہی اس کو پہلے

سے ان کا علم تھا، ان کے واقع ہونے کے بعد اسکو علم حاصل ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قدریہ اس امت کے مجوس ہیں، قضا کی دو قسمیں ہیں، مبرم اور معلق، قضائے مبرم اٹل ہے، اسمیں تبدیلی ممکن نہیں جبکہ قضائے معلق تبدیل ہوسکتی ہے، دونوں قضاؤں کا قرآن پاک میں ثبوت ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قضا کا تیسرا درجہ بھی بیان کیا ہے اور غالباً یہ آپ کے فکر رسا کا نتیجہ ہے، فرماتے ہیں:

> ''اے میرے سعادتمند بھائی! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قضا دو قسم پر ہے، قضائے معلق اور قضائے مبرم، قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی مجال نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مایبدل القول لدی، میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا، قضائے مبرم کے بارے میں ہے، اور قضائے معلق کے بارے میں فرماتا ہے، یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب، جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس اُمّ الکتاب ہے، میرے قبلہ حضرت گاہی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے، اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کروں، اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور بعید از فہم فرماتے تھے، یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرت حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا، ایک دن ایک بلیہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو کسی دوست ﴿طاہر بندگی﴾ کے حق میں مقرر ہوچکی تھی، اس وقت بڑی التجا، عاجزی اور نیاز و خشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر سے معلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے، اس بات سے بڑی یاس اور ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ کی بات یاد آئی، دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑے عجز و نیاز سے متوجہ ہوا، تب محض فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح پر ہے، ایک وہ قضا ہے

جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع ہے اور دوسری وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور لوح محفوظ پر قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضائے معلق کی دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے، پھر معلوم ہوا کہ حضرت سید جیلانی قدس سرہٗ کی بات بھی اس اخیر قسم پر موقوف ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے نہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف وتبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے کر سکے، اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی قسم اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیہ کو دفع فرما دیا ہے، الحمد لله علىٰ ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً" ﴿مکتوب ۲۱۷ دفتر ۱﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے قضا اور قدر کے حوالے سے غور وفکر سے کام لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا تیسرا درجہ بھی متعین ہے یعنی جو صورۃً مبرم ہے لیکن حقیقتاً معلق ہے اور اس میں تصرف کی اجازت خاص الخاص محبوبان خدا کو نصیب ہوتی ہے، دو نام تو ہمارے سامنے نکھر کر آ گئے، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، کچھ اور بزرگ بھی ہوں گے جنھیں فضل الٰہی کا خاص حصہ نصیب ہوا ہوگا، یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے، آپ کے غور وفکر کرنے سے جو مسئلہ اجاگر ہوا اس سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کا قول مبارک بھی سمجھ میں آ گیا، حقیقی قضائے مبرم کا تغیر وتبدل سے پاک ہونا بھی اظہر من الشمس ہو گیا، یہی آپ کا وہ فکری اجتہاد، دینی معاملے میں کاوش پیہم اور علمی کمال ہے جس کا اظہار آپ سے پہلے شاید ہی کسی نے کیا ہو، واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء .

وحدۃ الشہود کا نظریہ:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جلوہ گری سے پہلے عرفان وتصوف کی دنیا میں حضرت شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ کے نظریہ وحدۃ الوجود کا راج تھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریے کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

''شیخ اکبر کہتے ہیں، وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی صفات کا ظہور ہوا، اس کی صفات میں ایک صفت علم ہے، اللہ کے علم میں تمام اشیا کی تفصیل موجود ہے، اشیا کی تفصیل کا نام ''اعیان ثابتہ'' ہے، اعیان ثابتہ کا ایک عکس باہر پڑا اور ان کا ظہور ہوا، ممکنات کی جو شکلیں نظر آرہی ہیں وہ موہومی ہیں، حقیقت میں صرف ایک ہی ذات وحدہ لا شریک کی ہے، اور چونکہ یہ موہومی شکلیں خلاق عظیم جل جلالہ کی صنعت ہے اس لئے ان میں اتقان ہے اور اتقان بھی ایسا ہے کہ ان پر ثواب وعقاب کا ظہور ہوتا ہے، شیخ اکبر نے جب تمام اشیا کو موہومی عکس قرار دے دیا تو ہمہ اوست کہنا ان کیلئے جائز ہوا، ﴿مکتوب ۸۹ دفتر ۳﴾

اس نظریہ وحدۃ الوجود یعنی ہمہ اوست کا مفہوم کچھ بھی ہو، اکبر و جہانگیر جیسے آزاد منش بادشاہوں کے دور میں شریعت سے بیزار صوفیوں نے اس کو غلط معانی کا لباس پہنا کر عوام الناس کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، اول تو اس کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنے کا مقصد ہی کیا تھا، یہ کوئی اسلام کا اعتقادی مسئلہ نہیں تھا جس پر انسان کی نجات کا دارومدار ہوتا، حضرت علامہ غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ''کلمات الحق'' میں ارقام فرماتے ہیں: ''وحدتِ وجود اور وحدت شہود کا مسئلہ دین کے ان ضروری مسائل سے نہیں ہے جن پر ایمان اور اسلام کا مدار ہو.........توحید وجودی حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصرین و متبعین کے دور سے کچھ اس طرح اشاعت پذیر ہوئی، اس مسئلہ کے مبادی و مقاصد کی تحقیق میں کچھ اتنی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور اس دور میں اس کا رواج کچھ اس قدر بڑھ گیا کہ ایک نادانوں کا گروہ زمرہ صوفیہ میں داخل ہو گیا ہے اور صرف اس مسئلہ پر اعتقاد رکھنے کو ہی دین کا کمال تصور کرتا ہے اور ظاہر شریعت کو ناقابل اعتنا اور ظاہر رسمیں قرار دیتا ہے، شریعت کا اتباع تو امت محمدیہ کا سب سے بڑا کمال ہے اور سعادت سرمدی کی کامیابی اسی سے وابستہ ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں تو گمراہی کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہو گیا تھا کہ اس کو روکنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، ملا عبد القادر بدایونی کے بقول شیخ تاج الدین اکثر دربار اکبر میں باریاب ہوتے، رات بھر رہتے اور وجودی فلسفے پر تقریریں کرتے، خود

ابوالفضل بھی ایسی غلط تعبیر وتشریح سے متاثر نظر آتا ہے، وہ اس لئے کہ اس کے مقاصد پورے ہو رہے تھے، ابوالفضل کے خیالات خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں کہ اے خدا! میں تیرے طالبوں کو ہر معبد میں دیکھتا ہوں، ہر زبان میں تیری ہی حمد کی جاتی ہے، ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ تو وحدہ لاشریک ہے، مسجد ومنبر ہو یا گرجا، ہر جگہ تیری ہی عبادت کی جاتی ہے، کبھی میں تجھ کو گرجا میں تلاش کرتا ہوں اور کبھی مسجد میں، ہاں ایک معبد سے دوسرے معبد میں تلاش کرتا پھرتا ہوں، اے خدائے برتر! تیرے ہاں دین والحاد کا کوئی امتیاز نہیں وغیرہ، ﴿سیرت مجدد الف ثانی ص۱۰۰ مطبوعہ کراچی﴾ اس ماحول میں فکر وعرفان اور علم وکلام کے اس عظیم مسئلے پر تفکر وتدبر کی شدید ضرورت تھی اور اس کام کیلئے وہی شخصیت مناسب تھی جس کو وحدۃ الوجود کا پورا پورا ادراک نصیب ہوتا، اللہ تعالٰی نے یہ کمال فکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کو عطا فرمایا، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''مخدوما! اس فقیر کا مشرب خوردسالی سے اہل توحید کا مسلک رہا ہے، فقیر کے والد ﴿حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ﴾ کا مشرب بہ ظاہر اس پر تھا، مع حصول نگرانی بہ جانب مرتبہ بے کیفی مشہور ہے کہ فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ، فقیر کو از روئے علم اسی مشرب سے حظ وافر اور لذت عظیم حاصل تھی اور حضرت خواجہ ﴿باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ سے بیعت ہونے کے بعد توحید کے اسرار کا انکشاف مجھ پر ہوا، مجھ پر ان تمام حقائق کا انکشاف ہوا جن کو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فصوص میں بیان کیا ہے، بلکہ وہ اسرار بھی ظاہر ہوئے جن کو شیخ اکبر خاتم الولایت سے مخصوص سمجھتے ہیں'' ﴿مکتوب ۳۱ دفتر ۱﴾

آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے صرف رضا الٰہی کیلئے کشف وشہود کے سمندر میں غوطہ لگایا اور وحدۃ الشہود کے گوہر مراد سے فلاح یاب ہوئے، اس محنت دینی اور مشقت فکری کے نتیجے میں نہ مغرور ہوئے اور نہ بزرگان طریقت کے متعلق کوئی توہین آمیز رویہ اپنایا، خود ارقام فرماتے ہیں:

> ''مسئلہ وحدۃ الوجود میں کسی کی مخالفت سے مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں، اندیشہ اس وقت ہوتا کہ مجھ کو اپنے کشف میں کچھ تذبذب ہوتا' جب

کہ نور فجر کی طرح وضاحت کے ساتھ مجھ پر حقیقت واضح ہو چکی ہے تو پھر تذبذب کس بنا پر، اس مسئلہ کا تعلق اگر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسکی تقدیس وتنزیہ سے نہ ہوتا تو میں ہرگز اپنے کشوفات کا اظہار نہ کرتا اور حضرات مشائخ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتا، میں ان حضرات کے انبار دولت کا ایک ادنیٰ ریزہ گیراوران کے خوانِ انعامات کا ایک کمترین خوشہ چین ہوں'' ﴿مکتوب ۴۲ دفتر ۲﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہمہ اوست'' کو عارف خدا کی منزل قرار نہیں دیا بلکہ فرماتے ہیں: جنھوں نے اپنی عمریں توحید وجودی میں صرف کردی ہیں' محسوس کریں گے کہ انہوں نے اس دریائے بے کنار سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے، مزید فرماتے ہیں، توحید وجودی مقام یک بینی ہے جو سکر و مدہوشی کا مقام ہے اور یہ ولایت کا ادنیٰ مقام ہے اوراس سے بالاتر دائرہ ظلال ہے، جب سالک اس مقام میں داخل ہوتا ہے، وہ اسما وصفات کے ظلال میں سیر کرتا ہے اوراس سے بالاتر مقام عبدیت ہے، یہ حضرات انبیا کرام کا مقام ہے، اس میں صحو وآ گاہی ہے، سالک کی زبان پر توحید وجودی کے مقام میں لامحالہ ''انا الحق'' جاری ہوگا اور دائرہ ظلال میں ''سبحانی ما اعظم شانی'' کی صدا بلند ہوگی اور مقام عبدیت میں ''لا احصی ثناء علیک'' کے مبارک الفاظ آئیں گے، یہ مقام فرق ہے، اس مقام میں ''العبد عبد والرب رب ''یعنی بندہ، بندہ ہےاوررب، رب ہے کے اسرار کھلتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں مقامات کا ذکر دفتر اول کے مکتوب ۱۶۰ میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان تینوں مقامات کی سیر کرائی ہے چنانچہ از روئے کشف وبصیرت فرماتے ہیں کہ ہمہ اوست وہ شخص کہہ سکتا ہے جو مقام توحید وجودی میں ہے اور جو شخص اس مقام میں نہیں ہے وہ ''ہمہ از اوست'' کہے گا، ''ہمہ از اوست'' کا جملہ نص قرآنی سے ثابت ہے ''کل من عند اللہ'' لہذا اس کی افادیت اور ثقاہت زیادہ مسلمہ ہے، اسی کو آپ نے ''وحدۃ الشہود'' کے نام سے معنون کر کے خالق اور مخلوق کے اتحاد کی تحریک کو ختم کر دیا، آپ کے نزدیک وحدۃ الشہود کی تعریف یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے، وہ قادر مطلق ہے، اس

نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے ممکن کو پیدا فرمایا، عدم ہر شر وفساد اور ظلمت وخرابی کا ماویٰ ہے، یہ عدمی حصہ بمنزلہ اصل اور مادہ کے ہے، اس عدمی حصہ پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا ظل و پرتو پڑا، جس اسم وصفت کا اصل پرتو پڑا وہ اس صفت سے متصف ہوا، اگر اسم الہادی کا پرتو پڑا تو ہدایت پائی، اگر العلیم کا پرتو پڑا تو علم سے محلّی ہوا اور اگر المضل کا پرتو پڑا تو ضلالت میں پڑا، اسی طرح باقی صفات کی کیفیت ہے''

آپ ممکن کا عدمی وجود ثابت کرتے ہیں جو کہ بہ یمن ظلال اوصاف الہیہ قائم ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ظل عین اصل نہیں ہے، آپ کے نزدیک ممکن کا وجود نہ ازلی ہے نہ ابدی، اسکی تخلیق ہوئی ہے اور اس کیلئے فنا ہے، آپ کے مسلک کی تائید اس حدیث حسن سے ہو رہی ہے جو جامع ترمذی کے باب افتراق ہذہ الامۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو ﷜ سے مروی ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر اپنے نور کی تجلی ان پر کی، جس پر وہ نور پڑا اس نے ہدایت پائی اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہوا، لہذا میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو چکا ہے''

اس کی تشریح میں حضرت زید الفاروقی ﷫ فرماتے ہیں، جہاں حضرت وجود ہے، وہ نور ہی نور ہے، اللہ نور السمٰوات والارض، عدم ہی ظلمت ہے اور وہی بے نور اور شر وفساد کا ماویٰ ہے، کائنات کی اصل وہی ہے اور اس پر اسماء وصفات کی تجلی ہوئی، جس اصل پر جس اسم وصفت کا نور پڑا وہ اس صفت سے بہرہ اندوز ہوا اور جس اسم وصفت کا نور نہیں پڑا اس سے بے بہرہ رہا، ممکن کو نقائص اپنی اصل سے اور کمالات اسماء وصفات کی تجلی سے ملے ہیں، اس طرح ﴿آیت﴾ ''ما اصابک من حسنة فمن الله وما اصابک من سيئة فمن نفسک'' کی تفسیر واضح ہوئی، یعنی جو بھلائی تجھ کو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو برائی تجھ کو پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے، ممکن کا وجود ہے اور وہ اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن اور حادث ہے، اس کی حقیقت کیلئے ''وجوبی تعین'' کس طرح ہو سکتا ہے، اس کی حقیقت پر اسماء وصفات کا نور وظل پڑا ہے وہ ظل موہومی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اس ظل سے اسکی حقیقت کا قیام ہے

اور وہ ظل عین اصل نہیں، ظل کو عین اصل نہیں کہا جا سکتا۔ (جہان امام ربانی ۲/۵۴۷ مطبوعہ کراچی)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ اکبر اور دیگر وجودی صوفیہ سے ایک اور اہم نظریے میں بھی اختلاف فرمایا، وہ نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے مرتبہ ذات میں غنا ثابت ہے، مرتبہ صفات و افعال میں غنا ثابت نہیں بلکہ وہ اس مرتبے میں ممکنات کا محتاج ہے کیونکہ موصوفات کے بغیر صفات کا ظہور نہیں ہوتا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمہ وقت، ہر حال میں غنی ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ مخلوق اس کی محتاج ہے، **یاایها الناس انتم الفقراء الی الله والله هو الغنی الحمید**، اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف تم ہی محتاج ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی بے پروا اور سب تعریفوں والا ہے، ممکنات کے اوصاف اپنے ظہور میں موصوفات کے محتاج ہیں، پروردگار کے اوصاف کو احتیاج سے کیا کام ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے موقف کی تائید اور بھی نصوص قطعی سے حاصل ہے، آپ نے علمی اور فکری طور پر اپنے نظریے کو قرآن و حدیث سے مزین فرمایا ہے اور طریقت کے اس اہم موضوع کو شریعت کے اصولوں کی طرف لوٹایا ہے تاکہ گمراہی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ آپ کی اس کاوش پیہم کی سب سے پہلے آپ کے مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصدیق فرمائی جو توحید وجودی پر کاربند تھے اور اپنے رسالوں اور خطوں میں اس کو ظاہر فرماتے تھے، ان کے مخلص مرید حضرت میاں عبدالحق کا بیان ہے، مرض الموت سے ایک ہفتہ پہلے انہوں نے فرمایا، "مجھے عین الیقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہے، اس سے پہلے بھی جانتا تھا مگر اب ایک قسم کا یقین حاصل ہو گیا ہے" (مکتوب ۴۳ دفتر ا) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ وحدۃ الشہود سے بارگاہ صمدیت کا ادب و احترام بھی نکھر کر سامنے آتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

"اشیا کیا ہیں جو اسکا مظہر ہو سکیں، در کدام آئینہ درآید او، اور ان میں یہ طاقت و مجال کہاں ہے کہ ظہور کے اعتبار سے بھی اس پر محمول ہو سکیں، اگر مظہر بھی ہیں تو اس کے کمالات کے ظلال میں سے کسی ظل کا مظہر

ہیں اور وہ ظل جس کا مظہر ہیں، حق تعالیٰ کے ﴿کمالات کے﴾ ظلال میں سے وہ ظل ہے جس سے لیکر ذات حق تعالیٰ تک کئی ہزار ظلال درمیان ہیں، آپ نے سنا ہی ہوگا کہ ان للہ لسبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ، اللہ تعالیٰ کیلئے ستر ہزار نور وظلمت کے پردے ہیں، پس حق تعالیٰ کے ﴿کمالات کے﴾ ظلال میں سے کسی ظل کے مظہر کو بے تحاشا حق تعالیٰ پر محمول کرنا بڑی بے ادبی اور دلیری ہے لیکن چونکہ غلبہ سکر و حال ہے اس لئے اسقدر مذموم نہیں، اس طرح دوسری توجیہ کے موافق بھی اپنے مشہود کو حق تعالیٰ کا عین جاننا اور اس اعتبار سے اس پر محمول کرنا بے ادبی بلکہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ وہ مشہود بھی حق تعالیٰ ﴿کے کمالات﴾ کا ظل ہے، حق تعالیٰ وراء الوراثم وراء الوراء ہے، نیز جو کچھ مشہود ہے وہ نفی کے لائق ہے، پھر وہ حق تعالیٰ کیسے ہوسکتا ہے، حضرت خواجہ نقشبندہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا سب حق تعالیٰ کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے، اس مسئلہ میں جو کچھ فقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس وتنزیہ کے مناسب ہے، وہ ہمہ از اوست ہے، ﴿مکتوب ۸۹ دفتر ۳﴾

کوئی شخص لفظ ظل کی وجہ سے وہم واشکال کا شکار نہ ہوجائے، آپ نے خود اسی مکتوب میں وضاحت فرمادی ہے کہ ظل شے سے مراد شے کا ظہور ہے'' قاضی ثناء اللہ مظہری لکھتے ہیں، اصطلاح صوفیہ میں یہاں ظل سے مراد سایہ نہیں جس سے کمال لطافت میں نقص کا وہم پیدا ہو بلکہ ظلال مخلوقات الٰہی میں سے ان لطیفوں کو کہا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے اسماوصفات سے پوری پوری مناسبت ہے اور وہ مخلوق تک اسماوصفات کا فیض پہنچانے کیلئے واسطہ ہوتے ہیں، انہی لطیفوں کے واسطوں کو آسانی کے ساتھ سمجھنے کیلئے ظلال کہا جاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سالک سکر و مدہوشی کے عالم میں ان لطیفوں کو ظلال سمجھ لیتا ہو، ﴿ارشاد الطالبین بحوالہ البینات ۱/۱۹۶ مطبوعہ گوجرانوالہ﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں، واجب تعالیٰ کا کیوں ظل ہو کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا وہم گزرتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کا کمال لطافت کے باعث ظل نہ تھا تو خدائے محمد کا ظل کس طرح ہوسکے، خارج میں بالذات وبالاستقلال حضرت ذات تعالیٰ اور

اس کی صفات حقیقۃً ہی موجود ہیں، باقی سب کچھ اس کی ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن و مخلوق و حادث ہے، کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں، مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا، ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾ آپ کا عقیدہ ہے:

''حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ اپنی تنزیہ وتقدیس پر ہے اور حدوث کے صفات اور نقص کے نشانات سے منزہ ومبرا ہے، اس درگاہ جل شانہٗ میں تغیر وتبدل کا دخل نہیں اور اس بارگاہ اعلیٰ میں اتصال و انفصال کی گنجائش نہیں وہاں حالیت ومحلیت کا تجویز کرنا کفر ہے اور اتحاد وعینیت کا حکم کرنا عین الحاد وزندقہ ہے، حق تعالیٰ کے خالص بندے اس بارگاہ میں خواہ کتنا وصل وقرب پیدا کریں پھر بھی جسمانی قرب اور جو ہرو عرض کے اتصال کی قسم سے نہیں ہوگا، وہاں قرب بھی بیچون ہے اور وصل بھی بیچون ہے، ان بزرگواروں کا کاروبار اس حضرت جل شانہٗ میں عالم بیچونی سے ہے، اور عالم چون کو عالم بیچون کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ وہ ممکن ہے اور یہ واجب، نیز چون زمان ومکان کی تنگی میں محدود ہے اور عالم بیچون اس تنگی سے آزاد اور زمان ومکان سے وراء الورا، ہاں عبارت وتعبیر کا میدان عالم چون میں وسیع ہے اور عالم بیچون میں تنگ وتاریک، کیونکہ وہ عبارت سے برتر اور اشارت سے بعید ہے،......ان اسرار سے متحقق ہونا کمال ایمان ہے لیکن بیچون کو چون کی عبارات میں تعبیر کرنا، عین کفر وزندقہ ہے، یہاں ''من عرف اللہ کل لسانہ'' جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان بند ہوگئی، پر عمل کرنا چاہئے'' ﴿مکتوب ۹۵ دفتر ۳﴾

ایک اور مقام پر آپ ارقام فرماتے ہیں:

اللہ کی حمد ہے جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا، وجوب اور وجود اگرچہ حق تعالیٰ کے کمال کی دو صفتیں ہیں لیکن حق تعالیٰ تمام اسما و صفات اور تمام شیون و

اعتبارات اور ظہور وبطون اور بروز وکمون اور تمام تجلیات وظہورات اور تمام مشاہدات و مکاشفات سے اور تمام محسوس و معقول اور تمام موہوم و متخیل سے وراء الوراثم وراء الوراہے'' ﴿مکتوب ادفتر ۲﴾

توحید وجودی کے دلائل کا جواب:

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کیلئے قرآن و حدیث کے دلائل کا سہارا بھی لیا ہے اور صوفیہ متقدمین کے مخصوص الفاظ سے بھی ثبوت پیش کئے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ ایمان بہ تنزیہ سب مومنوں کو حاصل ہے، عارف وہ ہے جو ایمان بہ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور خلق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے اور صانع کا صنع میں مطالعہ کرے، غرض صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا ان کے نزدیک نقص ہے اور کثرت کے بغیر وحدت کو مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک سراسر عیب ہے، یہ لوگ احدیت صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص خیال کرتے ہیں اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کرنے کو تحدید وتقید سمجھتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر اول کے مکتوب ۲۷۲ میں اس دعویٰ پر قائم ہونے والے جملہ دلائل کا بڑا شافی جواب ارشاد فرمایا ہے اور پھر اپنے جواب پر وارد ہونے والے اشکال کا بھی جواب دیا ہے، ہم آپ کے ذوق مطالعہ کیلئے اس مکتوب مبارک کا چیدہ چیدہ حصہ پیش کر دیتے ہیں تا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وعرفان اور فکر و وجدان کا شعور کامل نصیب ہو جائے:

......﴿1﴾......

''سبحان اللہ وبحمدہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت تنزیہ صرف کی طرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی کے ساتھ ناطق ہیں، انبیائے کرام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون وبیچگون ہے راہنمائی کرتے ہیں، کبھی کسی نے نہیں سنا کہ کسی پیغمبر نے ایمان تشبیہی کی طرف دعوت کی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور کہا ہو، تمام پیغمبر واجب الوجود کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا تمام

ارباب کی نفی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قل یااھلِ الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ........ اے رسول! اہل کتاب کو فرما دو کہ آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کیساتھ شریک بنائیں اور سوا اللہ کے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے، پس اگر وہ نہ مانیں تو فرما دو کہ تم گواہ رہو، ہم مسلمان ہیں''

......﴿2﴾......

''یہ لوگ بے نہایت اسباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب وسنت کو اپنے مطالب کیلئے بطریق شہادت پیش کرتے ہیں، مثلاً ''ھو الاول والاخر والظاھر والباطن'' یعنی اول وآخر وظاہر وباطن وہی ہے، ''ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمٰی'' نہیں مارا تو نے جب کہ مارا مگر اللہ تعالیٰ نے مارا ''ان الذین یبایعونک انمایبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم'' جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں' وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، ﴿سنت محبوب سے یہ دلیل فراہم کرتے ہیں﴾ ''اللھم انت الاول فلیس قبلک شی وانت الاخر فلیس بعدک شی وانت الظاھر فلیس فوقک شی وانت الباطن فلیس دونک شی'' اے اللہ تو ہی اول ہے، تیرے اول کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے سوا کوئی شے نہیں، اس میں ﴿ان کے مطالب کی﴾ کوئی شہادت نہیں کیونکہ ان عبارتوں میں کامل طور پر وجود ماسوا کے کمال کی نفی کا حصہ ہے نہ کہ اصل وجود کی نفی جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب'' نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کتاب کے ساتھ، اور فرمایا''

لا ایمان لمن لا امانتہٗ لہٗ ''جس کی امانت نہیں اس کا ایمان نہیں، کتاب وسنت میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، یہ توجیہ نصوص کی تاویل نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے بلکہ کمال بلاغت پر نصوص کو حمل کیا گیا ہے اور عرف میں جب کسی شخص کے امر رسالت کو ضروری اور مہتمم بالشان ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے ابلغ ہے اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے، اس کے قدر و اندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالک قادر کی التفات و توجہ مدنظر ہو تو اس وقت مالک کو لائق ہے کہ یہ کہدے کہ اس فعل کو میں نے ہی کیا ہے، یہ بات بھی نہ ہی اتحاد فعل پر اور نہ ہی اتحاد ذات پر دلالت کرتی ہے، حاشا وکلا کہ بندہ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو یا اس کی ذات کا عین بن جائے''

......﴿3﴾......

''ان لوگوں نے شاید انبیائے کرام علیہم السلام کے مذاق کو نہیں سمجھا، کیونکہ ان کی دعوت کا مدار اثنیت یعنی دوئی اور غیر کے وجود اور غیریت پر ہے، ان کی عبارتوں کو توحید واتحاد پر حمل کرنا بے ہودہ تکلف ہے، اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہوتے اور اس کے سوا کی عبادت اسی کی عبارت ہوتی جیسے کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے تو پھر انبیائے کرام مبالغہ اور تاکید کے ساتھ ان کی پرستش سے کیوں منع کرتے اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مترتب کرتے اور ان کے پجاریوں کو خدا کا دشمن کیوں کہتے، جب تک ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع نہ بخشیں عینیت کی دید جو جہالت سے ان میں پیدا ہوگئی ہے دور نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی عبادت کو حق تعالیٰ کے غیر کی عبادت جانتے ہیں''

......﴿4﴾......

''ان لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ پیغمبروں نے عوام لوگوں کے قصور فہم کے باعث توحید وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر و غیرت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے، ﴿یاد رہے کہ﴾ یہ بات شیعہ کے تقیہ کی طرح سننے کے قابل نہیں ہے کیونکہ انبیائے کرام جو کچھ واقعی اور نفس الامر ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں، جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کا غیر کچھ موجود نہ ہو تو مناسب نہیں کہ اس کو چھپا کر نفس الامر کے خلاف ظاہر کریں خاص کر وہ احکام جو واجب الوجود کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار اور اعلان کے زیادہ حقدار ہیں، کوتاہ نظر خواہ اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں، کیا نہیں دیکھتے کہ قرآن کی آیات متشابہات یا احادیث متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں، ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کے مانع ہوئی''

......﴿5﴾......

''یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور ماسوا کی عبادت سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے موحد کہتے ہیں اگرچہ ہزار بت کی عبادت کرے، اس خیال سے کہ سب حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ کی عبادت ہے، انصاف کرنا چاہیئے کہ ان دونوں گروہوں میں سے مشرک کون ہے؟ انبیائے کرام نے وحدت وجود کی طرف دعوت نہیں کی ہے اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت ''وحدت معبود'' کی طرف ہے اور انہوں نے ماسوا کی عبادت کو شرک کہا ہے۔''

﴿6﴾

''اگر صوفیہ وجودیہ ماسوا کو غیریت کے طریق پر نہ بھی جانیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے کیونکہ ماسوا، ماسوا ہی جانیں یا نہ جانیں، ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق تعالیٰ کا عین نہیں جانتے اور عینیت سے کنارہ کرتے ہیں اور عینیت کے قائلوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں، شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تابعداروں کے ساتھ انکار کرتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں، ساتھ ہی یہ لوگ عالم کو حق تعالیٰ کا غیر بھی نہیں جانتے، گویا نہ ہی عین اور نہ ہی غیر جانتے ہیں، یہ بات بھی ثواب سے دور ہے، الاثنان متغائران، دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں، قضیہ مقررہ ہے، اثنیت کا منکر درجہ عقل کا مخالف ہے، ہاں متکلمین نے صفات واجبی جل سلطانہ کے بارے میں ''لا ھو ولا غیر ھو'' کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد رکھ کر اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم انفکاک یعنی الگ ہونا جائز ہے، کیونکہ واجب تعالیٰ کی صفات حضرت ذات سے الگ نہیں ہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے درمیان انفکاک یعنی الگ ہونا جائز متصور ہو سکتا ہے پس ''لاھو ولا غیر ھو'' صفات قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے، کان اللہ ولم یکن معه شی، اللہ ہی تھا اور اسکے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی، پس عالم کی غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دور ہے، ان لوگوں نے اپنی نارسائی کے باعث عالم کو صفات قدیمہ کی طرح سمجھ کر اس کے مخصوص حکم کو اس جگہ اطلاق کیا ہے، یہ لوگ جب عینیت عالم کی نفی کے قائل ہوئے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ غیریت عالم کے قائل ہوں اور توحید وجودی والوں کے زمرے سے نکل آئیں اور عالم کے متعدد وجودوں کے قائل ہو جائیں، توحید وجودی میں عین کہنے سے چارہ نہیں جیسے شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تابعین نے

کہا ہے اور عین کہنا ان معنوں کے لحاظ سے نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے، حاشا وکلا ان معنوں کے اعتبار سے ہے کہ عالم معدوم ہے اور حق تعالیٰ کا وجود واجب ہے جیسے کہ اس فقیر نے اپنے رسالوں میں اس امر کی تحقیق کی ہے''

……﴿7﴾……

''صوفیہ وجودیہ، دو وجود کے کہنے والے کو جو مشرک کہتے ہیں وہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ''دوبین'' ہے اور دوبین طریقت کا مشرک ہے، ''دوبینی'' جو طریقت کا شرک ہے، توحید شہودی سے دفع ہو جاتا ہے، توحید وجودی اس مقام میں کچھ درکار نہیں کیونکہ سالک کا مشہود وملحوظ ایک ذات مقدس کے سوا اور کوئی امر نہیں ہے تاکہ فنا متحقق ہو اور طریقت کا شرک دور ہو جائے، دن میں جو آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے، دوبینی کا دفعیہ حاصل ہے اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوں مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہو، خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود، بلکہ میں کہتا ہوں کہ کمال اس صورت میں ہے کہ اشیا موجود ہوں اور سالک کمال فنا کے باعث جو اپنے مطلوب حقیقی سے رکھتا ہے، کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اسکے دیدہ بصیرت میں نہ آئے، اگر اشیا موجود نہ ہوں تو فنا کس سے متحقق ہوگی اور فانی کس سے ہوگا اور کس کو فراموش کرے گا''۔

……﴿8﴾……

''اول جس شخص نے توحید وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان سے گذشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید وجودی کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر حمل کے قابل ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے غیر کو جب نہیں دیکھتے تو بعض دیکھتے ہیں، لیس فی جبتی سوا اللہ، میرے جبہ میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں اور بعض، سبحانی ما اعظم شانی، کی

ندا پکارا ٹھتے ہیں اور بعض ''لیس فی الدار غیرہ دیار''، گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے، کا آوازہ لگاتے ہیں، یہ سب پھول ایک ہی یک بنی کی شاخ سے کھلے ہیں، ان عبارتوں میں کوئی بھی وحدۃ الوجود پر دلالت نہیں کرتی''

......﴿9﴾......

''غرض فنا و بقا اور ولایت کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کیلئے توحید وجودی کچھ درکار نہیں ہے، توحید شہودی حاصل ہونی چاہئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوا کا نسیان حاصل ہو جائے، ہوسکتا ہے کہ کوئی سالک ابتدا سے انتہا تک سیر کر جائے اور توحید وجودی کے علوم و معارف سے کوئی بھی اس پر ظاہر نہ ہو بلکہ نزدیک ہے کہ ان علوم سے انکار کر دے، فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستہ سے زیادہ قریب ہے جو ظہور کو متضمن ہے، اس راہ کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچے ہیں اور اکثر راہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا سے قطرہ کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں اور اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور وصل سے محروم رہتے ہیں، یہ امر تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے، اس فقیر کو اگرچہ راہ ثانی سے سلوک میسر ہوا ہے اور توحید وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوئی اور سیر محبوبی کے ساتھ راستے کے جنگلوں اور میدانوں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کروایا اور کمال کرم کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ایک اور راہ ہے جو وصول کے زیادہ قریب اور حصول میں زیادہ آسان ہے''

﴿10﴾

''سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگرچہ موجودات متعددہ ہوں

اور حق تعالیٰ کا ماسوا بھی موجود ہو تو پھر بھی ہوسکتا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے نہ یہ کہ ماسوا معدوم و ناچیز ہو جائے، یہ بات باوجود ظہور کے اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے پھر عوام کا کیا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے توحید شہودی کو عین وجودی خیال کر کے وحدت وجود کی معرفت کو راستہ کی شرط جانا ہے اور دو وجود کہنے والے کو ضال اور مضل سمجھا اور کثرت کے آئینوں میں وحدت کے مشاہدہ کو انجام کار تصور کیا ہے، ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر ﷺ کمالات نبوت حاصل ہونے کے بعد شہود وحدت در کثرت کے مقام میں رہے اور آیت کریمہ ''انا اعطینک الکوثر'' سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسکا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ تحقیق ہم نے تجھے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ دیا، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واؤ کے درمیان آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے، یہ اشارات سمجھے ہیں، حاشا و کلا اس قسم کے معارف مقام نبوت کے لائق ہوں کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام خدائے بیچون جل شانہ کی طرف دعوت کرتے رہے ہیں اور جو چیز چون کے آئینوں میں گنجائش رکھتی ہے وہ بیچونی سے بے نصیب ہے اور چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے، حضرت حق تعالیٰ ان کو انصاف دے شاید یہ لوگ انبیا کرام کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں ''کبرت کلمة تخرج من افواههم'' ۔

چو آں کرمے کہ درسنگ نہاں است
زمین و آسمان او جہاں است

حضور اکرم ﷺ کی امت میں سے یہ کمینہ اور عاجز اس قسم کی معرفت سے جو اول اول حاصل ہوئی تھی، ندامت و استغفار کرتا ہے اور اس شہود کو نصاریٰ کے حلول کی طرح اس پاک جناب سے نفی کرتا ہے، حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا

گیا سب اس کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اسکی نفی کرنی چاہئے،
پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے، اس پاک
بارگاہ سے منتفی اور دور ہے''

......﴿11﴾......

حضرت خواجہ نقشبندہ قدس سرہٗ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکال دیا ہے اور مشاہدہ اور معائنہ کی گرفتاری سے نجات بخشی ہے، میرے اسباب کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے، میں صرف ایک ہی بات سے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کا مرید اور حلقہ بگوش ہوں اور واقعی اولیا میں سے شاید ہی کسی نے اس طرح کی عبارت بیان کی ہو اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طرح نفی کی ہو، اس مقام میں آپ کے اس سخن کی حقیقت کو جہاں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت بہاء الدین پر حرام ہے اگر اس کی ابتدا بایزید کی انتہا نہ ہو، ڈھونڈنی چاہئے کیونکہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ باوجود اس بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور سبحانی ما اعظم شانی کے تنگ کوچے سے قدم باہر نہیں رکھا، برخلاف ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کے جنھوں نے ایک ہی کلمہ لا سے ان کے تمام مشاہدات کی نفی فرمادی اور سب کو حق تعالیٰ کا غیر ثابت کر دیا، حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی تنزیہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے نزدیک تشبیہ ہے، ان کا بیچون ان کے نزدیک چون اور کمال نقص ہے، ناچار ان کی انتہا جو تشبیہ سے آگے ہیں، حضرت خواجہ کی ابتدا ہوگی کیونکہ بدایت تشبیہ سے ہے اور نہایت تنزیہ کے ساتھ، مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر حال میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اس نقص پر اطلاع بخشی گئی کہ موت کے وقت اس طرح کہتے تھے، میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے، انہوں نے اپنے پہلے حضور کو غفلت جانا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ﴿ کمالات

کے ﴿ظلال میں سے ایک ظل کا حضور تھا اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور ﴿کا حضور﴾ تھا پس ناچار حق تعالیٰ سے غافل رہے، حق تعالیٰ وراء الورا ہے، ظلال وظہورات سب کے سب اس کے مبادی اور مقدمات اور معارج اور معدات ہیں اور جو حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں واقع کے موافق ہے کیونکہ ابتدا ہی سے ان کی توجہ احدیت صرف پر ہے اور وہ اسم وصفت سے ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے''

......﴿12﴾......

''فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق تعالیٰ کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع خیال کرتی ہے، وہ حق تعالیٰ کا شہود نہیں ہے، ان ﴿آئینوں﴾ میں اس کا شہود ان کا خیالی اور من گھڑت امر ہے، کیونکہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب نہیں ہے، اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات یعنی بے ہودہ باتوں پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے اور حق تعالیٰ کے غیر کو حق تعالیٰ نہ جاننا چاہئے، مانا کہ یہ لوگ خطا کار مجتہد کی طرح معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ معلوم نہیں کس طرح معاملہ کریں گے، کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے۔''

......﴿13﴾......

''عجب معاملہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے مدعی اسی شہود اور مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس اثنا میں رویت بصری کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہ کی ذات کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں جو دولت ہمارے پیغمبر ﷺ کو شب

معراج حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جوان کو دیکھنے میں آتا ہے اسکو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کہنی خیال کرتے ہیں اور مراتب عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں "تعالیٰ سبحانه عمایقول الظالمون علواً کبیراً" اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی بات سے بہت بلند اور بڑا ہے، نیز حق تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ و کلام ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے............

یہ لوگ اس نور مرئی کو عین حق تعالیٰ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں نہ یہ کہ اس کے ﴿کمالات کے﴾ ظہورات میں سے کوئی ظہور یا ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہیں، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات کہنا محض افترا اور صاف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کیلئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا"

......﴿14﴾......

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب رویت کے بعد لن ترانی کا زخم کھایا اور بے ہوش پڑ گئے اور اس طلب سے تائب ہوئے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو رب العالمین کے محبوب ہیں اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں، باوجود اس کے کہ معراج بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گزر کہ مکان و زمان سے بھی اوپر چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے حضور اکرم ﷺ کی رویت میں علما کا اختلاف ہے، اکثر علما حضور اکرم ﷺ کی عدم رویت کے قائل ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، صحیح یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا ہے، یہ بے سروسامان اپنے خیال باطل میں ہر روز خدا کو دیکھتے ہیں حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے

ایک دیدار میں بھی علما کی قیل وقال ہے، یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بتایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رویت بصری میں بھی علما کا اختلاف ہے تو ان صوفیہ کو کیسے ہر روز خدا تعالیٰ کا دیدار میسر ہوتا ہے، جہاں تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا حضور اکرم ﷺ کی رویت بصری کے متعلق اپنا عقیدہ ہے تو آپ اس کا انکار نہیں فرماتے بلکہ وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں ''آنحضرت ﷺ کو معراج کی رات جسد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا سیر کرائی، جنت دوزخ آپ کے سامنے پیش کئے گئے اور ان کی طرف وحی بھیجی گئی جیسے کہ حق تھا اور اس وقت رویت بصری سے مشرف ہوئے اور اس قسم کا معراج حضور اکرم ﷺ کیلئے مخصوص ہے، ﴿مکتوب ۱۳۵ دفتر ۱﴾ یہی جمہور کا عقیدہ ہے۔

......﴿15﴾......

''جاننا چاہئے کہ وہ وجود جو ممکنات میں ہم ثابت کرتے ہیں تمام صفات کی طرح ایک ضعیف وجود ہے، ممکن کے علم کا واجب کے علم کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے اور قدرت قدیمہ کے مقابلہ میں قدرت حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے ایسے ہی ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں لاشے محض ہے، یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے تفاوت کے باعث شک میں پڑ جائے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کے طور پر ہے یا کہ وجود کا اطلاق ایک فرد پر بطریق حقیقت ہے اور دوسرے فرد پر بطریق مجاز، کیا نہیں جانتے کہ صوفیہ میں سے بعض لوگوں نے شق ثانی پر یقین کیا ہے اور ممکن کے وجود پر جود کا اطلاق کرنا تجویز کے طور پر سمجھا ہے اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتے مگر عوام یا اخص خواص، اخص سے مراد انبیا کرام اور ان کی امتوں میں سے وہ لوگ ہیں جو ان کی ولایت اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرہ ظلال کو پورے طور پر طے کر چکے ہیں، عوام ظاہر بین ہیں جو واجب تعالیٰ کے

وجوداور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں، اخص خواص تیز نظر والے ہیں جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد جانتے ہیں اور افراد وجود کے مراتب کے تفاوت کو وجود کے صفات اور اعتبارات کی طرف راجح کرتے ہیں نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تا کہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز اور گروہ متوسطین جو عوام کے رتبہ سے قدم بڑھ کر رکھتے ہیں اور اخص خواص کے کمالات سے کوتاہ دست ہیں، مشکل ہے کہ ممکنات کے وجود کے قائل ہوں اور ممکن کے وجود پر بطریق حقیقت وجود کا اطلاق کریں، یہی وجہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ممکن کو اس علاقہ سے موجود کہتے ہیں کہ وجود کے ساتھ اسکی نسبت ہے نہ یہ کہ وجود اس کے ساتھ قائم ہے تا کہ حقیقت کے طور پر موجود ہو، اس گروہ میں سے بعض لوگ ممکن کے وجود سے ساکت وخاموش ہیں اور نفی واثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے اور بعض ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور واجب تعالیٰ کے سوا اور کسی کو موجود نہیں جانتے، ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جیسے کہ وجود عین نہیں جانتے، وجود کا غیر بھی نہیں جانتے، اور ان میں سے ایک گروہ نے اس طرح تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ موجود ہے اس وجود کے ساتھ ممکن بھی موجود ہے، اس عبارت سے بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتے ہیں، غرض ممکن کا وجود ثابت کرنے کیلئے بڑی تیز نظر ہونی چاہئے تا کہ واجب تعالیٰ کے نور کی روشنی میں اس کو دیکھ سکیں، تیز نظر والے لوگ دن میں آفتاب کی روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھتے ہیں اور جن کی نظر تیز نہیں ہوتی وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے، پس ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کے وجود کی طرح ہے کہ جو تیز نظر والا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اور جو کمزور نظر والا ہے اس دید سے بے نصیب ہے'' .

توحید شہودی کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بہت سے لطیف نکات بیان کئے ہیں اور ان کو جابجا قرآن وحدیث اور صوفیہ مستقیم الاحوال کے اقوال

سے مبرہن فرمایا ہے، یہ موضوع مکتوبات شریفہ کے مرکزی موضوعات میں سے ہے لہذا اہل ذوق کو ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے، ہم تو یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے نظریہ وحدۃ الشہود کے تفصیلی مباحث کے ذریعے فکری اور عرفانی اجتہاد کی اساس فراہم کی جس کی برکتوں سے رحمان اور رام، مسجد اور مندر، کعبہ اور کلیسا، مومن اور مشرک، مسلم اور کافر میں فرق واضح ہوگیا، ہندوؤں کی تاریخ شاہد ہے کہ جتنی بھی بیرونی قومیں یا دوسرے نظریے اس سرزمین میں وارد ہوئے، ہندوستان نے سب کو اپنی قومیت اور نظریت میں مدغم کرلیا، ایک اسلام تھا جس نے مسلمان بادشاہوں کی صلح کلی، سیاست طرازی اور نام نہاد رواداری کے باوجود اپنا تشخص برقرار رکھا تھا، ہزاروں اصنام اور اوثان کے دیس میں خدائے واحد کی توحید کا پرچم لہرایا تھا، صدیوں کے بعد بھی اس کی تعلیمات و فیوضات کو شرک سے آلودہ نہیں کیا جاسکا تھا، اب اکبر اعظم اور اسکے زیر سرپرستی پلنے والے صوفیہ خام اور ہندی راہنماؤں کی بدولت رحمان اور رام کو ملانے کی سازش تیار ہوئی تو تمام مخلوقات حتیٰ کہ اصنام و اوثان کو بھی حق تعالیٰ کے وجود مطلق کا مظہر کامل ٹھہرایا گیا اور ان کی کثرت میں واحد مطلق کی وحدت مشاہدہ کی گئی، الحاد کا نام توحید رکھ لیا گیا اور ہندوؤں جیسی مشرک قوم کو بھی بت فروشی اور بت پرستی کا جواز فراہم کر دیا گیا کہ تم جو مندروں میں رام چندر، سیتا اور کالی دیوی کے اصنام کو پوجتے ہو تو دراصل ان میں بھی خدا تعالیٰ موجود ہے، اس طرح تم بھی وحدت پرست ہو، اسی نظریے کی روشنی میں کفار عرب کے عزیٰ، لات اور منات بھی خدا کے مظہر کامل ٹھہرتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت و رسالت کا مقصد وحید تاریخ کے دھندلکوں میں چھپ جاتا ہے ﴿معاذ اللہ﴾ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ان تمام تصورات باطلہ کو صحیح اسلامی تصوف اور اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں بیک جنبش قلم نقش برآب کر دیا، آپ واقعی برہان ولایت محمدیہ اور حجت شریعت مصطفویہ ہیں، شیخ الاسلام والمسلمین اور آیۃ اللہ فی الارضین ہیں ۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

18/18

اللہ نور السمٰوات والارض:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرۂ النورانی کو فکر وسیع کی دولت سے مالا مال فرمایا جس کی بدولت آپ قرآن وحدیث کے بحر ناپیدا کنار سے انوکھے موتی تلاش کرتے رہے، قرآن مجید کی بہت مشہور آیت مبارکہ ہے:

"اللہ نور السمٰوات والارض مثل نورہٖ کمشکوۃ فیھا مصباح ط المصباح فی الزجاجۃ ط الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور" اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چراغدان ہو اور اس کے اندر چراغ ہو اور چراغ ایک شیشے میں ہو، وہ شیشہ گویا ایک چمکدار ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو، نہ شرقی ہو، نہ غربی اور اس کا تیل آگ کے بغیر ہی روشنی دیتا ہو اور بہت ہی روشن ہو، ﴿سورۃ النور آیت ۳۵﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرۂ اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس کی تفسیر کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں تمثیل کو اسی واسطے اختیار کیا ہے تاکہ ان میں اس نور کے ظہور کو بلا واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل سے مشتبہ نہ کریں اور نور ظل کو نور اصل سے مقتبس اور روشن ہوا ہوا خیال کریں "یھدی اللہ لنورہ من یشاء" اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے لیکن ہم اس کی تاویل کرتے ہیں جو ہم پر کشف ہوئی ہے، یہ بیان اللہ تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق ہی سے ہے "اللہ نور السمٰوات والارض" اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، نور وہ ہے جس سے چیزیں روشن ہوتی ہیں آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہوئے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے ان کو عدم کے اندھیرے سے نکالا ہے اور وجود اور اس کے توابع کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے، آسمانوں اور زمین کو جو اس نور سے روشن ہوئے ہیں مشکوٰۃ کی طرح تصور کرنا چاہئے اور اس نور کو چراغ کی مانند جاننا چاہئے جو مشکوٰۃ میں رکھا ہوا ہے، مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا آنا مصباح پر مشکوٰۃ کے شامل ہونے کیلئے ہے اور

زجاجہ سے اسماو صفات کا پردہ ملاحظہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہ نور اسماو صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شیون واعتبارات سے معرانہیں، اور حق تعالیٰ کی صفات کا زجاجہ حسن وجوب اور جمال قدم میں ستارہ روشن کی طرح ہے اور وہ مصباح جو اس مشکوٰۃ میں رکھا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے جو عرش کے اس ظہور جامع سے مراد ہے جس ظہور کی رمزوں میں سے استوا ایک رمز ہے کیونکہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمینوں سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کے اجزا کی طرح ہیں، وہ ظہور جامع چونکہ لامکانی اور بے جہت ہے اس واسطے اسکو، لاشرقية ولا غربية، کہہ سکتے ہیں، یکاد زیتها............ میں اس مبارک درخت کی تعریف اور درخت کے تیل کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے جس کے ساتھ اس کو تمثیل دی گئی ہے، نور علیٰ نور یعنی اس پر وہ زجاجہ نے اپنی صفائی اور چمک دمک کے باعث اس نور کو زیادہ کر دیا ہے اور اس کے حسن و جمال کر بڑھا دیا ہے، کیونکہ کمالات صفات، کمالات ذات کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں اور صفات کا حسن ذات کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے، باجود نور کی زیادتی اور کمال ظہور کے، یھدی الله لنوره...... جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے، ہاں سچ ہے، جس کو اللہ نے نور نہیں دیا اس کیلئے نور نہیں، یہ ظہور جامع جو عرش سے منسوب ہے تمام مشاہدات و معائنات و مکاشفات کا منتہا اور تمام تجلیات وظہورات کا انتہا ہے، خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ تجلی صفاتی، اس کے بعد معاملہ جہل کے ساتھ آ پڑتا ہے، یہ ظہور جامع اگرچہ صفات کے ساتھ ملا ہوا ہے لیکن صفات اس مقام میں ذات کا حجاب نہیں ہیں،

صفات کا ذات کیلئے حجاب ہونا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں اور ظہور اصل مقام عین میں، علم میں صفات ذات کا حجاب ہیں نہ عین میں مثلاً زید کو جب مرتبہ علم میں تعقل وتصور کرے تو اس کا ظہور علم میں صفات کے ساتھ ہوگا، یعنی دراز قد ہے یا پست قد، عالم ہے یا جاہل، چھوٹا ہے یا بڑا، شاعر ہے یا کاتب، یہ سب صفات جن کا تو نے تصور کیا اسکی ذات کا حجاب ہوں گے اور یہ سب تقیدات کلیہ اس کے تشخص کیلئے مفید نہ ہوں گے لیکن جب زید علم سے عین میں آجائے گا اور باوجود صفات کے مشہود ہو جائے گا اور معاملہ ظلیت سے اصالت تک پہنچ جائے گا کیونکہ زید

کی علمی صورت زید موجود خارجی کیلئے جو اس کا اصل ہے ظل کی طرح ہے تو یہاں صفات اس کی ذات کا حجاب نہ ہوں گے، صفات کا جامع شخص محسوس ہوگا، اسی طرح مراتب ظلال اور تصورات مثال میں حق تعالیٰ کے صفات اسکی ذات سے جدا دکھائی دیتے ہیں لیکن جب اصل تک وصول میسر ہو جائے تو صفات کو ذات سے الگ نہ پائیں گے اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے الگ نہ ہوگا، تجلی صفات کو جو تجلی ذات سے جدا کرتے ہیں اور تجلی افعال کو الگ جانتے ہیں سب مقامات ظلال میں ہے، اصل تک وصول کے بعد ایک ہی تجلی ہے جو تجلیات ثلاثہ کو شامل ہے، مثلاً زید کو جب دیکھتے ہیں تو اس کی ذات کا شہود اسکی صفات کے شہود سے جدا نہیں، اسی وقت میں کہ جب زید کو دیکھتے ہیں، معلوم کرتے ہیں کہ وہ عالم و فاضل ہے، علم و فضل جس طرح اس کی رویت کا حجاب نہیں، اسی طرح اس سے جدا بھی نہیں، ہاں اگر زید کو تصور کریں اور ظلی صورتوں میں اس کا ادراک کریں تو اس صورت میں صفات اسکی ذات سے الگ ہوں گے اور ذات کا حجاب بن جائیں گے جیسے کہ گزر چکا ہے، کیا نہیں جانتے کہ آخرت میں مرئی وہ ذات ہے جو جامع صفات ہے نہ کہ وہ ذات جو اسما و صفات سے معرا ہے کیونکہ وہ مجرد اعتبار ہی اعتبار ہے اسلئے کہ ذات ہرگز صفات سے مجرد نہیں اور صفات ذات سے ہرگز الگ نہیں ہیں، الگ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ عارف پر جب حق تعالیٰ کی ذات کی گرفتاری غالب آجاتی ہے تو اس کی نظر سے اسما و صفات کا ملاحظہ ساقط ہو جاتا ہے اور ذات احدیت کے سوا اس کے مشاہدے میں کچھ نہیں آتا، پس ذات کا صفات سے الگ ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہے نہ کہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے، نیز یہ ظہور جامع مثال کی تصویروں کا منتہا ہے بعد ازاں جو کمال ظاہر ہوتا ہے مثال کے آئینے میں اس کی تصویر نہیں پاسکتے کیونکہ مثال میں اس امر کی تصویر دکھاتے ہیں جو خارج کے ساتھ مشابہت و مناسبت رکھتا ہو اگرچہ وہ مشابہت اسم میں ہو، لیکن وہ امر جو خارج میں کسی چیز کے ساتھ کسی طرح مشابہت نہیں رکھتا اسکی تصویر مثال میں محال ہے، اس سے اوپر کے کمالات سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ کسی چیز کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں تاکہ مثال میں ان کی تصویر ظاہر کی جائے، یہی وجہ ہے کہ اس مقام میں ہر وقت جہل دامنگیر ہے اور ادراک نہ ہونا ادراک کا نشان ہے اگرچہ اس جہان میں اس مقام سے

سوائے جہل یا علم کے اور کوئی امر حاصل نہیں ہوا لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت بخشیں گے اور ایسا دل دیں گے جو نور کی چمک میں متلاشی اور ناچیز نہ ہوگا اور معاملہ اصلیت سے آگاہ ہوگا۔

تو مرا دل دہ دلیری بہ بیں
روبہ خویش خوان و شیری بہ بیں

آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تمہیں وہم میں نہ ڈال دے کہ حضرت حق سبحانہ کا مقام وقرار عرش کے اوپر ہے اور جہت و مکان اس کیلئے ثابت ہے "**تعالیٰ عن ذالک عما لا یلیق بجناب قدسہ تعالیٰ**" آئینہ میں زید کی صورت کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید آئینے میں ٹھہرا ہوا ہے، ایسا وہم شاید کسی بے وقوف ہی کو ہوگا "**وللہ المثل الاعلیٰ**" اعلیٰ مثال اللہ ہی کیلئے ہے، مومن آخرت میں حق تعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے حالانکہ بہشت اور غیر بہشت سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اور اسی کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کوہ طور پر واقع ہوئی تھی حالیت ومحلیت کی آمیزش سے پاک تھی، حاصل کلام یہ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں اور بعض میں یہ قابلیت نہیں ہوتی، آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور گھوڑوں کی نعل میں یہ قابلیت نہیں حالانکہ یہ دونوں لوہے سے بنے ہیں، پس فرق مظہر میں ہے نہ ظاہر میں، ظاہر یعنی ظہور کرنے والے کی نسبت سب مظہر برابر ہیں، قابل اور ناقابل بھی اور ایسے ہی وہ الفاظ جن سے کلیت یا جزیت اور حالیت ومحلیت کا وہم پایا جاتا ہے وہ ظاہر سے معروف اور تاویل کے لائق ہیں، ایسے الفاظ حق تعالیٰ کی بارگاہ کے مناسب نہیں، عبارت کی تنگی کے باعث اس قسم کے الفاظ کو اختیار کیا جاتا ہے۔

﴿مکتوبات، مکتوب ۱۱ دفتر ۲ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور﴾

ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خدا است
نہ جزو نہ کل نہ ظرف نہ مظروف است

قلب انسانی اور عرش رحمانی کا موازنہ:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی نے انسان کے قلب اور رحمان کے عرش کے درمیان اسرار ومعارف سے لبریز موازنہ پیش کیا ہے جس کی نظیر آپ سے قبل

کسی عارف باللہ کے کلام میں نہیں پائی جاتی ، آپ کا یہ کلام بھی آپ کے اجتہادی فکرو عرفان کا منہ بولتا ثبوت ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں: ''چونکہ قلب عالم صغیر کا عرش ہے اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہ ہے، جہاں کی تجلی میں ظلیت کی آمیزش نہیں ، اس لئے اس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی کا ایک لمعہ اس قلب کا حصہ ہے اگر چہ آسمانوں اور زمینوں کو بھی اسی تجلی کی چمک پہنچی ہے لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے، سوائے قلب کے جو عرش کی طرح ظلیت کی ملاوٹ سے پاک ہے اگر چہ ظہور چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہے ۔

بقدر آئینہ حسن توئی نماید او

ترجمہ: بقدر آئینہ پاتا ہے تیرا حسن ظہور

پس ظلیت کی آمیزش سے خالی تجلی عرش مجید کے بعد کاملین کے قلب کا حصہ ہے، دوسروں کیلئے ظلیت دامنگیر ہے، جاننا چاہئے کہ ظہور عرشی اگر چہ ظلیت کی آمیزش سے پاک ہے لیکن وہاں صفات ذات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور شیون و اعتبارات ذات میں ثابت ہیں اگر چہ صفات و شیون اس مرتبہ میں ذات کا حجاب نہیں ہیں لیکن دید و دانش میں مشارکت اور محبت و گرفتاری میں برابر مشترک ہیں، احدیت مجردہ کی محبت کے گرفتار کسی امر کی شرکت پر راضی نہیں ہیں، الا للہ الدین الخالص ، دین خالص اللہ ہی کیلئے ہے، کے موافق دین خالص کو چاہتے ہیں، صفات کا شریک نہ کرنا انسان کی ہیت وحدانی اور انسان کے جزء ارضی کے نصیب ہے، ان سب سے بڑھ کر ایک اور انسان کی ہیت وحدانی ہے جس نے اس کے جزء ارضی کا رنگ اور اسی کا حکم اختیار کر لیا ہے، غرض اس معاملہ میں عمدہ اور بہتر جزء ارضی ہے، دوسرے امور زائدہ تحسین و خوبی کی طرح ہیں، انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عرش مجید میں نہیں ہیں اور نہ ہی عالم کبیر کو ان کا کچھ حصہ ملا ہے، انسان میں ایک جزء ارضی ہے، جو عرش میں نہیں اور دوسری ہیت وحدانی ہے جو عالم کبیر میں نہیں اور وہ شعور جو ہیت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے نور علیٰ نور ہے جو عالم صغیر کے ساتھ مخصوص ہے پس انسان ایک عجوبہ ہے جس نے خلافت کی لیاقت پیدا کر لی ہے اور بار امانت اٹھالیا ہے، انسان کی عجیب و غریب خصوصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا

معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت احدیت مجردہ کا آئینہ بننے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے اور صفات وشیونات کے ملنے کے بغیر ذات احد کا مظہر بن جاتا ہے حالانکہ ذات تعالیٰ ہر وقت صفات وشیونات کی جامع ہے اور صفات وشیونات کسی وقت بھی ذات تعالیٰ سے الگ نہیں ہیں، اس کا بیان یہ ہے کہ جب انسان کامل ذات احدیت کے ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ذات احدیت سے گرفتاری حاصل کر لیتا ہے اور صفات و شیونات سے کچھ بھی اس کے ملحوظ ومنظور اور مقصود ومطلوب نہیں ہوتا ہے تو المرء مع من احب کے موافق اس کو حضرت احدیت مجردہ کے ساتھ ایک قسم کا مجہول الکیفیت اتصال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گرفتاری جو ذات احدیت کے ساتھ اس کو حاصل ہوتی ہے ذاتِ بیچون کے ساتھ قرب بیچون کی نسبت اس میں ثابت کر دیتی ہے، اس وقت انسان کامل ذات احد کا اس قسم کا آئینہ بن جاتا ہے کہ اس میں صفات وشیونات کچھ شہود اور مرئی نہیں ہوتیں بلکہ احدیت مجردہ اس میں ظاہر وجلوہ گر ہوتی ہے، سبحان اللہ العظیم، وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہ تھی، اس انسان کامل کے آئینہ میں مجرد اور تنہا طور پر ظاہر اور متجلی ہو گئی اور حسن ذاتی حسن صفاتی سے الگ ہو گیا، حضرت ذات صفات وشیونات کی آمیزش کے بغیر انسان کے سوا اور کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوئی، عالم کبیر میں عرش مجید حضرت ذات مستجمع الصفات کا مظہر ہے اور عالم صغیر میں انسان کامل ذات احد کا مظہر ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے، اس قسم کا آئینہ اور مظہر بننا انسان کی نہایت عجوبہ باتوں میں سے ہے، واللہ سبحانہ المعطی لا مانع لما اعطاہ و لا معطی لما منعہ، اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے جس کو وہ کچھ عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روک لے اس کو کوئی دے نہیں سکتا، ﴿مکتوب ۱۱ دفتر ۲﴾

فرشتے اور انسان میں امتیاز:

انسان ایک عجوبہ روزگار ہے، خلاق عظیم نے ایسے ہی تو نہیں فرمایا، بے شک ہم نے انسان کو احسن تقویم بنایا ہے، پھر اسے خلافت ارضی کا سزاوار بنا کر جملہ مخلوقات پر تاجداری کا شرف عطا فرمایا ؎

قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرشتے اور انسان کے مقام میں عجیب قسم کے معارف بیان فرمائے ہیں جو آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کی گواہی دیتے ہیں اور آپ کی بیمثال باریک بینی کا خوبصورت نتیجہ ہیں، فرماتے ہیں:

''فرشتے اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں، ظلیت کی آمیزش ان کے حق میں مفقود ہے، انسان بیچارہ اس جہان میں دائرہ ظلیت سے بمشکل قدم باہر نکال سکتا ہے اور انفسی و آفاقی آئینوں کے وسیلہ کے بغیر شہود دائمی بمشکل حاصل کر سکتا ہے، اصل تک پہنچنے کے بعد اصل کے انوار کی شعاعوں کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ کر کے پھر اس کو عالم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالے کر دیتے ہیں، اس رجوع میں اسکی اپنی بھی تربیت ہے اور دوسروں کی بھی کیونکہ اصلی انوار کا وہ پرتو جو اس کی جزء کی طرح بنایا گیا ہے رجوع کی مدت میں دوسرے اجزا کو بھی اپنے رنگ پر لے آتا ہے اور اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال تک لے آتا ہے اور غیب سے شہادت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جب اس کی دعوت اور رجوع کی مدت تمام ہو جاتی ہے اور کتاب وقت مقرر تک پہنچ جاتی ہے تو اس کو اپنے اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی ندا اس سے نکلتی ہے اور مختلف تعلقات سے آزاد ہو کر غیب سے شہادت کی طرف اسباب لے جاتا ہے اور گوش سے آغوش تک معاملہ آ جاتا ہے، **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب**، موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے، اس وقت صادق آتا ہے، جاننا چاہئے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہد ہے اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جزء کی طرح بنایا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کو بقا بخشتا ہے اور اس کے ساتھ متحقق ہوا ہے برخلاف فرشتہ کے کہ اس دولت کو اسمیں جزء کی طرح نہیں بنایا گیا، وہ باہر ہی سے نظارہ کرتا ہے اور بقا و تحقق اس کے ساتھ حاصل نہیں کرتا، یہ انصباغ و تلون جو انسان کو اصلی رنگ سے میسر ہوا ہے فرشتہ نہیں رکھتا اور وہ خصوصیت جو خاکیوں کو حاصل ہے قدسیوں کو حاصل نہیں کیونکہ اندر سے باہر تک بہت فرق ہے اگرچہ اندرونی دولت جزء کی طرح ہوتی ہے اور بیرونی دولت کل کی طرح لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر، **کلامنا**

اشــارۃ و بشــارۃ ،ہمارا کلام اشارت اور بشارت ہوتا ہے،اسی واسطے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہو گئے اور ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق بن گئے ،و اللہ یختص برحمتہٖ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔

زمیں زادہ بر آسماں تاختہ

زمین و زماں راپس انداختہ

یہ دولت انسان کو جزءِ ارضی کے باعث میسر آئی ہے اور قلب کو جو عرش اللہ کہتے ہیں عنصر خاک ہی کی بدولت ہے جو کل کا جامع اور دائرہ امکان کا مرکز ہے، ہاں زمین کو اسکی پستی اور عاجزی کے باعث یہ رفعت و بلندی حاصل ہوئی ہے، اس فروتنی نے اس کو بلند کر دیا ہے، من تواضع للہ تعالیٰ رفعہ اللہ تعالیٰ، جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرتا ہے، جب انسان رجوع اور دعوت کی مدت کے تمام ہونے اور اصلی رنگ میں رنگے جانے کے بعد اصل کی طرف رجوع کرتا ہے اور جناب پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس وقت جو خصوصیت اور انبساط اس کو میسر ہوتا ہے یقین نہیں کہ دوسروں کو بھی ہو اور قرب و مرتبہ جو اس کو حاصل ہوتا ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو کر اس کے ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے اور اصل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، کسی اور کی کیا مجال ہے کہ اس کے ساتھ برابری کرے کیونکہ دوسروں کا انصباغ یعنی اصل کے رنگ میں رنگا جانا اگرچہ تجرد و تنزہ کے اعتبار سے اتم و اکمل ہے لیکن چونکہ خارج سے آیا ہے اس لئے عارضی کا حکم رکھتا ہے اور انسان کا انصباغ چونکہ درونی ہے اس لئے ذاتی حکم رکھتا ہے، شتــان مــا بیــنھما ،ان دونوں میں بہت فرق ہے، یہ کمال انبیا کرام علیہم السلام کے ساتھ جن کو خواص بشر کہتے ہیں ،مخصوص ہے اور جس کسی کو چاہیں ان کی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں ، یہ دولت انبیا کرام علیہم السلام کے اصحاب کو ان کی صحبت کی برکت سے زیادہ تر حاصل تھی، اصحاب کرام کے سوا اور لوگ جن کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں بہت کم بلکہ اس سے بھی کمتر ہیں، ﴿مکتوب ۱۲ دفتر ۲﴾ ۔

اگر پادشہ بر در پیر زن

بیاید تو اے خواجہ سبلت کمن

ظلوماً جھولا کی انوکھی تفسیر:

قرآن پاک کی دو مشہور آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر میں حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے فکر وعرفان کی پرواز نقطہ کمال کو چھو رہی ہے، پہلے ان آیات مبارکہ کی تلاوت کیجئے:

⊙......ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہٖ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ، پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنکو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی اعتدال پر چلنے والا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خیرات میں سب سے بڑھنے والا ہے۔

⊙......انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انه کان ظلوماً جھولاً O ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن انہوں نے اسکے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں حمل الامانۃ، اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا، اس آیت طیبہ میں حمل، اس معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے، اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت طیبہ کا معنیٰ ہوگا، ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا، جو حکم ربانی ملا، بے چون وچرا اس کی تعمیل میں لگ گئے، سرمو انحراف اور سستی نہ کی، وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے غضب الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے، لسان العرب میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے، علمائے کرام کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ ہیں جن میں عبادات،

اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادے کی آزادی دیتے ہیں، انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی، ہمیں اطاعت کے ثواب سے نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے، ہم تیرے مسخر اور پابند حکم رہ کر تعمیل کریں گے لیکن انسان نے اپنی ناتوانائیوں کو پس پشت ڈال کر امانت اٹھانے کی حامی بھر لی اور خود کو آزمائش میں مبتلا کر دیا، یہ اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی گئی تو ان کی نظر امانت پر نہیں تھی، امانت والے پر تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا، اسے اٹھانا تیرا کام ہے اور تیری حفاظت فرمانا میرا کام ہے، ﴿روح البیان سورۃ الاحزاب﴾ صوفیہ کرام کے نزدیک امانت سے مراد احکام شرعیہ نہیں کیونکہ ان کے جن اور ملائکہ بھی مکلّف ہیں، اس سے انسان کی کیا افضلیت ہوگی، دراصل امانت سے مراد نور العقل اور نار العشق ہے، وہ نور عقل کے ذریعے معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر اسے معرفت الٰہی تک پہنچاتی ہے، فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص مقام ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا، یہ انسان ہے جو سوز عشق کی بدولت غیر متناہی درجات تک ترقی کرتا ہے اور یہ اس کی خصوصیت ہے، یہ علامہ ثناء اللہ مظہری کا نتیجہ فکر ہے جو انہوں نے صوفیہ کی تعلیمات سے حاصل کیا ہے، ان آیات کی انوکھی تفسیر کی استعداد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کو حاصل ہوئی اور آپ نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے گویا اس کا حق ادا کر دیا، آپ کے نزدیک یہاں انسان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ اسے ظلوماً جھولاً کے خطاب سے نواز کر ایک عجیب طریقے سے اسکے کمال عرفان کو بیان کیا گیا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

''ان دونوں آیتوں کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن ہم تاویل بیان کرتے ہیں جو ہم پر ظاہر ہوئی ہے، **ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا**، اے پروردگار تو ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ فرمانا، جاننا چاہئے کہ، **ان اللہ خلق آدم علی صورتہ**، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ صورت سے پاک اور برتر ہے، پس آدم کا اسکی صورت پر پیدا ہونا اس طرح پر ہوسکتا ہے کہ اگر مرتبہ تنزیہ

کی صورت عالم مثال میں فرض کی جائے تو بیشک یہ صورت جامع ہو گی جس پر انسان جامع موجود ہوا ہے، دوسری صورت کو یہ قابلیت حاصل نہیں کہ اس مرتبہ مقدسہ کی تمثال ہو سکے اور اس کا آئینہ بن سکے، یہ باعث ہے کہ انسان حق تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہوا ہے کیونکہ خلیفہ جب شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو تو اس شے کی خلافت کا مستحق نہیں ہوتا اس لئے کہ شے کا خلیفہ اسکا خلف اور قائم مقام ہوتا ہے، چونکہ انسان رحمان کا خلیفہ بن گیا اس لئے بار امانت بھی اسی کو اٹھانا پڑا، **لایحمل عطایا الملک الا مطایاہ** ، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں، آسمان، زمین اور پہاڑ اتنی جامعیت کہاں سے لاتے تاکہ حق تعالیٰ کی صورت پر پیدا ہوتے اور اسکی خلافت کے لائق ہو کر بار امانت کو اٹھا سکتے، محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے حوالے بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا، وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیا کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی انسان کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیا کا قیوم بنا دیتے ہیں، تمام مخلوق کو تمام ظاہری باطنی کمالات کا افاضہ اور بقا اسی کے ذریعے پہنچاتے ہیں، اگر فرشتہ ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ متوسل ہے اور اگر جن وانس ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ وسیلہ پکڑتا ہے، غرضیکہ حقیقت میں تمام اشیا کی توجہ اس کی طرف ہوتی ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں، فرمایا، **انہ کان ظلوماً جھولاً** ، یعنی انسان اپنی جان پر یہاں تک ظلم کرتا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی نام ونشان اور حکم واثر باقی نہیں چھوڑتا، واقعی جب تک اس طرح کا حکم نہ کرے بار امانت کے لائق نہیں ہوسکتا، جھولاً یعنی اس قدر جاہل ہے کہ اس کو اپنے مطلوب کا علم وادراک نہیں بلکہ ادراک سے

عاجز ہونا اور علم سے جاہل ہونا اس کا مقصود ہے، یہ عجز اور جہل اس مقام میں کمال معرفت ہے کیونکہ سب سے زیادہ جاہل اس مقام میں سب سے زیادہ عارف ہوتا ہے اور جو سب سے زیادہ عارف ہوگا وہی بارامانت کے لائق ہوگا، یہ دونوں صفتیں گویا بارامانت کے اٹھا لینے کا باعث ہیں، یہ عارف جو اشیا کی قیومیت کے مرتبہ سے مشرف ہوا ہے وزیر کا حکم رکھتا ہے، جس کی طرف تمام مخلوقات کے ضروری کام اور معاملات راجح ہیں، انعام اگرچہ بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن وزیر کے ذریعے پہنچتے ہیں، اس دولت کے رئیس ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، یہ مرتبہ اصلی طور پر اُولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو ان بزرگوں کی وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں ؎

برکریماں کارہا دشوار نیست

وارثان کتاب میں سے پہلا گروہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں یہی ظالم لنفسہٖ ہیں جو منصب وزارت اور قیومت سے مشرف ہیں، ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسرا گروہ جن کو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے وہ الگ ہیں جو دولت خلت سے مشرف ہیں اور صاحب سر اور اہل مشورت ہیں اگرچہ بادشاہی کا معاملہ اور کاروبار وزیر کے متعلق ہے لیکن خلیل یعنی دوست، ہمنشین اور غمخوار اور انیس ہوتا ہے، یعنی خلیل اپنے آرام کیلئے ہے اور وزیر دوسروں کے کاروبار کیلئے، شتان ما بینھما، ان دونوں میں بہت فرق ہے، اس مقام خلت کے سر حلقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یا وہ لوگ جن کو اس مقام عالی سے مشرف فرمائیں، مقام خلت سے اوپر مقام محبت ہے جس مقام اعلیٰ کے ساتھ تیسرے گروہ کے لوگ جو سابق بالخیرات ہیں، مشرف ہوئے ہیں، یار وندیم اور ہوتا ہے اور محبت ومحبوب اور، وہ اسرار و معاملات جو محبّ ومحبوب کے درمیان گزرتے ہیں یار وندیم کا وہاں کچھ دخل نہیں اگرچہ کمال الفت وانس کے وقت محبت کے خفیہ اور پوشیدہ اسرار کو

جلیل القدر خلیل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں اور اسکو محبّ و محبوب کے اسرار کا محرم بنا سکتے ہیں، محبوں کے سر حلقہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام ہیں اور محبوبوں کے سر گروہ حضرت خاتم الرسل ﷺ ہیں یا ان بزرگواروں کی وراثت و تبعیت سے جس کسی کو ان دو مقاموں سے مشرف فرما دیں اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اعلیٰ ہیں ان میں بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، وہ سب مقامات سابقین کے مقام میں داخل ہیں جو وارثان کتاب میں سے تیسرے گروہ کو نصیب ہیں، ربنا اتنا من لدنک رحمۃ ﴿مکتوب ۴۷، دفتر ۲﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی فلسفے کی روشنی میں ظلوم، جہول اور ظالم لنفسہٖ جیسے الفاظ بھی حضرت انسان کے حق میں قدح کی بجائے مدح کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور اس پیکر خاکی کے عروج مقامات کی دلیل ٹھہرے ہیں، بسا اوقات ایک ہی لفظ اپنے اندر معارف کے سمندر چھپا رکھتا ہے، مثلاً جب ''مکر'' کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنٰی فریب، دھوکہ اور چال وغیرہ لیا جاتا ہے لیکن یہی لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے ''تدبیر'' کے معنٰی میں مستعمل ہے، اسی طرح استہزا کا معنی مذاق، ٹھٹھہ، مخول وغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہوا تو معنٰی یہ نہ رہا، گویا

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انسان عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے مراد ہے، عالم خلق کو انسان کی صورت اور ظاہر تصور کرتے ہیں اور عالم امر کو اس کا باطن اور حقیقت جانتے ہیں، لہٰذا اتنی جامع مخلوق ہی حق تعالیٰ کی امانت و خلافت کی سزاوار ہو سکتی ہے اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ کہلا سکتی ہے، اب حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے لامتناہی عرفان کا عالم دیکھئے کہ اتنے اعلیٰ درجے کی مخلوق بھی ایسے حیرت زدہ ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو کر اس کی بیکرانیوں پر نقش حیرت بنا ہوا ہے۔

کوئی شخص حضور اکرم ﷺ سے زیادہ فصیح نہیں ہو سکتا، فصاحت و بلاغت کے تاجدار بھی اس بارگاہ قدس میں عرض گزار ہیں: ''ہم تیرے اوصاف شمار نہیں کر سکتے'' اور عجز و انکسار کا اظہار کر رہے ہیں: ''میری زبان کو تیری ثنا کا یارا نہیں، میں کیا کہوں، میری زبان معذور ہے''

﴿کشف المحجوب ص ۳۸۰ مطبوعہ لاہور﴾ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک بھی معرفت کی جان ہے: حق تعالیٰ کا ادراک یہی ہے کہ اس کا ادراک ممکن نہیں، حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے تین چیزوں کی انتہا معلوم نہیں ہوسکی، معرفت کبریا کی انتہا، عظمت مصطفےٰ کی انتہا اور نفس کے مکر و دغا کی انتہا، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معرفت، دوام حیرت کا نام ہے، حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حیرت کیفیت لازماً ہونی چاہئے کہ ذات حق کی کیفیت کو سمجھنا عقل کی مجال سے باہر ہے، اسی واسطے کسی نے کہا ہے: اے متحیر دلوں کے رہنما میری حیرت کو اور زیادہ کر...........راہ مطلوب میں عقل کیلئے بجز حیرت و سرگردانی کوئی شریک کار اور کوئی مقام نہیں، عرفان ہستی حق انسان کو اپنی ہستی سے متعلق معرض حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ﴿کشف المحجوب ۳۷۷﴾ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''عارف وہ ہے جس کا کلام مختصر ہو اور حیرت دوامی ہو'' کیونکہ بیان اسی چیز کا ہوسکتا ہے جو معرض بیان ہو، جب بیان سے مقصد حاصل نہ ہو تو انسان بے بس ہوتا ہے اور سوائے دائمی حیرت و استعجاب کے چارہ کار نہیں رہتا، اس لئے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، حقیقی معرفت معرفت حق سے معذوری کا نام ہے، گویا انسان کا یہ جہل، حیرت، عجز اور معذوری اس کے عروج معرفت کی دلیل ہے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی نے ظلوماً جھولاً کا یہ معنٰی بیان فرما کر انسان کی عظمت و معرفت کو آشکار فرمایا اور قرآن مجید کے اسلوب بیان کا صحیح مقصد اجاگر کر دیا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نیک ظلمے کہ عین معدلت است
نغز جہلے کہ مغز معرفت است

ترجمہ: یہ ظلم اتنا اچھا ہے کہ عین عدل ہے اور یہ جہل ایسا عمدہ ہے کہ مغز معرفت ہے۔

کعبہ کی صورت و حقیقت:

کعبہ مشرفہ زاداللہ شرفھا اللہ تعالیٰ کا مقدس و مطہر گھر ہے جس کی طرف چہرہ کر کے تمام اہل اسلام نماز پڑھتے ہیں، جس کا حج اور عمرہ عبادتوں کی جان ہے اور دید ار ریاضتوں کی شان ہے، جس کے طواف سے عشق و مستی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، جو کائنات میں مرکز توحید ہے، محور مساوات ہے، ذریعہ اخوت اسلامی ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! زمین پر سب سے پہلے

کونسی مسجد بنائی گئی، آپ نے فرمایا: مسجد حرام ﴿یعنی کعبہ مشرفہ﴾ ﴿صحیح مسلم کتاب المساجد﴾ قرآن پاک نے بھی فرمایا:

ان اول بیت.......... وھدی للعالمین، یعنی بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہانوں کا راہنما، ﴿آل عمران:۹۶﴾

حضرت امام آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کعبہ مشرفہ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: کعبہ مشرفہ کی تعمیر سب سے پہلے فرشتوں نے کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے، پھر حضرت شیث علیہ السلام نے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، پھر عمالقہ نے، پھر جرہم نے، پھر حضرت قصی نے، پھر قریش مکہ نے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے، پھر حجاج بن یوسف نے اور آج تک وہی بنا قائم ہے، ﴿روح المعانی ۴/۵ مطبوعہ بیروت﴾، نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: کعبہ مشرفہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا اور کعبہ بنانے کے چالیس سال بعد فرشتوں نے بیت المقدس کو بنایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کعبہ اور بیت المقدس کے بانی اور موسس نہیں نشاۃِ ثانیہ اور تشکیل جدید کرنے والے ہیں، ﴿فتح البیان ۴/۷ مطبوعہ بولاق مصر﴾ حضور تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ مشرفہ سے خصوصی محبت تھی، یہ آپ کی اس لازوال محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیت الحرام کو آپ اور آپ کی امت مرحومہ کیلئے قبلہ بنا دیا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے کعبہ مشرفہ کے متعلق بہت ہی بلند افکار و اسرار کا اظہار فرمایا ہے جن کو پڑھ کر اس کی شان و عظمت اور جلالت و منزلت کا ادراک حاصل ہوتا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

''جاننا چاہئے کہ صورتِ کعبہ پتھر اور مٹی سے مراد نہیں ہے. کیونکہ بالفرض پتھر اور مٹی نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ کعبہ ہے اور خلائق کا مسجود ﴿الیہ﴾ ہے، بلکہ صورت کعبہ باوجودیکہ عالم خلق میں سے ہے لیکن اور اشیائے خلق کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک ایسا پوشیدہ امر ہے جو حس و خیال کے احاطہ سے باہر ہے، گو عالم محسوسات میں سے ہے لیکن کچھ بھی محسوس نہیں اور اگر چہ اشیا کا متوجہ الیھا ہے لیکن کچھ بھی توجہ میں نہیں ہے، وہ ایک ہست ہے

جس نے نیسی کا لباس پہنا ہے، اور ایک نیست ہے جو ہستی کے لباس میں ظاہر ہے، جہت میں ہو کر بے جہت ہے اور سمت میں ہو کر بے سمت ہے غرضیکہ یہ صورت حقیقت نما نہایت ہی عجیب ہے جس کی تشخیص میں عقل عاجز ہے اور عقلمند اس کے تعین میں حیران ہیں، گویا عالم بیچونی وبچگونی کا نمونہ رکھتی ہے اور بے شبہی اور بے نمونی کا نشانہ اس میں پوشیدہ ہے، ہاں اگر ایسی نہ ہوتی تو مسجود ﴿الیہ﴾ ہونے کے لائق نہ ہوتی اور بہترین موجودات ﷺ بڑے شوق سے اسکو اپنا قبلہ نہ بناتے، **فیــــه آیـــات بیـنات**، اس میں نشان ظاہر ہیں، اس کی شان میں نصِ قاطع ہے اور، **من دخـلـــه کـان امـنـا**، جو اس میں آ گیا وہ امن میں ہو گیا، اس کے حق میں وارد ہے، بیت اللہ ہے کہ صاحب خانہ جل شانہ کی بیوتیت خاص اسی میں ہے اور بیچون بے چگون کا مجہول الکیفیت اتصال و نسبت اسی کے ساتھ ہے، **وللہ المثل الا علیٰ**، اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، عالم مجاز میں جو حقیقت کا پل ہے، بیت یعنی خانہ اور گھر اس بیوتیت کی خبر دیتا ہے کہ صاحب خانہ کے قرار و آرام کی جگہ ہے، اگرچہ دولتمندوں کی نشتگاہیں بہت ہیں اور نشت و برخاست کے مکان بیشمار ہیں لیکن یہ ایسا گھر ہے جو اغیار کی مزاحمت سے بیگانہ ہے اور معشوق حقیقی کا مکان اور آرام گاہ ہے، اگرچہ حدیث قدسی ہے، **ولـکـن یسـعـنی قلب عبد المومن**، لیکن میں اپنے مومن بندے کے دل میں سماتا ہوں، کے موافق مومن بندے کا دل بیچونی ظہور کی گنجائش حاصل کر لیتا ہے لیکن بیتیت یعنی گھر ہونے کی نسبت جو بیوتیت کی خبر دیتی ہے کہاں حاصل کر سکتا ہے اور اغیار کی مزاحمت کو جو گھر کے لوازم سے ہے کس طرح دور کر سکتا ہے، چونکہ غیر و غیریت کا اس مقام میں دخل نہیں اس لئے خلائق کا مسجود ہے تاکہ غیر کو سجدہ نہ ہو کیونکہ غیریت مسجود ہونے کے منافی ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سجدہ تجویز نہ کیا لیکن بیت اللہ کی طرف بڑے

شوق ورغبت کے ساتھ سجدہ کیا، اس بیان سے فرق محسوس کرلیں، ساجد اور مسجود کے درمیان بہت فرق ہے، میرے بھائی جب تو نے صورت کعبہ کا تھوڑا سا حال سن لیا تو اب حقیقت کعبہ کی نسبت بھی سن لے، حقیقت کعبہ اس بیچون واجب الوجود کی ذات سے مراد ہے جہاں تک ظہور اور طلب کی گرد بھی نہیں پہنچی اور مسجود اور معبود ہونے کے لائق ہے، اس حقیقت کو اگر حقیقت محمدی کی مسجود کہیں تو اس میں کیا ڈر ہے اور اس سے اس کے افضل ہونے میں کیا ہرج ہے، ہاں حقیقت محمدی جہان کے تمام افراد کی حقیقتوں سے افضل ہے لیکن کعبہ معظّمہ کی حقیقت عالم کی قسم سے نہیں تاکہ اس کی طرف یہ نسبت کی جائے اور اس کے افضل ہونے میں توقف کیا جائے، تعجب ہے ان دونوں صاحبِ دولتوں کی صورتوں کا فرق ساجد اور مسجود ہونے کے باعث ہے، صاحب ہنر عقلمندوں نے ان دونوں حقائق کا تفاوت معلوم نہیں کیا، اس لئے اعراض وانکار کے مقام میں رہے ہیں اور طعن وتشنیع کیلئے زبان دراز کی ہے، حق تعالیٰ ان کو انصاف دے تاکہ بے سوچے سمجھے ملامت نہ کریں، ﴿مکتوب ۱۲۴ دفتر ۳﴾

یہاں صورت کعبہ کے متعلق کوئی وہم کا شکار نہ ہو جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو کعبہ مشرفہ میں منحصر اور محدود سمجھتے ہیں ﴿معاذ اللہ﴾ آپ کے نزدیک کعبہ مشرفہ پتھر اور مٹی کے گھر کا نام نہیں، جب یہ تعمیر نہیں ہوا تھا تو پھر بھی وہ مقام رفیع کعبہ مشرفہ ہی تھا، چنانچہ تاریخ عرب بھی اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور سے قبل وہاں ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ تھا جہاں لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور لوگ دور دراز سے چل کر وہاں زیارت کیلئے آیا کرتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ اور لخت جگر کو وہاں چھوڑا تو بارگاہ ایزدی میں دعا کی: میں تیرے بیت محرم کے قریب اپنی ذریت کو آباد کر رہا ہوں، یہ دعا قرآن میں موجود ہے حالانکہ اس وقت موجودہ صورت کعبہ کا نام ونشان نہیں تھا، آپ فرماتے ہیں، ظہور قرآنی کا منشا صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور ظہور محمدی کا منشا صفات اضافیہ سے ہے اسی واسطے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور اس کو حادث ومخلوق لیکن کعبہ ربانی کا

معاملہ ان ہر دو ظہور اسمی سے بھی زیادہ عجیب ہے، وہاں صورتوں اور شکلوں کے لباس کے بغیر معنی تنزیہی کا ظہور ہے کیونکہ کعبہ جو خلائق کا مسجود الیہ ہے پتھر، ڈھیلے، چھت اور دیواروں سے مراد نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں اگر نہ بھی ہوں تو پھر بھی کعبہ ہے اور مسجود الیہ ہے، پس یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہاں ظہور ہے لیکن اس کی کوئی صورت نہیں، ﴿مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳﴾ جب صرف اس محدود عمارت کا نام کعبہ نہیں تو حق تعالیٰ کو کیسے اس میں محدود اور منحصر سمجھا گیا ہے، یہاں تک بیوتیت کا تعلق ہے تو وہاں پر دن رات حق تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے جو کسی اور مقام کو حاصل نہیں، آپ فرماتے ہیں: ظہور عرشی اگر تمام تجلیات وظہورات سے برتر ہے تو وہ معاملہ جو بیت اللہ مقدس کے ساتھ وابستہ ہے وہ بھی تمام تجلیات وظہورات سے برتر ہے، ﴿مکتوب ۲۷ دفتر ۲﴾ البتہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر جملہ عبارتوں کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ حقیقت محمدی، صورت کعبہ سے افضل ہے اور حقیقت کعبہ ﴿یعنی ذات واجب﴾ حقیقت محمدی سے افضل ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

سیر فی اللہ کے بارے میں:

صوفیہ کے نزدیک جب سالک ذکر شریف میں پورے اخلاص وانہماک سے مشغول ہوتا ہے، مجاہدات وریاضات سے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے تو اس کے اوصاف رذیلہ بتدریج اخلاق حسنہ میں بدلنے لگتے ہیں اور وہ توبہ وانابت کی توفیق حاصل کر لیتا ہے، وہ دنیا کی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ عالم مثال میں اپنے آپ کو کدورات بشریہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک وصاف دیکھتا ہے، سمجھ لو کہ اس نے سیر آفاقی تمام کر لی ہے، مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں مزید احتیاط کی ہے اور فرمایا ہے کہ جب سالک اپنے ساتوں لطائف کا تصفیہ کر لیتا ہے اور عالم مثال میں ان کے انوار کو دیکھتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں تو اس کی سیر آفاقی اتمام کو پہنچتی ہے، سالک اس دوران عالم مثال میں اپنے آپ کو ایک ہیت سے دوسری ہیت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے چونکہ عالم مثال بھی آفاق میں داخل ہے اس لئے اسکو سیر آفاقی کہتے ہیں ورنہ یہ سیر بھی سیر نفس سالک ہے اور اوصاف واخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت

ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اس کا مطمع نظر آفاق ہوتا ہے نہ انفس، اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کر دی گئی ہے، مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے اور فنا کو اس سے مربوط کیا ہے اور سلوک کی تعبیر اس سیر سے کی ہے، سیر آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اسکو سیر انفسی کہتے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ قرار دیتے ہیں اور بقا باللہ کا تعلق اس موطن و مقام سے وابستہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سلوک کے بعد کا جذبہ اس مقام میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ پہلی سیر میں سالک کے لطائف کا تزکیہ ہو چکا ہے، وہ کدورات بشریہ سے پاک ہو گئے ہیں، ان میں قابلیت پیدا ہو گئی ہے کہ ظلال وعکوس اس اسم جامع کے جو کہ اس کا رب ہے ان میں ظاہر ہوں اور وہ مورد تجلیات اور اسم جامع کی جزئیات کے مظاہر بنیں، اس سیر کو سیر انفسی اس لئے کہتے ہیں کہ اسما وصفات کے ظلال وعکوس کے واسطے انفس آئینے بن گئے ہیں، یہ بات نہیں کہ سالک کی سیر انفس میں ہے جس طرح کہ سیر آفاقی کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ بہ اعتبار مرآئیت اسکو سیر آفاقی کہا گیا ہے، یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں ظلال اسما کی سیر ہے، اس بنا پر اس کو ''سیر معشوق در عاشق'' بھی کہتے ہیں، ﴿یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے﴾ ـــ

آئینہ صورت از سفر دور است
کاں پزیرائے صورت از نور است

اس سیر کو ''سیر فی اللہ'' قرار دیا گیا ہے اور اسکی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس سیر کے دوران سالک ''متخلق باخلاق اللہ'' ہو جاتا ہے اور وہ صفات الٰہیہ کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، کیونکہ مظہر کو ظاہر کے بعض اوصاف میں سے حصہ ملا کرتا ہے، چاہے وہ نہایت جزوی ہو، اس لحاظ سے گویا اسمائے الٰہیہ میں سیر متحقق ہوئی، یہاں تفصیل کے ساتھ سیر آفاقی، سیر انفسی، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے جو صوفیہ کے افکار کا نچوڑ ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علو ہمتی کی بدولت ان مقامات کو بھی منزل سالک قرار نہیں دیا اور آپ وہاں ہی متمکن نہیں ہوئے بلکہ اگلی منزلوں اور مرحلوں پر قدم رکھتے چلے گئے جیسا کہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، ہم معرفت

کے کئی سمندر بھی نوش کرلیں تو سیر نہیں ہوتے ، ان باطنی بیکرانیوں کا ظہور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کی شخصیت میں دکھائی دیتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

''صاحب مقام کا حال کیا ہے اور اس بات کے قائل کی مراد کیا ہے تو ہر شخص اپنی عقل و دانش کے مطابق کچھ کہتا ہے، اس بات کا کہنے والا کچھ مطلب نکالتا ہے اور سننے والا کچھ اور ہی سمجھتا ہے، یہ لوگ بلا تکلف سیر انفسی کو ''سیر فی اللہ'' کہتے ہیں اور بلا تردد کے اس کا نام ''بقا باللہ'' رکھتے ہیں اور اس مقام کو وصل و اتصال سمجھتے ہیں ،فقیر پر اس قسم کی باتیں نہایت شاق گزرتی ہیں اور ان کی تصحیح اور توجیح کیلئے مشقت اور محنت کرنی پڑتی ہے، سیر آفاقی میں اوصاف رذیلہ سے تخلیہ حاصل ہوا ہے اور سیر انفسی میں اخلاق حمیدہ سے تجلیہ نصیب ہوا ہے چونکہ تخلیہ کو مقام فنا سے مناسبت ہے اس لئے تجلیہ کو بقا سے مناسبت ہوئی ،ان کے نزدیک سیر انفسی کی نہایت نہیں ہے، اگر ابدی عمر ہو تب بھی کوئی اس کے اختتام کو نہیں پا سکتا کیونکہ حضرت محبوب جل شانہٗ کے شمائل و اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے لہذا سالک کے آئینے میں اسکے کمالات اور اوصاف میں سے کسی نہ کسی کمال اور وصف کا ظہور ہوتا رہے گا اور سالک اس سے متخلق اور متجلی ہوتا رہے گا ۔

ذرہ گر بس نیک و ربس بد بود
گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

مشائخ اس فنا و بقا کو جو سیر آفاقی و انفسی سے حاصل ہوئی ہے ولایت کا نام دیتے ہیں اور کمال کی نہایت اس مقام کو سمجھتے ہیں ، اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو ان کے نزدیک وہ سیر رجوعی ہے جس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں اور اسی طرح چوتھی سیر کو ''سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں اور اس کا تعلق بھی نزول سے ہے ، ان دو سیروں کو برائے تکمیل و ارشاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ پہلی دو سیروں کو حصول ولایت و کمال کیلئے تجویز کیا ہے، مشائخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر میں وارد ہے: اللہ تعالیٰ کیلئے ستر ہزار پردے نور اور

ظلمت کے ہیں، سیر آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے، سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں، جب سیر آفاقی پوری ہوتی ہے تو تمام پردے اٹھ جاتے ہیں، سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام مل جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک نسخہ جامعہ کے کمال وتکمیل کی یہ کیفیت ہے، اے اصحاب بینش! سنجیدگی سے کام لو اور توجہ سے سنو، اللہ تعالیٰ تم کو فہم اور راہ مستوی پر چلنے کی توفیق دے، اللہ تعالیٰ بے کیف و بے مثل ہے، جس طرح وہ آفاق سے برتر ہے، اسی طرح انفس سے بالاتر ہے، لہذا سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کہنا کب درست ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں سیر الی اللہ میں داخل ہیں اور سیر فی اللہ وہ سیر ہے جو بہت ہی زیادہ آفاق وانفس سے بعید ہے اور آگے ہے، عجب معاملہ ہے کہ یہ لوگ سیر انفسی کو سیر فی اللہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ اس سیر کی کوئی انتہا نہیں اگر کوئی عمر ابدی پالے جب بھی اسکو طے نہ کر سکے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے حالانکہ انفس بھی آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ دائرہ امکان کا طے کرنا ممکن نہیں، اندریں صورت حرمان دائمی اور خسران ابدی کے سوا کیا نتیجہ نکلے گا، نہ فنا کا تحقق ہوگا اور نہ بقا کا تصور تو پھر وصل واتصال اور قرب وکمال کیسے نصیب ہوگا، سبحان اللہ! جب کہ مشائخ بزرگ پانی کے عوض سراب پر اکتفا کر بیٹھیں اور الی اللہ کو فی اللہ سمجھ لیں اور امکان کو وجوب تصور کریں اور مثل کو بے مثل قرار دیں تو پھر چھوٹوں اور پست ہمتوں سے کیا گلہ کیا جائے اور کیسی شکایت کی جائے، چہ بلا شُد، آخر کس اعتبار سے انفس کو حق جلا وعلا سمجھ لیا ہے کہ اس کی سیر کو جب کہ اس کی حد ونہایت ہے، بے حد و بے انتہا لکھ گئے ہیں، سیر انفسی کے دوران آئینہ سالک میں جو کچھ نظر آیا ہے اس کو یہ لوگ عین اسما وصفات پروردگار قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اسما وصفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا ظہور ہے، میں کیا کروں اور

باوجود علم اور واقفیت کے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ادب کو کس طرح برداشت کروں اور اسکی بادشاہت میں کس طرح کسی کو شریک کروں، بیشک ان اکابر قدس اللہ اسرارہم کے مجھ پر حقوق ہیں کہ ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق ان کے حقوق سے بالاتر ہیں اور اسکی تربیت اوروں کی تربیت سے بہتر ہے، اس کے حسن تربیت کی بدولت اس ورطہ سے میں نے نجات پائی اور اسکی بادشاہت میں غیر کو اسکا کوئی شریک نہیں بنایا ہے، حمد اللہ تعالیٰ ہی کیلئے جس نے ہمیں اسکی ہدایت دی ہے اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا، اللہ تعالیٰ بے مثل و بے کیف ہے اور ہر وہ شے جس پر مثلیت اور کیفیت کا دھبہ ہو اس سے مسلوب ہے، اس صورت میں آفاق وانفس کے آئینوں میں اس کیلئے کیا گنجائش کیونکہ ان آئینوں میں جو بھی ظاہر ہو وہ مثل و کیف کے مظاہر کی طرح ہے لہذا آفاق وانفس کے ورا اس کو تلاش کرنا چاہئے، اس دائرہ امکان میں جس میں آفاق وانفس شامل ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے گنجائش نہیں ہے اسی طرح اس کے اسما و صفات کیلئے گنجائش نہیں ہے، جو کچھ دائرہ امکان میں ظاہر ہو رہا ہے وہ اسما وصفات کے ظلال وعکوس ہیں بلکہ ظلال وعکوس بھی اس سے بالاتر ہیں، یہاں تو صرف ان کا سراغ ہے اور قدرت کی کاریگری اور انتقاش ہے، بھلا ظہور کس کا اور تجلی کہاں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اسما وصفات بھی بے مثل و بے کیف ہیں، جب تک آفاق وانفس سے نہ نکلو گے اللہ تعالیٰ کے اسما وصفات کی ظلیت کو نہ پاسکو گے، جب کہ آفاق و انفس میں ظلیت کو نہیں پاسکتے تو اسما وصفات تک وصول کیسا، عجب معاملہ ہے، اگر میں اپنے مکتوبات اور یقینی معلومات کی کوئی ایسی بات بیان کروں جو مشائخ کے مذاق اور ان کے مکشوفات کے مطابق نہ ہو تو کون یقین کرے گا اور کون اسکو قبول کرے گا اور اگر میں وہ بات نہ کہوں اور

اسکو چھپاؤں تو میں نے حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کر لیا اور جو بات اللہ تعالیٰ کے بارے میں نہ کہنے کی ہے اسکے کہنے کو جائز قرار دے دیا، لہذا میں مجبور ہوں کہ حق کا اظہار کروں اور جو اسکے شایان نہیں ہے اسکو سلب کروں، مجھ کو اوروں کے خلاف کا نہ ڈر ہے نہ غم .... اللہ تعالیٰ کے فضل سے انکشاف ہوا کہ یہ تمام کھیل ظلال کا ہے اور یہ سب شبح و مثال میں گرفتاری کے اسباب ہیں، مطلوب تو ان سب سے ورا ہے اور مقصود ان کے سوا ہے، لہذا سب سے منہ موڑ کر رب العزت کی طرف فقیر متوجہ ہوا ہے اور کہتا ہے، انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين، اگر مولا تعالیٰ کی تقدیس اور تنزیہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کب زبان ہلاتا، میں ان کی نعمتوں کے خرمنوں کا ایک ادنیٰ خوشہ چین ہوں، ﴿مکتوب ۴۲ دفتر ۲﴾

حقیقت محمدی واجب نہیں:

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسما و صفات حقائق ممکنات ہیں اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا عین ہیں اسی طرح عین ذات ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا: سبحان من اظهر الاشياء وهو عينها، یعنی پاک ہے وہ جس نے اشیا کو ظاہر کیا اور وہ ان کا عین ہے، ﴿نفحات الانس ص ۲۷۰﴾ جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک حقائق ممکنات عدمات ہیں جو اسما و صفات کے نقائض ہیں، آپکے نزدیک عالم خارج میں وجود ظلی کے ساتھ موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ خارج میں وجود اصلی کے ساتھ موجود ہے، لہذا عالم کو عین حق نہیں کہہ سکتے، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقت محمدی ﴿جس کو تعین اول اور تعین حبی کہا جاتا ہے﴾ مرتبہ وحدت کا نام ہے اور تعین ثانی کو واحدیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہر دو تعین کو تعین وجوبی کہتے ہیں اور قدیم جانتے ہیں اور باقی تین تعینات ﴿روحی، مثالی، جسدی﴾ کو تعین امکانی کہتے ہیں ﴿تحقیق کلمۃ الحق فی کلمۃ الحق از پیر مہر علی شاہ گولڑوی ص ۸۴﴾ اس طرح ان کے نزدیک حقیقت محمدی اور

دیگر حقائق ممکنات ﴿اعیان ثابتہ﴾ کیلئے وجوب کا حکم ثابت ہے، وہ واجب اور ممکن کے درمیان امتیاز کے قائل نہیں جیسا کہ خود فرماتے ہیں: وعیاننا فی نفس الامر ظلہ لاغیرہ، ہمارے اعیان ثابتہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ظل ہیں نہ کہ اس کا غیر فصوص الحکم کلمہ یوسفیہ گویا اصل اور ظل میں عینیت ہے اور اعیان ثابتہ اسما الہیہ کے صور علمی کا ظہور ہیں، ان کے نزدیک حقیقت محمدی سے حضرت اجمال علم مراد ہے اور اس کو مرتبہ لاتعین کا تعین اول سمجھتے اور تجلی ذات کہتے ہیں، اس تعین اول کو تعین علمی اور صورت شان العلم قرار دے کر خارج میں عین ذات کہتے ہیں کیونکہ خارج میں ذات محض کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے ثابت کیا ہے حقیقت محمد دراصل حقیقۃ الحقائق ہے اور تعین حبی ہے اور تعین وجودی ہے، انبیا اور ملائکہ کے حقائق اسی حقیقت محمدی کے ظلال کی مانند ہیں اور وہ اصل حقائق ہے، آپ کے نزدیک ذات واجب لاتعین ہے، اس کیلئے تعینات، تنزلات اور ظلال وغیرہ کا اطلاق جائز نہیں، آپ ارقام فرماتے ہیں:

⊙ ......یعنی فقیر کے نزدیک کوئی تعین متعین نہیں ہے، وہ کونسا تعین ہے جو لا تعین ذات کو متعین بنائے ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾ پھر فرمایا، اگر فقیر کی عبارتوں میں اس قسم کے الفاظ ہوں تو ان کو صنعت مشاکلہ کے قبیل سے جاننا چاہئے' ﴿کسی شے کا کسی دوسرے لفظ کے ساتھ اس کی مصاحبت کی وجہ سے ذکر کرنا مشاکلہ کہلاتا ہے﴾

⊙ ......حقیقت محمدی باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے، آنحضرت کے واسطہ کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا، ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾

⊙ ......حقیقت محمدی جو حقیقۃ الحقائق ہے، اس حب کا تعین اور ظہور ہے جو ظہورات کا مبدا اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے، میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کو پیدا کیا، اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے میدان ظہور میں آئی

یہی حب ہے جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی، اگر حب نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر نہ ہوتا، حدیث قدسی اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا کے راز کو جو حضرت خاتم الرسل ﷺ کی شان میں ہے اس جگہ ڈھونڈنا چاہئے، اور اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا کی حقیقت کو اس مقام میں طلب کرنا چاہئے، عالم کے ایجاد کیلئے جو اعتبار پیدا ہوا وہ حب ہے، بعد ازاں اعتبار وجود جو ایجاد کا مقدمہ ہے کیونکہ حضرت ذات جل شانہ اس حُب اور اس وجود کے اعتبارات کے بغیر عالم اور عالم کی ایجاد سے مستغنی ہے، بے شک وہ تمام جہانوں سے غنی ہے، آیت قرآنی اس پر نص قاطع ہے، جاننا چاہئے کہ تعین اول جو کہ تعین حبی ہے جب بڑی باریک نظر سے دیکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعین کا مرکز حُب ہے جو حقیقت محمدی ہے، ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے دنوں تعینوں کو وجوبی کہنا غلط ہے کیونکہ جب حقیقۃ الحقائق ﴿سب سے پہلی حقیقت﴾ یعنی حقیقت محمدی مخلوق و حادث ہے تو دوسرے مابعد کے حقائق بھی مخلوق و حادث ہوں گے، تعین وجوبی ممکنات کی حقیقت نہیں ہوسکتا ممکن کی حقیقت بھی ممکن ہوگی نہ کہ واجب، آپ کے نزدیک حقیقت محمدی کا مخلوق ہونا حدیث نبوی، اول ماخلق اللہ نوری' سے ثابت ہے، اسی طرح ،قبل خلق السموات بالفی عامٍ اورقبل خلق آدم باربعة عشر الف عامٍ، وغیرہ کے الفاظ احادیث سے خلقت کا وقت متعین بھی ثابت ہوتا ہے جو حقیقت محمدی کے مخلوق اور حادث ہونے کی دلیل ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''تعجب ہے کہ جناب شیخ اکبر قدس سرہٗ حقیقت محمدی کو اور تمام ممکنات کے حقائق کو جن کو وہ اعیان ثابتہ کہتے ہیں قدیم سمجھتے ہیں اور ان کو واجب قرار دیتے ہیں، وہ کس بنا پر وجوب کا حکم تجویز کر کے ارشادات نبویہ کے خلاف جاتے ہیں، ممکن تو اپنے اجزا سے، اپنی صورت سے، اپنی حقیقت سے ممکن ہے، اس کی حقیقت کے واسطے تعین وجوبی کس بنا پر، ممکن

ممکن ہی رہے گا، اس کا واجب سے کوئی اشتراک نہیں، صرف یہ نسبت ہے کہ وہ مخلوق ہے اور واجب تعالیٰ اسکا خالق ہے، ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾

پھر آپ کے نزدیک حقیقت محمدی ذات کے مرتبہ شان العلم کے اعتبار سے قابلیت اولیٰ کا نام ہے جونفس اسم الٰہی کا ظہور ہے نہ اس اسم کی صورت علمی کا ظہور کیونکہ کسی چیز کی نفس شے اور اسکی صورت علمی کے درمیان بڑا فرق ہے، جیسا کہ نفس نار اور اسکی صورت علمی میں فرق سے واضح ہے، آپ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کوئی شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جونفس اسم الٰہی کا ظہور ہو، البتہ قرآن مجید کہ وہ بھی نفس اسم الٰہی کا ظہور ہے جیسا کہ اختصار کے ساتھ گزر چکا، خلاصہ کلام یہ کہ ظہور قرآنی کا منشا صفات حقیقیہ سے ہے اس لئے اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے ہیں اور ظہور محمدی کا منشا صفات اضافیہ سے ہے لہذا اس کو حادث اور مخلوق کہا ہے، ﴿مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳﴾

اس مکتوب کے خاتمہ حسنہ میں حضور اقدس، رسول انور، نبی محتشم، ﷺ کے متعلق کمال محبت وعقیدت کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے جیسے کہ آپ نے فرمایا: خلقت من نور الله، دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں، اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ حضرت واجب الوجود کی صفات ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے، ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان موجود ہے تو حضرت واجب الوجود کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان ثابت ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پختہ دلیل ہوگا، کشف صریح سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے،

ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن وہاں آپ کا وجود مشہود نہیں ہوتا بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے، جب آپ کا وجود عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں بلکہ اس عالم سے برتر ہے تو یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جہان میں آپ سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر آپ کا سایہ کیسے متصور ہوسکتا ہے، واضح ہو کہ یہ صفت علم صفات حقیقہ میں سے ہے اور موجود خارجی کے دائرے میں داخل ہے اور جب اس صفت کو اضافت عارض ہو جائے اور اس سے تقسیم ہو جائے جیسے علم اجمالی اور علم تفصیلی تو یہ قسمیں صفات اضافیہ میں سے ہوں گی اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہوں گی جو صفات اضافیہ کا مقر و مقام ہے جیسے کہ گزر چکا ہے اور مشہود ہوتا ہے کہ علم جملی جو صفات اضافیہ میں سے ہے وہی نور ہے جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں جو احسن تقویم ہے ظہور فرمایا ہے اور جس کا نام محمد اور احمد ہوا ہے،...... پس پیدائش محمدی باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اسکا امکان بھی وجوب ذات تک منتہی ہے اور اس کا حسن، ﴿مظہر﴾ حسن ذات تعالیٰ ہے جس میں حسن کے سوا کسی اور چیز کی آمیزش نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے، ﴿مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳﴾

اس عبارت سے کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقی کو حادث اور ممکن سمجھتے ہیں، آپ اسی مکتوب گرامی کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ "واجب تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں لیکن چونکہ وجود و قیام میں حضرت ذات تعالیٰ کی محتاج ہیں اس لئے امکان ﴿کی بو﴾ ان میں ثابت ہے اور وجوب ذاتی ان کے حق میں غیر ثابت ہے کیونکہ ان کا وجوب خود بخود نہیں

بلکہ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے اگر چہ ان کو غیر ذات نہیں کہتے لیکن غیریت سے چارہ نہیں رکھتے کیونکہ دوئی ان کے درمیان ثابت ہے، ان کے حق میں امکان کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے حدوث کا وہم گزرتا ہے کیونکہ جو ممکن ہے وہ حادث ہے، وجوب بالغیر بھی اس مقام میں تجویز نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت ذات سے ان کا الگ ہونا مفہوم ہوتا ہے''

یہاں آپ کا عرفان علمائے امت کی تائید کر رہا ہے کہ صفات ذات حق کی عین ہے نہ غیر، ذات حق اپنی صفات کی محتاج نہیں مثلاً وہ بذات خود علیم ہے نہ کہ صفت علم سے، وہ بذات خود قدیر ہے نہ کہ صفت قدرت سے، وہ بذات خود متکلم ہے نہ کہ صفت کلام سے، وہ بذات خود سمیع ہے نہ کہ صفت سمع سے، وہ بذات خود زندہ ہے نہ کہ صفت حیات سے، پس ظاہر ہوا جو کچھ دوسروں کو حق تعالیٰ کی ایجاد سے صفات کے سبب حاصل ہے حق تعالیٰ کو صفات کے وسیلہ کے بغیر بذات حق حاصل ہے، کیونکہ اسکی ذات بلا لحاظ کسی امر اور اعتبار کے تمام کمالات کی جامع ہے بلکہ ہر کمال کا عین ہے، بعض بعض ہونا اور جزو جزو ہونا اس بارگاہ میں مفقود ہے، سراسر دانائی ہے، سراسر شنوائی ہے، تمام کی تمام بینائی ہے، یہاں سوال جنم لیتا ہے کہ اگر اس کی ذات تمام کمالات کے حصول میں کافی ہے تو پھر صفات کس لئے ثابت کی جاتی ہیں اور قدیموں کے بیشمار وجود ہونے کا قول کیوں کیا جاتا ہے، اسلئے فلاسفہ اور معتزلہ نے ذات پر اکتفا کیا ہے اور صفات کی نفی کے قائل ہوئے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرۂ النورانی اسکا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

> ''حق تعالیٰ کی ذات اگر چہ حصول کمالات میں کافی ہے لیکن اشیا کی تکوین و تخلیق کے لئے صفات زائدہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات نہایت تنزیہ و تقدس اور عظمت و جلال و کبریا میں ہے اور کمال غنا اس کیلئے ثابت ہے اور اشیا کے ساتھ اس کو کمال بے نسبتی ہے، ان اللہ لغنی عن العالمین ، حکمت و عادت کے موافق افادہ و افاضہ کیلئے مستفید اور مستفیض کے ساتھ مناسبت کا ہونا ضروری ہے اور وہ صفات ہیں جنھوں نے ایک درجہ تنزل کر کے ظلیت ﴿یعنی ظہوریت﴾ پیدا کی ہے اور اشیا کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت حاصل کی ہے، اگر صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو

اشیا سے کسی شے کا حاصل ہونا متصور نہ ہوتا کیونکہ اشیا کو حق تعالیٰ کی ذات کے ذاتی انوار کی شعاعوں کے غلبہ میں ہلاک اور فانی اور نیست ونابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، یہ بڑے بے سمجھ لوگ ہیں جو صفات کو ثابت نہیں کرتے'' ﴿مکتوب ۲۶ دفتر ۳﴾

یہ معرفت بھی جدا گانہ ہے جو آپ کے اجتہادات اور تفردات سے ثابت ہے، اس معرفت کی روشنی میں حضرتِ ذات کی شان استغنا کا ظہور کتنا لامتناہی محسوس ہوتا ہے۔آپ نے مکتوب ۷۱ دفتر سوم میں اپنا عقیدہ بیان فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی صفات حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین حقیقی اور قدیم ہیں اور اس کی ذات پر وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں جیسا کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک مقرر ہے'' حقیقت محمدی کا تعلق چونکہ صفات اضافی کے ساتھ ہے لہذا وہ ممکن ہے اور حادث ہے۔آپ فرماتے ہیں۔جب تمام ظلال سے خلاصی نصیب ہوئی تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی سے ترقی واقع بلکہ جائز نہیں کیونکہ وہاں سے قدم اٹھانا اور آگے رکھنا وجوب میں جانا اور امکان سے نکلنا ہے جو عقلی اور شرعی طور پر محال ہے، ﴿مکتوب ۱۲۲ دفتر ۳﴾ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حقیقت حال تک راہنمائی فرمانے والا ہے اور معاملات کی حقیقت کو وہی بہتر جانتا ہے، اے اللہ! ہم سے بھول چوک ہو جائے تو مواخذہ نہ فرما، ہم تیرے عفو و درگزر کے طالب ہیں۔

آمین بحرمة رحمةً للعالمین

نبوت افضل ہے ولایت سے:

نبوت افضل ہے یا ولایت، اس مسئلہ میں صوفیہ کرام کا اختلاف ہے، بعض صوفیہ تو مطلقاً کہتے ہیں ''الولایة افضل من النبوة'' ولایت نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ النورانی سے کچھ اس طرح منقول ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''مع اللہ وقت'' ...... کا یہ معنیٰ ہے کہ ایک آن ایسی ہے جس میں میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ اس حال میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل ملاحظ نہیں ہوتا'' اور یہ حال بعض اوقات مبتدی کو بھی درپیش ہوتا ہے اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ میرا حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ حال ہر ملک مقرب اور نبی مرسل کے

حال سے اعلیٰ واشرف ہے، اور وہ حال ہمارے رسول ﷺ کی ولایت نبوت سے عبارت ہے چنانچہ بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں الولایة افضل من النبوة ﴿انیس الطالبین ۹۰ مطبوعہ لاہور﴾ ایک مقام پر حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے، کیونکہ ولایت کی توجہ الی اللہ ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق ہے، ولی کی توجہ الی اللہ نبی کی توجہ الی الخلق کے کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتی، ﴿ملفوظات ۳/۲۹۳ مطبوعہ لاہور﴾ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس اہم مسئلے کو کھل کر بیان فرمایا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

''کمالات ولایت، کمالات نبوت کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرے کو دریا کے محیط کے ساتھ ہے مگر ایسا نہیں، پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، لہذا افضلیت مطلق انبیائے کرام کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کیلئے ہے، پس درست وہی ہے جو علما کرام نے فرمایا ہے، ﴿مکتوب ۲۶۶ دفتر ا﴾

''ولایت نبوت سے افضل ہے کے قائلین ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوعین میں سے ہیں اور مقام نبوت کے کمالات سے بے خبر ہیں، مقام نبوت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے، نبوت ہبوط کے مرتبہ میں کلی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور ولایت کو ہبوط کے مرتبہ میں مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہے بلکہ اس کا باطن حق کی طرف ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف، اس کا راز یہ ہے کہ صاحب ولایت نے مقامات عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کر لیا ہے، اس لیے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامن گیر ہے اور کلی طور پر اس کی توجہ خلق کے ساتھ ہونے میں مانع ہے برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے عروج کے تمام مقامات طے کر کے ہبوط فرمایا ہے، لہذا وہ پورے طور پر مخلوق کو حق جل سلطانہ کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے،

ولایت اولیا، اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف سراغ دیتی ہے اور ولایت انبیا حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے، ولایت اولیا شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایت انبیا اس مجہول کیفیت کی نسبت کا ثبوت دیتی ہے، ولایت اولیا اقربیت کو نہیں پہچانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں جانتی کہ کہاں ہے، اور ولایت انبیا اقربیت کے باوجود قرب کو عین بُعد جانتی ہے اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے۔ ﴿البینات شرح مکتوبات، مکتوب ۷۷ جلد ۲﴾

نتیجہ یہ نکلا کہ جب اولیا کی ولایت بھی انبیا کی ولایت کے مقابلے میں ناقص اور عاجز ہے تو ان کی ولایت انبیا کی نبوت کا کیسے مقابلہ کرسکتی ہے، نبی، نبی ہے، کوئی ولی بھلا کیسے اس کا سامنا کرسکتا ہے، ایک قطرے میں کیا مجال کہ بحرِ بے پایاں کی گہرائیوں کو ناپ سکے، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے نوے ہزار سال تک وحدانیت، الوہیت اور فردانیت کے میدانوں میں پرواز کی اور ولایت کی انتہا تک پہنچا تو کیا دیکھا کہ یہاں سے نبوت کی ابتدا ہے اس کی انتہا کا کوئی تصور نہیں کرسکتا، ﴿ملخصاً تذکرۃ الاولیا: ۵۶ مطبوعہ لاہور﴾ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی ارقام فرماتے ہیں:

''بعض مشائخ نے سکر کے وقت کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں کام برعکس ہے، کیونکہ نبی کی نبوت اسکی ولایت سے افضل ہے، ولایت میں سینہ کی تنگی کے باعث خلق کی طرف توجہ نہیں کرسکتے اور نبوت میں کمال شرح صدر ہوتا ہے نہ تو حق تعالیٰ کی توجہ خلق کی توجہ کی مانع ہوتی ہے نہ ہی خلق کی توجہ حق تعالیٰ کی توجہ کی مانع، نبوت میں صرف خلق کی طرف ہی توجہ نہیں تاکہ ولایت کو جس میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، اس پر ترجیح دیں، نعوذ باللہ، صرف خلق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بڑھ کر ہے، ان معنوں کا سمجھنا اربابِ سکر کیلئے دشوار ہے لیکن مستقیم الاحوال بزرگ اس معرفت سے ممتاز ہیں'' ﴿مکتوب ۱۰۸ دفتر اول﴾

مقام عبدیت کی بلندی:

جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوتا ہے، صراط معرفت پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو آفاقی وانفسی مرحلوں کو طے کر کے بندہ اپنے مطلوب حقیقی کے وصال باکمال سے سرشار ہو جاتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خود مطلوب حقیقی بن جاتا ہے، عبدیت و عابدیت سے باہر قدم رکھ کر معبودیت سے متصف ہو جاتا ہے، حادث میں قدیم کے اوصاف اور ممکن میں وجوب کے خصائص در آتے ہیں، شاید دوسرے بہت سے صوفیہ کے کلام سے اسکا اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے غلبہ حال کی وجہ سے ایسا تصور کر لیا ہو، مگر آپ نے اس اشتباہ کو ختم کر دیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف وعرفان کے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے، اہل عبدیت، اہل ظلیت اور اہل وجودیت، پھر اہل عبدیت کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''اس عالی گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقامات ولایت کی انتہا ہے کامل حصہ مل چکا ہے اور ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہوسکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب وسنت کے موافق اور ظاہر شریعت کے مطابق ہیں اور ان حضرات نے ظاہر شریعت سے سرمو مخالفت نہیں کی'' ﴿بحوالہ مکاتیب اقبال جلد ۱:۳۹﴾

پھر آپ خود اپنے سفر عرفان کے متعلق لکھتے ہیں کہ پہلے پہل آپ توحید وجودی کے قائل تھے بعد ازاں مقام ظلیت میں قدم رکھا اور سارے عالم کو ظل محسوس کیا، اس مقام پر بہت سے مشائخ کو اقامت پذیر ملاحظہ کیا، یہ مقام اس قدر رنگین تھا کہ وہاں سے باہر نہ جانے کی آرزو نے گھیر لیا کیونکہ اس دوران اسی مقام کو منتہائے کمال تصور کرتے تھے، دوسرے مشائخ کی موجودگی بھی اس تصور پر دلیل تھی، آخر حق تعالیٰ نے کمال مہربانی اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی عروج عطا فرمایا اور آپ کو مقام ''عبدیت'' پر پہنچا دیا، جب اس مقام کا کمال ظاہر ہوا اور اسکی بلندی ظاہر ہوئی تو گذشتہ مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی، ﴿ایضاً:۳۹﴾ جناب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں، ''وہ مقام عبدیت پر فائز ہو جاتے ہیں جو اعلیٰ ترین مقام ہے، عبدیت پر پہنچ کر عالم اور خدا کی اثنینیت ان پر

اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، ﴿نظریہ توحید:۸۹ مطبوعہ لاہور﴾ گویا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رب رب ہے اور بندہ بندہ، رب اور بندے میں کسی طرح سے بھی اتصال واتحاد ثابت نہیں، یہ آپ کا آخری عرفان ہے لہذا پہلے راستے کے معارف کو آپ کا عقیدہ تصور نہ کیا جائے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

⊙......جب سالک اس مقام سے بلند چلا جاتا ہے اور سکر کے افراط سے آنکھ کھولتا ہے تو حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جو کہ حق تعالیٰ کے کمالات کے مظہر ہیں کو بھی بندہ پاتا ہے اور اسکا رسول جانتا ہے جیسے کہ ابتدا میں جانتا تھا، النهاية هى الرجوع الى البداية، نہایت یہی بدایت کی طرف رجوع کرنا ہے، آپ نے سنا ہوگا، ﴿مکتوب ۸۰ دفتر ۲﴾

حضرت علامہ اقبال جیسے اسکالر نے آپ کے نظریہ عبدیت پر ہی نظریہ خودی کی بنیاد رکھی ہے، جناب ابوسعید نور الدین نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اس نظریہ عبدیت سے انسانی خودی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے، اقبال ان کے نظریے سے متاثر ہوئے، اس تاثر کی بنیاد پر وہ ان کی طرف اشارہ کر کے التجا کرتے ہیں ؎

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

شیونات واعتبارات:

فکر وعرفان کی دنیا میں ''شیونات واعتبارات'' کی اصطلاح بھی نہایت مشہور ہے، شیونات جمع الجمع کا صیغہ ہے یعنی اسکا مفرد شان ہے اور شیون اسکی جمع ہے، شان کا معنیٰ حال اور امر ہے، ﴿مجمع بحار الانوار ۳/۱۷۰، البینات ۱/۱۹۱﴾ آیت مبارکہ، كل يوم هو فى شان، اس مرتبے اور اصطلاح کی اصل ہے، اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو اس تجلی کو حق کے اعتبار سے شان الٰہی کہا جاتا ہے اور بندے کے اعتبار سے حال کہتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شیونات کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

⊙......اللہ تعالیٰ کی شیونات اسکی ذات کی فرع ہیں اور اسکی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں اور اس کے اسما جیسے خالق ورازق صفات پر متفرع

ہیں اوراس کے افعال ان اسما پر متفرع ہیں اور تمام موجودات افعال کے نتائج ہیں اور ان ہی پر متفرع ہیں، پس معلوم ہو گیا کہ شیونات اور چیز ہیں اور صفات اور چیز اور شیونات خارج میں عین ذات ہیں جبکہ صفات خارج میں ذات پر زائد ہیں، ﴿معارف لدنیہ، معرفت ۲۰﴾

⊙......وہ فیض جو حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کو پہنچتا ہے، دو قسم کا ہے، ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد ﴿موجود کرنا﴾ ابقا ﴿باقی رکھنا﴾ تخلیق ﴿پیدا کرنا﴾ ترزیق ﴿رزق دینا﴾ احیا ﴿زندہ کرنا﴾ اماتت ﴿مارنا﴾ وغیرھا کے ساتھ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتب ولایت و نبوت کے تمام کمالات سے متعلق ہے، پہلی قسم کا فیض سب کو صفات کے ذریعے سے آتا ہے اور دوسری قسم کا فیض بعض کو صفات کے ذریعے اور بعض کو شیونات کے ذریعے سے آتا ہے، صفات اور شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا، اس بیان کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، مثلاً پانی بالطبع اوپر سے نیچے کو آتا ہے، یہ طبعی فعل اس میں حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے کیونکہ صاحبان علم اپنے ثقل کے باعث بتقضائے علم اوپر سے نیچے کو آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے اور علم حیات کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے، اسی طرح قدرت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ ارادہ میں احدالمقدورین ﴿دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا﴾ کی تخصیص ہے پس یہ اعتبارات جو پانی کی ذات میں ثابت کیے جاتے ہیں بمنزلہ شیونات کے ہیں، اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں صفات زائدہ ثابت ہو جائیں تو وہ وجود زائد کے ساتھ صفات موجودہ کی طرح ہوں گی، پانی کو پہلے اعتبارات کے لحاظ سے حی، قائم، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے، ان اسموں کے ثابت کرنے کیلئے صفات زائدہ کا

ثابت کرنا ضروری ہے، لہذا جو کچھ مشائخ کی عبارات میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیونات وصفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے، شیون وصفات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مقام شیون صاحبِ شان کا مواجہ ہے مقام صفات ایسا نہیں ہے، ﴿مکتوب ۲۸۷ دفتر ۱﴾

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ النورانی کی نظر میں شیون وصفات کے درمیان فرق بنیادی ہے کہ جو حضرات صرف شہود صفات تک پہنچے ہیں وہ ابھی مرتبہ ذات تک وصول کی سعادت سے مشرف نہیں ہوئے اور جو شہود شیونات کے مرتبے سے شاد کام ہیں، انہیں وصول ذات کا مرتبہ بھی حاصل ہے کیونکہ شیون ذات حق تعالی پر زائد نہیں اور نہ ہی ان کا وجود خارجی ثابت ہے لیکن صفات ذات پر زائد ہیں اور وجود خارجی بھی رکھتی ہیں لہذا سیر صفات میں تعلقات صفات پیش نظر ہوتے ہیں اور وہ ممکنات ہیں، اس مرتبے میں عارف مرتبہ ذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقام صفات کا ہے لیکن مقام شیون مرتبہ ذات تک وصول کا نام ہے لہذا مقام شیون کو مواجہ ذات قرار دیا گیا ہے، واللہ اعلم، ذات کیلئے حکم ثابت جو ذات کے ساتھ قائم ہو ذات کا اعتبار کہلاتا ہے، حکم ثابت وہ حکم ہے جو پہلے سے ثابت ہے، اس میں بایں طور غور وفکر کرنا کہ اس حکم کی علت معلوم ہو جانے پر دوسری چیز میں وہی علت معلوم کر کے وہ حکم ثابت اس چیز میں بھی ثابت کیا جائے، اس کا نام قیاس ہے، ﴿کتاب التعریفات ص ۱۳، البینات ۱/۱۹۴﴾ ذات کے ساتھ صفات کے قیام سے مراد قیام بلا کیف ہے اور انضمام وانتزع سے مستثنیٰ ہے، شیونات اور اعتبارات وجود خارجی نہیں رکھتے لہذا امور منتزعہ سے ہیں، اسی وجہ سے اعتبارات کا مقام شیونات کے مقام سے بلند ہے اور شیونات کا مقام صفات کے مقام سے بلند ہے یعنی صفات وشیونات کے مقامات سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں لیکن اعتبارات کے مرتبے قربِ ذات بحت کی وجہ سے ادراک سے وراہیں، ﴿البینات ۱/۱۹۴﴾ صوفیہ کرام کے نزدیک دائرہ اصل کی اصطلاح بھی موجود ہے جس سے مراد ذات کے اسماوصفات اور شیونات واعتبارات کے مراتب ہیں، اس دائرے کا تعلق عالم وجوب سے ہے، یہ مرتبہ کسی لفظ، عبارت، اشارے یا

کنائے کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا، اس مرتبے میں سالک کو سیر علمی واقع ہوتی ہے اور اسی سیر کا نام سیر فی اللہ ہے جس کا تفصیلی ذکر گزر چکا ہے۔ مکتوب ۷۹ دفتر سوم میں آپ نے اس سے بھی بلند معرفت بیان کی ہے، سوال پیدا ہوا کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے تو تعین اول کو تجلی ذات کہا ہے، اور وہ تعین علمی جملی میں جو ذات کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، ذات کا ظہور ہے جو جامعیت رکھتا ہے، آپ نے جواب میں ارقام فرمایا:

''جو کچھ اس درویش کا معتقد ہے وہ یہ ہے کہ یہ ظہور علمی جملی بھی جس کو انہوں نے تعین اول سے تعبیر کیا ہے تجلی ذات نہیں بلکہ ذات کے شیونات میں سے ایک شان سے ماخوذ ہے، تجلی ذات تمام شیونات و اعتبارات کی جامع بلکہ ان سے برتر ہے، اس جگہ علم کا اعتبار بھی دوسرے ان ذاتی اعتبارات کی طرح ہے جن کے وصول کا ہاتھ اس مرتبہ مقدسہ کے دامن غنا سے کوتاہ ہے .... تجلی ذات کو تعین علم کے ساتھ مقید کرنا دریا کو کوزے میں بند کرنا بلکہ پانی کو سراب میں ڈھونڈنا ہے، ایک شاعر کہتا ہے ۔

کسے در صحن کا چی قلیہ جوید
اضاع العمر فی الطلب المحال

آپ کی شان استعداد کے کیا کہنے، کسی ایک مقام پر استقرار نہیں فرماتے ہیں کیونکہ معارف لا متناہی ہیں اور اسرار لا محدود ہیں تو پرواز کرنے والا کیسے ٹھہر سکتا ہے، پہلے آپ نے شیونات واعتبارات کو ذات حق کا مواجہ قرار دیا تھا، اب ذات حق کو ان سے بھی بلند تر فرمار ہے ہیں کیونکہ ذات حق تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، اللہ الصمد، اللہ بے نیاز ہے، کوئی اسکی کنہ کو نہیں پا سکتا، کوئی اسکی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، معرفت کا حق یہی ہے کہ بندہ اسکے ادراک سے عاجز آجائے، فرماتے ہیں،''اس مرتبہ میں جو کچھ ثابت کیا جائے وجوہ واعتبارات میں داخل ہے، ذات ان سب سے ماورا ہے، اس مقام میں نفی اور سلب کے سوا کوئی اور امر متصور نہیں، اگر علم بامتیاز ہے تو وہ بھی وہاں سلب ہے اور اگر تعبیر و تفسیر ہے تو وہ بھی مسلوب ہے، راقم نے عرض کیا ہے ۔

تو ہے وہم و فکر سے ماورا ، تیری ذات جل جلالہ

تیرے حق میں سب نے یہی کہا تیری ذات جل جلالہ
تیری جستجو میں میرا گماں ، کیا بتاؤں پہنچا کہاں کہاں
سر منتہا بھی تھا مبتدا ، تیری ظلمت جل جلالہ
تیرا راز دل پہ کھلا نہیں ، تیری شان بر تر ہے بالیقیں
یہ ہے میرے عشق کا فیصلہ تیری ذات جل جلالہ
تو تصورات میں کیا جمے ، تو تعینات میں کیوں چھپے
سب کو ''حرفِ لا'' نے اڑا دیا ، تیری ذات جل جلالہ
ہاں یہی نشان حیات ہے ، ہاں اسی میں میری نجات ہے
تیرے سامنے میرا سر جھکا تیری ذات جل جلالہ

رؤیت اخروی کی تحقیق:

اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت وزیارت سے نگاہیں شاد کام ہوں گی، حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت اور اپنی ذات کے درمیان سے حجاب اٹھا دے گا اور جنتی اسکا دیدار کرلیں گے تو ان کو اس کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوگی، ﴿صحیح مسلم کتاب الایمان﴾ اور فرمایا: جب آسمان پر مہر تاباں جلوہ افروز ہو تو اسکو دیکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، اس طرح تم اللہ تعالیٰ کا دیدار کرو گے، ﴿ایضاً﴾ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت عقلاً ممکن ہے، محال نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ رویت آخرت میں واقع ہوگی، مومن اسکو دیکھیں گے اور کافر نہیں دیکھ سکیں گے، مرجیہ کا قول ہے کہ اس کی رویت عقلاً محال ہے تو یہ قول خطائے صریح اور جہل قبیح ہے، اہل حق کا مذہب ہے کہ رویت ایک قوت ہے جسکو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں پیدا کرتا ہے اس کیلئے شعاع بصری کا احاطہ کرنا اور مرئی کا دیکھنے والے کے بالمقابل ہونا شرط نہیں، ہم جو ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اسمیں یہ چیز اتفاقاً پائی جاتی ہے، شرط نہیں ہے، جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا مقابل جہت میں ہونا لازم نہیں آئے گا، جیسا کہ اب اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمارے بالمقابل ہو، ﴿شرح مسلم ۱/۹۹﴾

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے آخرت کی رویت کو لطیفہ مثالیہ کی صورت میں مقرر کیا

ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

''صورت جامعہ مثالیہ کی رویت حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے بلکہ اس کے کمالات کے مظاہر میں سے ایک مظہر کی رویت ہے جس نے عالم مثال میں حصول پیدا کیا ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

یراہ المومنون بغیر کیف
وادراک و ضرب من مثالٍ

یعنی مومن خدا تعالیٰ کو بے کیف، بے تصور، بے شبہ اور بے مثال دیکھیں گے، حق تعالیٰ کی رویت کو صورت کی رویت پر مقرر کرنا حق تعالیٰ کی رویت کی نفی کرنا ہے، نیز وہ صورت جو عالم مثال میں حاصل ہو اگر چہ جامع ہو لیکن عالم مثال ہی کے اندازہ پر ہو گی، عالم مثال اگر چہ وسعت رکھتا ہے لیکن اس کے عوالم مخلوقہ میں سے ہے وہ جامعیت صورت جو اسمیں ہے کیا گنجائش رکھتی ہے کہ تمام کمالات وجوبیہ ذاتیہ کی جامع ہو سکے اور سب کو ضبط کر سکے تا کہ اس مرتبہ مقدسہ کا آئینہ بن سکے اور اس کی رویت حق تعالیٰ کی رویت ہو سکے، جب صفت علم جو صفات وجوبیہ میں سے ہے اور تمام ذاتی صفات میں سے زیادہ جامع ہے، اس امر کی گنجائش نہیں رکھتی تو پھر عالم مثال جو ممکن و مخلوق ہے اس کی صورت تمام کمالات وجوبیہ کی جامع کس طرح ہو سکتی ہے، اگر فرضاً اور تقدیراً اس کو جامع کہیں بھی تو اس مرتبہ مقدسہ کے ﴿کمالات کے﴾ ظلال میں سے ایک ظل ہو گا اور ظل کی رویت در حقیقت اسکی رویت نہیں ہے، مخبر صادق ﷺ نے رویت آخرت کو چودھویں رات کے چاند کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی، ظل کی رویت ایسی ہے جیسے طشتِ آب میں چاند کو دیکھیں جس کو بلند فطرت والے لوگ پسند نہیں کرتے .... لیکن حق تعالیٰ کی رویت وہ ہے جو ان ظہورات اور صور سے ماوراء ہے اور بے کیف و بیچون کی قسم سے ہے، رویت آخرت پر ایمان لانا چاہئے، اسکی کیفیت اور چند و چون میں مشغول نہ ہونا چاہئے، آخرت کے

خلق اور وجود کو دنیا کے خلق اور وجود کے ساتھ کوئی نسبت نہیں تا کہ ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، وہاں کی آنکھ جدا ہے اور فہم وادراک الگ ہے، اس کیلئے دوام ابدی ہے اور اس کیلئے زوال وفنا، اس کیلئے سراسر نظافت ولطافت ہے اور اس کیلئے خبث وکثافت، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ خانہ علم کے باہر حق تعالیٰ کا ظہور ثابت نہیں کرتے اور مجالی ومظاہر کے ماسوا مشاہدہ و رویت اور شہود تجویز نہیں کرتے، ﴿مکتوب ۹۷ دفتر ۳﴾

گویا مسلمان دنیا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے مگر آخرت میں دیکھ لیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا میں آنکھیں فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے، فنا ہونے والی آنکھوں سے باقی کا جلوہ نہیں دیکھا جا سکتا، آخرت میں مسلمان بھی باقی رہیں گے اور ان کی آنکھیں بھی باقی رہیں گی تو بقا کی آنکھوں سے باقی کا جلوہ دیکھ لیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت سے پہلے اپنی آنکھوں سے باقی کا جلوہ دیکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کی آنکھیں فنا کی مظہر ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بقا کی مظہر ہیں، ﴿شرح مسلم سعیدی، ۷۹۴/۱ مطبوعہ لاہور﴾ علمائے شریعت سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکری اجتہاد کی تائید ہوگئی جو انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمایا ہے۔

نظریہ قیومیت کا اعلان:

حضور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی سے پہلے کسی عارف کامل نے قیومیت کا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ یہ وہ مرتبہ ہے جس کے ظہور کیلئے آپ کی شخصیت کو منتخب فرمایا گیا، نظریہ قیومیت پر بہت سے ظاہر بین حضرات کے اعتراض وراد ہوئے لیکن آپ کے فیضان نظر سے سرشار افراد نے ان کا شافی جواب عنایت کیا، اس سلسلے میں ماضی قریب کے عارف کامل حضرت شیخ زید ابوالحسن فاروقی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کا ''مکتوب دربیان قیومیت'' نہایت جامع اور بصیرت افروز ہے، ہم اس موضوع پر اسی کا خلاصہ حرف آخر سمجھ کر درج کر رہے ہیں تا کہ اشکال باقی نہ رہے، وہ لکھتے ہیں ''حضرت مجدد ومنور الف ثانی قدس سرہٗ کے علوم مرتبہ اور آپ کے کلام قدسی نظام کو سمجھنے کیلئے کافی علم ودانش کی ضرورت ہے، جس شخص کا عمل عزیمت ہو، جو سنت مطہرہ کا دلدادہ ہو، جو دین مبین کا عاشق وشیدا ہو، جو بڑے سے

بڑے ولی کے درجہ کو ادنیٰ صحابی کی خاک پا سے کمتر سمجھتا ہو، جس کی صحبت میں اکابر علما ہر وقت رہتے ہوں، جس کے انفاس قدسیہ سے ہزار ہا بندگان خدا اعلیٰ مدارج قرب پر فائز ہوئے ہوں کیا ایسے شخص کے متعلق کوئی خیال کر سکتا ہے کہ العیاذ باللہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ سے اپنے آپ کو بالا سمجھتا ہے، ترجمہ حضرات القدس کے صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے: حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، ''میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جو جمیع کمالات وفضائل سے متصف تھے اور خلفا پر فضیلت نہیں دیتا ہوں تو پھر اپنے آپ کو ان پر کیوں فضیلت دے سکتا ہوں، معرفت حق اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانتا ہو تو اکابر دین سے کیا نسبت ہو سکتی ہے'' افسوس صد افسوس ایسی نادرۃ المثال اور برگزیدہ ہستی کے متعلق بعض افراد غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں، اگر یہ لوگ ذرا بھی سنجیدگی اور انصاف سے کام لیں تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرون اولیٰ مشہود لھا بالخیر والسعادۃ کے بعد شاید ہی اولیائے امت میں کوئی آپ جیسا عالی مرتبت والا منزلت پیدا ہوا ہو، تصوف اور طریقت کے متعلق جو غلط خیالات جاہل متصوفہ نے پیدا کر دیئے تھے آپ نے ان سب کو حرف غلط کی طرح یہ فرما کر مٹا دیا کہ طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں اور کھلے الفاظ میں فرما دیا کہ ''ہم کو فص سے کیا سروکار، ہم کو تو نص درکار ہے، ہم کو فتوحات مدنیہ نے فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے'' چلہ کشی اور ریاضتوں کے سلسلہ میں مسنون طریقوں سے جو بعد اور دوری پیدا ہوتی جا رہی ہے، اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ''ہیچ ریاضت ومجاہدہ برابر رعایت آداب نماز نیست'' جو لوگ اسرار شریعت اور دقائق علوم دینیہ سے واقف نہیں ہیں ان سے بحث نہیں، بحث ان افراد سے ہے جو زمرہ علما میں داخل ہیں اور وہ بعض اسباب کی بنا پر آپ کے ارشاد سراسر حق وسداد پر رد وقدح کرتے ہیں، چونکہ **الحق یعلو ولا یعلی علیہ** ایک امر مسلم ہے لہذا اجل علما کرام نے ان اعتراضات کا بہ وجہ اتم رد کیا ہے، منجملہ ان کے حضرت فرخ شاہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہم ہیں، بلکہ بعض افراد نے خود اپنی غلط فہمی اور کوتاہ نظری کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اواخر احوال میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اصلا پردہ بشریت وغشاوہ درمیان نہ ماندہ'' اور آپ کی تعریف کی ہے اور اپنی سابقہ آرا سے رجوع کیا ہے، جناب

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر جو تحریر کیے گئے ہیں، حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں، ''ازیں قول معلوم می شود کہ اعتراضات سابقہ از بشریت ونفسانیت بود نہ از حقیقت، ایں احوال علما است وائے بریں صرفہ گویاں'' حضرت نے ''وائے بریں صرفہ گویاں'' لکھ کر کس انداز سے اظہار تاسف فرمایا ہے، حقیقت یہ ہے ؎

گرسنگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار

بے شک آپ نے امتثالاً لامر اللہ تبارک وتعالیٰ واما بنعمۃ ربک فحدث، واظہار الشکرہ عم احسانہ لقولہ عزوجل لئن شکرتم لازیدنکم ان بعض احسانات اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو پروردگار جل شانہٗ نے آپ پر کئے ہیں مثلاً خلت کا مقام آپ کو عنایت ہوا اور قیومیت کا درجہ آپ کو عطا ہوا قیومیت کا درجہ کیا ہے اور اس مقام پر کس شان کا برگزیدہ بندہ اللہ کے فضل وکرم سے فائز ہوتا ہے، اس کے متعلق کتاب برکاۃ الاحمدیہ الباقیہ معروف بہ زبدۃ المقامات کی عبارت قلمی نقل کی جاتی ہے:

''باید دانست کہ قیوم دریں عالم خلیفہ حق است جل وعلا و نائب مناب او، اقطاب وابدال در دائرہ ظلالِ او مندرج اند وافراد واوتاد در محیط کمال او مندرج، افراد عالم ہمہ بہ وے روئے دارند وقبلہ توجہ جہانیاں اوست، دانند تا نہ دانند بلکہ قیام عالمیان بہ ذات اوست چہ افراد عالم چوں کہ مظاہر اسما وصفات اند ذاتے درمیان شان کائن نیست ہمگی اعراض و اوصاف اند واعراض واوصاف را از ذات وجوہر چارہ نیست تا قیام شان بہ آن بود، سنۃ اللہ جاری است کہ بعد از قرون متطاولہ عارفے را نصیبے از ذات ارزانی داشتہ، وے را ذاتے عطا می فرمایند کہ بحکم نیابت وخلافت قیوم اشیا می گردد، اشیا بوے قائم می باشند''

قیوم کے متعلق یہ بیان حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ العزیز کا تحریر کردہ ہے اور اس کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے مکتوب شریف ۸۰ دفتر سوم کا خلاصہ سمجھنا چاہئے جس کو آپ کے زمانے سے اب تک ہزارہا جلیل القدر علما دیکھ چکے ہیں،

ان کیلئے سر انقیاد خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، اس عبارت کے پڑھنے سے چند حقائق کا اظہار ہوتا ہے:

⦿......اس عالم میں پروردگار جل شانہٗ کا خلیفہ اور نائب قیوم ہے۔

⦿......عالم کے تمام افراد اسما وصفات کے مظاہر وظلال ہیں، اسما وصفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے، ان افراد کیلئے جو اسما وصفات کے مظاہر وظلال ﴿ظلال کا مفہوم بیان ہو چکا ہے﴾ ہیں، ایک ایسی ہستی اور وجود کی ضرورت ہے جو تجلیات ذاتیہ سے بہرہ مند ہوتا کہ ان کا قیام اس سے ہو۔

⦿......ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود کوئی نئی بات نہیں بلکہ از روز، **انی جاعل فی الارض خلیفه**، ایسا فرد کامل ہوتا چلا آیا ہے اور سنت اللہ یہی ہے۔

⦿......جو بھی اس مبارک مقام پر فائز ہوتا ہے وہ قبلہ عالمیان اور سردار اقطاب و افراد و ابدال و اوتاد ہوتا ہے، اب خیال کرنا چاہئے کہ اس عبارت میں کونسی بات قوائد شرعیہ کے خلاف ہے، خلیفہ اجل واکمل وافضل سرور دو عالم ﷺ کی ذات جامع صفات ہے جو کہ سید الانبیا والمرسلین ہیں اور نبوت آپ کو اس وقت سے بھی پیشتر ملی تھی جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا نہ بنا تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے: **کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد**، جب تک آپ کا ظہور نہ ہوا آپ کی نیابت انبیا کرام علیہم السلام کرتے رہے، لیکن آپ کے بعد یہ منصب آپ کی امت کے جلیل القدر افراد کے سپرد ہوا یہ مقام اور مرتبہ از روز اول موجود ہے اور اس کی شایان شان افراد بھی ہوتے چلے آرہے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے، غایت مافی الباب اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا جب تک وظیفہ خلافت انبیا علیہم السلام سے متعلق رہا، اظہار کی ضرورت نہ تھی کیونکہ نبوت کا مقام ان تمام مراتب عالیہ کو لئے ہوئے ہے، ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہوئی اور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتب عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو، چنانچہ جب بھی جس عہدہ کے ظہور کا وقت آیا وہ عہدہ ظاہر ہوا یعنی قطب وغوث وغیرہ اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ السامی کی مبارک ذات سے ہوا، **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم** ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی زبان موجود تھی لیکن اسکی تدوین کا شرف ائمہ لغت کو ملا، نحو وصرف کا وجود تھا لیکن ایک فن کی شکل میں خلیل وسیبویہ، کسائی، اخفش وغیرہم نے اسکو ظاہر کیا، علم الکلام کا ظہور شیخ ابوالحسن اشعری، شیخ ابومنصور ماتریدی وغیرہما سے ہوا، علم فقہ کا ظہور امام اعظم، امام شافعی وغیرہما سے ہوا، آداب طریقت کا بیان اور طرق موصلہ الی اللہ کا اظہار اور اولیاء اللہ کے مراتب غوث، قطب اور فرد وغیرہ کی نشاندہی حضرت جنید بغدادی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت شیخ احمد بدوی، حضرت نجم الدین کبریٰ، حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری و امثالھم قدس اللہ اسرارھم سے ہوئی، یہ تمام علوم اور معارف عالیہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا ظہور ہیں، آپ کا ارشاد ہے، اوتیت علم الاولین والاخرین، قیومیت کیلئے ایسے فرد کامل کی ضرورت تھی جو علم ظاہر و باطن میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو، صاحب صحو و ہوش ہو، خداوند عزم اور قوی العمل ہو، ان صفاتِ جلیلہ سے پروردگار نے حضرت امام ربانی کو پوری طرح متصف فرمایا، لہذا کام کیلئے

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

آپ ہی سزاوار ہوئے، قیومیت، ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے، قیوم کے سمجھنے کیلئے ضرورت ہے کہ پہلے ولی کو پہچانا جائے، ایک حدیث صحیح ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے: من عادلی ولیاً فقد اذنته بالحرب ...... جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں وہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اسکی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے.......... جائے فکر ہے کہ جو شخص اللہ کے ولی سے عداوت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ سے لڑائی مول لے رہا ہے، جب ولی مدارج عالیہ طے کرتا ہے تو ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے افعال اللہ سے منسوب ہو جاتے ہیں، نہ اسکی اپنی سماعت رہتی ہے، نہ اسکی اپنی گرفت رہتی ہے، نہ حرکت، اس وقت، وما رمیت

اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ اوران الذین یبایعونک انمایبایعون اللہ، کے اسرار واضح ہوتے ہیں، جن کو پروردگار اعلیٰ درجات ولایت پر پہنچا کر خلعت قیومیت سے سرفراز کرتا ہے ان کی وہ شان ہوتی ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے بیان کی ہے اور صاحب زبدہ نے اس کو نقل کیا ہے، قیومیت کیلئے وہ مبارک ذات صلاحیت رکھتی ہے جو مظاہر عبدیت اور مراتب خشیت میں بدرجہ اتم جناب رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلے، سردارِ دو جہاں ﷺ کو اپنے پروردگار سے یہ مژدہ عالی مل چکا ہے، لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر ،لیکن آپ پروردگار جل شانہٗ کی اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پائے نازنین پرورم آجاتا تھا، صحابہ کرام نے پوچھا، آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں، آپ سے تو کسی بات کی پوچھ نہ ہوگی، آپ نے فرمایا: افلاا کون عبداً شکوراً ،مراتب کمال اسی کو ملتے ہیں جو مظاہر عبدیت بہ درجہ اتم ظاہر کرتا ہو، جس کا رواں رواں کہتا ہو ؂

بے تو جاناں قرار نہ توانم کرد
احساں ترا شمار نہ توانم کرد
گر برتن من زباں شود ہرموئے
یک شکر تواز ہزار نہ توانم کرد

جو ہر وقت اور ہر حال متوجہ الی اللہ رہے، جس کی بیداری مشاہدہ ہو اور خواب بیداری، جس پر تنام عینا ی ولاینام قلبی کی کیفیت بہ طفیل سرور عالم ﷺ طاری ہو، ﴿رسائل معرفت افزاص ۳ تا ۱۰﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نظریہ قیومیت کی تائید آیات واحادیث سے بھی ہوتی ہے، مندرجہ ذیل دلائل پر ذرا غور کرنا چاہیے:

⊙......اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاماً، یعنی وہ تمہارے مال جن کو اللہ نے تمہارے لئے قیام ﴿یعنی گزارا﴾ بنایا ہے، ﴿سورۃ النسا:۵﴾ قرآن پاک کے اس ارشاد پر توجہ کرنی چاہیے کہ اگر دنیوی مال وجہ قیام ہیں تو مردان کامل دنیا کی بقا اور قیام کا سبب کیوں نہیں ہوسکتے۔

⊙......فالمدبرات امراً قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبار دنیا ان کی تدبیر سے ہے، ﴿سورۃ النازعات﴾ ایک تفسیر میں مراد فرشتے ہیں اور دوسری تفسیر میں مراد ارواح اولیا ہیں جن کو کائنات میں تدبیر کا اختیار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان ہے جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلت دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس انعام پر اسکے خزانوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی، قیومیت بھی اس کے خزانوں میں سے ایک گوہر شاداب ہے جس کے پاس آجاتا ہے اسکو کائنات میں تصرفات کی اجازت مل جاتی ہے، انہی تصرفات کی بدولت اللہ تعالیٰ کے باکمال بندے اولوالایدی والابصار ہوتے ہیں، خیر المنز لین بنتے ہیں، حیرت ہے منصب غوثیت کے ضمن میں مانے جانے والے اختیار منصب قیومیت کے ماتحت تسلیم کر لئے جائیں تو کونسا استحالہ وارد ہوتا ہے۔

⊙......حضرت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارے آسمان والوں کیلئے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کیلئے امان ہیں، ﴿المستدرک﴾ ایک روایت میں ہے کہ میرے اصحاب امت کیلئے امان ہیں، اس کو حضرت امام احمد اور حضرت امام مسلم نے روایت کیا ہے، ان ارشادات نبویہ سے معلوم ہوا کہ وہ مقدس اور بزرگ ہستیاں بھی موجود ہیں جن کو کائنات والوں کیلئے وجہ امان، جائے قرار، مقام پناہ قرار دیا گیا، یہی اوصاف قیومیت میں پائے جاتے ہیں کہ اس منصب جلیل پر فائز ہونے والا اصحاب واہل بیت کا نائب کامل، ان کے صوری ومعنوی کمالات کا وارث اکمل اہل جہان کیلئے قرارگاہ بن جاتا ہے اور چشمانِ ہستی کا مرکز نگاہ ٹھہرتا ہے۔

⊙......حضرت امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، بھم تقوم الارض بھم تمطرون و بھم تنصرون، انہی سے زمین قائم ہے، انہی کے ذریعے تم پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے سبب تمہیں امداد حاصل ہوتی ہے، گویا جن کے ذریعے زمین قائم ہے تو ان کو قیوم کے لقب سے یاد کر لیا جائے تو کیا اشتباہ ہے، اس لقب کی اصل تو مخبر صادق ﷺ کے کلام مبارک سے مل گئی۔ باقی یہ لقب اللہ تعالیٰ کے اسم قیوم کے مقابلے میں نہیں بولا جاتا،

تفسیرات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے، سارے عالم کا مدبر اور نگران ہے، اسکی بقا و قیام کا ضامن ہے، ہمیشہ سے قائم بالذات ہے، لازوال ہے، تغیر و تبدل، مکان و زمان اور جہت و تحیز سے پاک ہے، یہ مفہوم صرف ذات لایزال جل شانہ کیلئے مخصوص ہے، اگر مخلوق کے کسی فرد پر اسکا اطلاق کیا جائے تو مراد یہ ہوگا کہ وہ فرد دنیا کی بقا اور قیام کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسکو اپنی شان قیومیت کے کمالات کا مظہر بنا کر دنیا کے قیام کا باعث بنا دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے ظلوماً جھولاً کی تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد حق بنیاد رقم کیا، جس میں ''قیومیت'' کی پوری وضاحت موجود ہے، مولانا عبد العلی لکھنوی فرماتے ہیں:

''انسان کامل اللہ تعالیٰ کے تمام اسما و صفات کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنا خلیفہ بنایا ہے تا کہ وہ اپنے باطن کی مدد سے کائنات عالم کو باقی رکھے، اور کائنات میں سے ہر ایک کو اس کے لائق کمال اور نقصان عطا کرے، اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کائنات کو بقا دینے والا انسان کامل ہے، ایسا خیال کفر ہے، دینے والا اور باقی رکھنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، انسان کامل صرف وسیلہ بنا ہے'' ﴿وحدۃ الوجود﴾

تمام صوفیہ اور اہل حق علما کا اس پر اتفاق ہے کہ اس شان کمال کا مظہر کوئی نہ کوئی انسان کامل ضرور ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اسے قطب الاقطاب کہتا ہے اور کوئی اسے غوث الاغیاث سمجھتا ہے، کوئی قطب مدار جانتا ہے اور کوئی قیوم دوراں تصور کرتا ہے، جب وہ فرد الافراد اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کے کمالات کا مظہر کامل ہوتا ہے تو قیوم بھی اسی ذاتِ وحدہ کا ایک اسم مبارک ہے، اس کے کمالات کا مظہر کوئی کیوں نہیں ہوسکتا، حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ غوث کے بارے میں فرماتے ہیں: بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے'' ﴿ملفوظات﴾ باقی بہت سے اشکالات کا جواب حضرت زید ابوالحسن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں آچکا ہے، مولا تعالیٰ حقائق اشیا کو سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

تجدید الف ثانی کا تصور:

تمام ادیان عالم میں یہ امتیاز صرف دین اسلام کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ہر صدی کے سرے پر ایک ایسے عزیز الوجود انسان کو پیدا کیا جس نے اسکی تجدید اور احیا کیلئے تاریخ ساز کام کیا اور اسے پھر سے تازہ کر دیا، اس عزیز الوجود انسان کو ''مجدد'' کہا جاتا ہے جس کا ظہور حضور اقدس ﷺ کی حدیث پاک سے ثابت ہے:

⊙......**ان اللہ عزو جل یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مأۃ من یجدد لھا دینھا،** اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو اس کیلئے اس کا دین تازہ کرے گا، ﴿ابوداؤد﴾

⊙......**یحمل ھذا العلم من کل خلف عدو لہ،ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین،** اس علم کو ہر پچھلی جماعت میں سے پرہیز گار لوگ اٹھاتے رہیں گے جو غلو والوں کی تبدیلیوں، باطل پرستوں کی کذب بیانی اور جاہلوں کی تاویل سے اسے محفوظ رکھیں گے، ﴿بیہقی، مشکوۃ﴾

چنانچہ صدر اول سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت امام شافعی، حضرت امام طحاوی، حضرت امام غزالی، حضرت امام رازی، حضرت امام ابو بکر باقلانی، حضرت امام سیوطی جیسے لوگ ہر صدی میں ظاہر ہوتے رہے اور اغیار کی چیرہ دستیوں سے دین برحق کا چہرہ نکھارتے رہے، جب ''الف ثانی'' یعنی دوسرے ہزار سالہ دور کا آغاز ہوا تو ''دین الٰہی'' جیسے فتنوں نے امت محمدیہ کو زبوں حال بنا رکھا تھا، اب ضرورت تھی کہ کوئی ایسا عزیز الوجود انسان پیدا ہو جو اُولوالعزم پیغمبروں کا وارث ہو، جو ہزار سال کے دورانیے میں تشریف لا کر قوموں کی نجات کا سامان پیدا کیا کرتے تھے، حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات پر نبوت ختم ہو چکی تھی اس لئے کسی نبی اور رسول کا تشریف لانا ناممکن تھا لہذا کوئی ایسا فرد کامل آنا چاہیئے تھا جو ان کی نبوت و رسالت کے کمالات کا مظہر اتم ہوتا اور ان کی تبعیت و وراثت کے فیض سے منور ہو کر سارے جہان کو منور کر دیتا، اس سعادت سرمدی کیلئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا وجود مقدس ظاہر ہوا جو صورت اور سیرت میں سراپا مظہر کمالات اور پرتو تجلیات تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہزار سالہ دور کی تجدید و احیا کی توفیق ارزانی فرمائی اور آپ پر اس مرتبہ اولیٰ کا انکشاف فرمایا، آپ سے پہلے کسی

شخص نے ہزار سالہ تجدید پر گفتگو نہیں کی ، یہ آپ کے فکر وعرفان کا اجتہادی کارنامہ ہے،آپ ارقام فرماتے ہیں:

''یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کئے گئے ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد تبعیت ووراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور ترو تازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں ، ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے چنانچہ لوگ اس کے علوم ومعارف دیکھتے ہیں جو ذات و صفات وافعال اوراحوال ومواجید اور تجلیات وظہورات کے متعلق ہیں ان پر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف علما کے علوم اوراولیا کے معارف سے پرے کے ہیں بلکہ علما اور اولیا کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اس کا مغز ہیں، اللہ پاک ہادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے، جتنا سو اور ہزار میں فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں فرق ہے، مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس کی مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں اس کی وساطت سے پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب اوراوتاد ہوں یا ابدال اور نجبا ہوں'' ﴿مکتوب ۴ دفتر ۲﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی مقامات پر تجدید الف ثانی کا تصور کھل کر پیش فرمایا اور آپ کے زمان ظہور سے لیکر آج تک عالم اسلام کی جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیات نے اسکی تائید اور تصدیق فرمائی ، چونکہ یہ تصور اتنا بلند تھا کہ اس دور سے لیکر آج تک کوئی شخصیت بھی آپ کی شان جلالت اور کمال وجاہت کے برابر دکھائی نہیں دیتی اور ان علوم ومعارف کے معیار پر کما حقہ، پورا نہیں اترتی اس لئے اہل علم اور اہل نظر نے آپ ہی کو اس ہزار سالہ منصب تجدید دین کا اہل سمجھا ، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نابغۂ روزگار نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے یاد کیا تو گویا دلوں کی لب بستہ کلیاں کھل اٹھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مشرق ومغرب میں دہائی مچ گئی ۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ بلبل نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''میرے مخدوم! مجدد الف ثانی ہونا ایک کشفی اور الہامی امر ہے جو اس معاملے والے کے وجدان سے تعلق رکھتا ہے، کسی ایسے امر کا التزام نہیں کہ آثار و علامات کے ساتھ آشنا و بیگانہ کو قائل کیا جا سکے، جو شخص آشنا اور ازلی سعادت سے بہرہ ور ہے وہ باطنی مناسبت کے ذریعے اہل اللہ کے اسرار قبول و برکات کا مورد ہو جاتا ہے، جو بیگانہ اور بے سعادت ہے، باطنی نامناسبت کی وجہ سے ان اسرار کی تہہ تک نہیں پہنچتا تو انکار کر دیتا ہے اور ان حضرات کے فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ ظاہر نہ کرے، غیر لوگ خارج از بحث ہیں، ہمیں ان کے انکار و اقرار سے کوئی واسطہ نہیں، منکروں نے قرآن جیسا روشن معجزہ دیکھ کر بھی انکار کر دیا، اس کے باوجود جس شخص کو تیز نظری کی قوت عطا کی گئی ہے، اگر وہ حضرت عالی ﴿مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی﴾ کے اطوار و عادات میں اچھی طرح غور کرے اور جن فیوض و برکات، کمال و اکمال اور علوم و اسرار سے وہ پیشوائے صالحین میں ممتاز ہیں، مشاہدہ کرے تو بلا تکلف ان کے ﴿الف ثانی کے﴾ مجدد ہونے کا اقرار کرے گا'' ﴿مکتوبات معصومیہ دفتر ۲ مکتوب ۲﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کی تجدید الف ثانی کے بہت سے دلائل ہیں جو ہر روشن نگاہ کو دکھائی دیتے ہیں، مثلاً:

⊙...... حضور اکرم، سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''حدیثِ صلہ'' میں جس رجل کامل کی پیش گوئی موجود ہے، اس کے مصداق آپ ہیں جیسا کہ فرمایا، تمام تعریف اللہ کیلئے جس نے مجھے دو بحروں کے درمیان صلہ اور دو گروہوں میں مصلح بنا کر بھیجا، یہ دعویٰ آپ کے علاوہ کسی اور بزرگ نے نہیں فرمایا۔

⊙......ولایت کے بڑے بڑے شہسوار آپ کے ظہور مقدس کی بشارت سناتے رہے۔

⊙ ...... حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کیلئے اپنا جبہ مبارک پانچ سو سال پہلے سے اپنی نسل اطہر میں جاری فرما دیا کہ اس انعام کا مستحق تاجدار سرہند ہوگا، یہ خاص اہتمام بھی آپ کے منصب تجدید کا گواہ ہے۔

⊙ ...... آپ کے نام کو دیکھیں یا تریسٹھ سال کے کام کو، ایک ایک انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کا عکس موجود ہے۔

⊙ ...... اس وحشت اثر دور میں مسلمانوں کی گمراہی کے ذمہ دار تین قسم کے گروہ تھے، بادشاہ، صوفیہ خام، اور علمائے سو، آپ نے چند سالوں میں ان تینوں گروہوں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا اور ہندوستان کے تشکیک زدہ علاقے میں اسلام کے پرچم لہرانے لگے، ایک بادشاہ جہانگیر ہی نہیں، عالم اسلام کے متعدد حکمرانوں نے آپ کے سلسلہ عالیہ میں بیعت ہو کر اسلام کی خدمت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار خلفائے راشدین کے دور میں فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا، تو اس سنت عظیمہ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا نے تازہ کر دیا، مجددی فیضان کے بادل بھی برصغیر کی حدود سے نکل کر دور دور تک عوام وخواص کے دلوں پر برسنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہات سے آپ کی عظمت شان اور وسعتِ فیض کا شہرہ اسلامی ممالک کی آخری حدود تک پہنچ گیا، بدخشاں سے حضرت خواجہ فرخ حسین، روم سے حضرت نصیر احمد رومی، شاہ ایران کے مقرب خاص شیخ طاہر، پھر مولانا صالح گولامی، مولانا یار محمد، مولانا عبدالحق شاہد مانی، شیخ احمد برکی جیسے افراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اشارات کی بدولت سرہند حاضر ہوئے اور انہوں نے فیض مجدد حاصل کر کے اپنے ممالک میں عام کیا، چنانچہ تجدید کا چھٹا سال ختم نہیں ہوا تھا کہ خراسان، بدخشان اور توران کا شہر شہر فیض مجدد سے تابناک ہو چکا تھا، تجدید کے بارھویں سال جنات کا بادشاہ بھی مع لشکر مرید ہوگیا، تجدید کے چودھویں سال آپ نے اپنے مزید خلفا بلاد اسلامی کی طرف روانہ فرمائے، دربار اکبری اور جہانگیری کے متعدد امرا آپ کی نگاہ کرم کے دریوزہ گر تھے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے نائب کامل حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا تجدیدی اور تبلیغی مشن نقطہ عروج پر پہنچا دیا، شاہجہان اور اورنگ زیب کے پرجلال درباروں میں بھی ان کی ہیبت وجلالت کا سایہ تھا۔

⊙ ...... تجدید الف ثانی کا یہ بھی بہت بڑا ثبوت ہے کہ آپ کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ عالم اسلام کی

غالب اکثریت کا سلسلہ طریقت ہے اوراس دور سے لیکر آج تک جب بھی امت کو کوئی پریشانی ہوئی ہے آپ کے سلسلہ مقدسہ کے عالی قدر افراد نے قیادت وسیادت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا فتویٰ آپ کے خلفائے سلسلہ نے صادر فرمایا، روس کے سردزاروں میں زاروں کے خلاف آپ کے خلفائے سلسلہ سرگرم عمل رہے، ترکی، شام، عراق، افغانستان اور ہندوستان کا کوئی علاقہ ان کے فیضان سے خالی نہیں رہا، تحریک پاکستان میں زیادہ تر انہی بزرگانِ سلسلہ نے کوشش کی گویا آج بھی آپ اپنے دور تجدید کی نگرانی فرما رہے ہیں۔

⊙......حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے بعد عالم اسلام کی نامور شخصیات آپ کے لافانی کردار سے ازحد متاثر ہوئیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حضرت امام آلوسی، حضرت امام ابن عابدین شامی، حضرت مولانا محمد خالد کردی رحمۃ اللہ علیہم جیسے عالمگیر افراد نے اپنی تحقیقی کتابوں میں آپ کے فیضان کے دریا بہا دیئے ہیں، جنگ آزادی کے بعد امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے باطل پرستوں کے خلاف قلمی جہاد شروع کیا تو اگرچہ ان پر قادریت کا غلبہ تھا مگر پھر بھی ان کا رنگ طبع اور طرز بیان آپ سے متاثر دکھائی دیتا ہے" بلکہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حضرت مجدد الف ثانی ہی حضرت مجدد مأۃ کی زبان پر بول رہے ہیں، بالخصوص وہ مقامات جہاں دونوں حضرات نے ردکفر وشرک وبدعت کیا ہے، وہاں یہ حقیقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے، برصغیر میں اعلیحضرت بریلوی سے قبل سینکڑوں صوفیہ اور علما نے کتابیں تصنیف کیں مگر زبان وبیان کی مماثلت جو فاضل بریلوی کو حضرت شیخ مجدد سے حاصل ہے، غالباً اس حد تک اور کہیں نہیں" ﴿مجدد الف ثانی کی مجددیت و قومیت ص ۷۸ مولفہ مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی﴾

⊙......برصغیر میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم آپ کے فیوضات سے معمور خانقاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہاں آج بھی شرعی قوائد کے مطابق اعراس منعقد کئے جاتے ہیں جبکہ دوسری خانقاہوں پر میلوں کی صورت میں نجانے کون کونسی خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے، یہ عام مشاہدے کی بات ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا، یورپ کے نامور مفکرین بھی آپ کے رطب اللسان دکھائی دیتے ہیں۔

⊙......حضرت علامہ اقبال جیسے عالمی اسکالر کے نظریات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عکس جمیل ہے، ان کے کلام کا درد، خودی، زمان ومکان کی سرحدوں سے باہر پرواز کرنے کا جذبہ، مرغانِ سدرہ پر کمندیں پھینکنے کا ولولہ، پیغام فراق، فلسفہ موت وحیات، قوم کی تعمیر و اصلاح کی فکر اور دوقومی نظریہ وغیرہ سب کچھ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ماخوذ ہے، حضرت اقبال خود عرض گزار ہیں ؎

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

⊙......حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید الف ثانی اور کمالات ربانی کی تصدیق حضرت خواجہ محمد الباقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور آپ کے متعلق فرمایا کہ وہ آفتاب ہیں جسکی روشنی میں ہمارے جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں، ایسی متفق علیہ شخصیت کا تصدیق کرنا، حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ اور حضرت شیخ نورالحق دہلویؒ جیسے محققین کا اخراج عقیدت پیش کرنا کوئی معمولی بات نہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو قدوۃ الاخیار، زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، جہانیاں مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے، نیز یہ لکھا ہے کہ آپ کے معارف وحقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سو سال کے نہیں ہزار سال کے مجدد ہیں، سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا فرق نہیں، کاش تم جانتے، ﴿اخبار الاخیار: ۳۱۴﴾ حضرت مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے اور اسکے جو مقامات وکمالات تحریر فرمائے ہیں اور اس طریقہ کے برگزیدہ اصحاب جو ان مقامات وواردات پر پہنچ گئے ہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں اور ان مقامات میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہزاروں علما اور عقلا کے اقرار سے وہ تواتر تک پہنچ گئے ہیں''

﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، از پروفیسر نور بخش توکلی﴾

⊙......آپ کا لقب ''مجدد الف ثانی'' پورے عالم اسلام میں زبان زد عام ہے اور عوام و خواص کے اجماع سے ثابت ہے اور کسی مجدد اسلام کے ساتھ لفظ مجدد کا اس قدر اہتمام دکھائی نہیں دیا، جس طرح غوث اعظم، غریب نواز، اور امام اعظم جیسے مخصوص القاب سے

مخصوص شخصیات کا تصور فوراً سامنے آجاتا ہے اس طرح مجدد الف ثانی یا شیخ مجدد یا امام ربانی، یا قیوم دورانی کے القاب سے آپ کی صورت و سیرت کے اجالے نگاہوں میں سمٹ آتے ہیں، کسی کو پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی، گویا آپ کی تجدید الف ثانی پر اجماع امت ہے اور اسکا انکار محرومی اور بدنصیبی کا پیش خیمہ ہے۔

⊙...... ہمارے بعض احباب اپنی عقیدت سے مغلوب ہو کر اپنی پسند کی شخصیت کو ''مجدد اعظم'' کے لقب سے مشہور کر رہے ہیں حالانکہ اس الف ثانی کے عرصے میں تجدیدی طور پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا راج ہے، اس ہزار سال کے دورانیے میں ان کے سوا کوئی شخصیت بھی ''مجدد اعظم'' کہلانے کی مستحق نہیں، حضرت قیوم زمانی، مجدد برحق، شیخ الاسلام شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

> ''راہ ولایت کے کھلنے کا واسطہ جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا وجود باجود ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس توسط میں شریک ہیں، اس کے بعد بارہ میں سے باقی امام اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہم ولایت کی اس امانت کا بوجھ اٹھانے والے ہیں لیکن دوسرے ہزار میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی اس امر میں شریک ہیں، یہ بات ثابت ہے کہ اس دوسرے ہزار میں جو شخص درجہ ولایت کو پہنچتا ہے خواہ وہ کسی خاندان میں مرید ہو، اس کیلئے بغیر ان کی وساطت کے ناممکن ہے، وہ ان کی توجہ اور امداد سے ان مرحلوں کو طے کرتا ہے اگرچہ، قطب و ابدال اور اوتاد و اغواث ہوں، یہ ضروری نہیں کہ سالکین حضرت مجدد کی توجہ اور امداد کی خبر وآگاہی بھی رکھتے ہوں'' ﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ:۳۴۴﴾

⊙...... یہ ہزار سال کا دور آپ کا دور تجدید تھا اس لئے آپ کو تمام سلاسل طریقت کے فیوضات کا مرکز بنایا گیا، مشائخ کبار کے اٹھارہ سلسلے آپ کی ذات پر مجتمع ہوتے ہیں، اس لئے جو مجددی ہے وہ نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی بھی ہے، یہ آپ کا فیضان نظر ہے کہ مجددی حضرات نے ہر اچھی تحریک اور اعلیٰ شخصیت کے ساتھ محبت اور معاونت کا ثبوت دیا، مثلاً اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی کوششوں کو اجاگر

کرنے میں آپ کے سلسلے کے حضرات سے زیادہ مجددی حضرات کا کارنامہ نظر آتا ہے'
حضرت ڈاکٹر مسعود ملت ہوں یا حضرت علامہ اختر شاہ جہانپوری، حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی ہوں یا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، سب غلامانِ مجدد نے حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور فیوضات کو عام کرنے کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، یہ راقم تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہے کہ اس نے بھی آپ کی شخصیت پر چار کتابیں رقم کی ہیں اور متعدد مضامین تحریر کئے ہیں، ان تمام افراد نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ اس ذمہ داری کو نبھایا ہے جو ان کے شیخ کریم کی بارگاہ سے ان پر عائد کی گئی تھی اور وہ ذمہ داری تھی ہر حق پرست کی تائید کرنی اور ہر باطل پرست کے سامنے ڈٹ جانا ؎

سرخی خار مغیلاں سے پتا چلتا ہے
تیرے دیوانے یہاں آئے یہاں تک پہنچے

کمالات مجددیہ پر ایک نظر:

اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت میں بہت سے کمالات جمع فرما دیئے اور یہ اس قادر کریم کیلئے مشکل نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ان کمالات کی گواہی آپ کی تحریروں میں موجود ہے:

......﴿1﴾......

میں نے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ایک نظر سے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے چالیس روز کے چلے میں نہیں پا سکتے اور ان کی توجہ سے وہ کچھ حاصل کیا ہے جو سالہا سال کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ﴿مکتوب ۴۲ دفتر ۲﴾

......﴿2﴾......

اس راہ کے بے نہایت ہونے پر آہ ہزار آہ، اتنی جلد سیر اور واردات وعنایات کا حصول نہایت ہی مقام حیرت ہے، یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے.......... ذات باری نے کام بنا دیا، چندروز ہوئے اشیا میں سیر واقع ہوئی۔ ﴿مکتوب ۱۳ دفتر ۱﴾

......﴿3﴾......

عجب بات ہے کہ اب اس فقیر کو حق الیقین سے مشرف فرما دیا گیا ہے، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کیلئے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں، یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم وشعور سے متصف ہے اور عین غیب، حضور کا حکم رکھتی ہے، ﴿مکتوب ۱۸ دفتر ۱﴾

......﴿4﴾......

جاننا چاہیئے کہ ممکن جب قرب الٰہی کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے ﴿یعنی مشاہدہ کرتا ہے﴾ تو ازل و ابد کو متحد پاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا اور طوفان نوح علیہ السلام بھی موجود تھا، اہل بہشت کو بہشت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں دیکھا............ یہ سب کچھ ایک آن میں ہوا، گذشتہ اور آئندہ کی وہاں کوئی گنجائش نہیں، یہ حالات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم وروح دونوں کو پیش آئے، آپ نے بصارت اور بصیرت دونوں کے ساتھ مشاہدہ فرمایا، اگر تبعیت کے طور پر یہ حالت دوسروں کو مرحمت فرمائی جائے تو صرف روح کے ساتھ محدود ہوگی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوگی، ﴿مبدا معاد: ۴۹ مطبوعہ کراچی﴾ اس فقیر کو بھی حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے یہ حالت میسر آئی ہے کہ میں نے ملائکہ کو جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں دیکھا، ﴿ایضاً ص ۶۹﴾

......﴿5﴾......

اگرچہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے لیکن ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آجائے کہ فقیر نے اگر وحدۃ الوجود کے نظریے کو قبول کیا تھا تو کشف کی بنا پر کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا اگرچہ دوسرے پر حجت نہیں۔ ﴿مکتوب ۳۱ دفتر ۱﴾

......﴿6﴾......

اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ ہے، میرے سپرد ایک عظیم کام ہے، مجھے نہ پیری مریدی کیلئے دنیا میں لایا گیا ہے اور نہ میری پیدائش سے تکمیل و ارشاد مقصود ہے بلکہ اور ہی معاملہ اور کام ہے، جو شخص مناسبت رکھتا ہوگا وہ فیض حاصل کر

سکے گا، اس عظیم کام کے مقابلے میں تکمیل وارشاد کا کام بالکل معمولی ہے جیسے راستے میں پھینکی ہوئی چیز، انبیائے کرام ﷩ کی دعوت کوان کے باطنی معاملات سے یہی نسبت ہے، اگر چہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے لیکن نبوت کے کمالات اور خصائص سے تبعیت ووراثت کے طور پران کے کامل متبعین کوحصہ میسر ہے۔ ﴿مکتوب ۱۱ دفتر ۲﴾

......﴿7﴾......

اس امت کی آخریت حضور اقدس ﷺ کے وصال باکمال کے ایک ہزار سال یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے شروع ہوتی ہے، ہزار سال گزرنے میں یہ عظیم خاصیت ہے کہ امور میں تغیر آجاتا ہے اور اسکا اشیا کے تبدیل میں قوی اثر ہوتا ہے، چونکہ اس امت میں نسخ وتبدیل نہیں ہے لہذا متقدمین کی نسبت اسی طراوت اور آبداری کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور تائید شریعت اور تجدید ملت اسی دوسرے ہزار سال میں ہورہی ہے، اس امر کے دو معتبر گواہ حضرت عیسیٰ ﷤ اور حضرت مہدی ﷜ ہیں۔ ﴿مکتوب ۲۶۱ دفتر ۱﴾

......﴿8﴾......

ہرصدی کے سرے پراس امت کے علما مجدد کا تعین فرماتے ہیں کہ شریعت کا احیا فرمائے، خاص طور پر ہزار سال گزرنے کے بعد کہ اگلی امتوں میں وہ اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت دوسرے پیغمبروں پراکتفانہ کیا جاتا تھا، اس دستور کے مطابق فی زمانہ ایک عالم، عارف اور تام المعرفت درکار ہے جو امم سابقہ کے اُولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو۔ ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱﴾

......﴿9﴾......

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بغیر ارادے اور تکلف کے ظاہر ہورہے ہیں اگر بہت سے آدمی بھی جمع ہوکرانہیں مرتب کرنے کی کوشش کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ کرسکیں گے، فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی ﷜ کو نصیب ہوگا۔ ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱﴾

......﴿10﴾......

علوم و معارف موسلا دھار بارش کی طرح برسائے جارہے ہیں، قوت مدا کہ جن کو اٹھانے سے عاجز ہے بلکہ قوت مدرکہ تو محض برائے تعبیر ہے ورنہ بادشاہ کی عطاؤں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھاسکتی ہیں۔ ﴿مکتوب ۱۸ دفتر ا﴾

......﴿11﴾......

یہ علوم و معارف جن کے متعلق اہل اللہ میں سے کسی نے صراحتاً یا اشارتاً گفتگو نہیں کی بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ اور ممکنات کو جس طرح ممکن اور لائق تھا بیان کیا ہے، یہ نہ کتاب وسنت کے خلاف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے متصادم۔ ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر ا﴾

......﴿12﴾......

یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے، اس بیان کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں التجا کی تو معزز فرشتوں کو دیکھا کہ اس مقام کے گردونواح تک سے شیطان کو بھگاتے تھے اور اس جگہ کے گرد نہ آنے دیا، ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر ا﴾ کسی عقل نارسا میں یہ وہم نہ آجائے کہ وہاں فرشتے کیوں اور کیسے آگئے، اس امر کا خود قرآن شاہد ہے، ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیهم الملائکه، جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جاتے ہیں تو ان پر ﴿امداد و نصرت کے﴾ فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

......﴿13﴾......

یہ نقد وقت ہے کیونکہ وہ ﴿لا تعداد﴾ اسرار ایسے نہیں ہیں کہ میں خود انہیں بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان کئے نہیں جاسکتے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب است

نوٹ: آپ کا یہ فرمان بھی حدیث بخاری سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے دو قسم کے علم حاصل ہوئے، ایک جو تمہارے درمیان بیان کرتا ہوں اور ایک اگر بیان کروں تو تم میرا حلقوم کاٹ دو، لہذا یہاں بھی اشکال وارد نہیں ہونا چاہئے۔

......﴿14﴾......

اس فقیر کو علم لدنی کی توفیق حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہوئی، لیکن یہ صورتِ حال اس وقت تک رہی جب کہ میں مقام اقطاب سے نہیں گزر گیا تھا، اس مقام سے گزر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ درمیان میں آسکے۔ ﴿مبداء معاد ص ۹۷﴾

......﴿15﴾......

آخر کار جب حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تاویلات متشابہات کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں جاری فرمادی تو معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی تاویلات متشابہات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے، ﴿مکتوب ۲۷۶ دفتر ۱﴾

......﴿16﴾......

اس فقیر کو مقام اقطاب پر پہنچانے کے بعد حضور سرور کون ومکان ﷺ کی جانب سے قطبیت ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا، اس کے بعد عنایت خداوندی سے اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا، چنانچہ ایک مرتبہ اصل ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی اور پھر وہاں سے اصل کے مقام تک ترقی عطا فرمائی گئی، یہاں تک کہ مقام اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا، اس مقامات اصل کے عروج میں حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی روحانیت کی امداد حاصل رہی، ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر مقام اصل الاصل تک واصل فرمادیا، پھر وہاں سے مجھے دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے، اس فقیر کو

نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے، اپنے والد محترم خواجہ عبدالا حد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوا تھا۔ ﴿مبداؤ معاد:۹۶﴾

......﴿17﴾......

اس فقیر کو نزول کے وقت جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا اور ہر مقام کے مشائخ میرے مددگار رہے اور انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخاب سے بڑا حصہ فقیر کو عطا فرمایا، سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ اسرارھم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا، ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے دیگر مشائخ کی نسبت کہیں زیادہ میری امداد فرمائی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرت قدس سرہٗ اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں بلکہ اس مقام کے رئیس ہیں۔ ﴿مبداء و معاد ۹۷﴾

......﴿18﴾......

اللہ تعالیٰ کے واسطے تعریف اور اسلام اس کے برگزیدہ بندوں پر، میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جا ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے اور میری ارادت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے واسطوں سے ہے، طریقہ نقشبندیہ میں اکیس اور قادریہ میں پچیس اور چشتیہ میں ستائیس واسطے درمیان ہیں لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی جیسے کہ گزر چکا، پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا پس رو بھی یعنی پیچھے چلنے والا خادم بھی، اگرچہ اس دستر خوان پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں، اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں، اگرچہ امتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں، نہ وہ شرکت جسمیں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو مخدوم سے ہوا کرتی ہے، جب تک بلایا نہ گیا خوان نعمت پر حاضر نہ ہوا اور جب تک اجازت نہ ملی نعمت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا اگرچہ اویسی ہوں لیکن حاضر و ناظر مربی رکھتا ہوں، اگرچہ طریقہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہے، اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے اور راہ اجتبا پر چلا ہوں، میرا سلسلہ رحمانی

ہے اور میں عبد الرحمٰن ہوں، میرا رب رحمان ہے اور مربی ارحم الراحمین ہے، میرا طریقہ طریقہ سبحانی ہے جس تک راہ تنزیہ سے پہنچا ہوں، نام اور صفت سے ذات اقدس تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہا، یہ سبحانی وہ سبحانی نہیں ہے جو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کیونکہ اس کو اس کے ساتھ کسی قسم کی مساوات نہیں ہے، وہ سبحانی دائرہ انفس سے باہر نہیں اور یہ انفس و آفاق سے ماورا ہے، وہ تشبیہ ہے جس نے تنزیہ کا لباس پہنا ہے اور یہ تنزیہ ہے جس کو تشبیہ کی گرد بھی نہیں لگی، اس سبحانی نے چشمہ سکر سے جوش مارا اور یہ عین صحو سے نکلا، ارحم الراحمین نے میرے حق میں تربیت کے اسباب کو معدات کے سوا نہ رکھا اور علت فاعلی میری تربیت میں اپنے فضل کے سوا اور کچھ نہ بنائی، حق تعالیٰ کمال کرم سے اس اہتمام و غیرت کے باعث جو میرے حق میں رکھتا ہے پسند نہیں کرتا کہ میری تربیت میں کسی دوسرے کے فعل کا دخل ہو یا میں اس امر میں کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، میں حق تعالیٰ کا تربیت یافتہ اور اس کے نا متناہی فضل و کرم کا مجتبیٰ اور برگزیدہ ہوں" ﴿مکتوب ۸۷ دفتر ۳﴾

بر کریماں کارہا دشوار نیست

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی کے اس مکتوب گرامی سے عوام تو کیا بہت سے خواص بھی خاصے پریشان ہو گئے، یہاں تک کہ حضرات مجددیہ کو اسکی صحیح تشریح و تعبیر کا فریضہ سرانجام دینا پڑا، عارف کامل حضرت زید ابوالحسن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس مبارک مکتوب کو جب میں پڑھتا ہوں تو ضمیر کہتا ہے کہ جس وقت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لکھا ہے آپ کی ہیت وجدانی ریاض انس و حضوری میں سائر و دائر تھی، جو انعامات ہو رہے تھے اور جن اکرامات کو یاد دلایا جا رہا تھا زبان قلم ان کا بیان کر رہی تھی، آپ کی کیفیت بزبان حال کہہ رہی تھی، لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل، یعنی میری ایک گھڑی اللہ کے ساتھ ایسی بھی ہوتی ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی، نہ کسی مقرب فرشتہ کی اور نہ کسی مرسل نبی کی، ﴿حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۵۲﴾ مذکورہ بالا حدیث کو حضرت علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں ذکر کر کے لکھا ہے کہ صوفیہ اسکو بکثرت نقل کرتے ہیں اور ملک مقرب سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں اور نبی مرسل سے خود آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور اسمیں اشارہ

اس مقام استغراق کی طرف ہے جو حضوری کے وقت ہوتا ہے اور جس کو فنا کہتے ہیں یعنی اس وقت سالک روحاً اور خیالاً اپنے مولا تعالیٰ ہی میں مستغرق ہوتا ہے، اس مکتوب گرامی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وسیلہ مصطفےٰ کا انکار نہیں کر رہے بلکہ انتہائی عروج پر پہنچنے کے بعد ''وصل عریاں'' کا ذکر کر رہے ہیں جیسا کہ کسی صوفی کا شعر ہے ؎

اوشود عریاں زتن من از خیال

تاخرامم درنہایات الوصال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت، طفیلیت اور وراثت کے سبب مومن کامل اور عارف اکمل پر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے حقیقت محمدی سے گزار کر خاص بارگاہ صمدیت میں پہنچا دیتے ہیں اور معاملہ پردے سے بے پردگی تک جا پہنچتا ہے اور رب ذوالجلال اس پر بلاواسطہ تجلیات وانعامات کی بارش نازل فرماتا ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہئے، جیسے کوئی بادشاہ کا محرم خاص اپنے کسی غلام زار کے کام سے خوش ہو کر بادشاہ کے دربار میں پیش کر دے اور خود اس پر بادشاہ کے انعامات کا نظارہ کر کے خوشی کا اظہار کرے، اس سے اس غلام زار کا مقام اس محرم خاص سے کس طرح بلند ہو سکتا ہے اور وہ غلام زار کس طرح خود کو اس محرم خاص سے افضل تصور کر سکتا ہے، بعض حضرات نے مکتوب گرامی میں منقول ''ہم پرہ کے لفظ سے مغالطہ کھایا ہے، وہ اس کا معنیٰ ہمسر اور ہم مرتبہ سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ اس کا معنیٰ صف لشکر اور پرکاہ' ہے، ان دونوں معانی سے عاجزی اور انکساری کا اظہار ہو رہا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم میں وساطتِ مصطفےٰ کے متعلق لکھا ہے:

''اس مقام کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طالب اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہیں اور دوسری یہ کہ آپ کے طفیل اور تبعیت اور متابعت کے طفیل طالب اپنے مطلوب سے واصل ہو گیا ہے، سلوک کے راستے میں جب تک سالک حقیقت محمدی تک نہیں پہنچا ہے توسط بہ ہر دو صورت موجود ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ تمام مشائخ جو کہ سلسلہ میں آئے

ہیں سالک کے شہود میں حاجب ہیں ﴿یہ حجاب دوربین کے شیشوں کی طرح ہیں کہ خود نظر نہیں آتے اور نظر پہنچانے کا ذریعہ بنے ہیں﴾ افسوس ہے اگر جذبہ کا اواخر حال اس کا تدارک نہ کرے اور پردہ سے بے پردگی تک معاملہ نہ پہنچے کیونکہ راہ جذبہ میں حقیقت الحقائق ﴿یعنی حقیقت محمدی﴾ تک پہنچنے کے بعد توسط دوسری صورت اور درجہ کا ہوتا ہے جو بہ معنیٰ طفیلیت اور تبعیت ہے بہ معنیٰ حیلولیت وحجاب جو کہ شہود و مشاہدہ اور ان جیسے دوسرے مقامات کیلئے بہ منزلہ پردہ وحجاب کے ہے''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''اس عدم توسط یعنی واسطہ کے نہ ہونے سے جو طریق جذبہ میں کہا گیا ہے کوئی بیوقوف یہ گمان نہ کرے کہ حضرت خیر البشر علیہ السلام کی بعثت کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی تبعیت ومتابعت کی کچھ پرواہ نہیں کیونکہ یہ کفر والحاد وزندقہ ہے اور شریعت حقہ کا انکار ہے حالانکہ اوپر گزر چکا ہے کہ جذبہ سلوک کے واسطے کے بغیر جو شریعت کے بجالانے سے مراد ہے ابتر و ناتمام ہے اور سراسر نقمت اور عذاب ہے جو نعمت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور جذبہ ناتمام کے صاحب پر حجت کو پورا کیا ہے، غرض کشف صریح اور الہام صریح سے یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ اس راہ کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ اور اس گروہ کے معارف میں سے کوئی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور مبتدی اور متوسط کی طرح منتہی کو بھی اس راہ کے فیوضات و برکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل وتبعیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے'' ﴿مکتوب ۱۲۱ دفتر سوم﴾

آپ نے اس مکتوب گرامی میں تمام شبہات کے جواب ارشاد فرما دیئے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں، آپ ان عبارات میں برابر تسلیم کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت وطفیلیت کا توسط، توسل اور وسیلہ ہر حال میں برقرار رہتا ہے، نجانے ان لوگوں نے اس کو کیوں فراموش کر دیا ہے، آپ چونکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند

ہیں اسلئے ''مرادیت'' سے سرشار ہیں، لیکن ہر مقام پر اس شرکت کا ذکر کرتے ہیں جو ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوتی ہے، آپ کے یہ الفاظ کہ ''میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی، میرا سلسلہ ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا قائم مقام ہے، لوگوں کیلئے غبار خاطر کا سبب ہیں حالانکہ انہیں صحیح بخاری شریف میں مرقوم اس حدیث قدسی کا مطالعہ کرنا چاہئے:

''جب نوافل کے ذریعے میرا بندہ میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اسکے پاوں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور وہ جو کچھ بھی مجھ سے طلب کرتا ہے میں اسے ضرور بضرور عطا کرتا ہوں۔ ﴿بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ۹۶۳/۲، مشکوٰۃ ص ۱۹۷﴾

حدیث قدسی کے الفاظ بھی مفہوم کو اجاگر کر رہے ہیں مگر مزید تشریح کیلئے حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان دیکھئے: **ھذا الخبر یدل علی انه لم یبق وسمعھم لغیر الله ولا فی بصرھم ولا فی سائر اعضائھم اذ لو بقی ھناک نصیب لغیر الله لما قال انا سمعه وبصره،** حدیث اس پر شاہد ہے کہ بندگان الٰہی کی آنکھوں بلکہ تمام اعضا میں اللہ کے سوا کسی کا کوئی حصہ نہیں رہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور کا حصہ باقی ہوتا تو اللہ ہرگز نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر بن جاتا ہوں ﴿تفسیر کبیر ۶۸۶/۵﴾ مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں، عبد متقرب بالنوافل میں اس کے جسم اور صورت کے سوا باقی کچھ نہیں رہتا، اس میں صرف اللہ متصرف ہو گیا، صوفیہ اسے فنا فی اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی تصرف کرنے والا نہیں ہوتا۔ ﴿فیض الباری ۴۲۸/۴﴾ بقول اقبالؔ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفرین، کارکشا، کارساز

خاکی ونوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

ویسے دیکھا جائے تو حضور اکرم ﷺ کی رسالت ونبوت کا مقصد کیا تھا، یہی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے والے بندوں کو ہزاروں اصنام واوثان سے بچا کر اسکی بارگاہ قدس سے ملانے آئے تھے، وصل کی دولت سے سرفراز کرنے آئے تھے، اگر کوئی شخص آپ کے اس مقصد بعثت کی بدولت اور آپ کی متابعت کے طفیل حق تعالیٰ کے دربار کرم سے واصل ہو جاتا ہے اور اس کا ہاتھ دست لم یزل کے کمالات کا مظہر بن جاتا ہے تو اعتراض نہیں ہونا چاہئے، کیا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کہا کہ ''پیر کامل صورت ظل الہٰ'' ہوتا ہے اور دید پیر، دید کبریا کی صورت بن جاتی ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ قول حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے زیادہ ''خطرناک'' ہے مگر کبھی کسی معترض نے اس طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور اسے سکر ہی سکر قرار نہیں دیا، پھر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات کو دیکھا جائے تو کیا تبصرہ کیا جائے:

⊙......میں زمین میں تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہوں اور رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوں، ﴿بہجۃ الاسرار ص ۲۲ مطبوعہ مصر﴾

⊙......میں اللہ تعالیٰ کے علوم اور مشاہدات کے سمندروں میں تیرنے والا ہوں، ﴿ایضاً ص ۲۲ قلائد الجواہر ص ۲۶﴾

⊙......ولی اللہ توحید کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے پھر اس سے تمام حجابات دور کر دیئے جاتے ہیں، ﴿غنیۃ الطالبین ص ۸۳۱﴾

⊙......تمہیں کائنات کی تکوین اور تصرف پر اختیار حاصل ہو جائے گا، تم کو پوری قدرت حاصل ہوگی، تم اللہ کے ساتھ سنو گے، اسی کے ساتھ دیکھو گے، اسی کے ساتھ بولو گے، اسی کے ساتھ پکڑو گے، اسی کے ساتھ چلو گے اور اسی کے ساتھ سوچو گے۔ ﴿فتوح الغیب مقالہ ۴۰ مطبوعہ لاہور﴾

⊙......اللہ نے مجھے اپنے راز قدیم پر مطلع کیا، مجھے عزت کا ہار پہنایا، جو کچھ میں نے مانگا عطا فرمایا، ﴿قصیدہ غوثیہ﴾

⊙......میں قرب الٰہی میں یکتا اور یگانہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے پھیرتا ہے اور

وہ مجھے کافی ہے، ﴿ایضا﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ "میرے پیر عبدالباقی ہیں، لیکن میری تربیت کا متکفل اللہ الباقی ہے، اس کے فضل نے میری تربیت کی ہے" اس مبارک جملے میں بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ متکفل حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، **فقل حسبی اللہ لاالہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم**، فرمایئے! مجھے اللہ ہی کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے، کیا قرآن پاک نے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے تختِ بلقیس لانے والے ولی کامل کے متعلق پیغمبر برحق حضرت سلیمان علیہ السلام کا عقیدہ بیان نہیں فرمایا: **ھذا من فضل ربی**، یہ تو میرے رب کا فضل ہے، خود حضرت باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس فضل عظیم کا اقرار فرماتے ہیں:

⊙......شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے اور کوئی نہیں ہے۔

⊙......صحابہ وتابعین کے بعد شیخ احمد جیسی ہستیاں چند ہی گزری ہیں۔

⊙......شیخ احمد قطبیت ارشاد اور قطبیت مدار کے جامع ہیں۔

⊙......شیخ احمد مرید نہیں بلکہ مراد اور محبوب ہیں۔

⊙......شیخ احمد کی توجہ سے راہ سلوک میں ہمارا توقف دور ہوا۔

⊙......شیخ احمد کے ذریعے معلوم ہوا کہ توحید وجودی تنگ کوچہ ہے۔

⊙......شیخ احمد کی ذات پر مجھے فخر ہے۔

⊙......شیخ احمد کے بیج اسرار الٰہی ہیں، شجرہ طیبہ ہیں، اللہ نے خوب کھیتی اگائی ہے۔

یہ تمام رشحات طیبہ ان کے خطوط میں موجود ہیں، جب وہ خود شیخ کامل ہو کر ان کو اپنی مراد اور محبوب قرار دے رہے ہیں تو ایک بار تحدیث نعمت کے طور پر انہوں نے بھی اعلان کر دیا تو کیا غضب ہوا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اظہار بھی کرنا چاہیئے تا کہ کمال شکر کا درجہ نصیب ہو جائے، بہر حال یہ مکتوب گرامی آپ کے خداداد کمالات اور اسرار کا گنجینہ ہے جسے لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر مورد اعتراض ٹھہرالیا ہے۔

اللھم اھدنا الصراط المستقیم بحرمۃ رسولک الکریم

عرفان خدا کے دو راستے:

تصوف و عرفان کی دنیا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہی وہ بلند پایہ شخصیت ہیں جنھوں نے پہلی بار عرفان خدا کے حصول کیلئے دو راستوں کا انکشاف کیا ہے، ایک قرب نبوت کا راستہ اور دوسرا قرب ولایت کا راستہ، ان راستوں کا انکشاف آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

⊙......ایک راہ وہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے، اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجبا اور عام اولیا اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ کا نام ہے بلکہ معارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہیں اور اس راہ میں توسط و حیولیت ثابت ہے، اس راہ کے واصلین کے سردار اور منبع فیض حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ عظیم الشان منصب انہی سے تعلق رکھتا ہے، اس راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم ان کے سر پر ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے شریک کار ہیں۔ ﴿معارف لدنیہ ص ۶۶﴾

⊙......میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسے کہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض پہنچا ہے ان کے ذریعے پہنچا ہے کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطے کے نزدیک ہیں، ان کے دور کے بعد حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما اس منصب عظیم پر فائز ہوئے، پھر باقی ائمہ اثنا عشر میں سے ہر بزرگ کا ترتیب وار تقرر ہوا یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ النورانی تک پہنچی، حضرات ائمہ اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی دوسرا اس مرکز پر معلوم نہیں ہوتا، اس لئے آپ نے فرمایا ؎

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابدا علیٰ افق العلیٰ لا تغرب

سورج سے مراد فیضان رشد و ہدایت کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکورہ کا عدم ہے، پہلوں کی طرح حضرت شیخ ہی فیض و

ہدایت کے وصول کا واسطہ قرار پائے تو جب تک فیضان کے توسط کا معاملہ قائم ہے تو ان کے وسیلے سے ہی وابستہ ہے، دریں حالات "افلت شموس الاولین" فرمانا یقیناً درست ہے، ﴿مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم﴾

⊙......میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی اس مقام ﴿قرب ولایت﴾ میں حضرت شیخ کا نائب مناب ہے اوران کی نیابت کے باعث یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، نور القمر مستفاد من نور الشمس، چاند کا نور سورج کے نور سے استفادہ کرتا ہے، لہذا اب کوئی تضاد نہیں رہا، ﴿ایضاً﴾

⊙......جاننا چاہئے کہ انبیا کرام علیہم السلام کے کامل تبعین جب تبعیت کے طور پر مقام نبوت کے کمالات کو پوری طرح حاصل کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب امامت پر فائز کر دیا جاتا ہے اور بعض کو ان کمالات کے مجرد حصول پر کفایت فرماتے ہیں، یہ دونوں قسم کے بزرگ نفس کمال کے حصول میں برابر ہیں، فرق صرف منصب پر فائز کرنے اور نہ کرنے کا ہے، یا ان امور کا جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں، کامل تبعین جب ولایتِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب الارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب، یعنی یہ نیچے والے دونوں مقام اوپر والے دونوں مقام کے ظل ہیں، شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قطب مدار ہی غوث ہوتا ہے جبکہ فقیر کا عقیدہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہوتا ہے اور وہ اس کے فرائض میں معاون ہوتا ہے، قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے، ابدال کے مناصب مقرر کرنے میں بھی اسکا دخل ہے، قطب مدار کو اس کے اعوان وانصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی قطب حکمی ہیں۔ ﴿مکتوب ۲۶۱ دفتر ۱﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس اجتہادی فکر و عرفان سے معلوم ہوا کہ قرب ولایت کے کمالات کے حصول پر خلافت کا منصب ملتا ہے اور قطب الاقطاب اس کا ظل ہے جبکہ قرب نبوت کے کمالات کے حصول پر امامت کا منصب ملتا ہے اور قطب الارشاد اسکا ظل ہے، گویا منصب امامت منصب خلافت سے بھی افضل ہے اور قطب الارشاد، قطب الاقطاب سے اعلیٰ ہے اور آپ کے ایک اور مکتوب گرامی کے مطابق کمالات فردیہ کا جامع ہے، عزیز الوجود اور نایاب ہوتا ہے، قرنوں اور زمانوں کے بعد ایسا گوہر یکتا ہاتھ آتا ہے اور عالم تاریک اسکی نورانیت سے منور ہو جاتا ہے، جو شخص اس بزرگ کا منکر ہے تو اگر چہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول کیوں نہ رہے، رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہے گا اور جو اس بزرگ سے محبت کرتے ہیں اگر چہ ذکر و فکر سے خالی ہوں لیکن اس کی محبت کے سبب انہیں رشد و ہدایت کے نور سے حصہ مل جائے گا، ﴿ مکتوب ۲۶۰ دفتر ا ﴾ اس مقام پر ایک اشکال بھی جنم لیتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ ولایت محمدی کے ﴿ کمالات کے ﴾ سر حلقہ ہیں جو لطیفہ قلب کے راستے حاصل ہوئی ہے نہ کہ مطلق ولایت کے سر حلقہ کہ اس سے ان کی افضلیت لازم آئے علاوہ بریں یہ بھی کہتے ہیں کہ مطلق ولایت محمدی ﴿ کے کمالات کا ﴾ سر حلقہ ہونا بھی افضلیت کو مستلزم نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی تبعیت و وراثت کے طور نبوتِ محمدی کے کمالات میں پیش قدم ہو اور ان کمالات کے باعث افضلیت اس کیلئے ثابت ہو'' ﴿ مکتوب ۹۳ دفتر ا ﴾ اشکال یہ ہے کہ چونکہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ خود کو نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم سمجھتے ہیں لہٰذا لامحالہ وہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوئے، ہاں ولایت محمدی کے کمالات میں انہوں نے اپنے آپ کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے منور ہونے کا اعلان فرمایا ہے جس طرح کہ چاند سورج کی روشنی سے منور ہوتا ہے، جواباً عرض ہے کہ مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم افضل شخصیت سے مراد غالباً حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ بالا جماع حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل ہوں گے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی اگر چہ نبوت محمدی کے کمالات میں پیش قدم تھے لیکن اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو وہ کمالات نصیب نہیں ہوئے، آپ کے مکتوب ۱۲۳ دفتر سوم پر توجہ

دی جائے:

''میں کہتا ہوں کہ توسط و وسیلہ کا معاملہ مذکورہ بالا راہوں میں سے دوسرے راستہ پر موقوف ہے جو قرب ولایت سے مراد ہے، لیکن راہ اول میں جو قرب نبوت سے مراد ہے توسط و وسیلہ کا معاملہ مفقود ہے، اس راستہ سے جو کوئی واصل ہوا ہے، کوئی حائل و متوسط درمیان نہیں آیا، دوسرے کے وسیلے کے بغیر اس کو ﴿نبوت کے﴾ فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں، توسط و حیلولہ فقط دوسرے راستے میں ہے، اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے جیسے کہ گزر چکا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ راہ اول سے واصل ہیں جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت کے ضمن میں راہ اول سے واصل ہوئے اور اپنے درجوں کے موافق شان خاص کے حقدار ٹھہرے، تنبیہ واضح ہو کہ ممکن ہے کہ آدمی قرب ولایت کے راستے سے قرب نبوت تک پہنچ جائے اور ہر دو معاملہ میں شریک ہو اور انبیا کرام کی طفیل اس کو بھی جگہ دے دیں اور دونوں جگہوں کا معاملہ اس پر وابستہ کر دیں

خاص کند بندہ مصلحت عام را

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے کہیں بھی اپنے آپ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے افضل قرار نہیں دیا، یہ تمام تر وضاحتیں اور صراحتیں صرف اسی لئے بیان فرمائیں کہ کوئی شخص حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو مطلق ولایت محمدی کا سرحلقہ سمجھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اور اس طرح دیگر شخصیات جن کی بزرگی ان پر مسلم ہے، سے افضل اور اعلیٰ تصور نہ کر لے۔

عالم مثال کے متعلق اجتہادی رائے:

عالمین میں سے ایک عالم ایسا بھی ہے جسے عالم مثال کہا جاتا ہے اور تمام عالمین سے زیادہ وسیع و عریض ہے، جو کچھ دیگر عالمین میں پایا جاتا ہے اسکی صورت عالم مثال میں موجود ہے، معقولات اور معانی سب وہاں ایک صورت رکھتے ہیں، بزرگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مثل نہیں، مثال ہے، وللہ المثل الاعلیٰ، لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا، تنزیہ صرف کے مرتبہ میں جس طرح مثل نہیں، مثال بھی نہیں، فلا تضر

بو اللہ الامثال ، اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی مثال بیان نہ کرو، یہ عالم صغیر عالم مثال کا نمونہ خیال ہے کیونکہ تمام اشیا کی صورت خیال میں متصور ہے، خیال ہی سالک کے احوال ومقامات کی کیفیات کو مختلف صورتوں میں ظاہر کرتا ہے اور صاحب علم بنا دیتا ہے، اگر خیال نہ ہو اور جس جگہ خیال پہنچ نہ سکتا ہو وہاں جہل لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتبہ ظلال کے اوپر جہل اور حیرت ہے کیونکہ خیال کی دوڑ مراتب ظلال تک ہے، جہاں ظل نہیں وہاں خیال کی گنجائش نہیں، جب صورت تنزیہ عالم مثال میں نہیں آسکتی جیسے گزر چکا ہے تو خیال میں جو مثال کا پر تو ہے، صورت تنزیہی کس طرح متصور ہوسکتی ہے، وہاں جہل اور حیرت کے سوا کچھ نہیں ہو گا، جہاں علم نہیں وہاں گفتگو بھی نہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی، اس کا نشان ہے اور جہاں علم ہے وہاں گفتگو بھی ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہوگئی، اس کا بیان ہے، پس زبان کی درازی ظلال میں ہوتی ہے اور زبان کی گنگی مراتب ظلال سے اوپر ہوتی ہے خواہ فعل ہو یا صفت، خواہ اسم ہو یا مسمٰی، پس جو کچھ خیالات کا بنایا ہوا ہے چونکہ وہ ظلال سے ہے اس لئے وہ معلول اور جعلی طور سے بنایا ہوا ہے چونکہ مطلوب کے علامات وآثار سے ہے اس لئے علم الیقین کا فائدہ دیتا ہے، عین الیقین اور حق الیقین ظلال وخیال سے وراء الوریٰ ہے، خیال کی لخت سے تب نجات ملتی ہے جب سیر انفسی کو بھی سیر آفاقی کی طرح پیچھے چھوڑ دیں اور ان دونوں سے آگے جولان کریں، یہ بات اکثر اولیا کرام کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، جب تک وہ زندہ رہتے ہیں خیال دامن گیر رہتا ہے، چند بزرگان اولیا کو یہ دولت دنیا میں نصیب ہوتی ہے کہ وہ خیال کے تصرف سے نکل جاتے ہیں اور مطلوب کو خیال کی تراش کے بغیر حاصل کر لیتے ہیں اور تجلی ذاتی برقی ان کے حق میں دائمی ہو جاتی ہے اور وصلِ عریانی پر تو ڈالتا ہے، بعض اوقات لوگ واقعات اور منامات میں مثال وخیال میں دیکھتے ہیں کہ ہم بادشاہ بن گئے ہیں یا ہم قطب ہیں اور تمام جہان ہماری طرف متوجہ ہے، یہ رویت کچھ نہ کچھ صدق رکھتی ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ بادشاہ اور قطب بننے کے معنی اور استعداد ان لوگوں میں پائی جاتی ہے لیکن ضعیف ہے، اس کے لائق نہیں کہ عالم شہادت میں ظہور پائے، یہ دو امر حال سے خالی نہیں، اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قوت پا جائیں تو اس بات کے لائق ہو جائیں گے کہ عالم شہادت

میں ظہور پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بادشاہ اور قطب وقت بن جائیں، اگر ان معانی نے اس قدر قوت نہ پائی کہ عالم شہادت میں ظاہر ہوں تو وہی مثالی ظہور جو تمام ظہورات میں سے کمزور اور ضعیف ہے، کفایت کرتا ہے اور قوت کے بموجب ظہور پاتا ہے، اگر یہ معنی عالم شہادت میں ظہور پیدا کرلیں تو بڑی اعلیٰ دولت ہے، اور اگر ظہور مثالی پر ہی کفایت کرلیں تو لا حاصل ہے اور جائے مصیبت ہے، ہر جلاہا اور حجام خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھتا ہے لیکن کچھ حاصل نہیں، پس واقعات پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے، عالم شہادت میں جو کچھ حاصل ہو جائے اس کو اپنا سمجھنا چاہئے۔

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

عالم مثال کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد اس سوال کی طرف توجہ دیں جو خواجہ محمد تقی نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے پوچھا، حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں ایک حدیث لکھی ہے، ان اللہ تعالیٰ خلق مائۃ الف ادم، اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم کو پیدا کیا ہے، اور انہوں نے عالم مثال کے بعض مشاہدات کے بارے میں ایک حکایت لکھی کہ کعبہ معظمہ کے طواف کے وقت ایسا ظاہر ہوا کہ ان کے ہمراہ انجان لوگوں کی جماعت طواف کر رہی ہے، طواف میں انہوں نے عربی شعر پڑھا۔

لقد طفنا کما طفتم سنیناً
بھذا البیت طراً جمیعنا

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ شعر سنا، دل میں گزرا کہ یہ سب عالم مثال کے بدن ہیں، ان میں ایک نے میری طرف دیکھا اور کہا، میں تیرے اجداد میں سے ہوں، میں نے پوچھا، تجھے فوت ہوئے کتنے سال ہوئے ہیں، فرمایا، مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے، میں نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو سات ہزار سال ہوئے، اس نے فرمایا، تو کس آدم کا ذکر کر رہا ہے، کیا اس آدم کا ذکر کرتا ہے جو اس سات ہزار سال کے دورہ کے اول پیدا ہوا ہے، اس پر مذکورہ صدر حدیث دل میں گزری جو اس قول کی تائید کرتی ہے، حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر حضرت مجدد الف ثانی قدس

سرہٗ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے تبصرہ فرمایا اور عالم مثال کے باکمال اسرار ظاہر کئے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

''میرے مخدوم! اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب آدم جو حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے گزرے ہیں، ان کا وجود عالم مثال میں ہوا ہے نہ عالم شہادت میں، حضرت آدم علیہ السلام یہی ہیں جو عالم شہادت میں موجود ہوئے ہیں اور زمین میں خلافت پا کر مسجود ملائک ہوئے ہیں، حاصل کلام یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام چونکہ جامعیت کی صفت پر مخلوق ہوئے ہیں، اپنی حقیقت میں بہت سے لطائف اور اوصاف رکھتے ہیں، ان کے وجود سے بیشمار قرن پہلے ہر وقت ان کی صفات میں سے کوئی صفت یا ان کے لطائف میں سے کوئی لطیفہ حق تعالیٰ کی ایجاد سے عالم مثال میں موجود ہوا ہے اور آدم کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور اسی کے نام کا مسمیٰ ہوا ہے اور منتظر آدم کے کاروبار اس سے وقوع میں آئے ہیں حتیٰ کہ توالد وتناسل بھی جو اس عالم مثال کے مناسب ہے ظاہر ہوا ہے اور اس عالم کے مناسب ظاہری باطنی کمالات بھی حاصل ہوئے ہیں اور ثواب وعذاب کا مستحق ہو کر بلکہ اس کے حق میں قیامت قائم ہو کر بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں گئے ہیں، بعد ازاں پھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے کوئی صفت یا لطیفہ حضرت آدم علیہ السلام کا اس عالم میں ظاہر ہوا اور وہ کاروبار جو ظہور اول سے وجود میں آئے تھے، ظہور ثانی سے بھی وہی کاروبار ظاہر ہوئے، جب یہ دورہ بھی تمام ہو گیا، صفات ولطائف کا تیسرا ظہور حاصل ہوا، جب اس ظہور نے بھی اپنا دورہ ختم کیا تو چوتھا ظہور ثابت ہوا، الی ماشاء اللہ، جب ان کے مثالیہ ظہورات کے دورے جو ان کے لطائف وصفات کے ساتھ تعلق رکھتے تھے تمام ہو گئے، آخر کار وہ نسخہ جامعہ عالم شہادت میں حق تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں آیا اور فضل خداوندی سے معزز ومکرم ہوا، اگر لاکھ آدم بھی ہوں تو سب اس آدم کے اجزا اور اس

کے ہاتھ پاؤں اور اس کے وجود کے مبادی و مقدمات ہیں، شیخ بزرگوار کا جد جس کو فوت ہوئے چالیس ہزار سال گزرے ہیں، عالم مثال میں شیخ کے اس جد کے لطائف میں سے ایک لطیفہ تھا جو عالم شہادت میں وجود رکھتا تھا اور یہ بیت اللہ کا طواف جوانہوں نے کیا ہے عالم مثال میں کیا ہے کیونکہ کعبہ معظّمہ کی بھی عالم مثال میں صورت وشبیہ ہے جو اس عالم والوں کا قبلہ ہے، اس فقیر نے اس بارے میں بہت دور تک نظر دوڑائی ہے اور بڑا غور کیا ہے لیکن عالم شہادت میں دوسرا آدم کوئی نظر نہیں آیا اور عالم مثال کے شعبدوں کے سوا کچھ نہ پایا اور یہ جو بدن مثالی نے کہا ہے کہ میں تیرا جد ہوں اور مجھے فوت ہوئے چالیس ہزار سال سے زیادہ عرصے گزرے ہیں، اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ پہلے آدم اس آدم کے صفات و لطائف کے ظہورات تھے نہ یہ کہ علیحدہ خلقت رکھتے تھے اور اس آدم کے برخلاف اور الگ تھے کیونکہ مخالف اور مبائن کو اس آدم سے کیا نسبت اور کیوں کر جد ہو سکتے حالانکہ اس آدم کی پیدائش سے ابھی سات ہزار سال تمام نہیں ہوئے پھر چالیس ہزار سال کی کہاں گنجائش ہے، وہ لوگ جن کے دل بیمار ہیں ان حکایات سے تناسخ سمجھتے ہیں اور عجب نہیں کہ قدم عالم کے قائل ہو جائیں اور قیامت کبریٰ کا انکار کر دیں، بعض ملحد لوگ جو باطل کے ساتھ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں، تناسخ کے جواز کا حکم دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ نفس جب تک حد کمال تک نہ پہنچے بدنوں کے تقلب یعنی بدلنے سے اس کو چارہ نہیں اور کہتے ہیں کہ جب نفس حد کمال تک پہنچ جائے بدنوں کی تبدیلی بلکہ بدنوں کے متعلق سے فارغ ہو جاتا ہے اور اسکی پیدائش سے مقصود یہی اس کا کمال ہے جو میسر ہو گیا، یہ بات صریح کفر ہے اور ان تمام باتوں کا انکار ہے جو دین میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ آخر کار جب تمام نفوس حد کمال کو پہنچ جائیں پھر دوزخ کس کیلئے ہوگی اور عذاب کس کو ہوگا، اس میں دوزخ اور آخرت کے عذاب اور جسموں کے ساتھ اٹھنے کا انکار ہے، کیونکہ

ان کے خیال میں نفس کو اب جسم کی جو اس کے کمال کا آلہ ہے کوئی حاجت نہیں رہی تا کہ جسم کے ساتھ اٹھایا جائے، ان لوگوں کا اعتقاد بعینہ فلاسفہ کے اعتقاد کے مطابق ہے جو حشر اجساد سے انکار کرتے ہیں اور عذاب و ثواب روحانی جانتے ہیں بلکہ ان کا اعتقاد فلاسفہ کے اعتقاد سے بھی بدتر ہے کیونکہ وہ تناسخ کو رد کرتے ہیں اور روحانی عذاب وثواب ثابت کرتے ہیں اور یہ لوگ تناسخ کو بھی ثابت کرتے ہیں اور عذاب آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں، عذاب ان کے نزدیک دنیا ہی کا عذاب ہے جو نفوس کی تہذیب کیلئے ثابت کرتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر بعض اولیا رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے کہ ان کے وجود خاکی سے کئی زمانہ پہلے ان سے عجیب وغریب اعمال وافعال عالم شہادت میں واقع ہوئے ہیں، تناسخ کے جواز کے بغیر یہ بات کس طرح درست ہوسکتی ہے، جواب یہ ہے کہ وہ اعمال وافعال ان بزرگوں کے ارواح سے صادر ہوئے ہیں جو حق تعالیٰ کے ارادہ سے خود اجساد کے ساتھ متجسد ہوکر عجیب وغریب افعال کے مرتکب ہوئے، کوئی اور جسد نہیں جس کے ساتھ ان کا تعلق ہو، تناسخ کے یہ معنی ہیں کہ روح کا اس جسد کے تعلق سے پہلے کسی اور جسد کے ساتھ جو اس جسد کے مخالف اور متغائر ہے، تعلق ہوا ہو اور جب خود ہی جسد کے ساتھ متجسد ہو جائے پھر تناسخ کہاں ہوگا، جن جو مختلف شکلیں بن جاتے ہیں اور مختلف جسدوں میں متجسد ہو جاتے ہیں اس وقت ان سے اعمال عجیبہ جو ان شکلوں اور جسدوں کے مناسب ہیں ظہور میں آتے ہیں، ان میں کوئی تناسخ اور حلول نہیں، جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوکر عجیب وغریب کام کریں تو اگر کاملین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کونسی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی ان کو کیا حاجت ہے، اسی قسم کی ہیں وہ بعض حکایتیں جو بعض اولیا اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں

اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں، یہاں بھی ان کے لطائف مختلف جسدوں میں متجسد ہوکر اور مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں، اسی طرح اس عزیز ﴿ مجدد الف ثانی ﴾ کا حال ہے جو ہندوستان میں وطن رکھتا ہے اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں نکلا، بعض لوگ حضرت کعبہ معظّمہ سے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اس عزیز کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے اور ہمارے اور اس عزیز کے درمیان ایسی ایسی باتیں ہوئی ہیں، بعض نقل کرتے ہیں کہ ہم نے اس کو روم میں دیکھا ہے اور بعض بغداد میں دیکھ کر آئے ہیں، یہ سب اس عزیز کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور اس عزیز کو ان شکلوں کی نسبت اطلاع نہیں ہوتی اسی واسطے لوگوں کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ سب مجھ پر تہمت ہے، میں اپنے گھر سے باہر نہیں گیا، نہ میں نے حرم کو دیکھا ہے اور نہ میں روم و بغداد کو جانتا ہوں اور نہیں پہچانتا کہ تم کون ہو، اسی طرح حاجتمند لوگ اپنے زندہ یا وصال شدہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہوکر ان کی بلا کو دفع کر دیا ہے، ان بزرگوں کو اس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ؎

از ما و شما بہانہ ساختہ اند

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں، یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں کبھی عالم مثال میں، جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات و لطائف کی مثالی صورتیں ہیں، اس طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کو حل کرتے ہیں، کمون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے، تناسخ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تناسخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کیلئے تعلق ہوتا ہے تاکہ اس کیلئے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس

وحرکت حاصل ہواور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور اپنے درجات تک واصل ہو جائے جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کرلے اور اس کے وجود میں بروز کرے، یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس وحرکت والا ہے، وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہوگئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات وسکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز بیان نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا وفتنہ میں نہیں ڈالتے، فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں، کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اس بات کے کہ اس میں بروز کرے، اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ والتفات سے اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تاکہ مرید ناقص، نقص سے کمال تک آجائے اور صفات رذیلہ کو چھوڑ کر صفات حمیدہ کو اختیار کرے اور کچھ کمون و بروز درمیان نہ ہو، **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم**، بعض لوگ نقل ارواح کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو کمال کے بعد اس قسم کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنے بدن کو چھوڑ کر دوسرے بدن میں داخل ہوسکتا ہے .... فقیر کے نزدیک نقل روح کا قول تناسخ کے قول سے بھی گیا گزرا ہے کیونکہ تناسخ کا نفس کی تکمیل کیلئے اعتبار کرتے ہیں اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور نقل روح کمال کے حاصل ہونے کے بعد خیال کرتے ہیں حالانکہ کچھ کمال نہیں، جب بدنوں کا تبدل کمالات کے حاصل ہونے کیلئے مقرر کیا ہو تو پھر کمال حاصل ہونے کے بعد دوسرے بدن میں نقل کرنا کس لئے ہے، اہل کمال تماشائی نہیں ہیں، ان کا مقصود کمال کے حاصل ہونے کے بعد بدنوں سے الگ ہونا ہے نہ کہ بدنوں کے ساتھ تعلق اختیار کرنا، کیونکہ بدنوں کے تعلق سے جو کچھ مقصود تھا

وہ حاصل ہو چکا ہے، نیز نقل روح میں بدن اول کا مارنا اور دوسرے بدن کا زندہ کرنا ہے، پس بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب وثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کیلئے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں، اس کیلئے گویا دنیا میں حشر ثابت ہو گیا یا شاید نقل روح کا قائل قبر کے عذاب وثواب کا قائل نہیں اور حشر ونشر کا معتقد نہیں، افسوس صد افسوس اس قسم کے مکار اور کذاب لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں، اوروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں'' ﴿مکتوب ۵۸ دفتر ۲﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے اس مکتوب گرامی میں اپنے اجتہادی فکر وعرفان کے ساتھ ان علوم اور اسرار کو اجاگر کیا ہے:

⊙ ...... حضرت آدم علیہ السلام ایک ہی ہیں، عالم مثال میں ان کے لطائف کارفرما ہوئے، یہ فکر صحیح اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے، لاکھوں آدم تصور کر لینے سے قرآن پاک کی تکذیب لازم آتی ہے۔ ﴿معاذ اللہ﴾

⊙ ...... عالم مثال کی ایک اپنی دنیا ہے جس میں تمام عالمین کے نمونے پائے جاتے ہیں۔

⊙ ...... آپ نے تناسخ اور نقل ارواح کے نظریات کی تردید کی اور اس پر عقلی دلائل قائم فرمائے ہیں تاکہ اہل اسلام گمراہی سے بچ جائیں۔

⊙ ...... کمون وبروز کی جگہ ''انعکاس'' کی اصطلاح متعارف کروائی ہے جس پر کوئی شرعی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

⊙ ...... اولیا کرام کا ایک ہی وقت میں مختلف مکانات میں حاضر وناضر ہونے کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

⊙ ...... بزرگان دین کی روحانی امداد واستمداد کی تائید فرمائی ہے اور اسکی عقلی توجیح ذکر کی ہے۔

⊙ ...... عالم مثال سے علم الیقین کا کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے جو عین الیقین اور حق الیقین کیلئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔

⊙ ...... عالم مثال کی نسبت عالم شہادت کے واقعات پر اعتبار کرنا چاہئے۔

من عرف نفسہ کی اجتہادی تشریح:

صوفیہ کرام کی اصطلاحات میں ''نفس'' بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، نفس کا لغوی معنیٰ ''وجود شے'' ہے یعنی کسی چیز کی ذات یا اسکے وجود کو نفس کہا جاتا ہے، لفظ نفس کے دو مادے مذکور ہیں، اگر یہ نفاست سے مشتق ہو تو اس کا معنیٰ ہے نفیس اور لطیف اور اگر تنفس سے مشتق ہو تو اسکا معنیٰ ہے سانس کی آمد و رفت، اصطلاحی طور پر نفس سے مراد اخلاق ذمیمہ کی وہ کیفیات ہیں جو فطری اور خلقی ہیں مثلاً حسد، بخل، تکبر، غیبت اور کذب وغیرھا گویا نفس سے مراد ایک ایسا لطیف وجود ہے جو اخلاق ذمیمہ کا مورد و مصدر ہے جیسا کہ کان سننے کا، ناک سونگھنے کا اور زبان چکھنے کا مرکز و مصدر ہے، اس طرح نفس اخلاق ذمیمہ اور عادات رذیلہ کا لطیف محل اتصاف ہے، نفس کا یہ مفہوم قرآن پاک سے ثابت ہے: **ان النفس لا مارۃ بالسوء**، یعنی نفس برائیوں کا حکم دینے والا ہے، ﴿سورۂ یوسف:۵۳﴾ نفس کی اسی تشریح سے روح کے متعلق بھی یہ نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ وہ اخلاق حمیدہ اور اعمال صالحہ کا نورانی محل اتصاف ہے اور ان کا مورد و مصدر ہے، اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی جگہ بھی کسی بدی اور گناہ کو روح کی جانب منسوب نہیں کیا گیا، صوفیہ کرام کے نزدیک نفس عالم خلق کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جس کا مقام جسم انسانی میں وسط پیشانی یا ناف کے متصل ہے، جو نفس عادات سفلیہ سے مغلوب ہو اس کو نفس امارہ کہتے ہیں، جو نفس ریاضت کے نور کی برکت سے معصیت پر ملامت کرتا ہو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں، قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے: **و لا اقسم بالنفس اللوامۃ**، اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے، ﴿سورۃ القیامہ:۲﴾ جو نفس پاک ہو کر اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جائے اس کو نفس مطمنہ کہتے ہیں، اس آیت میں مذکور ہے، **یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ**، اے اطمینان والی جان تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ ﴿اس حال میں﴾ کہ تو اپنے رب پر راضی ہے اور وہ تجھ پر راضی ہے، ﴿سورۃ الفجر آیت :۲۷﴾ صوفیہ کرام کے نزدیک ابلیس بھی نفس کی جہالت اور ضلالت کی جہت کا مظہر ہے اور اسے انسانوں پر نفس ہی کی وجہ سے کامیابی نصیب ہوتی ہے گویا یہ انسانی جسم کے اندر اس کا بہت بڑا جاسوس ہے، زیادہ علما کرام کے نزدیک چونکہ نفس کی اصل خراب نہیں اس لئے

ہدایت کی معمولی سی تحریک سے اسکی اصلاح بھی ہو جاتی ہے، نفس کی یہ خاصیت ابلیس کو حاصل نہیں، چنانچہ اسی بنا پر زیادہ علما کرام روح اور نفس کے اتحاد کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں روح اور نفس حقیقت واحدہ ہیں، ان میں تغائر صفات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ذات کے اعتبار سے، ماں کے پیٹ میں جب فرشتہ روح پھونکتا ہے تو اس وقت وہ روح ہے لیکن معصیت کے کسب اور ارتکاب کے وقت اسی پر نفس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ الروض الانف میں حضرت امام ابوالقاسم سہیلی نے بحث فرمائی ہے، علامہ ابن قیم الجوزیہ نے لکھا ہے روح اور نفس کا مصداق اور مسمیٰ واحد ہے، اور یہ جمہور علما کا مسلک ہے، ﴿کتاب الروح ص ۴۸۸﴾ حضرت امام ربانی غواص بحر معانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

"پاک ہے وہ ذات جس نے نور ﴿روح﴾ کو ظلمت ﴿نفس﴾ کے ساتھ جمع کیا اور لامکانی ﴿روح﴾ جو کہ جہت سے بری ہے، کو مکانی ﴿نفس﴾ جس کو جہت حاصل ہے، کا ساتھی بنایا اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب کر دیا اور وہ نور اس ظلمت پر فریفتہ ہو گیا اور کمال محبت سے اس کے ساتھ مل گیا تا کہ اس تعلق سے اس کی روشنی زیادہ ہو جائے اور ظلمت کی ہمسائیگی سے اس کی صفائی کامل ہو جائے جس طرح کہ آئینہ کو جب صیقل کرنا اور اسکی لطافت کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں تا کہ مٹی کی ظلمت ہمسائیگی سے اس کی صفائی ظاہر ہو جائے اور مٹی کی کثافت کی وجہ سے اسکی روشنی زیادہ ہو جائے پس اس نور ﴿روح﴾ نے ظلمانی معشوق کے مشاہدہ میں غرق ہونے اور عنصری جسم سے تعلق ہونے کے باعث جو کچھ اس کو پہلے قدسی شہود سے حاصل تھا فراموش کر دیا بلکہ اپنی ذات اور وجود کے متعلقات سے بھی بے خبر ہو گیا، پس وہ اسکی ہمنشینی سے اصحاب مشئمہ یعنی بائیں ہاتھ والوں میں سے ہو گیا اور اسکی صحبت میں اصحاب میمنہ یعنی دائیں ہاتھ والوں کے فضائل کو ضائع کر دیا، پس اگر اسی استغراق کے تنگ کوچہ میں پڑا رہا اور اطلاق و آزادی کے میدان میں نہ پہنچا تو اس پر ہزار افسوس ہے کیونکہ اس کے وجود سے جو مقصود تھا حاصل نہ ہوا" ﴿مکتوب ۲۲ دفتر ۱﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ حقیقتوں کے نام ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسانی جسم میں ان کے لطائف بھی الگ ہیں اوران کے احکام بھی الگ ہیں، ایک کا مبداء نور ہے تو دوسری کا مبداء ظلمت ہے، لہذا من عرف نفسه فقد عرف ربه کا معنٰی بھی دوسرے مفکرین تصوف سے جدا گانہ ہو جائے گا، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کی معرفت کو خدا تعالیٰ کی معرفت قرار دیا ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ انسان اور خدا تعالیٰ عین یکدیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت ونقص کے ساتھ پہچان لیا اوراس نے جان لیا کہ ہر خیر وکمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود کی طرف سے عاریت کے طور پر ہے پس وہ ضرور ہی حق تعالیٰ کو خیر وکمال اور حسن وجمال سے پہچان لے گا، ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر ۱﴾

اللهم ارنا حقائق الاشياء كما هي

روح لا مکانی ہے لیکن اپنے معشوق ظلمانی کے عشق اور استغراق میں ہلاکت اور بربادی کے راستے پر گامزن ہوگئی ہے اور اپنے وطن اصلی سے دور رہ کر اپنی استعداد کے جوہر کو ضائع کر رہی ہے، روح کو اپنے وطن اصلی سے ہمکنار کرنے کیلئے انبیا کرام اور اولیا عظام کو دعوت وتبلیغ کا فریضہ سونپا گیا۔

ہر کسے کہ دور ماند از اصل خویش
باز جوید روز گار وصل خویش

سعادت مند روحیں ان کی دعوت پر عمل کر کے صالحین کا لقب اختیار کرتی ہیں اور ساتھ اپنے ''معشوق ظلمانی'' کو بھی سیر عروجی کے ذریعے مطمئن بنا دیتی ہیں جبکہ بدنصیب روحیں اعراض وانکار کا راستہ اپنا کر ہمیشہ کیلئے ظلمات کا شکار ہو جاتی ہیں اور فاسق وکافر کا خطاب پاتی ہیں ''من عرف نفسہ'' سے مراد نفس امارہ کی انہی شرارتوں کا عرفان حاصل کرنا ہے تا کہ مقصود حقیقی کی طرف پرواز کرنے کیلئے جملہ رکاوٹوں کو عبور کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے موقف کی تائید کتاب وسنت سے بھی ہوتی ہے، روح کو عالم ﴿امر﴾ بالا سے تصور کرنا '' قل الروح من امر ربی'' فرما دیجئے، روح میرے رب کے حکم سے

ہے، ﴿سورۃ بنی اسرائیل:۸۵﴾ کی نص قطعی سے ثابت ہے، زیادہ علما کرام نے نفس اور روح کو حقیقت واحدہ تصور کیا ہے، ان کی یہ دلیل ہے، اللہ یتوفی الانفس حین موتھا، اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت، ﴿سورۃ الزمر:۴۲﴾ شاید یہاں ''الانفس'' سے مراد مطلق انسان ہیں جو روحانی اور جسمانی اوصاف کا مرکز ہوتے ہیں، اگر الانفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو اس پر اجماع امت ہے کہ ارواح کو وفات نہیں، لفظ ''انفس'' مطلق انسان کیلئے مستعمل ہے، قرآن پاک میں ہے، تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم و نساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، ﴿سورۃ آل عمران:۶۱﴾ اگر انفس سے مراد صرف ارواح ہوں تو کیا صرف ارواح کو مباہلے کیلئے بلایا جارہا تھا یا ارواح اور اجسام دونوں کے مجموعوں یعنی انسانوں کو بلایا جارہا تھا۔ ایک اور آیت ہے، وفی انفسکم افلا تبصرون، یہاں بھی ارواح اور اجسام دونوں کے مرکب انسانوں سے خطاب ہے، کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں، تم دیکھنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کرتے، ایک اور آیت میں ہے، ویوثرون علی انفسھم، انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، ﴿سورۃ الحشر:۹﴾ ایک اور آیت میں ہے ربنا ظلمنا انفسنا، اے پروردگار، ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، یہاں بھی ''انفس'' مطلق انسان کیلئے مستعمل ہے، ورنہ ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے اپنی روحوں پر ظلم کیا، جسم تو بالکل بری ہوگئے جو ظاہر ہے کہ خلاف مقصود ہے، ویسے نفس اور روح ایک دوسرے سے بہت زیادہ مستفید ہوتے ہیں، نفس روح سے بیشمار کمالات حاصل کرتا ہے اور روح جسم سے لاتعداد فوائد حاصل کرتی ہے، اس سے کمال کا ارتباط اور اتصال ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ دونوں کو فنا اور بقا کی لذتیں حاصل ہوتی ہیں

من تو شدم تو من شدی

اس کمال ارتباط کی وجہ سے اگر روح کو نفس اور نفس کو روح کہہ دیا گیا ہو اور اس کمال اتصال کو حقیقت واحدہ کی صورت میں متصور کرلیا گیا ہو تو الگ بات ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ بھی فرماتے ہیں، روح اور جسم کے قریبی رابطے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روح جسم بن گئی ہے اور جسم روح بن گیا ہے، دیگر مشائخ نے بھی فرمایا

ہے، اجسادنا اروا حنا، اروا حنااجسادنا، ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں اور ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں، مکتوب ۲۳۹ دفتر اول میں ہے کہ روح کا اجسام کے افعال کے مناسب افعال کا اختیار کرنا مثلاً دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی امداد کرنا اسی قسم سے ہے، پس اگر جسم اور روح باہمی ارتباط سے ایک ہی حکم اختیار کر لیتے ہیں تو اس باہمی ارتباط سے نفس اور روح ایک ہی حکم میں داخل کیوں نہیں ہو سکتے، البتہ یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ جس طرح باہمی ارتباط سے جسم اور روح کی حقیقت جدا جدا ہے اس طرح نفس اور روح کی حقیقت بھی جدا جدا ہے، حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ روح اور نفس الگ الگ حقیقتیں ہیں، کیونکہ نفس انسانی وہ حقیقت ہے جس کو ہر شخص ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے، ﴿عمدۃ القاری ۲:۱۰۲ مطبوعہ مصر﴾

تشبیہ اور تنزیہ:

صوفیہ کرام کے بیانات میں تشبیہ اور تنزیہ کی اصطلاحات پر بڑی طویل گفتگو کی گئی ہے، تشبیہ کیا ہے، حقیقت مطلقہ یعنی ذات حق تعالیٰ کو مظاہر کونیہ کی صورتوں میں ملاحظہ کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ کا معنیٰ ہے مشابہت دینا، علم الکلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنے کا نام تشبیہ ہے، جبکہ حقیقت مطلقہ کو نقائص امکانیہ سے بری جاننا اور خالق کو مخلوق کی صفات سے متصف ہونے سے پاک ماننا تنزیہ ہے، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ ذات حق تعالیٰ میں تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرتے ہیں اور ان کے متبعین نے مندرجہ ذیل آیات سے ان کا موقف ثابت کیا ہے:

⊙......ومارميت اذ رميت ولكن الله رمىٰ، وہ کنکریاں آپ نے نہیں اللہ نے ماری تھیں، ﴿الانفال:۱۷﴾

⊙......يد الله فوق ايديهم، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، ﴿الفتح:۱۰﴾

⊙......هو الاول والاخر والظاهر والباطن، وہی اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے، ﴿الحدید:۳﴾

⊙......ونحن اقرب اليه من حبل الوريد، اور ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ﴿ق:۱۶﴾

⊙ ......وھو معکم اینما کنتم، اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو، ﴿الحدید:۴﴾

وجودی صوفیہ مذکورہ بالا آیات سے احاطہ، سریان، قرب و معیت ذاتیہ اور عینیت وغیرہ جیسے عنوانات اخذ کرتے ہیں، علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ احاطہ و سریان ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان باتوں کو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہمیں ان کے پیچھے نہیں پڑ جانا چاہئے، ہاں کشف و شہود سے علمائے اہل سنت کا موقف درست ثابت ہوتا ہے اور اس پر علمی دلائل قائم ہیں آپ کے نزدیک ذات کو کائنات کے ساتھ وہی نسبت ہے جو خالق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، اتصال، اتحاد، عینیت، تشبیہ اور مشابہت کی نسبت آپ گوارا نہیں کرتے بلکہ آپ کے ہاں، ذات حق ایسی ہر نسبت سے وراء الورا ہے، اس ذات واجب کیلئے سمندر کی لہروں، حبابوں اور گوہروں کی مثالیں اور تشبیہیں دینا اس کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کی کتابوں میں مرقوم ہیں، ان آیات کو ظاہر معنوں پر محمول کرنا اور تشبیہ اور تنزیہ کا قائل ہونا علمائے راسخین کے عقائد اور تفاسیر کے خلاف ہے اور محکم آیات کے متضاد ہے، ارشاد باری ہے:

⊙ ......لیس کمثلہ شیء اس کی مثل کوئی شے نہیں۔

⊙ ......سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، پاکی ہے تمہارے رب کو، عزت والے رب کو ان کی باتوں سے، ﴿صافات:۱۸۰﴾

⊙ ......ان اللہ لغنی عن العالمین، بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، ﴿عنکبوت:۶﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، طریقہ من سبحانی است کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام، میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کے راستے سے خدا تک پہنچا ہوں، ﴿مکتوب ۸۷ دفتر ۳﴾ آپ ارقام فرماتے ہیں:

> حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل یگانہ ہے، اسکی ذات و صفات مخلوقات کی ذات وصفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، لہذا حق سبحانہ مثل سے یعنی مماثل موافق سے بھی منزہ اور پاک ہے اور ند یعنی مماثل مخالف سے بھی، حق تعالیٰ کے معبود

ہونے، صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں، لیس کمثلہ شی وھو السمیع البصیر، ﴿شوریٰ:۱۱﴾اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے، حق تعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثل مثل ﴿یعنی مثل جیسی چیز﴾ کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا، مطلب یہ ہے کہ جب اسکی مثل کا بھی مثل نہیں ہوسکتا تو اس کا مثل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہذا کنایۃ اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس کے متصل ہی، وھو السمیع البصیر، فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی ہے جیسا کہ پہلے حصے میں ذاتی مماثلت کی نفی کی گئی، اس کی توضیح یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے، یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہ کا ہے، پس مخلوقات میں صفات کی ﴿کمالی﴾ صورت پائی جاتی ہے، ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے، ﴿معارف لدنیہ:۲۱﴾

گویا آپ کے نزدیک کائنات تجلیات اسماء وصفات کے ظلال کا ظہور ہے کیونکہ مخلوق میں براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی برداشت کرنے کی ہمت نہیں، تجلی ظلال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پردوں کے پیچھے سے تجلی فرماتا ہے جیسا کہ آیت قرآنی ہے، وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الاوحیاً اومن وراء حجاب، ﴿شوریٰ:۵۱﴾اس آیت میں لفظ ورائے حجاب آیا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک حجاب کو ظلال کہا جاتا ہے، ﴿سعادت العباد شرح مبداء معاد ص۱۴۴ مطبوعہ گوجرانوالہ﴾ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تنزیہ محض یا تشبیہ مطلق سے خدا کی ذات میں تقید پیدا ہو جاتا ہے، حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ اعیان خارجی نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی تو پھر تنزیہ کرنے میں تحدد وتقید کیوں پیدا ہو سکتا ہے، خدا تو موجود ہے اور عالم موہوم اور متخیل محض اور نفس الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحدید وتقید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ موجود کی تحدید

موہوم سے ہوسکتی ہے، یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہدے کہ خدا کا وحدہ لاشریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیل کیا جا سکتا ہے، ﴿مکتوب ۴۷ دفتر ۳﴾ دوسرا یہ کہ اگر تنزیہ اور تشبیہ کو ملا یا جائے تو ماسوی اللہ باقی نہیں رہتا، ارشاد قرآنی، قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سوآء ...... سے ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ وجود رکھتا ہے اور ماسوی اللہ کی عبادت شرک ہے، تیسرا یہ کہ جو لوگ تنزیہ کے ساتھ تشبیہ ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ ذات ہمارے عقل وادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہ خیال کرتے ہیں وہ ان کے وہم وتخیل کے تراشے ہوئے بت ہیں جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کرلیا ہے، وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف وشہود میں آسکے، ﴿مکتوب ۹ دفتر ۳﴾

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ النورانی کے اس اجتہادی فکر وعرفان کی تائید علمائے شریعت سے بھی حاصل ہو رہی ہے، خود حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں:

> لایشبہ شیئاً من الاشیاء من خلقہ ولایشبھہ شی من خلقہٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز اسکے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ ﴿بحوالہ البینات شرح مکتوبات جلد ۲ ص ۴۷۰ مطبوعہ گوجرانوالہ﴾ صفاتہ تعالیٰ فی الازل بلا کیف، اللہ تعالیٰ کی صفات ازل سے ہی بے کیف ہیں یعنی ان کی کیفیت مجہول ہے، بس ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے لہذا کف لسان ہی اسلم اور بہتر ہے۔ ﴿ایضاً ص ۴۷۱﴾

اس کے برخلاف عقیدہ رکھنا علمائے شریعت کے نزدیک کفر صریح ہے، شرح فقہ اکبر میں حضرت امام علی القاری فرماتے ہیں، حضرت امام نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، من شبہ اللہ بشی من خلقہٖ فقد کفر ومن انکر ماوصف اللہ بہٖ نفسہ فقد کفر، جس نے کسی شے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی تو اس نے کفر کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے کسی وصف کا انکار کیا تو اس نے بھی کفر کیا، ﴿ایضاً ص ۴۷۰﴾ حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، اے

اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرما ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا اور ان لوگوں کے راستے سے بچا جن پر تیرا غضب نازل ہوا، آمین!

تنزلات کیا ہیں:

تنزلات تنزل کی جمع ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے نیچے اترنا، اصطلاحی معنیٰ میں ذات کے ظہور کو تنزل کہا جاتا ہے، صوفیہ کرام کے نزدیک لغوی معنیٰ مراد نہیں بلکہ اصطلاحی معنیٰ مراد ہے، یعنی وجود مطلق نے اپنی ذات وصفات کو قائم رکھتے ہوئے ظہور فرمایا ہے مگر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے، اس تنزل اور ظہور کی وجہ سے اس میں کوئی تغیر وتبدل پیدا نہیں ہوا، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجود مطلق ہے اور مراتب وحدت میں لاتعین ہے، پھر اس نے جن مرتبوں سے علی الترتیب نزول فرما کر کائنات میں ظہور فرمایا ہے ان مرتبوں کو تنزلات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، حسب موقعہ ان مرتبوں کو تعینات، تجلیات، اعتبارات اور تقیدات کے ناموں سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، یہ جملہ تنزلات شہود میں واقع ہوئے ہیں نا کہ وجود میں، تنزلات وتعینات کے پانچ مرتبے ہیں، پہلے دو مرتبے علمی ہیں اور بعد کے تین مرتبے عینی یا خارجی ہیں، ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے، پہلے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت وجود محض حاصل ہوتا ہے اور شعور صفات اجمالی رہتا ہے، دوسرے تنزل میں ذات کو اپنا شعور بحیثیت متصف بہ صفات ہوتا ہے، یہ صفات تفصیلی کا مرتبہ ہے ﴿یعنی صفات کے بالتفصیل واضح ہونے کا﴾ یہ دونوں تنزلات بجائے واقع ہونے کے ذہنی یا محض منطقی تنزلات کے طور پر تصور کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ غیر زمانی ہیں اور خود ذات و صفات کا امتیاز بھی صرف ذہنی ہے، اس کے بعد تنزلات عینی ﴿یا تعینات خارجی﴾ شروع ہوتے ہیں، تیسرا تعین ﴿تنزل﴾ روحی ہے یعنی وحدت بصورت روح یا ارواح نزول کرتی ہے اور وہ اپنے آپ کو بہت سی ارواح میں تقسیم کر دیتی ہے، مثلاً فرشتے وغیرہا، چوتھا تنزل تعینِ مثالی ہے جس سے عالم مثال وجود میں آتا ہے، پانچواں تنزل تعین جسدی ہے، اس سے مظاہر یا اشیائے طبعی ظاہر ہوتی ہیں، ﴿تحقیق فی کلمۃ الحق مترجم ص ۸۴﴾ ان تنزلات کو حضرات خمسہ بھی کہا جاتا ہے، گویا پہلے مرتبے میں خود حق تعالیٰ نے اپنا آپ علم اجمالی کی صورت میں اور دوسرے مرتبے میں علم تفصیلی کی صورت میں ظاہر فرمایا ہے، اس طرح تیسرے

مرتبے میں عالم ارواح، چوتھے مرتبے میں عالم مثال اور پانچویں مرتبے میں عالم اجسام کی صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے، آخری تین تنزلات کو تعینات خارجیہ بھی کہتے ہیں اور ان کو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں، وجودی صوفیہ کے نزدیک تنزلات وتعینات کی بنیاد یہ ہے کہ وجود تو فقط ایک ہے، ہر دوسری چیز اسکا مظہر ہے لہذا خالق اور مخلوق، عالم اور معبود، ذات اور صفات میں اتحاد وعینیت پائی جاتی ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی نے مکمل تحقیق فرمانے کے بعد یہ نتیجہ رقم فرمایا ہے:

⊙......پس عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں، ان الله لغنی عن العالمین، بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے، حق تعالیٰ کو عالم کا عین کہنا اور اس کے ساتھ متحد جاننا بلکہ نسبت دینا بھی اس فقیر پر بہت گراں اور دشوار ہے، ﴿مکتوب ا دفتر ۲﴾

⊙......کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ تمام ماسوائے حق یعنی آسمانوں، زمینوں، عرش و کرسی، لوح وقلم اور عالم وآدم کی نفی کرتا ہے اور دوسرا حصہ معبود برحق کا اثبات کرتا ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے، حق تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ آفاق وانفس میں ہے سب چونی وچندی کے داغ سے داغدار ہے، پس جو کچھ آفاق وانفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہو بطریق اولیٰ چند و چون ہوگا جو نفی کے لائق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہمارے علم و وہم میں آسکے اور جو ہمارا مشہود ومحسوس ہو سب چونی اور چگونی سے متصف اور حدوث وامکان کے عیب سے عیب ناک ہے کیونکہ ہمارا معلوم اور محسوس ہمارا تراشا ہوا ہے، وہ تنزیہ جس کا تعلق ہمارے علم سے ہے عین تشبیہ ہے اور وہ کمال جو ہمارے فہم میں آسکے عین نقص ہے، پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف اور مشہود ہو وہ سب حق تعالیٰ کا غیر ہے، حق تعالیٰ اس سے وراء الورا ہے، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے ہیں، کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا ہے، ہمارا اپنا تراشا ہوا اور بنایا ہوا خواہ ہاتھ کے ذریعے ہو

خواہ عقل و وہم کے ساتھ، سب حق تعالیٰ کا مخلوق ہے جو عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق وہی خدائے بیچون و بیچگون ہے جس کے دامن ادراک سے ہماری عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے اور کشف و شہود کی آنکھ اسکی عظمت و جلال کے مشاہدے سے خیرہ و تباہ ہے، ایسے خدائے بیچون و بیچگون کے ساتھ غیب کے طریق کے سوا ایمان میسر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں ہے بلکہ تراشیدہ چیز کے ساتھ ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہے، .... میرے خیال میں جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا ﴿کی حیات﴾ میں دولت رویت سے مشرف ہوئے تو ان کے حق میں اگر ایمان شہودی ثابت کریں تو زیبا اور محمود ہے اور اپنی طرف سے بنانے اور تراشنے سے صاف آزاد ہے کیونکہ جس چیز کا اوروں کے لئے قیامت کا وعدہ ہے ان کو اسی جگہ میسر ہے، ﴿مکتوب ۹ دفتر ۲﴾

اس طرح کی اور بھی عبارات مکتوبات شریفہ میں بہت زیادہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک تنزلات، تعینات، تقیدات اور اس قسم کی اصطلاحات کی کوئی گنجائش نہیں، حق تعالیٰ وراء الورا ہے، اس کے ماسوا جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے جسے اس نے اپنی حکمتوں کے تحت پیدا فرمایا ہے، یہی تصور صحیح اسلامی تصوف کو اجاگر کر سکتا ہے، بعض محققین کرام کے مطابق تحقیق یہ ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے خدا تعالیٰ اور اسکی مخلوق کی باہمی عینیت کے نظریے سے رجوع فرمالیا تھا اور غیریت کلی کے قائل ہو گئے تھے، حضرت امام شعرانی کا قول ہے کہ ان کے کلام میں جس قدر ظاہر شریعت اور طریق جمہور کے خلاف مواد ہے وہ الحاقی ہے ﴿الیواقیت والجواہر فصل اول ۲۳ ص مطبوعہ بیروت﴾ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر متنازعہ عبارتیں الحاقی ہیں تو تاویل کی بجائے تردید کرنی چاہئے، ہمارے نزدیک ہو سکتا ہے کہ ان کے اس قسم کے اقوال ان کے احوال کے مطابق رونما ہوئے ہوں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نزدیک بھی یہ ثابت ہے کہ بزرگان دین کو ایک ہی مقام میں منحصر نہیں مانا جا سکتا، ہو سکتا ہے ان کو عروج نصیب ہو چکا ہو اور وہ حقیقت حال سے آگاہ ہو چکے ہوں، پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ

نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بار بار اس معاملے کو کیوں بیان کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے دور میں وحدۃ الوجود کے انتہائی غلط اثرات عام ہو چکے تھے، گمراہی اور آزاد خیالی کی انتہا ہو چکی تھی، لوگ کثرت کے ساتھ آپ سے یہی سوالات پوچھتے تھے، پھر حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں کا اسی نظریے پر شدید اصرار جو کہ آج تک جاری و ساری ہے، ان سوالات کو اور تقویت دے رہا تھا، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی مروجہ کتابوں میں بھی ایسے بہت سے مقامات موجود تھے جن میں ایسی ہی اصطلاحات کو استعمال کیا گیا تھا، پھر ان کے شارحین کرام کی تشریحات اور تعبیرات سے معاملہ اور گھمبیر ہو گیا تھا، ان حالات میں آپ کا فرض تھا کہ اس صدیوں پرانے نظریے پر غور و فکر سے کام لیتے اور اپنی خداداد قابلیتوں کو بروئے کار لا کر عرفانِ حقیقت کا وہ راستہ اجاگر کرتے جو قرآن و سنت اور صوفیہ متقدمین کے مزاج کے عین مطابق تھا، آپ کا یہ اجتہادی کارنامہ ہے کہ بعد میں آنے والے لاکھوں متلاشیانِ حق کو بہت سی الجھنوں سے محفوظ فرما گئے اور دقیق مسئلوں میں سر کھپانے کی بجائے شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کا درس دے گئے، اللہ تعالیٰ ان کو اسی سعی جمیل کا بہترین اجر و ثواب عطا فرمائے۔

عالم کون و مکان کی حقیقت:

جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب ذات اور عالم تشبیہات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہر دو جہان میں ذات واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں غیر اللہ کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ وہ غیر جو تصوراتی طور پر موجود ذہنی ہوا اس کا تصور بھی غیریت پر دلالت کرتا ہے گویا اس کے غیر کا تصور بھی ذہن میں نہیں لانا چاہئے چہ جائے کہ اسے خارج میں محسوس و مبصر تسلیم کیا جائے، کائنات میں وجود حقیقی صرف اور صرف اسی ایک ذات کا ہے، ماسوا کا وجود وجود حقیقی کے مقابلے میں وجود وہمی کی حیثیت رکھتا ہے اور وجود وہمی کی تعریف یہ ہے کہ لفظی اور اعتباری حد تک تو وہ موجود ہوتا ہے مگر حقیقت میں موجود نہیں ہوتا جیسے سراب آب تو نظر آتا ہے مگر آب ہوتا نہیں بلکہ دھوکہ ہی ہوتا ہے، بہر حال کسی شے جیسا نظر آنا اور بات ہے اور اس کا وہ شے ہونا اور بات ہے، بقول شاعر ؎

آئینہ پھینک دے کہ تماشا نہ چاہئے
تو چاہئے جسے اسے تجھ سا نہ چاہئے

سید امجد حیدر آبادی نے بے ثباتی عالم کا مسئلہ اپنی ایک اردو رباعی میں یوں حل کیا ہے ؎

دنیا والو! ثبات دنیا میں نہیں
ایک لحظہ قرار موج دریا میں نہیں
عالم کا وجود صورت لا سمجھو
لفظاً موجود اور معنٰی میں نہیں

گویا جیسے لفظ ''لا'' لفظاً تو موجود ہے مگر بہ اعتبار معنٰی موجود نہیں اس لئے کہ اس کے معنٰی ﴿نہیں﴾ ہیں اور نہیں خود اپنے معنٰی کے وجود کی نفی کر رہا ہے، اسی طرح عالم کا وجود لفظی واعتباری ہے جو ہمیں نظر آتا ہے اور محسوس تو ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس کا وجود وہمی ہے.......... جب اپنی ہستی موہومہ کا پردہ اٹھایا جس کے نتیجے میں غیریت کا تصور ختم ہوا تو پھر تعینات کے ہر رنگ میں اسکے جلوؤں کو پایا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کائنات میں سارے مظاہر میں اس ایک ذات کی جلوہ گری ہے، ﴿راہ ورسم منزل ہا ص۵۲ مطبوعہ گولڑہ شریف﴾ جناب سید نصیر الدین شاہ گولڑوی صاحب نے بڑے اختصار کے ساتھ وحدۃ الوجود کے نظریے میں عالم کون و مکان کے متعلق بیان کر دیا کہ وہ وہمی، لفظی اور اعتباری طور پر موجود ہے ورنہ سراب کی طرح دھوکا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے یہ ثابت کیا ہے کہ خدا غیر ہے عالم کا، اگر ایسا نہ ہوتا تو احکام اور اعمال بے معنٰی ہو جاتے کیونکہ احکام اور اعمال جب ہی کوئی معنٰی رکھتے ہیں کہ عالم واقعہ میں موجود ہو ورنہ ان پر جزا اور سزا مترتبت نہیں ہو سکتی اور عالم آخرت بے معنٰی ہو جاتا ہے، ﴿مکتوب ۶۷ دفتر ۳﴾ آپ کے نزدیک اس عالم کو معدوم اور موہوم کہنے اور اس کے نفس الامر میں موجود فی الخارج ہونے کا انکار سوفسطائیت ہے اور یہ انکار ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ابداع سے کہ اس نے عالم کو نفس الامر میں پیدا کیا ہے، ﴿مکتوب ۴۴ دفتر ۲﴾ عالم کو موہوم کہنا بھی کافی نہیں کیونکہ موہوم کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک تو موہوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ عالم اختراع ہے ہمارے وہم و تخیل کا، اندریں صورت وہم و تخیل کے مرتفع ہونے کے ساتھ وہ بھی مرتفع ہو

جائے گا جو سوفسطائیت ہے اور صفت ابداع سے انکار جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، دوسری صورت یہ ہے کہ عالم نفس الامر میں موجود ہے مگر اس کے وجود کی حیثیت ایسی ادنیٰ ہے جیسے کسی وہمی وخیالی چیز کی اندریں صورت عینیت کا حکم کرنا صحیح نہ ہوگا، ﴿مکتوب ۵۸ دفتر ۳﴾ عالم ممکن ہے اور خدا واجب، وہ ایک دوسرے کے عین نہیں ہو سکتے، ایک کا عدم جائز ہے اور دوسرے کا ممتنع، ایک حادث ہے اور دوسرا قدیم، ایک داغ چون و چگون سے داغدار ہے اور دوسرا بے چون و بے چگون ہے، پس عقلاً اور شرعاً ان کو عین یک دگر یا عالم کو معدوم کہنا محال ہے اور اس کے معدوم ہونے پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی۔ ﴿مکتوب ۳۱ دفتر ۳﴾ ممکن کے اپنے وجود کی حقیقت عدم ہے، ممکن میں جو وجوہات حیات وعلم وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ محض عطیات ہیں خدا کے، یہ ہے وہ اصول جس پر عالم وجود میں آیا ہے یعنی عالم عدم محض سے وجود میں آیا ہے اور اس نے وجود خارجی حاصل کر لیا ہے یہی حال عالم اور اشیائے عالم کی دوسری صفات کا بھی ہے، ﴿مکتوب ۵۸ دفتر ۳﴾ خارج میں حقیقی وجود در اصل فقط خدا کی ذات کو حاصل ہے اور عالم کو وجود خارجی محض عطائے الٰہی ہے اور یہ وجود نمود بے بود سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی نہیں جو ہمارے وہم وتخیل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ ﴿میں﴾ موجود ہے، اسکی مثال شعلہ جوالہ کی سی ہے جیسے ایک لکڑی کو لیں اور اس کے ایک سرے کو آگ لگا دیں اور وہ جل کر دہکنے لگے اور پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں تو آگ کا ایک دائرہ نظر آنے لگے گا، اب اس نمود کو کسی طرح مستقل اور فی نفسہٖ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا، ﴿مکتوب ۵۸ دفتر ۳﴾ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے اپنے شعبدے سے ایک باغ پیدا کر دیا تھا اور اس میں پھل آ گئے تھے، بادشاہ نے یہ سنا تھا کہ اگر شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا جائے تو شعبدہ حق تعالیٰ کی قدرت سے اپنے حال پر قائم رہتا ہے چنانچہ شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا اور باغ قائم رہا، کہا جاتا ہے کہ وہ باغ اب تک موجود ہے اور اس میں پھل آتے ہیں گویا یہی حال اس عالم کا ہے کہ عدم محض سے وجود میں آیا ہے، **وما ذلک علی الله بعزیز**، اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات مشکل نہیں ہے، ﴿ملخصاً مکتوب ۴۴ دفتر ۲﴾ مزید فرماتے ہیں، عالم سب کا سب حق تعالیٰ کے اسما وصفات ﴿کے کمالات﴾ کا مظہر ہے، اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب

تعالیٰ کی حیات کا آئینہ ہے اور اگر علم ہے تو اسی کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو اسی کی قدرت کا آئینہ ہے، علیٰ ھذ القیاس، لیکن اسکی ذات کا عالم میں نہ کوئی آئینہ ہے، نہ کوئی مظہر بلکہ حق تعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں شراکت نہیں اگر چہ وہ مناسبت اسم میں ہو یا وہ مشارکت صورت میں ہو، ان اللہ لغنی عن العالمین، برخلاف اسماء وصفات کے کہ عالم کے ساتھ اسمی مناسبت رکھتے ہیں اور صوری مشارکت ان کے درمیان ثابت ہے، یعنی جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے، ممکن میں بھی اس علم کی صورت ثابت ہے اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرت کی صورت ہے، برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اسکو اپنے حق میں قیام بذاتِ خود حاصل نہیں، بلکہ ممکن چونکہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی صورتوں پر مخلوق ہے اس لئے سب کا سب عرض ہے اور اس میں جوہریت کی بو نہیں، اس کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور معقول والوں نے جو ممکن جوہر و عرض میں تقسیم کیا ہے، ظاہر بینی کے سبب ہے اور بعض ممکن کا بعض کے ساتھ جو قیام ثابت ہے وہ عرض کا عرض کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے ہے، نہ عرض کا جوہر کے ساتھ قائم ہونے کی قسم سے بلکہ درحقیقت وہ دونوں عرض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قیام رکھتے ہیں، ان کے درمیان کوئی جوہریت ثابت نہیں، تمام ممکنات کا قیوم حق تعالیٰ ہی ہے............ کوتاہ نظران پوشیدہ معارف کو توحید وجودی کے معارف سے نہ ملائیں اور ایک دوسرے کا دست وگریبان نہ جانیں کیونکہ توحید وجودی والے ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہیں جانتے اور حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کو بھی اعتبارات علمی خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقائق ممکنات کو وجود کی بو بھی نہیں پہنچی، یہ فقیر حق تعالیٰ کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود جانتا ہے جیسا کہ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے اور ممکنات کیلئے بھی جو حق تعالیٰ کے اسماء وصفات ﴿کے کمالات﴾ کا مظہر ہیں وجود ثابت کرتا ہے، اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن کی ذات واجب تعالیٰ کی عین ذات ہے اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے، اور یہ محال ہے کیونکہ اس سے قلب حقائق لازم آتا ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن کی ذات یعنی اسکی ماہیت وحقیقت انہی اعراض متعددہ مخصوصہ میں سے ہے جو حق تعالیٰ کے اسماء وصفات ﴿کے کمالات﴾ کا مظہر ہیں، ان اعراض کو حق تعالیٰ کی ذات

کے ساتھ کوئی عینیت نہیں اور کسی قسم کا اتحاد نہیں تا کہ قلب حقائق لازم آئے، صرف اس قدر تعلق ہے کہ ان اعراض کا قیام حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور وہی تمام اشیا کا قیوم ہے، ﴿مکتوب ۴۵ دفتر ۲﴾ سوال پیدا ہوتا ہے کہ واجب تعالیٰ کی ذات سے ممکن کا قیام واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کے قیام کو مستلزم ہے اور یہ ممتنع اور محال ہے، جواب یہ ہے کہ حوادث کا قیام اس صورت میں ممتنع ہے جب کہ حق تعالیٰ کی ذات میں حوادث کا حلول سمجھا جائے جو محال ہے لیکن اس جگہ قیام کے معنی حلول نہیں بلکہ اس کے معنی ثبوت اور تقرر کے ہیں یعنی ممکن کا ثبوت اور تقرر واجب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے، ﴿ایضاً﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نظریہ تخلیق عالم کی اصل قرآن پاک کی یہ نص قطعی ہے، فرمایا، صنع الله الذی اتقن کل شیی، اس اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط کر دیا ہے، حضرت شیخ اکبر اور حضرت شیخ مجدد میں فرق یہ ہے کہ وہ ممکنات کے حقائق وجودات منتزلہ کو تصور کرتے ہیں اور یہ عدمات کو تصور کرتے ہیں، یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو ارباب بصیرت پر ہرگز پوشیدہ نہیں، آپ فرماتے ہیں:

> ''جو کچھ فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہتیں مع ان کے کمالات وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں، عدمات ہیں جیسے کہ مفصل گزر چکا، اللہ تعالیٰ حق ظاہر کرتا ہے اور وہ ہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے، یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے بڑے اعلیٰ معارف ہیں اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ اور ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے بیان کیا ہے، جو نہ کتاب وسنت کی مخالفت رکھتے ہیں اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں'' ﴿مکتوب ۲۳۴ دفتر اول﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ممکنات عالم کی حقیقت عدم ہے لیکن وہ حق تعالیٰ کے اسما و صفات کے کمالات وظہورات کا مظہر ہیں اور ان کیساتھ ان کا قیام ہے اس لئے ان میں اتقان واقع ہوا ہے، جبکہ حضرت ذات کو عالم سے ذاتی استغنا ہے، اس درجہ بلند کے ساتھ عالم کا قیام کیسے ہوسکتا ہے اگر چہ اسما و صفات کا قیام

حضرت ذات کے ساتھ ہے۔

ما تماشا کنان کوتاہ دست
تو درخت بلند بالائی

آپ کے نزدیک عارف اکمل کا معاملہ باقی ممکنات عالم کے معاملات سے جدا ہے اور اس کا حکم باقی ممکنات عالم کے احکام سے الگ ہے، وہ محبت ذاتی کے ذریعے، المرمع من احب، کے موافق اپنے اصل سے گزر کر اصل الاصل کے ساتھ معیت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو اصل الاصول میں فانی کر دیتا ہے، سب سے بڑا مہربان آیت کریمہ، هل جزاء الاحسان الا الاحسان، کے موافق فنا کے عوض اس کو بقا عطا فرماتا ہے اور جس چیز کے ساتھ وہ فانی ہوا تھا اس کے ساتھ اس کو بقا بخش کر اپنی ذات وصفات اور اسما کا مظہر اور جامع آئینہ بنا دیتا ہے، پس تمام افراد عالم اس عارف اکمل کی جامعیت کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ دریائے محیط کے مقابلے میں، کیونکہ ذات تعالیٰ کے مقابلے میں اسما وصفات کا کچھ قدر و مقدار نہیں، قطرہ کا بھی دریا کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ قدر و مقدار ہے لیکن ان کا اس کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں، اس بیان سے اس عارف کے علم و معرفت اور درک وادراک کو دوسروں کی نسبت قیاس کرنا چاہئے اور اسکی عظمت و بلندی کو سمجھنا چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے، ﴿مکتوب ۹۷ دفتر ۳﴾ آپ کے معارف کے مطابق ایسا عارف اکمل بہت قرنوں اور زمانوں کے بعد جلوہ گر ہوتا ہے جسے فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل نصیب ہوتی ہے، پھر تمام افراد عالم جو اعراض مجتمعہ ہیں، جس طرح پہلے اسما وصفات کے ساتھ قیام رکھتے تھے، اس طرح اب ان کا قیام ﴿ذات وصفات کے مظہر﴾ اس عارف اکمل پر وابستہ کیا جاتا ہے۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را

پھر انسان کی خلافت کا راز جو آیت، انی جاعل فی الارض خلیفه، میں آیا ہے اس جگہ متحقق ہوتا ہے اور حدیث، ان الله خلق آدم علی صورته، کی حقیقت اس مقام میں واضح ہوتی ہے۔ اب آپ تصور کیجئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے معارف میں عارف اکمل کا کیا مقام ہے، یعنی وہ ذات وصفات کا مظہر ہوتا ہے تو حضور

سید المرسلین محمد مصطفےٰ، احمد مجتبےٰ ﷺ کیوں نہ ذات وصفات کا مظہر کامل ہوں گے اور کیوں نہ ان کے دم قدم سے کائنات ارضی وسماوی کا وجود قائم ہوگا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی فرماتے ہیں:

''مرادوں کے سردار اور محبوبوں کے رئیس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اس دعوت سے مقصود ذاتی اور مدعو اولیٰ آپ ہی ہیں اور دوسروں کو خواہ مراد ہوں یا مرید آپ ہی کے طفیل بلایا ہے، اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر کرتا، چونکہ دوسرے سب ان کے طفیلی ہیں اور وہ اس دعوت کے مقصود اصلی ہیں اس لئے سب ان کے محتاج ہیں اور انہی کے ذریعے فیوض وبرکات اخذ کرتے ہیں، اس لحاظ سے اگر سب کو ان کی آل کہیں تو بجا ہے کیونکہ سب ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کمال حاصل نہیں کر سکتے، جب ان سب کا وجود آپ ﷺ کے وجود کے وسیلے کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا تو دوسرے کمالات جو وجود کے تابع ہیں، ان کے وسیلے کے بغیر کس طرح متصور ہوسکتے ہیں، ہاں رب العالمین کا محبوب ایسا ہی ہونا چاہئے۔﴿مکتوب ۱۲۱ دفتر ۳﴾

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان وخواجہ اوست

ولایت کے تین درجے:

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ عروج کی دو قسمیں ہیں، عروج مجازی اور عروج حقیقی، عارف کیلئے عالم وجوب میں عروج کا اطلاق مجازی معنوں اور عالم امکان میں حقیقی معنوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ عالم امکان میں درجات ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں جبکہ عالم وجوب میں درجات اپنی لامکانیت کی وجہ سے فوق وتحت اور شمال وجنوب سے مبرہ ہیں، عروج پر سیر روحانی واقع ہوتی ہے جو سیر علمی ہے نا کہ سیر جسمی کیونکہ عالم وجوب میں جسم اور جسمانیت، مکان اور مکانیت کا کیا دخل ہے، عروج کے دوران ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کی سیروں کا ذکر اکثر صوفیہ نے کیا

ہے، جب عارف اسما وصفات کے ظلال ﴿یعنی ظہورات﴾ کی سیر کرتا ہے اور ترقی و عروج کی منزلوں کو طے کرتے کرتے اپنی اصل کو پہنچ کر اپنے آپ کو اسمیں فانی پاتا ہے، اس دائرہ ظلال کو سیر الی اللہ کہا جاتا ہے اور یہی دائرہ ولایت صغریٰ سے موسوم ہے جسے اولیا کی ولایت کا دائرہ بھی کہا جاتا ہے، اس دائرے کی تفصیلی سیر ابدالآباد تک بھی ختم نہیں ہوسکتی، اس میں عارف اپنے حق کے مطابق سیر کرتا ہے یہاں تک کہ فنائے تام نصیب ہوجاتی ہے، مولانا روم فرماتے ہیں:

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

یعنی میں نے ظلال وظہورات کے سات سوستر پردے مشاہدہ کیے اور ان میں فنا ہوکر سبزے کی طرح ظاہر ہوا ہوں، اس دائرے سے اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد خالص فضل خداوندی سے عارف ظلال کے دائرے کی اصل یعنی اسما وصفات اور شیونات و اعتبارات کے دائرے میں سیر کرتا ہے، اسما وصفات کے مرتبے وجوب سے متعلق ہیں اور ان میں سیر علمی کو سیر فی اللہ کہا جاتا ہے، اسے ہی ولایت کبریٰ کی سیر قرار دیا گیا ہے جو انبیا کرام کی ولایت ہے، عالم امر کے پانچوں لطیفے اس دائرہ ولایت کی انتہا ہیں اور اس مرتبے کی سیر کو کسی عبارت واشارت سے بیان نہیں کیا جاسکتا، یہ آفاقی اور انفسی سیر سے وراء الورا ہے جیسا کہ بعض صوفیہ نے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے نزدیک انفس وآفاق دائرہ امکان میں داخل ہیں تو اس طرح دائرہ امکان کو قطع کرنا ہی ناممکن ہوجائے گا جس کا حاصل ہمیشہ کی ناامیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا کیونکہ نہ کبھی فنا حاصل ہوگی اور نہ بقا مقدر بنے گی، مختصر یہ ہے کہ ولایت صغریٰ کا تعلق اسما وصفات کے ظلال وظہورات کے دائرے سے ہے اور ولایت کبریٰ کا تعلق اسما وصفات کے دائرے سے ہے، ولایت کبریٰ یعنی سیر فی اللہ کے دوران سیر کرنے والوں کے دو گروہ بن جاتے ہیں، جو ایک تو وہ لوگ ہیں جو ذات باری کی محبت میں ہمیشہ کیلئے فانی ہوگئے اور حسن صفات کے مشاہدے میں غرق ہوگئے، ان کو مستہلکین کا گروہ کہا جاتا ہے، پھر کچھ وہ لوگ ہیں جن کو واپس مقام قلب میں لایا جاتا ہے اور ان کو حکم

ہوتا ہے کہ بندگان حق کو بھی اسی راستے سے حق تعالیٰ کی طرف گامزن کرو، وہ مخلوق کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، لیکن ان کا مشاہدہ ایک لمحے کیلئے بھی بند نہیں ہوتا، وہ ''یحببکم اللہ'' کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، ان کو راجعین الی الدعوت کا گروہ کہا جاتا ہے، اس رجعت کو سیر عن اللہ باللہ کہا جاتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے ولایت کا ایک تیسرا درجہ بھی متعارف کروایا ہے جو آپ کے اجتہادی فکر وعرفان کا شہکار ہے، آپ ولایت کبریٰ کے بیان کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''عالم امر کے پنجگانہ لطائف ومراتب کا عروج اس دائرہ اسماو شیونات کے نہایت تک ہے، اس کے بعد اگر محض فضل خداوندی سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو تو ان کے اصول کے دائرے میں سیر واقع ہوگی اور اس دائرہ اصول سے آگے ان کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرے کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر گی، اسکو بھی قطع کرنا پڑتا ہے، چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کی گئی، شاید یہاں کوئی سرّ ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی، اسماوصفات کے یہ اصول سہ گانہ جو مذکور ہوئے، جو حضرت ذات تعالیٰ میں محض اعتبار ہی اعتبار ہیں، جو صفات وشیونات کے مبادی ہیں، ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کو اس مقام مین اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اسی مقام مین شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں نفس مطمنہ تخت صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا وارتضا پر ترقی کرتا ہے، ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیا کا انتہا یہی مقام ہے، جب سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم وخیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا، اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی اور ابھی پرواز کیلئے ایک ہی بازو میسر ہوا ہے اور اسم باطن جو عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کیلئے دوسرا بازو ہے، ابھی درپیش ہے، جب تو اس کو بھی مفصل

طور پر سرانجام کرے گا تو پرواز کیلئے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے، جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سرانجام پا چکا تو دونوں بازو میسر ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اسکی ہدایت بخشی اگر وہ ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بے شک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے، اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے، اس کا حال در پردہ رہنے کے مناسب ہے، البتہ اس قدر بیان ضروری ہے کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو اور اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسما میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے، یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت ذات کے روپوش ہیں، مثلاً صفت علم میں ہرگز ذات ملحوظ نہیں ہے، لیکن اس کے اسم علیم میں پردۂ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر ہے، باقی تمام صفات و اسما کا حال اسی قیاس پر ہے، یہ اسما جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسما میں سیر کا آغاز ولایت علیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھتا ہے، ﴿یہاں قدم سے مراد علم و نظر کے اعتبار سے ہے جیسا کہ ابتدا میں گزر چکا ہے﴾ اب علم اور علیم اور اسم ظاہر اور اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تا کہ تو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا راستہ ہے، نہیں بلکہ وہ فرق جو مرکز خاک اور محدب عرش کے درمیان ہے اس فرق کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ، کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دور ہے، اور مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کی سیر کرے تا کہ دائرہ امکان تمام ہو جائے، اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس

ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے، آیت کریمہ فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے، اسی مطلب کو بیان کرتی ہے، ﴿یہ بعض دوسرے صوفیہ کا خیال ہے کہ وہ آفاقی سیر کو سیر الی اللہ کہتے ہیں جو دائرہ امکان میں داخل ہے، ورنہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سیر الی اللہ اسماء وصفات کے ظلال وظہورات کے دائرے میں واقع ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، یہاں صرف سمجھانے کیلئے ان صوفیہ کا حوالہ دیا گیا ہے کہ راستے کی مسافت کا اندازہ ہو جائے﴾ حاصلِ کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبہ عنایت کے آگے کچھ دور نہیں کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسر کر دے ۔

برکریماں کارہا دشوار نیست

اور اسی طرح جو کچھ کہا گیا ہے کہ اسماء وصفات اور شیونات واعتبارات کے دائرے کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تمام اسماء وصفات کا طے کرنا کہنے کو آسان ہے لیکن طے کرنا بہت ہی مشکل ہے، اس طے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے، وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں اور ان مراتب کی تمامی سیر سے منع کیا ہے ۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو نہ کہ تجلیات صفاتیہ کے اعتبار سے اور حسن سے مراد حسنِ ذاتی ہو نہ حسن صفاتی کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ تجلیات ذاتیہ شیونات واعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حسن ذاتی صفات جمالی کے روپوش کے بغیر نہیں ہے کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے، من عرف اللہ کل لسانہ، جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان گنگ ہوگئی، اور تجلی ایک قسم کی ظلیت ﴿یعنی ظہوریت﴾ چاہتی ہے اس لئے اس مقام میں شیونات کے ملاحظہ سے چارہ نہیں پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن

دائرہ اسما وشیونات میں داخل ہیں جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک بہت ہی مشکل ہے، لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات وظہورات سے ماورا ہے خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی اور حسن و جمال کے ماورا ہے خواہ وہ حسن ذاتی ہو خواہ صفاتی، غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرو دیا ہے اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے، فلا تکن من القاصرین، پس کوتاہ ہمت نہ ہو جانا، اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوا اور عروج واقع ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری، عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں، بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے، ﴿مکتوب ۲۶۰ دفتر ۱﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے ولایت صغریٰ اور ولایت کبریٰ کے بعد ولایت علیا متعارف کروائی، اس مکتوب گرامی میں کمال درجے کے اسرار اور معارف بیان کیے گئے ہیں جو آپ کے اجتہادی فکر وعرفان کا منہ بولتا ثبوت ہیں، چند ایک کا مطالعہ ذوق سلیم کو حرارت عطا کرے گا، فرماتے ہیں:

﴿1﴾

''اس سیر کی اثنا میں حالت واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اسکی مدد سے چل سکوں لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں تاکہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو، کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا، کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا، ایک شہر کی فنا ﴿گرد و نواح کا میدان﴾ ظاہر ہوئی، اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا، میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اول سے مراد ہے جو تمام مراتب اسما و صفات اور شیونات و اعتبارات کا جامع ہے اور نیز ان

مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے اور اعتبارات ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضوری کے مناسب ہوگا''۔

﴿2﴾

''اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہ' میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے کیونکہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے اور اعتبارات ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ان کا علم علمِ حضوری کے مناسب ہے ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے، بغیر اس امر کے کہ معلوم کی نسبت کچھ اسمیں حاصل ہو، اور کچھ نہیں ہے، پس سمجھ لو، اور یہ تعین اول جس سے وہ شہر جامع مراد ہے انبیا کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام کی ولایت کا جامع ہے اور ولایت عُلیا کا منتہا ہے، جو اصلی طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعین اول حقیقت محمدی ہے یا نہیں تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے، اور اس کو تعین اول اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ اسما و صفات و شیونات اور اعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے اس تعین اول کے ظل ﴿ظہور﴾ کا مرکز ہے اور وہ سیر جو اس شہر کے اوپر واقع ہو وہ کمالات نبوت کا شروع ہے، ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقام نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور لطائف انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے، اور باقی تمام اجزائے انسانی خواہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام

میں اسی عنصر پاک کے تابع ہیں اور اسی کے طفیل دولت سے مشرف ہوئے ہیں، چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہے اور کسی کو میسر نہیں ہوا، دنو کے بعد تدلّی کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوئی ہے اور قاب قوسین او ادنیٰ کا سر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ﴿ظہورات﴾ ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کیلئے شبح ومثال کی طرح ہیں اور روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا طے کرنا مقام ولایت کے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے پھر قیاس کرنا چاہئے کہ ان سب کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی، دریائے محیط کو بھی قطرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی ہے، لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے، ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے'' ﴿ایضاً﴾

﴿3﴾

سبحان اللہ! اس راز سے نا آشنا کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اسکی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت، اسکی نبوت سے افضل ہے، یہ بڑے کلمے ان کے منہوں سے نکل رہے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر زیادہ کرے گا تو عدم محض میں جا پڑے گا کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں، اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ جال میں پھنس گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

کیونکہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ وراء الورا، ثم وراء الورا ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است

مرا فکر رسیدن نا پسند است

وہ ورائیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہوگئے ہیں بلکہ عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک کے مانِع اور وجدان کے منافی ہے کیونکہ وہ حق سبحانہ وجود میں اقرب ہے اور وجدان وادراک میں ابعد ہے، ہاں بعض کامل مرادمندوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں، **فعومل معهم ماعومل معهم** اور جیسے کہ چاہئے ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں'' ﴿ایضاً﴾

﴿4﴾

''اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وجدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے، باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے اور یہ جو کہا ہے کہ **لیس وراءهٗ الاالعدم**، اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں، وہ اس لئے کہ وجود خارجی اور وجود علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کے نقیض ہے اور حق سبحانہ کی ذات اس وجود وعدم سے ماورا ہے، جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے''

﴿5﴾

''اس فقیر نے جو اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق

کی حقیقت وجود محض ہے، اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے اور وہ بعض معارف جو توحید وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں، ان کا سر بھی یہی عدم اطلاع ہے، جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتدا اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا اور استغفار کیا، میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اسکی طرف توبہ کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اس کو ناپسند ہیں'' ﴿مکتوب ۲۶۰ دفتر ا﴾

﴿6﴾

''سالکان طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالم خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالم امر کا سیر شروع کرتے ہیں اور انجذاب قلبی اور التذاذ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان ان کو دامن گیر ہو جاتا ہے اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچون حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے، شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا اور دوسرے نے کہا استویٰ کا سر اور عرش پر تنزیہ کا ظہور معارف غامضہ سے ہے اور بیان سابقہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ''تنزیہ'' بھی دائرہ امکان میں داخل ہے، ہاں تنزیہ نما ہے اور حقیقت میں تشبیہ ہے برخلاف اس طریقہ علیہ ﴿نقشبندیہ﴾ کے بزرگواروں کے کہ وہ مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں، یہ انجذاب والتذاذ ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے، پس جو کچھ دوسروں کیلئے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگواروں کیلئے ممد و معاون ہے اور عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں، اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر مفتون نہیں

ہوتے اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہات صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے اور شطحیات مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیت صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے'' ﴿ایضاً﴾

﴿7﴾

''ولایت کا درجہ اول حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، اس کا رب صفت التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہے، حضرت نوح علیہ السلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں، اس کا رب صفت العلم ہے جو صفات ذاتیہ میں سے اجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے، اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے، اس کا رب صفات سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس و تنزیہ ہے نہ ثبوتیہ سے اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں ان کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں شان عظیم حاصل ہے اور درجہ پنجم حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے، اس کا رب رب الارباب ہے جو صفات و شیونات، تقدیسات، تنزیہات کا جامع اور کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے کیونکہ یہ شان عظیم تمام کمالات کا جامع ہے، اسی مناسبت کے سبب سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہوئی اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا، جاننا چاہئے کہ اقدام ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم و موخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے تاکہ صاحب انتہیٰ دوسروں سے افضل ہو بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے، پس ہوسکتا ہے کہ

صاحب قلب اصل سے زیادہ قریب ہونے کے اعتبار سے صاحب اخفیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں، افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو اخیری درجے میں ہے، پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح، روح سے سر، سر سے خفی، خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا بھی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے'' ﴿مکتوب ۲۶۰ دفتر ۱﴾

﴿8﴾

''طریقت اور حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کیلئے مقدمہ ہے، پس اولیائے کامل کی بدایت اور انبیائے مرسل کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے کہا کہ اولیا کی بدایت انبیا کی نہایت ہے اور اولیا کی بدایت اور انبیا کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے، اس کے کچھ معنی نہیں ہیں چونکہ وہ بے چارہ اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا اس لئے ایسی سطحی کلام کہہ دی، ان معارف کے متعلق اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے اور وہ ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ منصف جو انبیا کرام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اس پر غالب ہو، امید ہے کہ ان اسرار غامضہ کو قبول کر لے گا اور اس قبول کو اپنے ایمان کی زیادت کا وسیلہ بنا دے گا، ﴿ایضاً﴾

﴿9﴾

اے فرزند! سن لے کہ انبیا کرام علیہم السلام نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے، بنی الاسلام علی خمس، اسلام کی بنا پانچ ہیں اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے بہت زیادہ مناسبت تھی، اسلئے اسکی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسوا کی نسبت کچھ نہ فرمایا بلکہ اسکو مطروح فی

الطریق کی طرح سمجھا اور بے مطلب جانا، ہاں بہشت کی نعمتیں، دوزخ کے رنج، دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالم خلق سے وابستہ ہے عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے، وہ عمل جو فرض وواجب وسنت ہیں ان کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالم خلق سے ہے اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں، پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے، اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا، پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالم خلق کا نصیب اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالم امر کے نصیب ہے، اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلے میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان قطرے اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی، بلکہ نفل کی سنت کے مقابلے میں یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت وفرض کے درمیان بھی قطرہ ودریا کی نسبت ہے، پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنی چاہئے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہئے، اکثر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں، فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں، صوفیہ خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سستی کرتے ہیں اور چلہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ وجماعت کو ترک کر دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے، ہاں آداب شرعیہ کو مدنظر رکھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بھی بہت ہی بہتر اور ضروری ہے''۔ ﴿مکتوب ۲۶۰ دفتر ۱﴾

﴿10﴾

''نوافل کا ادا کرنا ظنی قرب بخشتا ہے اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی، جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے، ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کیلئے کئے جائیں وہ بھی قرب اصلی کے ممد ومعاون ہیں اور فرائض کے ملحقات میں سے ہیں ....فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے ہیں

لیکن ان میں افضل واکمل نماز ہے"

﴿11﴾

حدیث "الصلوٰۃ معراج المومنین" اور" اقرب مایکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ " کے متعلق تو نے سنا ہوگا، وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر ﷺ کو حاصل تھا جس کی تعبیر " لی مع اللہ وقت" سے کی ہے، فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہوا ہے، نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فحشا اور منکر سے روکتی ہے، وہ نماز ہی ہے جسمیں حضرت پیغمبر ﷺ اپنی راحت ڈھونڈتے تھے جیسا کہ آپ فرمایا کرتے تھے، ارحنی یا بلال، اے بلال مجھے آرام دے اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے"

﴿12﴾

"جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ ہے جو انبیا کرام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی میسر ہوگی، اس بات سے ولایت و نبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کرلے، جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اسکا قدم کمالات ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالات نبوت میں بڑھ کر ہوگا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے جس کے باعث انہوں نے مشاہدے پر کفایت نہ کر کے رویت بصر طلب فرمائی، کمالات نبوت میں انبیا کرام کے اقدام کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا گیا تھا، یہی ہے نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالات ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے، اللہ

تعالیٰ بہتری کا الہام فرمانے والا ہے'' ﴿ایضا﴾

﴿13﴾

''جاننا چاہئے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل ﷺ پر ختم ہو چکا ہے لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے، یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہے، اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں اور ولایت ظلّی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہو اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں اور ظلیہ پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ السلام ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیہ کو رواج دیں گے'' ﴿ایضا﴾

﴿14﴾

جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے، اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے، اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں، اگر بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا، یعنی بخارا و سمرقند سے اسی بیج کو لا کر زمین ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا کی خاک سے ہے، بویا اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اسکی تربیت کی، جب کھیتی کمال تک پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا، الحمد لله الذی اهدنا لهذا، ﴿ایضا﴾

جہاد اکبر کا مفہوم:

صوفیہ کرام کے کلام میں ایک حدیث مبارک کو بہت اہمیت حاصل ہے، رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر، ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کیا، صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے نفس کے ساتھ

جہاد ہے جو ہر وقت احکام شرعیہ کے خلاف انسان کو اکساتا رہتا ہے، لیکن حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی علم وعرفان سے ثابت کیا ہے کہ نفس مطمنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایت کبریٰ کے لوازم سے ہے، اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت صدر پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں تمکین وسلطنت حاصل کر لیتا ہے اور ممالک قرب پر غلبہ پالیتا ہے، یہ تخت صدر حقیقت میں ولایت کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے، اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر ابطن بطون کی طرف نفوذ کرتی ہے اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے، ہاں جو شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے اسکی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے، اس مطمنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے، اور عقل معاد کا نام پاتی ہے اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس مطمنہ کیلئے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی اور وہ پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے، رضائے حق کے سوا اسکا کوئی ارادہ نہیں، اسکی عبادت واطاعت کے سوا اس کا کچھ مطلب نہیں، سبحان اللہ وہ امارہ جو اول بدترین خلائق تھا، اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا، مخبر صادق ﷺ نے کیا سچ فرمایا ہے، **خیار کم فی الجاهلية خيار كم فی الاسلام اذافقهوا**، جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا، اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشا اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں، جو قالب کے اجزا ہیں یعنی اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے، اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے، اگر خست وکمینہ پن ہے تو بھی وہیں سے ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں، پس ہوسکتا ہے کہ مراد اس جہاد اکبر سے جہاد بالقالب ہو نہ کہ جہاد بالنفس، جیسے کہ کہا گیا ہے، کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے اور راضی ومرضی ہو گیا ہے، پس خلاف وسرکشی کی صورت اس میں متصور نہ ہوگی، اجزائے قالب سے خلاف و

سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ، امور مرخصہ کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیائے محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعدا ہو چکا ہے، ﴿مکتوب ۲۶۰ دفتر ا﴾ پھر آپ نے ثابت کیا ہے کہ عناصر اربعہ کے کمالات نفس مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں کیونکہ نفس مطمئنہ مقام ولایت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، عالم امر سے ملحق ہونے کی وجہ سے صاحب سکر ہے اور مقام استغراق میں ہے، اسی وجہ سے اسمیں مخالفت کی کوئی مجال نہیں رہی، جبکہ عناصر اربعہ کی مناسبت مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے ان میں صحو غالب ہے، اسی وجہ سے بعض منافعوں اور فائدوں کیلئے جوان سے متعلق ہیں، مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے، لہذا اس مخالفت کو روکنے اور ان منافعوں اور فائدوں کو حاصل کرنے کیلئے قالب کے خلاف جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کمالاتِ نبوت کے وارث تھے اس لئے انہوں نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اور اپنے اوپر ہوا کی سرکشی، پانی کی سردمزاجی، آگ کی غضب افروزی اور مٹی کی کاہلی غالب نہ ہونے دی، جہاں تک ان کے نفس کا تعلق تھا تو دیدار مصطفیٰ اور اتباع رسول خدا کی برکت سے وہ تو ایک نظر اور ایک قدم کے صلے میں ہی مقام اطمینان پر فائز ہو گیا تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ گواہ ہے، پہلی نظر دیکھا تو پکار اٹھے، یہ چہرہ کس جھوٹے کا نہیں ہوسکتا، یہ اطمینان تھا جو ان کی پہلی نظر کا ثمرہ تھا، اب نفس مطمئنہ کے خلاف جہاد کی کیا ضرورت تھی، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کا اجتہادی موقف دلائل کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ پھر انہوں نے عناصر اربعہ کے اثرات کے خلاف کمر ہمت باندھ لی اور ساری زندگی اس جہاد اکبر میں مشغول رہے، ان کے بعد بھی جو لوگ کمال اتباع کے باعث ان اثرات کے خلاف جہاد کرتے ہیں، وہ صحو کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے نزدیک عمل مستحب بھی اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے اور پھر وہ کمالات نبوت سے فیضان کامل حاصل کر کے امامت، خلافت، قیومیت اور ارشاد کی قطبیت جیسے اعلیٰ منصبوں پر فائز ہو جاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

تخلیق آدم اور فلسفہ روح:

روح ایک ایسی عجیب ولطیف مخلوق ہے جس کے متعلق فرمایا گیا، وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً، اس فرمان کے مطابق بہت ہی تھوڑے افراد کو اس کا صحیح علم عطا کیا گیا ہے اور انہی افراد کو راسخین فی العلم کہا جاتا ہے، قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ روح سانس اور حیات کے درمیان ایک امر متردد ہے، امام اشعری فرماتے ہیں کہ روح وہ سانس ہے جو آ اور جا رہا ہے، ﴿عمدۃ القاری ۲/۲۰۱، مطبوعہ مصر﴾ حضرت امام نووی فرماتے ہیں، ہمارے اصحاب کے نزدیک روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے اور اس کے الگ ہونے سے انسان مرجاتا ہے ﴿شرح مسلم ۲/۱۳۶، مطبوعہ کراچی﴾ امام غزالی فرماتے ہیں کہ روح نفس مجرد ہے یعنی جسم اور جسمانیات سے نہیں ہے اور وہ جوہر ہے جو بنفسہٖ قائم ہے، غیر متحیز ہے، جسم میں داخل ہے نہ خارج ہے، متصل ہے نہ منفصل ہے، ﴿عمدۃ القاری ۲/۲۰۱﴾ فلاسفہ نے روح کو قدیم کہا ہے جو از حد غلو کی علامت ہے، امام دشتانی مالکی فرماتے ہیں اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ روح حادث ہے کیونکہ ارواح متغیر ہوتی ہیں اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے، قدیم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہیں۔ ﴿اکمال المعلم ۵/۲۳۰ مطبوعہ بیروت﴾ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ روح واحد ہے اور وہ روح محمدی ہے، روح کی اقسام سے مراد روح کے تعینات ہیں، جیسے درخت کا بیج ایک ہوتا ہے اور درخت کا پھیلاؤ اسی ایک بیج کے تعینات میں سے ہے لہذا شاخ، تنا، پتا، پھول، پھل اور کانٹے سب اس بیج کے تعینات ہیں، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اور دیگر متکلمین کے مطابق روح واحد نہیں بلکہ لاتعداد ارواح ہیں جیسا کہ حدیث نبوی ہے، ان الارواح جنود مجندہ، یعنی روحیں لشکروں کی صورت میں ہیں، اس فرمان رسول سے ارواح کے متعدد ہونے کی دلیل حاصل ہوتی ہے اور یہ دلیل شرعی ہے نہ کہ کشفی لہذا اس کا یقینی ہونا روز روشن سے بھی زیادہ تابناک ہے، البتہ روح محمدی کو روح اعظم کہا جاتا ہے، حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ روح کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

"روح بھی چونکہ عالم بیچونی سے ہے اس واسطے اس کیلئے بھی لامکانی ہونا متحقق ہے لیکن اسکی بیچونی بمقابلہ وجوب ذات حق عین چون ہے

اور اسکا لامکان ہونا حقیقی لامکان کی لامکانیت کے سامنے عین مکانیت ہے، گویا عالم ارواح اس عالم اور مرتبہ بیچونی کے مابین برزخ ہے، چونکہ روح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اس لئے عالم بیچون اسے بے چون جانتے ہیں لیکن اصلی بیچون کے مقابلہ میں عین چون ہے، یہ برزخ ہونے کی نسبت اسے اسکی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے لیکن جب اسکا تعلق ایک ہیکل اور قفس عنصری سے ہو جاتا ہے تو عام برزخیت سے نکل کر بالتمام عالم چون میں اتر آتا ہے اس واسطے بیچونی کا رنگ اس سے جاتا رہتا ہے، اسکی مثال ہاروت و ماروت کی سی ہے" ﴿مبداء معاد منھا ۱۳ مطبوعہ لاہور﴾

جب وجود آدم کو تخلیق فرمایا گیا تو اسمیں روح پھونکی گئی، اب یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح جسم کو روح سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اسی طرح روح کو بھی جسم سے بڑے فوائد پہنچے ہیں، چنانچہ جسم ہی کی برکت سے اسے سننے، دیکھنے، بات کرنے، مجسم ہونے، مختلف افعال سرانجام دینے اور عالم اجسام سے مناسب ہونے کی طاقت نصیب ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ ثواب اور عذاب روح اور جسم دونوں کیلئے متحقق ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ مبداء معاد میں فلسفہ روح کے بارے میں کھل کر لکھا ہے اور فرمایا ہے: "روح کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور حضور سرور کائنات ﷺ کے صدقے سے کشف صریح اور علم صحیح حاصل ہوا ہے اور ساتھ ہی مجھ سے وہ شبہ دور کر دیا گیا ہے جو بیان کرنے سے روکتا ہے" مشہور حدیث پاک میں ہے: ان اللہ خلق ادم علی صورتہ ، بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا، تخلیق آدم اور فلسفہ روح کے متعلق آپ نے کمال درجے کا اجتہادی فکر پیش کیا جس سے اس حدیث پاک کی تشریح بھی ہو گئی اور روح کی کیفیت بھی نکھر کر سامنے آ گئی، آپ ارقام فرماتے ہیں:

" ان اللہ خلق ادم علی صورتہ، اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ بیچون و بیچگون ہے، آدم علیہ السلام کی روح کو جو اس کا خلاصہ ہے بیچونی اور بیچگونی کی صورت پر پیدا کیا، پس جس طرح حق سبحانہ لامکانی ہے، روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی

نسبت ہے جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے، نہ داخل ہے نہ خارج ہے، نہ متصل ہے نہ منفصل ہے اور قیومیت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہو تی اور بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا قیوم روح ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے، بدن کیلئے حق تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے سبب سے ہے، جو فیض وارد ہوتا ہے اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے اور پھر روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور چونکہ روح بیچونی اور بیچگونی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے اس لئے حقیقی بیچون و بیچگون کی اس میں گنجائش ہوگئی، **لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن** ، میں اپنی زمین وآسمان میں نہیں سما سکتا لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں، کیونکہ زمین وآسمان باوجود وسعت وفراخی کے چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چونی و چگونی کے نشان سے داغدار ہیں، اس لئے لامکانی کی جو چندی اور چونی سے مقدس وپاک ہے گنجائش نہیں رکھتے، کیونکہ لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا اور بیچون چون میں آرام نہیں لیتا پس ناچار مومن آدمی کے دل میں جو لامکانی ہے اور چندی اور چونی سے مبرا ہے گنجائش ثابت ہوگئی، مومن آدمی کے دل کی تخصیص اس لئے ہے کہ غیر مومن آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اترا ہوا ہوتا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اسی کا حکم حاصل کئے ہوتا ہے، پس نزول اور گرفتاری کے باعث چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہو گیا ہے اور چونی کا حکم حاصل کرلیا ہے اس لئے اس نے قابلیت کو ضائع کر دیا ہے، **اولئک کالانعام بل هم اضل**، یہ لوگ چارپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، اور مشائخ سے جس نے اپنے دل کی وسعت کی نسبت خبر دی ہے اس کی مراد قلب کی لامکانیت ہے کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے عرش اپنی فراخی وعظمت کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لئے لامکانی کے مقابلے میں جو روح ہے دانہ رائی کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس

سے بھی کم معلوم ہوتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب قلب انوار قدس کی تجلی کا محل ہے اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے تو عرش و مافیھا کو اگر اس میں ڈال دیں تو محو ومتلاشی ہو جائیں اور ان میں سے کچھ باقی نہ رہے جیسے کہ سید الطائفہ ﴿حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ﴾ نے اس مقام کے بارے میں فرمایا ہے، ان المحدث اذاقورن بالقدیم لم یبق له اثر، کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، یہ ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا ہوا ہے، ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں اور چون کے داغ سے موسوم ہیں، اسی واسطے انسان خلیفہ رحمٰن بن گیا، ہاں شے کی صورت اس شے کا خلیفہ ہوتی ہے، اور جب تک شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو شے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا، اپنے اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں......... اگر کسی عبارت میں ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے حق تعالیٰ کی شان میں ظرف یا مظروف ہونے کا وہم گزرتا ہو تو اس کو میدان عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہئے اور کلام کی مراد کو اہل سنت وجماعت کی آرا کے موافق سمجھنا چاہئے''

﴿مکتوب ۲۸۷ دفتر ا﴾

قلب صنوبری مورد الہام ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ آپ صوفیہ کرام کے مکشوفات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھتے ہیں، اگر قرآن و حدیث سے ان کی تائید مل جائے تو قبول کرتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں، یہ آپ کی عظمت شان ہے کہ آپ کے مکشوفات کی تائید قرآن وحدیث سے مل جاتی ہے، یہاں قلب صنوبری یعنی انسانی جسم کے اندر گوشت کے لوتھڑے کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب نفس مطمئنہ کو مقام قلب تک رسائی نصیب ہو جائے تو الہامات وتلوینات اس پر وارد ہوتی ہیں، گویا وہ نفس مطمئنہ کو الہامات کا

مورد قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ الہامات کا مورد قلب صنوبری یعنی وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جسے مضغہ کہا جاتا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

"جب بدن عنصری اپنی جائے قرار میں آجاتا ہے تو لطائف ستہ کی جدائی اور ان کے عالم امر میں چلے جانے کے بعد اس جہان میں ان کا خلیفہ بلا شک وشبہ یہی بدن رہ جاتا ہے اور یہی ان سب کے کام کرتا ہے، بعد ازاں اگر الہام ہوتا ہے تو گوشت کے اسی ٹکڑے کو جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور اس حدیث نبوی" من اخلص للہ اربعین صباحاً ظھرت منا بیع الحکمۃ من قلبہٖ علیٰ لسانہ" یعنی جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرتا ہے، حکمت کے چشمے اس کے دل سے اسکی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، میں قلب سے مراد واللہ اعلم یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور دوسری حدیثوں میں بھی یہی مراد مقرر ہے...........

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دل کے واسطے اطمینان کی درخواست کی تو اس وقت آپ کی مراد اسی گوشت کے ٹکڑے سے تھی نہ کہ کسی اور چیز سے کیونکہ آپ کا حقیقی دل تو بلا شک وشبہ مطمئن تھا بلکہ آپ کا نفس بھی آپ کے حقیقی دل کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا" ﴿مبداء معاد منہا ۱۳﴾

یہاں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان کیلئے اور بھی احادیث نبویہ کو پیش کیا ہے مثلاً:

⊙......ان فی جسد بنی اٰدم لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلمہ، الاوھی القلب، بے شک بنی آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے، جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبر دار وہ دل ہے۔ ﴿مبداء و معاد منہا ۱۳﴾

⊙......قلب المومن بین اصبعین مِن اصابع الرحمن، مومن کا دل

رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جو اسکی شان کے لائق ہیں۔ ﴿ایضاً﴾

⊙......قلب المومن کریشۃ فی ارض فلاۃ، مومن کا دل بیابان کے گھاس کی طرح ہے۔ ﴿ایضاً﴾

⊙......اللھم ثبت قلبی علیٰ اطاعتک ،اے اللہ! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھنا۔ ﴿ایضاً﴾

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی فرماتے ہیں کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جو نفس مطمئنہ کی ہمسائیگت کے شوق کا باعث ہوتا ہے' یہاں تک کہ نفس مطمئنہ کو اس کے مقام تک پہنچاتا ہے اور جسم کو خالی چھوڑتا ہے، اس وقت تعلق تذکر و تعقل بھی قلبی ٹکڑے میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ " ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب وحٍ" یعنی صاحب قلب وحٍ کیلئے اس میں ذکر ہے، وہی قلب خود آپ ہی اپنا ترجمان ہو جاتا ہے، اس وقت عارف کو قالب سے پالا پڑتا ہے، ناری جزو جس کے وجود سے "انا خیر منہ" میں اس سے اچھا ہوں کی آواز نکلتی تھی فرمانبردار ہونے لگتا ہے اور ہوتے ہوتے اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے، تب ابلیسی جامہ اس سے اتار کر نفس مطمئنہ کے اصلی مقام میں پہنچاتے ہیں اور اسکا نائب مناب بنا دیتے ہیں پس قالب میں قلب حقیقی کا خلیفہ یہی گوشت کا ٹکڑا ہے اور نفس مطمئنہ کا نائب مناب جزو ناری ہے ؎

زر شد مس وجود من از کیمیائے عشق

چھ آئینوں کی اجتہادی توجیح:

حضرت خواجہ خواجگان شیخ سید بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہٗ کا فرمان ہے کہ "ہر شیخ کے آئینے کے دو رُخ ہیں لیکن میرے آئینے کے چھے رخ ہیں" یہ فرمان بہت دقیق ہے جس کے متعلق کسی بزرگ نے کلام نہیں کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی ارقام فرماتے ہیں:

"اسمیں کلام نہیں کہ آج تک اس بزرگ خانوادہ کے کسی خلیفہ نے اس کلمہ قدسیہ کی شرح بیان نہیں کی بلکہ اشارتاً اور کنایتاً بھی اس بارے

میں کوئی بات نہیں کی، مجھ حقیر اور قلیل البضاعۃ کی کیا حیثیت کہ اس کی شرح کی جرأت کر سکے اور اس کے کشف کیلئے زبان کھولے لیکن چونکہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معما کا بھید مجھ پر منکشف فرمایا ہے اور کماحقہٗ اس کی حقیقت مجھ پر ظاہر فرمائی ہے، اس واسطے اس پوشیدہ بھید کو بھی بیان کی انگلیوں سے رشتہ تحریر میں پروتا ہوں اور زبان ترجمان سے بھی تقریر میں لاتا ہوں، استخارہ کے بعد اسے اللہ تعالیٰ سے غلطی سے بچنے اور توفیق کی دعا کر کے شروع کرتا ہوں، واضح رہے کہ آئینہ سے مراد عارف کا دل ہے جو روح اور نفس کے مابین برزخ ہے، آئینے کے دونوں رخوں سے مراد ایک رخ روح کا اور دوسرا رخ نفس کا لیا ہے، جس وقت مشائخ مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو ان دونوں رخوں سے وہ علوم و معارف جو قلب کے مناسب ہوتے ہیں منکشف ہونے لگتے ہیں، برخلاف اس کے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ النورانی کے طریقہ میں بدایت ہی میں نہایت مندرج ہے، اس طریقہ میں آئینے کے چھ رخ ہو جاتے ہیں، اس کی مفصل حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ علیہ کے بزرگوں پر منکشف ہو رہا ہے کہ جو کچھ تمام افراد انسانی میں ثابت ہے وہ چھ لطیفوں سے اکیلے دل میں متحقق ہے، ان چھ طرفوں سے مراد نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفی لئے ہیں، باقی تمام مشائخ کی سیر قلب کے ظاہر تک محدود ہے لیکن نقشبندیہ بزرگوں کی سیر قلب کے باطن تک بلکہ اس سیر کے ذریعے اسکے اندرونی نقطے تک ہے اور انہیں ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہوتے ہیں لیکن وہ علوم منکشف ہوتے ہیں جو مقام قلب کے مناسب ہیں، یہ ہے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کلمہ قدسیہ کا بیان، مجھ حقیر کو ان بزرگوں کی برکت سے اور زیادہ تحقیق و تدقیق معلوم ہوئی، سو میں اس تحقیق و تدقیق میں سے کچھ اشارتاً اس آیت کریمہ، واما بنعمة ربک فحدث کے بموجب بیان کرتا ہوں، واضح رہے کہ قلب قلب میں بھی قلب کی طرح لطائف پائے جاتے ہیں لیکن قلبِ قلب میں یا

دائرہ کی تنگی یا کسی اور بھید کی وجہ سے مذکورہ بالا چھ لطیفوں میں سے دو لطیفے بطریق جز و یعنی لطیفہ نفس اور لطیفہ اخفی ظاہر نہیں ہوتے اور یہی حالت اس دل کی ہے جو تیسرے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جو چوتھے مرتبے میں ہو کیونکہ اس میں صرف قلب و روح کا ظہور ہوتا ہے، سر کا نہیں ہوتا، پانچویں مرتبے میں لطیفہ روح کا بھی ظہور نہیں ہوتا، صرف قلب ہی قلب رہ جاتا ہے جو بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہے، اس موقعہ پر بعض معارف عالیہ کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے ذریعے واضح ہو جائے کہ نہایت النہایت اور غایت الغایت سے کیا مراد ہے، میں ان معارف کو بتوفیق الٰہی بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ جو کچھ عالم کبیر میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر ہوتا ہے، عالم صغیر سے میری مراد انسان ہے، پس جب عالم صغیر کو صقل کر کے منور کر لیا جاتا ہے تو اسمیں آئینے کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں کیونکہ صقل اور منور کرنے سے اسکا احاطہ وسیع ہو جاتا ہے، اس وقت صغیر کا لفظ اس پر عائد نہیں ہوتا اور یہی حالت اس دل کی ہے جس کو عالم صغیر سے وہی نسبت ہے جو عالم صغیر کو عالم کبیر سے ہے، جب دل کو صقل کیا جاتا ہے اور اسکی تاریکی دور ہو جاتی ہے تو اس میں بطریق آئینہ عالم صغیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں اور یہی نسبت قلب القلب اور قلب میں ہوتی ہے جو قلب اور عالم صغیر میں ہوتی ہے، جب قلب القلب کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے تو اس میں تمام چیزیں مفصل طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں علیٰ ھذا القیاس دل تیسرے، چوتھے اور پانچویں مرتبے میں بہ سبب صقالت و نورانیت سابقہ مراتب کی تمام چیزوں کو مفصلاً دکھانے لگتا ہے، اس طرح جو دل پانچویں مرتبے میں بسیط محض اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے جب اسے پورے طور پر صقل کیا جاتا ہے تو اس میں عالم کبیر، عالم صغیر اور صغر اور بعد کے باقی تمام عوالم کی چیزیں مفصلاً دکھائی دینے لگتی ہیں، سو وہ تنگ لیکن سب

سے فراخ اور بسیط سے بسیط ہے، نہایت چھوٹا لیکن سب سے بڑا ہے، اس وصف کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی، اس لطیفہ بدیعہ سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مناسبت نہیں رکھتی، اسی واسطے فرمایا، **لایسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن**، عالم کبیر اگرچہ بلحاظ ظہور نہایت وسیع ہے اور اس کی کثرت و تفصیل کی وجہ سے اسے اس چیز کے ساتھ جس میں کثرت و تفصیل بالکل نہ ہو، کوئی مناسبت نہیں، وہ تنگ لیکن بہت وسیع ہے اور بسیط الابسط ہے، بہت ہی تھوڑا ہے لیکن ساتھ بہت ہی کثیر بھی ہے، جب وہ عارف جو بلحاظ معرفت مکمل اور از روئے شہود اکمل ہو اس مقام پر پہنچتا ہے جو عزیز الوجود اور شریف الرتبہ ہے تو عارف تمام جہان اور اس کے ظہورات کیلئے بمنزلہ دل ہو جاتا ہے، تب اسے ولایت محمدیہ حاصل ہوتی ہے............ یہ معارف پوشیدہ اسرار اور مخفی رموز سے ہیں، بڑے بڑے اولیا میں سے کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور بڑے بڑے اصفیا میں سے کسی نے بھی ان کی طرف اشارہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے یہ اسرار اپنے اس بندے کو اپنے حبیب اکرم ﷺ کے صدقے عطا فرمائے اور ان کے ظاہر کرنے کا حکم دیا، کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

اگر بادشاہ بردر پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی شے یا سبب پر منحصر نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے اور وہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ ﴿مبداء معاد منھا ۱۲﴾

شاہق الجبل اور اطفال اہل شرک:

انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت و رحمت ہے جس کے ذریعے مخلوق کو خالق کا عرفان نصیب ہوتا ہے، یونان کے قدیم فلسفیوں نے دانا و بینا ہونے کے باوجود صانع کی طرف ہدایت نہ پائی اور وجود کائنات کو دہر یعنی زمانے کی طرف

منسوب کیا، جب انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت و بعثت کے انوار کا سورج طلوع ہوا تو متاخر فلسفیوں نے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کر دیا اور وہ وجود صانع کے قائل ہو گئے اور انہوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا، کائنات میں کچھ ایسے انسان بھی رہتے تھے جن کو اپنی دُور اُفتادگی کی وجہ سے انبیائے کرام کی دعوت نصیب نہ ہوئی، وہ پہاڑوں کی بلندیوں اور غاروں میں رہنے کی وجہ سے توحید و رسالت کے انوار سے منور نہ ہو سکے، ایسے لوگوں کو ''شاہق الجبل'' کی اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے، پھر اہل شرک کے اطفال تک بھی توحید و رسالت کا فیضان نہیں پہنچا تو اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ کیا شاہق الجبل اور اطفال اہل شرک بھی خلود فی النار کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں، اس مسئلے میں امت کا بہت اختلاف ہے، بعض علما کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا حشر اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، بعض کا قول ہے کہ اطفال اپنے آباؤ اجداد کے تابع ہوں گے یعنی مسلمانوں کے بچے جنت میں اور مشرکوں کے بچے جہنم میں ہوں گے، بعض علما کا قول ہے کہ وہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی جو جنت میں جائیں اور کوئی گناہ نہیں کیا جو دوزخ میں جائیں، بعض علما کا قول ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے، یہ ایک ضعیف روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے، بعض علما کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا، ان کو ایک آگ دکھائی جائے گی، جو اس میں داخل ہوگا، وہ بچ جائے گا اور جو داخل ہونے سے انکار کرے گا وہ عذاب سے دوچار ہوگا، امام بزار نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میرا گمان ہے کہ جو شخص ایام فترت میں فوت ہو گیا، اس کو، پاگل کو اور چھوٹے بچے کو بلایا جائے گا، وہ تینوں اپنے عذر پیش کریں گے، پھر ان کا آگ سے امتحان لیا جائے گا، امام بزار نے فرمایا ہے کہ ہم اس روایت کو صرف فضیل سے پہچانتے ہیں، امام طبرانی نے اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، بعض علما کا قول ہے کہ فترت میں مرنے والے ﴿جن تک انبیا کرام کی دعوت نہیں پہنچی﴾ اور مجنون کا امتحان صحیح اسناد سے ثابت ہے، فترت میں مرنے والا شخص کہے گا کہ اے پروردگار! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا، اللہ تعالیٰ اس سے پختہ عہد لے گا پھر اس کے پاس ایک پیغامبر بھیجے گا اور وہ کہے گا کہ دوزخ

میں داخل ہو جاؤ، اگر وہ دوزخ میں داخل ہو جائے گا تو وہ اس کے لئے سلامتی والی بن جائے گی، حضرت امام بیہقی نے بھی کتاب الاعتقاد میں یہی لکھا ہے کہ فترت میں مرنے والے اور مجنون کے لئے امتحان منعقد ہوگا، یہ مذہب صحیح ہے، بعض علما کا قول ہے کہ اہل شرک کے اطفال مٹی ہو جائیں گے، امام احمد اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے، بعض علما کا قول ہے کہ ان کے متعلق توقف کرنا چاہئے، حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح اور مختار یہی ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، ﴿ملخصا عمدۃ القاری ۸/۲۱۲ مطبوعہ مصر، فتح الباری ۳/۲۴۶ مطبوعہ لاہور﴾ اصحاب ماتریدیہ کا موقف ہے کہ شاہق الجبل وغیرہ کا فر داخل جہنم ہیں، حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے کہ ان کیلئے قیامت کے دن ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور اس کی دعوت کے انکار و اقرار کے موجب ان کو دوزخ و جنت کا حکم سنایا جائے گا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے کشف صریح سے اس مسئلے کا یہ حل بیان فرمایا ہے:

"بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے راہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث واحیا کے بعد ان کو مقام حساب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب وعذاب دیں گے اور حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے، پس خلود کس کیلئے اور مخلد کون ہوگا، اس معرفت غریبہ کو جب انبیائے کرام علیہم السلام کے حضور پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اسکو مقبول فرمایا، والعلم عند اللہ سبحانہ، فقیر پر یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنے کمال رافت ورحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیا کرام کے ذریعے ابلاغ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی مجال ہے اپنے بندے کو ہمیشہ کیلئے دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے، جس طرح کہ باوجود شرک کے اس کیلئے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے،

جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث امام اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے، پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد ان کو معدوم کیا جائے گا اور فقیر کے نزدیک دارالحرب کے مشرکین کے اطفال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے، خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر، اگرچہ تبعیت دارالاسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کیلئے، لیکن ان کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد مشرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے، پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث ونشور کے بعد حساب کیلئے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورے کر کے ان کو معدوم اور نیست و نابود کر دیں گے اور ان مشرکوں کے حق میں بھی ﴿یہی حکم ہے﴾ جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نصیب نہیں ہوئی''۔ ﴿مکتوب ۲۵۹ دفتر ۱﴾

اگر کوئی شخص یہ روایت بیان کرے جو حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جنت میں ہوگی اور مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا، جہنم میں ہوگی، اگر تم چاہو تو میں تمہیں جہنم میں ان کے چلانے کی آوازیں سنوا دوں'' اور کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہاد اس روایت سے ٹکرا رہا ہے لہذا غیر معتبر ہے، جواباً عرض ہے کہ حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں نہیہ کے مولیٰ ابو عقیل جیسا متروک راوی موجود ہے'' ﴿عمدۃ القاری ۲۱۲/۸ مطبوعہ مصر﴾ باقی جن روایات میں امتحان لینے اور قیامت کے دن کسی پیغمبر کے مبعوث کرنے کا ذکر ہے وہ بھی اضطراب سے دوچار ہیں، اور مضامین میں متعارض ہیں، حدیث مضطرب سے استدلال نہیں کیا جاتا جیسا کہ

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے جنگلی گدھے کے گوشت کے بارے میں تصریح فرمائی ہے، ﴿شرح مسلم ۳/ ۳۱۸ مطبوعہ لاہور﴾ اہل فترت، شاہق الجبل اور دار الحرب کے مشرکین کے اطفال دوزخ میں نہیں جائیں گے، یہ قرآن پاک کی اس آیت سے ثابت ہے، وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً، جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیجیں عذاب دینے والے نہیں، ﴿سورۃ الاسرا: ۱۵﴾ پھر ان سے شرک اور کفر کی رسومات بھی ثابت ہیں تو ان کا جنت میں داخلہ بھی عجیب ہے کیونکہ نص قطعی ہے، من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ، جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی، اگر ان کو اصحابِ اعراف میں تصور کیا جائے تو بھی مناسب نہیں کیونکہ اصحاب اعراف بھی بالآخر جنت میں داخل ہو جائیں گے، اگر یہ کہا جائے کہ قیامت کے دن ان کیلئے کوئی پیغمبر مبعوث ہوگا تو یہ بھی یوم قیامت کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ وہ دار التکلیف نہیں ہے، اب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کا اجتہاد ہی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ ان کو بعث ونشور کے بعد حیوانوں کی طرح معدوم کر دیا جائے گا، ﴿واللہ اعلم ورسولہ بالصواب﴾

حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر قرآن پاک اور صحیح احادیث میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر رسول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کا معاملہ نہایت پر اسرار ہے، علمائے امت ان کے متعلق شدید قسم کے اختلاف کا شکار ہیں، پہلے ہم علمائے امت کی آرا اور پھر آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کی رائے پیش کرتے ہیں، حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا نام ''بلیا'' ہے، حضرت ابو حاتم بحستانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان کا نام ''خضرون'' ہے، ایک قول ہے کہ ان کا نام ''ارمیاہ'' ہے، حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان کا نام ''الیسع'' ہے، ان کو خضر اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ جب زمین پر بیٹھتے تو وہاں سبزہ پیدا ہو جاتا، ان کی کنیت ابو العباس ہے، ایک قول کے مطابق ان کا شجرہ نسب بھی مذکور ہے، بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ ان کو ''اسرائیلی'' قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے ایک خطبہ سے ثابت ہے، امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا

قول ہے کہ وہ ولی ہیں، ایک جماعت علما کے نزدیک وہ نبی ہیں، امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ اور محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق بھی علما کرام میں بہت زیادہ اختلاف ہے، جمہور علما کے نزدیک وہ قیامت تک زندہ رہیں گے، علامہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جمہور علما اور صالحین اور عام لوگوں کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور بعض محدثین نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے اور یہ قول شاذ ہے، امام بخاری، امام ابن مناوی اور امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حیات کا انکار کیا ہے، ﴿عمدۃ القاری ۲/۶۰ مطبوعہ مصر﴾ علامہ ابن تیمیہ نے بھی حیات خضر کا انکار کیا ہے، حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے، جمہور علما کا اتفاق ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں، یہ امر صوفیہ کرام کے درمیان متفق علیہ ہے، صوفیہ کرام سے ان کو دیکھنے، ملاقات کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی متعدد حکایات مشہور ہیں، مقدس مقامات میں ان کے موجود ہونے کے بیشمار واقعات منقول ہیں، ﴿شرح مسلم ۲/۲۶۹ مطبوعہ کراچی﴾ حضرت امام ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ لمبی عمر ممکن ہے اور حضرت خضر کی حیات کے متعلق بہت سی حکایات موجود ہیں، ﴿اکمال المعلم ۶/۱۷۲ مطبوعہ بیروت﴾ حضرت امام محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات خضر کے دلائل اور وفات خضر کے دلائل جمع کر کے اپنا فیصلہ صادر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علما کے نظریے کی تائید ہوتی ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں اور ان احادیث کے ظاہر سے عدول کرنے کا کوئی مقتضی نہیں ہے ماسوا ان حکایات کے جو بعض صالحین سے منقول ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ﴿روح المعانی ۱۵/ ۳۲۸ مطبوعہ بیروت﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر منفرد طریقے سے روشنی ڈالی ہے اور اپنے کشف صریح سے حضرت خضر علیہ السلام کی حقیقت اور حیات سے پردہ اٹھایا ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

> ''یار مدت سے حضرت خضر علیہ السلام کے احوال کی نسبت دریافت کیا کرتے تھے، چونکہ فقیر کو ان کے حال پر پوری پوری اطلاع نہ دی گئی تھی اس لئے جواب میں توقف کیا کرتا تھا، آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس وخضر علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں حاضر ہوئے اور روحانی ملاقات

سے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں، حق سبحانہ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام جو جسموں سے وقوع میں آئیں یعنی جسمانی حرکات وسکنات اور جسدی اطاعات وعبادات ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں، اسی اثنا میں پوچھا کہ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب ﴿فقہی﴾ کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، فرمایا کہ ہم شرائع کے مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے، اس لئے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے، صرف اطاعت کے ادا کرنے میں اہل اطاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادات کی صورت کو مدنظر رکھتے ہیں'' ﴿مکتوب ۲۸۲ دفتر ۱﴾

یاد رہے کہ احادیث صحیحہ میں کہیں بھی حضرت خضر علیہ السلام کا شجرۂ نسب موجود نہیں، ان کے حسب ونسل کے متعلق کوئی اشارہ مذکور نہیں، علما اور صوفیا کے متعارض اقوال اور حیات پر دلالت کرنے والے آثار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے کشف صریح کی روشنی میں اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ نکھر جاتے ہیں، نیز جن لوگوں نے ان کی وفات پر اپنے عقلی نتائج کا سہارا لیا ہے ان کا شافی جواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، عصر حاضر کے مفسر اور اسکالر حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے اس موقف کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے، میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے، مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی، اس کے مطالعہ سے آپ

کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی، فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے بغیر ناممکن ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی سے خضر علیہ السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہِ الٰہی میں حقیقت حال کے انکشاف کیلئے متوجہ ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ حضرت خضر ان کے پاس کھڑے ہیں، آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے کام کرتے ہیں......... ﴿ضیاء القرآن ۳/ ۳۸ مطبوعہ لاہور﴾

اقوال اولیا کی توجیحات:

بعض صوفیہ کرام نے اپنے مخصوص احوال کی وجہ سے ایسے اقوال بیان کئے ہیں جن کی تشریح اور توجیح کی اشد ضرورت تھی اور ان کو ظاہر شریعت کے مطابق پھیرنا بہت لازمی تھا تا کہ عوام الناس کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا فرما کر سالکین تصوف پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے، آپ سے جب بھی صوفیہ کرام کے اقوال اور احوال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے ان کی صحیح توجیح بیان کر دی یا قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا اصل حکم ظاہر فرما دیا، صدیوں سے تشریح طلب اقوال کا صحیح رخ پیش کرنا بھی آپ کے اجتہادی فکر وعرفان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، ذیل میں اس کارنامے کا تفصیلی جائزہ حاضر خدمت ہے۔

......﴿1﴾......

ایک دفعہ میں چند درویشوں سمیت بیٹھا تھا، میں نے اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے جو مجھے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھ پر اس طرح غالب ہے کہ میں حق تعالیٰ کو صرف اس واسطے پیار کرتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے، حاضرین یہ سن کر حیران رہ گئے لیکن مخالفت نہ کر سکتے تھے، یہ بات حضرت رابعہ

بصری رحمۃ اللہ علیہا کی بات کا بالکل نقیض ہے کہ فرماتی ہیں، میں نے جناب سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں خواب میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت مجھ پر اس درجہ غالب ہے کہ آپ کی محبت کی گنجائش نہیں رہی، یہ دونوں باتیں سکر سے ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے، رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے محض مستی کی حالت میں کہی ہے اور میں نے ہوش کے آغاز میں، ان کی بات صفات کے مرتبے کے متعلق ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے رجوع کرنے کے بعد کی، اس واسطے کہ مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں، تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں، وہاں پر سر بسر یا حیرت ہے یا جہل بلکہ اس مرتبہ میں ﴿سالک﴾ بڑے ذوق سے محبت کی نفی کرتا ہے اور کسی طرح سے بھی اپنے آپ کو اس کی محبت کے لائق نہیں جانتا، محبت اور معرفت صرف صفات میں ہوتی ہے جسے محبت ذاتی کہتے ہیں، اس سے مراد ذات احدیت نہیں بلکہ ذات مع اعتبارات ذات ہے، پس حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی محبت مرتبہ صفات میں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ ﴿مبدا و معاد منہا ۳۷﴾

......﴿2﴾......

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے ایک ہاتھ میں آگ تھی اور ایک ہاتھ میں پانی، فرمایا، میں آگ سے جنت کو جلانے اور پانی سے دوزخ کو بجھانے جا رہی ہوں تا کہ لوگ صرف خداوند تعالیٰ کی رضا کیلئے عبادت کریں نہ کہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی فرماتے ہیں "ہاں احوال کے درمیان مقام فنا میں دنیا و آخرت کا نسیان میسر ہو جاتا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح سمجھتے ہیں، لیکن جب بقا سے مشرف ہو جائیں اور کام انجام تک پہنچائیں اور کمالات نبوت اپنا پرتو ڈالیں تو پھر درد آخرت اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگنا لاحق حال ہوتا ہے، بہشت اور اس کے درختوں اور نہروں اور حور و غلمان کی دنیا کی اشیا کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں جیسے کہ غضب و رضا ایک دوسرے کے نقیض ہیں، اشجار و انہار وغیرہ جو بہشت میں ہیں سب اعمال صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں، حضرت پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ بہشت میں کوئی درخت نہیں ہے، اسمیں خود درخت لگاؤ، یاروں نے عرض کیا کہ ہم کس طرح درخت لگائیں، فرمایا

کہ تسبیح اور تحمید و تہلیل کے ساتھ، یعنی سبحان اللہ کہو تا کہ بہشت میں ایک درخت تمہارے لئے لگ جائے، پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہے اور جس طرح اس کلمہ میں حروف واصوات کے لباس میں کمال تنزیہ ہے، علی ھذا القیاس، جو کچھ بہشت میں ہے عمل صالح کا نتیجہ اور جو کمالات و خوبی کہ نہایت تقید میں ہے اور قول و عمل صالح کے لباس میں مندرج ہے بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظہور کریں گے، پس وہ لذت و نعمت ضرور حق تعالیٰ کی پسندیدہ، مقبول اور بقا و وصول کیلئے وسیلہ ہو گی، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ﴿غلبہ حال کی وجہ سے﴾ بیچاری اگر اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ہرگز بہشت کے جلانے کا فکر نہ کرتیں اور اسکی گرفتاری کو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے ماسوا نہ جانتیں برخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشا خبث و شرارت ہے اور ان کا انجام آخرت میں مایوسی اور ناامیدی ہے، اعاذنا اللہ منہ، یہ لذت و نعمت اگر مباح شرعی ہے تو محاسبہ درپیش ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے دستگیری نہ کی، افسوس صد افسوس اور اگر مباح شرعی نہیں تو وعید کا مستحق ہے، یا اللہ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو ہم پر مہربانی اور بخشش نہ فرمائے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے، پس یہ لذت اس لذت کے ساتھ کیا نسبت رکھتی ہے، یہ لذت ﴿دنیا﴾ زہر قاتل ہے اور وہ لذت ﴿آخرت﴾ تریاق نافع، پس آخرت کا درد یا عام مومنوں کو نصیب ہے یا اخص الخواص کے نصیب، خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں ﴿مکتوب ۳۰۲ دفتر ۱﴾ ۔

آں ایشاں نند و من چنینم یارب

وہ ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں خدایا

……﴿3﴾……

حضرت خواجہ داود طائی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے، ''اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو دنیا کو سلام کہہ دے اور اگر تو کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے'' ایک اور بزرگ اس آیت کے موافق فرماتے ہیں کہ بعض تم میں سے دنیا چاہتے ہیں اور بعض تم میں سے آخرت پسند کرتے ہیں، گویا دونوں فریقوں سے شکایت ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے انوکھا نکتہ بیان فرمایا، غرض فنا جو ماسوائے حق

کے نسیان سے مراد ہے دنیا و آخرت کو شامل ہے اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزا ہیں، پس ولایت میں آخرت کا نسیان ضرور ہے اور کمالات نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری بہتر ہے اور محمود ہے اور دار آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے بلکہ اس مقام میں آخرت کا درد اور آخرت کی گرفتاری ہے، آیت کریمہ ہے، **یدعون ربھم خوفاً وطمعاً**، اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں اور آیت کریمہ ہے، **ویخشون ربھم ویخافون عذابہ**، اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف کھاتے ہیں، اور آیت کریمہ ہے، **الذین یخشون ربھم بالغیب و من الساعة مشفقون**، اپنے رب تعالیٰ سے غیب کے ساتھ ڈرتے ہیں اور قیامت کے ڈر سے کانپتے ہیں، اس مقام والوں کیلئے نقد وقت ہے، ان کا نالہ وگریہ احوال آخرت کے یاد کرنے سے ہے اور ان کا الم و اندوہ احوال قیامت کے ڈر سے ہے، ہمیشہ قبر کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور زاری کرتے ہیں، حق تعالیٰ کا درد ان کے نزدیک درد آخرت ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق و محبت ہے، اگر بقا ہے تو اسکا وعدہ بھی آخرت پر ہے اور اگر رضا ہے تو اسکا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے، دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ اور آخرت حق تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے، مبغوضہ کو مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں برابر نہیں کر سکتے کیونکہ مبغوضہ کی طرف سے منہ پھیر لینا چاہئے اور مرضیہ کی طرف شوق سے بڑھنا چاہئے، مرضیہ کی طرف سے منہ پھیرنا عین سکر ہے اور حق تعالیٰ کی مرضیِ موعود کے برخلاف ہے، آیت کریمہ ہے، **واللہ یدعوا الیٰ دار السلام**، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے، ان معنوں پر شاہد ہے، پس آخرت سے منہ پھیرنا درحقیقت حق تعالیٰ کے ساتھ معارضہ ہے اور اسکی مرضی کے رفع کرنے میں کوشش کرنا ہے، حضرت امام داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے، ترک آخرت کو کرامت کہا مگر نہ جانا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب درد آخرت میں مبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے تھے، ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے ایک کوچہ میں سے گزر رہے تھے کہ کسی قاری نے اس آیت کریمہ کو پڑھا، **ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع**، بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے، اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں، اس کو

سنتے ہی آپ کے ہوش جاتے رہے اور اونٹ سے بیخود ہو کر زمین پر گر پڑے، وہاں سے ان کو اٹھا کر گھر لے گئے اور مدت تک اسی درد سے بیمار رہے اور لوگ ان کی بیمار پرسی کو آتے رہے، ﴿مکتوب ۳۰۳ دفتر ۱﴾

......﴿4﴾......

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے دل کے گوشے میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو، حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر کچھ باقی نہیں رہتا، یعنی عرش و مافیھا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے، جب اس حادث کو اس قلب کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی اور ناچیز ہو جاتا ہے، پھر کس طرح محسوس ہو سکے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اس مقام پر فرماتے ہیں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیہ کرام کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح فرمائیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوار قدم کے ظہورات سے خالی جان کر حادث کہہ دیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر ہے، اس فقیر کے نزدیک جو جذبات الٰہی سے تربیت یافتہ ہے، یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ کمال حاصل کر لیتا ہے جس سے بڑھ کر اور کمال متصور نہیں تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرشی کے ظہور کیلئے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائز ہو، اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم ہوتی ہے، عرش وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عظیم فرماتا ہے اور جس پر استوا کا سر ثابت کرتا ہے، قلب عارف کو جامعیت کے باعث تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہتے ہیں یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے، اسی طرح قلب بھی عالم صغیر میں عالم خلق اور عالم امر کے

درمیان برزخ ہے اور اس عالم کے خلق و امر کی دونوں طرفوں کا جامع ہے، پس قلب کو بھی تشبیہ کے طور پر عرش کہہ سکتے ہیں، جاننا چاہئے اور غور سے سننا چاہئے کہ انوار قدم کے ظہور کی قابلیت جو ظلیت کی ملاوٹ سے منزہ اور مبرہ ہے وہ عرش مجید کے ساتھ مخصوص ہے، یہ قابلیت عرش مجید کے سوا نہ عالم خلق رکھتا ہے، نہ عالم امر، عالم کبیر رکھتا ہے نہ عالم صغیر، عارف کامل کا قلب بھی جامعیت اور برزخیت کے تعلق کے باعث ان انوار سے نور اقتباس کر لیتا ہے اور دریا سے ایک چلو بھر لیتا ہے، عرش اور کامل معرفت والے عارف کے دل کے سوا اور جس قدر ظہور ہیں، سب پر ظلیت کا داغ ہے اور کسی میں اصل کی بو نہیں، حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ اگر سکر کے باعث اس طرح فرمادیں تو مناسب ہے لیکن حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ تو صحو کے مدعی ہیں، ان سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا نہایت ہی ناخوش اور نامناسب ہے، کیا کریں، وہ ﴿اس وقت تک﴾ حقیقت معاملہ سے واقف نہیں ہوئے اور دریائے ظلیت کے بھنور سے کنارے تک نہیں پہنچے تھے، یہ بات اگرچہ اکثر خلق کی نظر میں آج بعید اور عجیب دکھائی دیتی ہے لیکن آج کے آگے کل نزدیک ہے، جلدی نہ کریں، ﴿مکتوب ۱۰ دفتر ۲﴾

......﴿5﴾......

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے زمانے میں خرقان کے نزدیک فروکش ہوا، اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کی خدمت عالی میں بھیجا اور ملاقات کی التماس کی، ساتھ کہہ دیا کہ اگر حضرت شیخ توقف کریں تو تم آیت کریمہ، اطیعو اللہ واطیعو الرسول و اولی الامر منکم، کی تلاوت کر دینا، جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف معلوم کیا تو آیت مذکور پڑھ دی، حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا، میں اطیعو اللہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعو الرسول سے شرمندہ ہوں، پھر اولی الامر کی اطاعت کا کیا ذکر، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے سوا سمجھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اپنے اجتہادی فکر و عرفان کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں: یہ بات استقامت سے دور ہے، مشائخ مستقیم الاحوال اس قسم کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور شریعت و طریقت و حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور اس اطاعت کو جو اس کے

رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا ہے، عین گمراہی خیال کرتے ہیں، ﴿مکتوب ۱۵۲ دفتر ۱﴾

﴿6﴾

منقول ہے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس میں تشریف فرماتھے اور خراسان کے بزرگ سادات میں سے ایک سید اجل بھی اسی مجلس میں رونق افروز تھے، اتفاقاً اسی اثنا میں ایک مجذوب مغلوب الحال آنکلا، حضرت شیخ نے اس سید اجل پر اس مجذوب کو مقدم کیا تو سید اجل کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی، حضرت شیخ نے اس سید اجل کو فرمایا کہ تمہاری تعظیم رسول اللہ ﷺ کی محبت کے باعث ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق تعالیٰ کی محبت کے باعث ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے یہاں بھی کمال درجے کا علم وعرفان پیش کرتے ہوئے ارقام فرمایا، مستقیم الاحوال بزرگوار اس قسم کے تفرقہ کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور رسول اللہ ﷺ کی محبت پر حق تعالیٰ کی محبت کے غلبے کو سکرِ حال سے جانتے اور فضول اور بے ہودہ تصور کرتے ہیں لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مرتبہ کمال میں جو مرتبہ ولایت ہے، ﴿اس میں﴾ حق تعالیٰ کی محبت غالب ہے اور مقام تکمیل میں جہاں مقام نبوت سے نصیب وحصہ ہے، رسول اللہ ﷺ کی محبت غالب ہے، ﴿مکتوب ۱۵۲ دفتر ۱﴾ جیسا کہ حضرت اقبال نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے میں لکھا ہے

قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

﴿7﴾

بعض فقہا کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیلئے ''جور'' کا لفظ استعمال کیا ہے، حضرتِ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی ارقام فرماتے ہیں، اس ''جور'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو اور استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو، پرہیز کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے، اور کس طرح جائز ہو سکے جب کہ صحیح تحقیق سے معلوم ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسے کہ صواعق محرقہ میں ہے

اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو خطائے منکر کہا ہے تو زیادتی کی ہے، خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے "اگر وہ ﴿امیر معاویہ﴾ لعنت کے مستحق ہیں الخ"، تو یہ بھی نامناسب کہا ہے، اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اسمیں کونسا اشتباہ ہے، اگر یہ بات مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یزید کے حق میں کہتے تو بیشک جائز تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہنا برا ہے...... ......بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ونسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہے نیز انہوں نے انہی ابیات میں نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے، یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے، یا اللہ ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ فرما، ﴿مکتوب ۲۵۱ دفتر ۱﴾

......﴿8﴾......

حضرت مخدوم فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حکایت منقول ہے کہ جب ان کا کوئی صاحبزادہ فوت ہو جاتا اور اس کے فوت ہونے کی خبر ان کو پہنچتی تو ان کی طبیعت میں کچھ تغیر وتبدل نہ آتا اور وہ اس طرح فرمادیتے کہ "سگ بچہ" مر گیا ہے، جاؤ اس کو باہر پھینک دو، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں فرماتے ہیں، جب حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو آپ ان کے انتقال پر رو پڑے اور نہایت غمناک ہو کر فرمایا، انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون، اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بہت غمزدہ ہیں یعنی بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ اپنے غم کا بیان فرمایا، پس حضرت گنج شکر ﴿کا قول﴾ بہتر ہے یا حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ﴿کا قول بہتر ہے﴾ عوام کالانعام کے نزدیک معاملہ اول بہتر ہے اور وہ ان کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری سمجھتے ہیں۔ ﴿مکتوب ۲۷۲ دفتر ۱﴾

......﴿9﴾......

حضرت شیخ بابا آبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، جب حق تعالیٰ نے روزِ اول میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی تو میں اس میں پانی گراتا تھا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس قول کی تاویل بیان فرمائی، آپ کو جاننا چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ظلیہ خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام کو دخل دیا ہوا تھا شاید ان کی روح کو بھی دخل دیا ہو اور ان کی عنصری پیدائش اور

اس کے کمال کے بعد اس امر سے ان کو اطلاع دی گئی ہو، جائز ہے کہ حق تعالیٰ ارواح مجردہ کو وہ طاقت اور قدرت دے کہ ان سے اجسام کے سے افعال صادر ہوں اور اسی قسم کی ہیں وہ باتیں بھی جو بعض کبرا نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے، جو ان سے ان کے وجود عنصری سے کئی قرن پہلے صادر ہوئے تھے، وہ افعال ان کے ارواح مجردہ سے صادر ہوئے تھے اور وجود عنصری کے بعد ان کو ان افعال پر اطلاع دی گئی تھی، بعض لوگ اس قسم کے افعال صادر ہونے سے تناسخ کے وہم میں پڑ جاتے ہیں، حاشا وکلا کہ کسی دوسرے بدن کا اس سے تعلق ہوا ہو، روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ کی طاقت بخشنے سے بدن کا کام کرتا ہے اور ارباب زیغ یعنی کجروؤں کو خلاف میں ڈالتا ہے۔ ﴿مکتوب ۲۸ دفتر ۲﴾

......﴿10﴾......

حضرت شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ارشاد الطالبین میں عجیب و غریب قسم کا کلام رقم فرمایا کہ جب تک آدمی کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو، تب تک مسلمان نہیں ہوتا، اس کلام کا ظاہر انتہائی خوفناک ہے لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس کلام کی ایسی تشریح اور توضیح بیان کی ہے کہ اہل تصوف بھی عش عش کر اٹھیں گے اور علمائے ظاہر کو بھی روحانی تسکین نصیب ہوگی، آپ ارقام فرماتے ہیں، واضح ہو کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے جو مرتبہ جمع سے مراد ہے کہ استتار یعنی پوشیدگی کا مقام ہے، اس مقام میں سالک اسلام کی خوبی اور کفر کی برائی میں تمیز نہیں کر سکتا، جس طرح اسلام کو پسندیدہ جانتا ہے کفر کو بھی ویسا ہی اچھا جانتا ہے اور دونوں کو اسم ہادی اور اسم مضل کے مظہر جان کر دونوں سے حظ حاصل کرتا ہے اور لذت پاتا ہے، یہ وہی کفر ہے جس کی خبر حضرت منصور نے دی ہے اور وہ اسی میں رہے ہیں اور اسی میں فوت ہوئے ہیں، انہوں نے خود کہا ہے۔

کفرت بدین اللہ والکفر واجب
لدی و عند المسلمین قبیح

﴿ترجمہ﴾ ہوا کافر میں دین حق سے مجھ کو کفر بہتر ہے
اگرچہ سب مسلمانوں کے ہاں وہ کفر بدتر ہے

قول انا الحق اور قول سبحانی اور قول لیس فی جبتی سوی اللہ وغیرہ شطحیات سب اسی مرتبہ جمع کے درخت کے پھل ہیں، اس قسم کی باتوں کا باعث محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے، یعنی سالک کی نظر سے محبوب کے سوا سب کچھ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا اس کو کچھ مشہود نہیں ہوتا، اس مقام کو مقام جہل اور مقام حیرت بھی کہتے ہیں لیکن یہ وہ جہل ہے جو محمود ہے اور یہ وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے، جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس مرتبہ جمع سے بلند تر سیر واقع ہو جائے اور علم اس جہل کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس حیرت کے ساتھ معرفت مل جائے اور فرق وتمیز حاصل ہو جائے اور سکر سے صحو میں آ جائے تو اس اسلام حقیقی کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر ہوتی ہے، یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کے عارض ہونے سے بچا ہوا ہے، ماثورہ دعاؤں میں آیا ہے، اللھم انی اسئلک ایماناً لیس بعدہ کفر، یہ وہی ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے، آیت کریمہ، الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون، اسی ایمان والوں کے حال کا نشان ہے، کیونکہ ولایت اس ایمان کے بغیر متصور نہیں اگر چہ مرتبہ جمع میں بھی اسم ولایت کا اطلاق کر سکتے ہیں لیکن نقص وقصور اس مرتبہ کا دامن گیر ہے کیونکہ کمال ایمان معرفت میں ہے نہ کہ کفر اور جہل میں، خواہ کوئی کفر و جہل ہو، پس جو کچھ شیخ نے کہا ہے درست ہے کہ جب تک کفر طریقت سے متحقق نہ ہوں، اسلام حقیقی سے مشرف نہیں ہوتے، اور یہ جو شیخ نے فرمایا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا، مراد بھائی سے ہمزاد شیطان ہے جو انسان کا ساتھی ہے اور ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف راہنمائی کرتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ کوئی بنی آدم نہیں جس کا ساتھی ایک جن نہ ہو، یاروں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کا ساتھی بھی جن ہے، فرمایا، لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے اس پر طاقت دی ہے کہ میں اس کے شر سے سالم اور بچا ہوا ہوں، یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ فاسلم جو حدیث میں واقع ہے اس کو صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر صیغہ ماضی سے روایت کیا جائے تو اس کے معنی اس طرح ہوں گے کہ میرا ساتھی مسلمان ہو گیا ہے، یہ آخیر کے معنی مشہور ہیں اور اس کے مسلمان ہونے یا مارنے سے مراد اسکی تابعداری نہ کرنا اور اس کو ذلیل وخوار رکھنا ہے............... دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کی

خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اسکو مشتبہات کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ کی مدد سے جو گھر کا دشمن ہے، آدمی پر غلبہ پا جاتا ہے اور اسکو اپنا فرمانبردار بنالیتا ہے، شیطان کا مکر فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن خانگی دشمن کی مدد سے اپنا کام کر جاتا ہے، درحقیقت ہماری بلا ہمارا نفس امارہ ہی ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے، اس کمینے کے سوا کوئی بھی اپنے آپ کا دشمن نہیں، باہر کا دشمن اسی کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے، پس اول اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہئے اور اسکی تابعداری کو چھوڑنا چاہئے اور اس کو ذلیل وخوار کرنا چاہئے، اس جہاد کے ضمن میں بھائی کا سر بھی کٹ جائے گا اور وہ بھی ذلیل وخوار ہو جائے گا، اس راستے کے چلنے والے انسان کا حجاب اس کا اپنا ہی نفس ہے اور بھائی مبحث سے خارج ہے جو دور سے شرارتوں کی طرف دعوت کرتا ہے اور سیدھے راستے سے ٹیڑھے راستے کی طرف بلاتا ہے، جب نفس تابع ہو جائے تو پھر وہ بیرونی دشمن، اللہ تعالیٰ کی مدد سے بآسانی دفع ہو جاتا ہے، **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان**، میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں، ان بندوں کیلئے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو کر معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں، واللہ سبحان الموفق اور یہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو، مسلمان نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ ماں سے مراد عین ثابت ہو جو خارج میں وجود کے ظہور کا سبب ہے، اس طائفہ کی اصطلاح میں عین ثابت کو مادر سے تعبیر کرتے ہیں، کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

ولدت امی اباھا

ان ذامن اعجبا

(ترجمہ) نرالا کام یہ کیا ہی ہوا ہے مری ماں نے پدر اپنا جنا ہے

مادر سے مراد عین ثابت ہے اور اس مادر کا پدر اس اسم الٰہی سے مراد ہے جس اسم کا ظل اور عکس اور پرتو عین ثابت ہے، چونکہ خارج میں اس اسم کا ظہور عین ثابت کے ذریعے ہوا ہے اس لئے اس ظہور سے مراد ولادت کی تعبیر کر کے مادر کہتے ہیں اور عین ثابت مراد رکھتے ہیں، اس عین ثابت کو تعین وجوبی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس طائفہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں، جن کو تنزلات خمسہ اور حضرات خمس بھی کہتے ہیں، ان میں سے دو تعین مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبہ امکان میں کہتے ہیں، وہ دو تعین جو مرتبہ وجوب میں

ہیں، ایک تعین وحدت ہے، دوسرا تعین واحدیت ہے، یہ دونوں مرتبہ علم میں ہیں، ان میں فرق صرف علمی اجمال و تفصیل کا ہے اور تین جو مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں وہ تعین روحی، تعین مثالی اور تعین جسدی ہے، چونکہ عین ثابت مرتبہ واحدیت میں ہے اس لئے اس کا تعین وجوبی ہوگا اور جب اس شخص ممکن کی حقیقت بھی عین ثابت ہے جو تعین وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے ظل کی طرح ہے پس اس شخص کی ماں عالم وجوب سے ہوگی جس نے اس کو عالم امکان میں ظاہر کیا ہے اور ماں کے ساتھ جفت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس شخص کا تعین امکانی اس تعین وجوبی کے ساتھ جو اسکی حقیقت ہے متحد ہو جاتا ہے ؂

چو ممکن گرد امکاں بر فشاند

بجز واجب در و چیزے نماند

یعنی اس کا تعین امکانی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق دیتا ہے، نہ اس طرح پر کہ تعین امکانی واقعی تعین وجوبی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس سے الحاد و زندقہ لازم آتا ہے، اس لئے اس جگہ کا معاملہ شہود پر ہے، اگر تعین کا زوال ہے تو شہود سے تعلق رکھتا ہے اور اگر اتحاد ہے تو وہ بھی شہود سے متعلق ہے ؂

نہ آں ایں گردد نے ایں شہود آں

ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

جب اس شخص نے اپنے اس تعین کو اس تعین کے ساتھ متحد پایا تو اس بات کا امیدوار ہو گیا کہ امکان کی آلودگیوں سے صاف ہو جائے گا اور مرتبہ وجوب کے اسلام اور انقیاد کی دولت سے مشرف ہو جائے گا، جاننا چاہئے کہ تنزلات خمسہ جو صوفیہ نے بیان کئے ہیں، وجود میں صرف اعتبارات ہی ہیں اور کشف و شہود سے تعلق رکھتے ہیں نہ یہ کہ درحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے، **فسبحان الله من لا یتغیر بذاته ولا بصفاته ولا فی اسماءه بحدوث الالوان**، پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو کون و مکان کے حدوث سے اپنی ذات وصفات واسماء میں متغیر نہیں ہوتا، صوفیہ اپنی دید کے اندازے کے موافق سکر اور غلبہ حال کے وقت اس قسم کی بہت سی باتیں زبان سے نکالتے ہیں، ان کو ظاہر پر محمول نہ جاننا چاہئے بلکہ ان کی توجیح میں مشغول ہونا چاہئے کیونکہ مستوں کا کلام ظاہر سے پھیر کر

توجیح پر معلوم کیا جاتا ہے، تمام امور کی حقیقتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، چونکہ آپ نے یہ بیقرار کرنے والی باتیں ایک بزرگ سے نقل کی تھیں اس لئے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس قسم کی مخالف باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان کے ردو بدل میں زبان نہیں کھولتا، ﴿مکتوب ۳۲ دفتر ۳﴾

﴿11﴾

بعض عارفوں نے فرمایا کہ ہم حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور ہم اس کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں ایک آیت کو بار بار پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کے متکلم سے سن لیا اور رسالہ غوثیہ سے بھی جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ النورانی کی طرف منسوب ہے، اسی طرح مفہوم ہوتا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان سے اس مغلق عبارت کا معنیٰ اور مفہوم بیان فرمایا، جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا کلام بھی اس کی ذات وصفات کی طرح بیچگون ہے اور اس کلام بیچون کا سننا بھی بیچون ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راستہ نہیں، وہ سننا سمع کی حس پر وابستہ نہیں ہے کیونکہ وہ سراسر چون ہے، وہاں اگر بندہ سے استماع ہے تو تلقی روحانی سے ہے جو بیچونی کا حصہ رکھتا ہے اور حروف وکلمات کے واسطے کے بغیر ہے اور اگر بندہ سے کلام ہے تو وہ بھی القائے روحانی کے طور پر ہے جو بغیر حروف وکلمات کے ہے اور یہ کلام بیچونی سے حصہ رکھتا ہے جو بیچون سنائی دیتا ہے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کلام لفظی جو بندہ سے صادر ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو بھی حروف وکلمات کے واسطے کے بغیر بیچونی سماع سے استماع فرماتا ہے اور تقدیم وتاخیر کے بغیر سن لیتا ہے، **اذ لا یجری علیہ تعالیٰ زمان یسع فیہ التقدیم والتاخیر**، کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، تاکہ تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہو، اور اس مقام میں اگر بندہ سے سماع ہے تو کلی طور پر سامع ہے اور اگر کلام ہے تو کلی طور پر متکلم ہے یعنی ہمہ تن کان اور ہم تن زبان ہے، روزِ میثاق ذات مخرجہ نے قول الست بربکم کو بلا واسطہ اپنی اپنی کلیت کے طور پر سن لیا اور اپنی کلیت کے طور پر جواب میں بلیٰ کہا، یعنی ہمہ تن کان اور ہمہ تن زبان تھے کیونکہ اگر کان

زبان سے متمیز ہوتے تو سماع وکلام بیچونی حاصل نہ ہوتے اور بیچونی ارتباط کے لائق نہ ہوتے، بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ وہ معنی متلقی جو روحانیت کے طور پر اخذ کیے جاتے ہیں دوبارہ عالم خیال میں جو انسان میں عالم مثال کی تصویر ہے، حروف وکلمات مترتبہ کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں اور وہ تلقی والقاء سماع وکلام لفظی کی صورت میں مرتسم ومنتقش ہو جاتا ہے کیونکہ اس عالم میں ہر ایک معنی کی ایک صورت ہے اگر چہ وہ معنی بیچون ہیں لیکن وہاں بیچون کا ارتسام اور انتقاش چون کی صورت پر ہے، جس پر فہم وافہام وابستہ ہے جو اس ارتسام وانتقاش کا اصلی مقصود ہے، جب سالک متوسط اپنے آپ میں حروف وکلمات مترتبہ پاتا ہے، اور کلام لفظی و سماع محسوس کرتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ ان حروف وکلمات کو اصل سے سنا ہے اور بلا تفاوت وہاں سے اخذ کیا ہے، نہیں جانتا کہ یہ حروف وکلمات اس معنی متلقیٰ کی خیالی صورتیں ہیں اور یہ لفظی سماع وکلام بیچونی سماع وکلام کی تصویر ہے، عارف تمام المعرفت ہونا چاہیے تاکہ ہر مرتبہ کے حکم کو جدا کر دے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملائے، پس ان بزرگواروں ﴿حضرت امام جعفر صادق اور حضرت شیخ جیلانی﴾ کا سماع وکلام جو مرتبہ بیچونی پر وابستہ ہے تلقی اور القاء روحانی کی قسم ہے اور یہ کلمات وحروف جن کے ساتھ اس معنی متلقیٰ کی تعبیر کرتے ہیں، مثالی صورتوں کی قسم سے ہیں، ﴿مکتوب ۹۲ دفتر ۳﴾

......﴿12﴾......

اور وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اس بارگاہ جل شانہ سے حروف وکلمات کے ساتھ استماع کرتے ہیں، دو فریق ہیں جن میں ایک گروہ کے لوگ جن کا حال بہتر اور اچھا ہے، کہتے ہیں کہ یہ حروف وکلمات حادثہ مسموعہ اس کلام نفسی قدیم پر دلالت کرنے والے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ حق تعالیٰ کے کلام کے سماع پر قول کا اطلاق کرتے ہیں اور انہی حروف وکلمات مترتبہ کو حق تعالیٰ کا کلام جانتے ہیں اور اس بات میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ کونسا کلام حق تعالیٰ کے شان کے لائق ہے اور کون سا نہیں، یہ لوگ جاہل مکار ہیں، نہیں جانتے کہ کونسی چیز کا اطلاق اس پر جائز ہے اور کونسی چیز کا ناجائز ہے، ﴿ایضاً﴾

﴿13﴾

حضرت ملا حسن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھا کہ شیخ عبد الکریم یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ "عالم الغیب" نہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے نہایت سختی سے اس کا رد بیان فرمایا، فقیر ایسی باتوں کے سننے کی قطعاً تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیح کی فرصت بھی نہیں دیتی، ایسی باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، یہاں محمد عربی ﷺ کا کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا، ہمیں نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحات مدنیہ نے ہمیں "فتوحات مکیہ" سے بے نیاز کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرمائی ہے اور اپنے لئے عالم الغیب فرمایا ہے، حق تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت ہی بری بات ہے بلکہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی تکذیب ہے، غیب کا کوئی اور معنیٰ بتانا بھی اس برائی سے نہیں بچاتا، کبرت کلمة تخرج من افواھھم، کاش! میں جانتا کہ انہیں شریعت مطہرہ کے اس درجہ صریح خلاف بات کہنے پر کیا چیز ابھار رہی ہے، ﴿مکتوب ۱۰۰ دفتر اول﴾

﴿14﴾

شہر سامانہ میں ایک خطیب نے خطبہ جمعہ سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اسما خارج کر دیئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر و عرفان اور غیرت ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل سامانہ کی طرف مکتوب لکھا، آپ نے ارقام فرمایا، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر پاک اگرچہ شرائط خطبہ سے نہیں لیکن شعائر اہل سنت شکر اللہ سعیھم سے ضرور ہے، ان کے مبارک ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے، اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب یا عناد سے ایسا نہیں کیا تو بھی، من تشبه بقوم فھو منھم، کی وعید کا جواب کیا ہو گا، مقام تہمت سے خلاصی کس طرح ملے گی، جبکہ فرمان رسالت ہے، اتقوا مواضع التھم، تہمت کی جگہوں سے بچو، اگر حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں یہ شخص توقف کرتا ہے، طریق اہل سنت کا تارک ہے اور حضرت ختنین کی محبت میں شک رکھتا ہے تو بھی اہل

حق سے خارج اور دور ہے..........معلوم نہیں کہ ایسا بدبودار پھول ہندوستان میں آج تک کہیں کھلا ہو، بعید نہیں کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کردے بلکہ سرزمین ہند سے اعتماد اٹھ جائے، ﴿مکتوب ۱۵ دفتر ۲﴾

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ النورانی نے ایسے مستحب مسائل میں بھی بہت زیادہ مستعدی سے کام لیا، کیونکہ آپ سرمایہ ملت کے نگہبان تھے اور نگہبان کا فرض ہے کہ کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی ضائع نہ ہونے دے، گائے کی قربانی کا مسئلہ بھی اسی نہج پر ہے، کسی فقیہ نے نہیں کہا کہ گائے کی قربانی ہی واجب ہے، ایک مسلمان اونٹ، بکرے، مینڈھے وغیرہ کی قربانی بھی کرسکتا ہے لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے گائے کی قربانی کو شعائر اسلامی قرار دیا اور مسلمانوں کو بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ وہ جگہ جگہ گائے کو قربان کر کے شعائر اسلامی کو رواج دیں، نیز آپ کے اجتہاد سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی امر مباح کو روکا جائے تو اس کو ادا کرنا اور اسلامی معاشرے میں رواج دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

......﴿15﴾......

حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق مرقوم ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر گرویدہ تھے اور ان کے ہجر وفراق میں گریہ زن رہے، حضرت شیخ نور الحق محدث دہلوی جیسے بلند پایہ عالم دین بھی اس عجیب معاملے کی عقدہ کشائی میں بیقرار تھے کہ کیا ماسوی اللہ کی محبت میں اس قدر مبالغہ ایک پیغمبر برحق کی شان کے مطابق ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں اس معاملے کا ایسا حل ارقام فرمایا کہ ہر دانشور عش عش کر اٹھتا ہے، آپ فرماتے ہیں: فقیر کو بھی مدت سے اس امر کے انکشاف کا شوق تھا، جب آپ کا شوق اس شوق کے ساتھ مل گیا تو بے اختیار ہو کر ہمہ تن اس دقیقہ کے کشف کی طرف متوجہ ہوا اور سرسری نظر میں ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی خلقت اور ان کا حسن و جمال اس عالم دنیا کی خلقت اور حسن و جمال کی قسم سے نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان کا جمال بہشتیوں کے جمال کی قسم سے ہے اور مشہود ہوا کہ باوجود اس جہان کے ان کا حسن صباحت حور وغلمان کے حسن کی مانند ہے

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

آخرت کا حسن و جمال اور وہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کے حسن و جمال اور یہاں کی لذتوں اور نعمتوں کی مانند نہیں ہیں کیونکہ وہ حسن و جمال خیر در خیر ہے اور وہ لذت ونعمت حق تعالیٰ کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور یہ حسن و جمال سراسر نقص وشر ہے اور یہ لذت ونعمت نا مقبول ونا پسند ہے، اس واسطے کہ دار آخرت دار رضا ہے اور دار دنیا مولیٰ جل شانہ کے غضب کا مقام ہے............ حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اگر چہ اس جہان میں پیدا ہوا ہے لیکن اس جہان کے تمام موجودات کے برخلاف ان کا وجود عالم آخرت سے ہے اور ان کے وجود کی جانب کو ترجیح دے کر اس حسن و جمال کا مظہر بنایا ہے جو اسما وصفات کے وجود سے تعلق رکھتا ہے اور عدمیت کی آمیزش کو جوان کے نفس یا اصل سے تعلق رکھتی ہے منتفی کیا ہے اور عدم کی علت سے کہ ہر قبح ونقص کا منشا ہے، ان کو اور ان کی اصل کو پاک کیا ہے، اور نورِ وجود کے غلبہ کے سوا جو بہشتیوں کے نصیب ہے، ان میں کچھ نہیں چھوڑا، اس واسطے ان کے حسن و جمال کی گرفتاری بہشت واہل بہشت کے حسن و جمال کی طرح محمود اور پسندیدہ ہے اور کاملوں کے نصیب ہوئی ہے اور محبّ جس قدر زیادہ کامل ہوگا اسی قدر آخرت کے حسن و جمال کا زیادہ گرفتار ہوگا اور اس قدر حق تعالیٰ کی رضا مندی میں اس کا قدم بڑھ کر ہوگا کیونکہ آخرت کی گرفتاری آخرت کے صاحب یعنی حق تعالیٰ کی عین گرفتاری ہے، اس لئے کہ عالم آخرت حق تعالیٰ کی حکمت کا طلسم ہے اور ردائے کبریا کی طرح پردگی کا روپوش نہیں ہے، واللہ یدعوا الیٰ دار السلام، اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے، اس مسئلے میں نص قطعی ہے اور واللہ یرید الآخرہ، اللہ تعالیٰ آخرت کو پسند کرتا ہے، اس مطلب پر حجت واضح ہے، جن لوگوں نے آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی طرح مذموم جانا ہے اور اسکو حق تعالیٰ کی گرفتاری کے سوا سمجھا ہے، انہوں نے آخرت کی حقیقت کو پورے طور پر نہیں جانا، ﴿مکتوب ۱۰۰ دفتر ۳﴾

......﴿16﴾......

بعض صوفیہ کرام نے توحید واتحاد کے اسرار ودقائق بیان کرتے ہوئے اس جہان کے مظاہر جمیلہ کو سامنے رکھ کر عشق کی باتیں کی ہیں اور ان کے ضمن میں مشہود و

مشاہدہ ثابت کیا ہے اور ان کے حسن و جمال کو مولا جل شانہ کا حسن و جمال سمجھا ہے، چنانچہ کسی نے فرمایا ہے ؎

امروز چوں جمال بے پردہ ظاہر است

در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

کسی نے فرمایا ہے، ذقتک فی کل طعام لذیذ، میں نے تجھے ہر طعام لذیذ میں چکھا ہے، اور کسی نے فرمایا ہے ؎

عاطشاں گر در قدح آبے خورند

در درون آب حق را ناظر اند

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی اپنے اجتہادی فکر و عرفان کی روشنی میں ارقام فرماتے ہیں: اس جہان میں اس قسم کی باتوں کا صادق آنا اس فقیر کے فہم و دریافت سے دور ہے، فقیر اس جہان میں اس قسم کی نازک باتوں کے اٹھانے کی طاقت معلوم نہیں کرتا اور اس کو اس قسم کی دولت کے قبول کرنے کے قابل نہیں جانتا، اگر اس جہان میں یہ طاقت و قابلیت ہوتی تو مولیٰ جل شانہٗ کے غضب کا محل نہ ہوتا اور حضرت پیغمبر ﷺ، الدنیا ملعونة، دنیا ملعون ہے، نہ فرماتے، وہ بہشت ہی ہے جو ان کرامات کے لائق ہے اور ان مقامات کے قابل ہے اور ذقتک فی کل طعام لذیذ، طعام بہشتی میں صادق آتا ہے، نہ طعام دنیوی میں کہ جس کے ساتھ عدم کا زہر آب ملا ہوا ہے، اس واسطے اس کا اختیار کرنا پسندیدہ نہیں، فقیر کے نزدیک ہر شخص کا بہشت اس اسم الٰہی کے ظہور سے مراد ہے جو اس شخص کا مبدء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار و انہار اور حور و قصور اور ولدان و غلمان کی صورت اور لباس میں ظہور فرمایا ہے، جس طرح اسماء الٰہی میں بلندی اور پستی اور جامعیت و عدم جامعیت کے اعتبار سے فرق ہے اسی طرح جنتوں میں بھی ان کے اندازہ کے موافق فرق ہے، اگر ظہور کے ضمن میں شہود و مشاہدہ ثابت کیا جائے تو بہتر اور زیبا ہے اور شے کا اپنی مناسب جگہ میں استعمال کرنا ہے لیکن اس موضوع کے سوا اس قسم کی باتوں کا اطلاق کرنا جرأت ہے اور شے کو نامناسب جگہ پر استعمال کرنا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیہ نے فرط محبت اور کمال اشتیاق سے جو مطلوب کے ساتھ رکھتے ہیں جس

قدر مطلوب کی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچتی ہے غنیمت جانا ہے اور اس سکر اور غلبہ محبت کو عین مطلوب ومقصود سمجھا ہے اور اس قسم کی عشق بازیاں جو نفس مطلوب کے ساتھ ہونی چاہئیں اختیار کر کے حظ ولذت حاصل کی ہے اور مشاہدہ ومکاشفہ ثابت کیا ہے، چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں ۔

سوزے تو ز جا برجہم مست وبیخود
زہر سو کہ آوازِ پائے برآید
کہیں سے یہ پاؤں کی آہٹ کو میں جس وقت پاتا ہوں
تو بیخود مست دیوانہ تری جانب کو آتا ہوں

ہاں اس قسم کے معاملات عاشقی اور محبت کی بے آرامی میں جائز وپسندیدہ ہیں، چونکہ یہ سب باتیں خدا تعالیٰ کے واسطے اور بے مثل مطلوب کے شوق دیدار کیلئے ہیں، اس لئے ان کی خطا صواب کا حکم رکھتی ہے اور ان کا سکر صحو کا حکم رکھتا ہے، حدیث مبارک میں آیا ہے: سین بلال عند الله شین بلال کی سین اللہ تعالیٰ کے نزدیک شین ہے۔

براشہد تو خندہ زند اسہد بلال

﴿17﴾

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے حضور اقدس، سرور دوعالم ﷺ کی متابعت پر بہت زیادہ زور دیا ہے، آپ نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں اس کے سات درجے بیان فرمائے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

⊙ ...... پہلا درجہ: عوام اہل اسلام کیلئے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اطمینان نفس سے پہلے جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے، احکام شرعیہ کا بجالانا اور سنت سنیہ کی متابعت ہے اور علمائے ظاہر اور عابد وزاہد جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا سب متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت کے حاصل ہونے میں برابر ہیں، چونکہ اس مقام میں نفس ابھی کفر وانکار ہی پر اڑا ہوا ہوتا ہے، اس لئے یہ درجہ متابعت کی صورت پر مخصوص ہے، متابعت کی یہ صورت متابعت کی حقیقت کی طرح آخرت کی نجات اور خلاصی کا موجب اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والی اور جنت

میں داخل ہونے کی خوشخبری دینے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے نفس کے انکار کا اعتبار نہ کر کے تصدیق قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق پر وابستہ کیا ہے

مے توانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول
اے کہ در ساختہ قطرۂ بادانی را

⊙......دوسرا درجہ: آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً تہذیبِ اخلاق کہ بری صفات کا دور کرنا اور باطنی اور اندرونی امراض کا رفع کرنا وغیرہ جو مقام طریقت کے متعلق ہیں، اتباع کا یہ درجہ ارباب سلوک کے ساتھ مخصوص ہے جو طریقہ صوفیہ کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔

⊙......تیسرا درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان احوال و اذواق و مواجید کی اتباع ہے جو مقام ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہیں، جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور طغیان و سرکشی سے ہٹ جاتا ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے، اگر نماز ادا کرتا ہے تو متابعت کی حقیقت بجالاتا ہے اور اگر روزہ ہے یا زکوۃ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہے، غرض تمام احکام شریعت کے بجالانے میں متابعت کی حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

⊙......چوتھا درجہ: نفس کے مطمئن ہونے اور اعمال صالحہ کی حقیقت کے بجالانے کا درجہ متابعت کا چوتھا درجہ ہے، پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے، اتباع کا یہ چوتھا درجہ علمائے راسخین کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس، کمالات نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے، جن کمالات سے علمائے راسخین کو وراثت کے طور پر حصہ حاصل ہوتا ہے، پس علمائے راسخین نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے جو اتباع کی حقیقت ہے، متحقق ہوتے ہیں اور دوسروں کو چونکہ یہ کمالات حاصل نہیں ہوتے اس لئے کبھی شریعت کی صورت سے اور کبھی اس کی حقیقت سے متحقق ہوتے ہیں، علمائے راسخین کا میں ایک نشان بتاتا ہوں تاکہ کوئی ظاہردان رسوخ کا دعویٰ نہ کرے اور اپنے نفس امارہ کو مطمئنہ خیال نہ کرے،

عالم راسخ وہ شخص ہے جس کو کتاب وسنت کی متشابہات کی تاویلات سے بہت سا حصہ حاصل ہو اور حروف مقطعات کے اسرار کو جو قرآنی سورتوں کے اول ہیں بخوبی جانتا ہو، متشابہات کی تاویل پوشیدہ اسرار میں سے ہے تو خیال نہ کرے کہ یہ تاویل بھی اسی طرح ہے جس طرح ید کی تاویل قدرت سے اور وجہ کی تاویل ذات سے کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہے، اسرار کے ساتھ اس کا کچھ واسطہ نہیں، ان اسرار کے مالک انبیا کرام ہیں اور ان رموز و اشارات سے انہی بزرگواروں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے یا وہ لوگ جن کو وراثت وتبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

⊙...... پانچواں درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم وعمل کا دخل نہیں بلکہ ان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم پر موقوف ہے، یہ درجہ نہایت ہی بلند ہے، اس درجہ کے مقابلے میں پہلے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں، یہ کمالات اصل میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں۔

⊙...... چھٹا درجہ: آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آپ کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس طرح پانچویں درجے میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اس چھٹے درجے میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو تفضّل واحسان سے برتر ہے، متابعت کا یہ درجہ بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، پہلے درجے کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجے مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔

⊙......ساتواں درجہ: متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول وہبوط سے تعلق رکھتا ہے، یہ درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ مقام نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے، تمکین قلبی بھی ہے اور نفس کا اطمینان بھی ہے اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں، پہلے درجے گویا اس درجے کے اجزا ہیں اور یہ درجہ ان اجزا کا کل ہے، اس مقام میں تابع اپنے متبوع کے ساتھ اس قسم کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ تبعیت کا نام ہی درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور تابع ومتبوع کی تمیز دور ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ گویا تابع متبوع کی طرح جو کچھ لیتا ہے اصل سے لیتا ہے، دونوں ایک چشمے سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ہم آغوش، ہمکنار اور ایک بستر پر ہیں اور شیر وشکر کی طرح ہیں، معلوم نہیں ہوتا کہ تابع کون ہے اور متبوع کون اور تبعیت کس کے لئے ہے، نسبت کے اتحاد میں تغائر کی نسبت کچھ گنجائش نہیں، عجب معاملہ ہے کہ اس مقام میں جہاں تک غور کی نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے، تبعیت کی نسبت کچھ نظر نہیں آتی اور تابعیت ومتبوعیت کا امتیاز ہرگز مشہود نہیں ہوتا البتہ اس قدر فرق ہے کہ اپنے آپ کو اپنے نبی کا طفیلی اور وارث جانتا ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور، اگر چہ تبعیت کی قطار میں سب برابر ہیں لیکن تابع میں بظاہر متبوع کا پردہ درکار ہے، طفیلی اور وارث میں کوئی پردہ درکار نہیں، تابع پس خوردہ کھانے والا ہے اور طفیلی ﴿اور وارث﴾ ضمنی ہمنشین ہے، غرض جو دولت آئی ہے انبیا کرام کے واسطے سے آئی ہے اور یہ امتوں کی سعادت ہے کہ انبیا کرام کے طفیل اس دولت سے حصہ پاتے ہیں اور ان کا پس خوردہ تناول کرتے ہیں۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ای بس کہ رسد نہ دور بانگ جرسم

کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہوا اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں، درجوں کے اختلاف کے بموجب مجمل طور پر تابع ہے، ﴿ملخصاً مکتوب ۵۴ دفتر دوم﴾

......﴿18﴾......

ایمان کے زیادہ ہونے یا کم ہونے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:" **الایمـــان لایـزیـد ولا ینقص**"، ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم" اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: 'یزید و ینقص' ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے" حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان کی روشنی میں یہ مسئلہ بخوبی حل فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں: اس میں کچھ شک نہیں کہ ایمان قلبی تصدیق اور یقین سے مراد ہے جس میں زیادت ونقصان کی گنجائش نہیں اور وہ جو زیادت ونقصان کو قبول کرے، دائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں، ہاں اتنی بات ضرور

ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اس یقین کو روشن کر دیتا ہے اور برے اعمال کا بجالانا اس یقین کو مکدر اور سیاہ کر دیتا ہے، پس زیادت ونقصان اعمال کے اعتبار سے اس یقین کے روشن ہونے میں ثابت ہوا نہ کہ نفس یقین میں، بعض نے اس یقین کو جب منجلی اور روشن معلوم کیا تو اس یقین کی نسبت جو انجلا اور روشنی نہیں رکھتا زیادہ نہیں کہہ دیا، گویا بعض نے غیر منجلی یقین کو یقین نہ جانا اور انہی بعض نے منجلی کو یقین جان کر ناقص کہہ دیا اور بعض دوسروں نے جو زیادہ تیز نظر رکھتے تھے جب دیکھا کہ یہ زیادت اور نقصان صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی طرف تو اس سبب سے یقین کو غیر زائد و ناقص کہہ دیا، جس طرح کہ دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلا اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو زیادہ روشن ہے اور زیادہ نمائندگی رکھتا ہے، کہہ دے کہ یہ آئینہ بہ نسبت اس آئینہ کے جس میں ویسی روشنی اور انجلا نہیں ہے، زیادہ ہے اور دوسرا شخص کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادت اور نقصان نہیں ہے، فرق صرف انجلا اور نمائندگی میں ہے جو ان دونوں آئینوں کی صفات ہیں، پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے اور حقیقت شے تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے اور صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچتی، اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو بلند کرتا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ لوگ بلند درجات کے مالک ہیں، اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کئے ہیں زائل ہو گئے اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیا کرام کے ایمان کی طرح نہ ہوا کیونکہ انبیا کرام کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے عام مومنوں کے ایمان سے، جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے بموجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے، انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہئے اور زیادت کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہئے، کیا نہیں دیکھتے کہ انبیا کرام نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب متحد ہیں، تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں یہ صفات کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج

ہے اور اس نوع کے فضائل وخواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے نفس انسانیت میں زیادت اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادت اور نقصان کے قابل ہے، واللہ سبحانہٗ الملهم للصواب. ﴿مکتوب ۲۶۶ دفتر اول﴾

...... ﴿19﴾ ......

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''لوائی ارفع من لواء محمد ﷺ، میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے سے بلند ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی نے اپنے اجتہادی فکر وعرفان سے اس انتہائی نازک کلام کی توجیح بیان فرمائی ہے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

''جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم مجمل طور پر تمام اسما کا جامع ہے، کیونکہ انسان کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کے باعث ہے پس ناچار اس ضمن میں وہ اسما بھی جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبدء ہیں، مجمل طور پر اس سیر میں قطع کرے گا اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کے منتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کرے گا اور نہیں جانتا کہ مقاماتِ مشائخ سے جو کچھ اس نے دیکھا ہے اور ان سے گزر گیا ہے ان کے مقامات کا نمونہ ہے نہ کہ ان مقامات کی حقیقت، اور جب اس مقام میں اپنے آپ کو جامع معلوم کرتا ہے، اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو اپنے اولیٰ ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے، اسی مقام میں شیخ بسطام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے سے بلند ہے، وہ غلبہ سکر کے باعث نہیں جانتے کہ انکے جھنڈے کی بلندی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے سے نہیں بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہود ہوا ہے، ﴿مکتوب ۲۲۰ دفتر اول﴾ آپ ایک اور مقام پر ارقام فرماتے ہیں: جب سالک کی سیر اس اسم میں جو اس کا رب ہے، واقع ہوتی ہے تو بسا اوقات خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں، اس کے وسیلے سے بلند مقامات میں پہنچے ہیں اور انہوں نے اس کے وسیلے سے ترقی کی ہے، یہاں بھی سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ پناہ دے اس کمال سے کہ کوئی اپنے آپ کو افضل جانے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرے، اچھا اگر بادشاہ عظیم

الشان کسی زمیندار کی مدد سے جو اس کی سلطنت میں داخل ہے، جائے اور اس زمین دار کے وسیلے سے بعض مقامات میں پہنچے اور اس کے ذریعے سے بعض جگہوں کو فتح کرے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے اور اس میں کیا فضیلت ہے، ﴿ایضا﴾......اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوئے تھے اور اس قسم کی خیالی باتیں بہت پیدا ہوئی تھیں اور مدتوں تک یہ حالت رہی لیکن باوجود اس کے فضل خداوندی شامل حال رہا کہ دائمی یقین میں تذبذب پیدا نہ ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں فتور واقع نہ ہوا، تمام نعمتوں پر اللہ کی حمد اور احسان ہے، اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا، اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا اور اس کو نیک توجیح کی طرف پھیرتا تھا، ﴿ایضا﴾

محترم قارئین! حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ النورانی کے مکتوبات اور رسائل علوم و معارف کا بحر ذخار ہیں، چند جواہر پارے آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیئے جن کی چمک دمک سے آپ کے اجتہادی فکر و عرفان کی کرنیں ظاہر ہو رہی ہیں، مولا کریم آپ کے فیوضات کو عام فرمائے اور آپ کے مزار پر انوار پر کھربوں رحمتوں کا نزول فرمائے، آپ کی توجہات سے ہم جیسے تشنہ کاموں کو سیراب فرمائے ؎

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

﴿مورخہ ۱۳ دسمبر ۲۰۰۶ بروز بدھ﴾

باب ہفتم

اہدافات

بسم الله الرحمن الرحیم

مشرق کے عظیم مفکر حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو اس لیے حرکی[1] قرار دیا کہ اس میں جمود نام کی چیز دکھائی نہیں دیتی، یہی وجہ ہے کہ اس کے عالم گیر اثرات سے مشرق و مغرب کے طویل مرحلے برابر مستفیض ہوتے رہے، اس سر پہ حرکیت کے سلسلے کے مشائخ نے ایک مقام پر قیام کرنا اور اپنے آپ کو جمود قیود کا پابند ٹھہرانا اپنے بلند مقاصد کا دشمن سمجھا ہے، ان کے نزدیک عارف کا ایک جگہ جمے رہنا اس تالاب کی طرح ہے جس کے پانی سے ہمیشہ بوسیدگی کا تعفن اٹھتا رہتا ہے، حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: تم دریا کیوں نہیں بن جاتے تکہ خرابی نہ رہے اور آلائش بھی نہ رہے۔[2] گویا یہ عظیم لوگ آفتاب عالمتاب کی صورت زندہ رہتے ہیں، ادھر ڈوبتے ہیں تو ادھر طلوع ہو جاتے ہیں، یہ نباتات و جمادات کی تقدیر کے پابند نہیں ہوتے بلکہ احکام الٰہی کے پابند ہوتے ہیں اور ان کے نفاذ و نفوذ کے لیے سرگرم رہتے ہیں، اس حرکی سلسلے میں جب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی تحریکی شخصیت نے قدم رکھا تو اس کی انقلابی موجوں میں مزید قیامت خیز جولانیوں کا اضافہ ہو گیا، حضرت برہان الواصلین خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: اگر ہم شیخی کرتے تو کسی شیخ کو مرید نہ ملتا۔[3] گویا نا بلند ہمت بزرگوں کا مقصد کچھ اور ہے، اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: میری پیدائش کا مقصد پیری مریدی نہیں، کچھ اور ہے، پھر سوچنا پڑے گا کہ آخر اس سلسلے کے بزرگوں کا اور بالخصوص حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہدف ہے اور کیا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے انہوں نے جان و مال اور اولاد و جائیداد کی تاریخ

ساز قربانیاں پیش کی ہیں، وہ کون سا مشن ہے جس کی تکمیل کے لیے انہوں نے اتنے مصائب برداشت کیے کہ اگر وہ دنوں پر نازل ہوتے تو وہ بھی تاریک راتوں میں ڈھل جاتے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اہداف و مقاصد میں یہ دونوں امور سر فہرست ہیں کہ آپ نے ہزارۂ دوم کے تجدیدی دورانیے میں عالم اسلام میں پھیلے ہوئے بعض نظریات کو صحیح اسلامی فکر میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور ان کی اصلاح میں اپنی علمی قابلیت صرف فرمائی، نیز شاہان وقت، صوفیا خام اور علمائے سو کی شخصیات کی اصلاح کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا، آپ کے ان روشن اہداف و مقاصد کو آپ کی تصانیف اور آپ کے مکتوبات، آپ کے ارشادات اور آپ کے علمی اقدامات خوب واضح کر رہے ہیں۔

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

اصلاح نظریات:

شاہان وقت، صوفیا خام اور علمائے سو کی بدولت بہت سے افکار و نظریات کے جال نے اہل اسلام کو بری طرح جکڑ رکھا تھا، تاریخی اور مذہبی حیثیت سے جب دور اکبری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دور حکومت میں الحاد اور بے دینی کو بہت فروغ ہوا جو شاید کسی مسلم بادشاہ کے عہد میں ہوا ہوگا، غالباً اسی لیے یہ مسلمان بادشاہ غیر مسلموں کا محبوب ترین حکمران ہے، معروف تاریخ نگار ملا عبد القادر بدایونی کے بقول عیسائی مبلغوں کے علاوہ اکبر کے دربار میں ہندو اور بدھ رشی اکثر بار یاب ہوتے تھے، ان رشیوں کی یہی کوشش رہتی تھی کہ اکبر کی نگاہوں میں اسلام کو دین باطل قرار دے کر اپنی حقانیت جتائیں، چنانچہ یہ لوگ مذہب اسلام پر بے باکانہ حملے کرتے تھے اور اکبر اطمینان و سکون سے یہ سب کچھ سنتا رہتا، کسی کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کے سامنے دم مارے، انہی رشیوں سے متاثر ہو کر اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اتھروید، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کے ترجمے کا حکم دیا اور دوسری طرف پادریوں سے متاثر ہو کر ابو الفضل کو انجیل کے ترجمے کا حکم دیا، دیبی نامی ایک برہمن جس نے مہابھارت کی شرح بھی لکھی تھی، اکثر باریاب ہوتا تھا، اس نے اکبر کو بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے سکھائے، سورج

اورستاروں کی پوجا کے طریقے بھی بتائے اور اپنے دیوتاوں کی پرستش کے آداب سکھائے ،اکبر نے اپنی بے راہ روی کے لیے کچھ اسلام سے بھی سہارالیا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ اس وبال کا بوجھ مسلمانوں پر بھی رہے ،اس سلسلے میں تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر وتشریح سے اس کو بڑی مدد ملی اور وہ الحاد کی طرف مائل ہو گیا۔[۴] ان تمام مذاہب کے معجون مرکب کا نام دین الٰہی رکھا گیا جس سے خواص وعام کے طبقے متاثر ہونے لگے، کچھ بادشاہ کی خوشنودی کے لیے اور کچھ اس کے خوف سے اس کے نظریات کا دم بھرنے لگے، اکبر کا پندار شاہی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ آداب شاہی میں سجدہ تعظیمی کو فرض کر دیا گیا اور اس کا نام زمین بوس رکھا گیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

⊙......اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر لعن طعن کرتے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں، کافرانہ احکام بے تحاشہ جاری کیے جارہے ہیں اور ان احکام کو ماننے والوں کی کوچہ و بازار میں خوب تعریف کی جارہی ہے، مسلمانوں کو احکام اسلامیہ کے اجرا سے منع کر دیا گیا ہے اور شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والا مذموم مطعون ہے۔۵

⊙......اسلام کمزور ہو گیا ہے، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر رہے ہیں اور ان کی جگہ مندر بنا رہے ہیں۔[۶]

اکبر کی وفات کے بعد جب اسکا لخت جگر جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس کے دربار میں نصاریٰ اور روافض نے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا اور سر عام اسلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں غلط خیالات پروان چڑھنے لگے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس شدومد کے ساتھ ان نظریات کی تردید کی اس سے آپ کی شخصیت ان کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی، اس کے بعد آپ پر مصائب کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس کی نظیر تاریخ اسلام میں بہت کم ملتی ہے، بادشاہوں اور ان کے مصاحبوں کی اس بے راہ روی کی وجہ سے ایمان دشمن نظریات کا محاسبہ کرنا اور ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا آپ کا عظیم تجدیدی کارنامہ ہے اور آپ کے مقرر کردہ اہداف ومقاصد کا نمایاں اقدام ہے، اس کا

منظر ملاحظہ کرنے کے لیے ان اقتباسات کا مطالعہ کیجئے۔

......﴿1﴾......

''بعض لوگ تو توحید وجودی ﴿کی غلط تاویل﴾ سے الحاد وزندقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، یہ لوگ ہر شے کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں'' ۷

......﴿2﴾......

''بعض کہتے ہیں کہ جس طرح ہم وحدت سے کثرت میں آ گئے ہیں، اسی طرح پھر کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں محو ہو جائے گی، ان گمراہوں میں سے ایک گروہ نے اس محویت کو قیامت کبریٰ خیال کیا ہے، اسی لیے یہ لوگ حشر ونشر، حساب وکتاب، صراط ومیزان سے منکر ہو گئے، ضلّوا فاضلوا'' ۸

......﴿3﴾......

''بعض گمراہ خواہ مخواہ مسند مشیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تناسخ و آواگون کا حکم دیتے ہیں اوران لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو دوراز کار سمجھ کر اس کی بنیاد کو غیر اور غیریت پر محمول کیا ہے'' ۹

......﴿4﴾......

﴿شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا﴾ متعدد لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں'' ۱۰

......﴿5﴾......

''دیوالی کے ایام میں مسلمان جاہل بالخصوص ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتی ہیں اوران کی عید مناتی ہیں، مسلمان جاہلوں میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ اگر بتوں اور دیوتاؤں سے استمداد کی جائے تو مختلف

امراض اور عوارض ختم ہو سکتے ہیں''[11]

......﴿6﴾......

''ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لیے دم مارے اور احیائے سنت کے لیے لب کھولے، اس زمانے کے اکثر علما نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹا دیا ہے''[12]

......﴿7﴾......

''دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق اور مخلوق میں ہوتا ہے، اتحاد و حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں''[13]

......﴿8﴾......

''بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبہ محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں، مگر ایسا غلبہ محبت اور استیلائے عشق محبوب کی وجہ سے ہوتا ہے اور محبّ کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا، نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حسِ عقل اور نص شریعت دونوں کے خلاف ہے''[14]

......﴿9﴾......

''متصوفہ گرامی میں سے کوئی وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور اشیا کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے، اس کا مقصود یہ نہیں کہ اشیا اور حق جل وعلا متحد ہو گئے ہیں، تنزیہ سے تنزل کر کے تشبیہ تک آ گئے ہیں ، واجب، ممکن اور بے مثال، مثال ہو گیا ہے، یہ سب باتیں کفر و بے دینی

اور گمراہی و زندقہ ہیں بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہیں
صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے"۔[15]

یہاں یاد رہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصور وحدۃ الوجود کی مخالفت نہیں فرمائی البتہ اس کی غلط تعبیر و تشریح کی پرزور مخالفت فرمائی ہے جس سے اتحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے آپ نے اس تصور کی تاکید کے ساتھ ساتھ جا بجا صراحت فرمائی ہے کہ ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کی صفات و افعال کو صفات و افعال الٰہی کے عین قرار دینا صفات و افعال الٰہی کی بے ادبی اور بے دینی ہے، ایک اور مقام پر نہایت شد و مد کے ساتھ فرماتے ہیں، پس عالم کے ساتھ عین اور متحد بنانا بلکہ اس سے نسبت دینا بھی فقیر کے بہت گراں ہے، اس طرح آپ نے خالق و مخلوق کے درمیان اتحاد و حلول کے تمام شبہات کو دور فرما دیا اور یہ بتا دیا کہ مقام وحدیت سے بڑھ کر مقام ظلیت ہے اور پھر سب سے بڑھ کر مقام عبدیت ہے، آپ نے ایک طویل مکتوب گرامی میں ان تینوں مقامات کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے۔[16]

﴿10﴾

"یہ فقیر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ظاہر و باطن طریقے پر نہایت تضرع و زاری، التجا و افتقار اور ذل و انکسار کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی نئی باتیں نکل آئی ہیں جو حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں نہ تھیں خدا تعالیٰ مجھ کو اس عمل محدث میں گرفتار نہ کرے اگرچہ وہ صبح کے اجالے کی طرح کیوں نہ چمک رہا ہو اور اس بدعت کا شیدا بھی نہ کرے"۔[17]

﴿11﴾

"کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوف کی پرسش نہ ہوگی، دخول جنت اور تقرب محبوب کی اتباع شریعت سے وابستہ ہے، انبیا کرام علیہم السلام جو کائنات میں سب سے افضل ہیں، انہوں

نے شریعت ہی کی طرف دعوت دی ہے اور نجات اخروی کا مدار بھی اسی پر ہے، ان اکابر کی بعثت سے مقصود تبلیغ شریعت ہے، پس سب سے بڑھ کر نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں کوشش کی جائے اور احکام کے کسی حکم کو بھی زندہ کیا جائے، خصوصاً ایک ایسے دور میں جب شعائر اسلام منہدم ہو گئے'' ۱۸؎

......﴿12﴾......

''سعادت ابدی اور نجات سرمدی متابعت انبیا کے ساتھ وابستہ ہے بالفرض اگر ایک ہزار سال عبادت کی جائے اور سخت سے سخت ریاضتیں اور مشکل سے مشکل مجاہدات کیے جائیں مگر ان حضرات کے نور متابعت سے سینے منور نہ ہوں تو ان ریاضات اور مجاہدات کو ایک جو کے بدلے نہ خریدا جائے گا لیکن اگر دوپہر کا سونا ﴿قیلولہ﴾ جو سراسر غفلت و تعطیل ہے ان حضرات کی متابعت میں ہے تو یہ ان ریاضات و مجاہدات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا'' ۱۹؎

......﴿13﴾......

''شریعت اور طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں، ان میں صرف اجمال و تفصیل ، استدلال و کشف ،غیبت و شہادت اور تعمل و عدم تعمل کا فرق ہے، وہ احکام و علوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر اور معلوم ہو گئے ہیں حقیقت میں الیقین کے تحقیق کے بعد یہی احکام و علوم بعینہ مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں، غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، مشقت کسب اور فریب عمل درمیاں سے اٹھ جاتا ہے اور حقیقت حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے

کہ علوم و معارف شرعیہ سے اس مقام کے علوم و معارف مطابقت متابعت رکھتے ہوں، اگر ان دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی ،اس کے برخلاف مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی کوئی علم وعمل مخالف شریعت ظہور پذیر ہوا ہے، وہ حالت سکر پر مبنی ہے اور سکر صرف اثنائے راہ میں ہوتا ہے، منتہیان نہایت النہایہ کو صحو ہی صحو ہے''[۲۰]

اس طرح اور بھی بہت سے اقتباسات جا بجا قوس قزح کی طرح پھیلے ہوئے ہیں جن سے احقاق حق کی روشنی پھوٹ پھوٹ کر شبہات کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، آپ نے ان اقتباسات میں واضح کیا ہے:

⊙......تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات اور ناقص تشریحات کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔

⊙......غیر مذاہب کے رسم و رواجات سے بہتر ہے کہ اپنی تہذیب و تمدن پر عمل کیا جائے۔

⊙......شریعت اور طریقت دو متضاد چیزوں کا نام نہیں ہے، یہ ایک دوسرے کے عین ہیں۔

⊙......کفر اور کفار کو ذلیل کرنے میں اسلام اور مسلمین کی عزت ہے، اکثر لوگوں نے اس اصول کو نظر انداز کر کے اپنی بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔

⊙......فقیر کی دلی خواہش ہے کہ اللہ اور رسول کے دشمنوں پر سختی کی جائے اور ان جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔

⊙...... چاہیے کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر اپنے نظریات کا مدار رکھیں اور زید و عمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں، جھوٹے قصوں پر اعتماد رکھنا

اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے، فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے۔

⊙ ...... ارباب عقل سلیم جانتے ہیں کہ تقیہ بزدلی کی علامت ہے جس کی نسبت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی جانب کرنا انتہائی نامناسب ہے۔

⊙ ...... آج کل اکثر لوگ نوافل کو ترجیح دیتے اور فرائض کو توجہ کے لائق ہی نہیں سمجھتے، بلکہ حقیر اور بے اعتبار جانتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی خرچ کرنا نفلی صدقے میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔

⊙ ...... انبیا کرام علیہم السلام نے وحدۃ الوجود کی نہیں، وحدت معبود کی دعوت دی تھی۔

⊙ ...... سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بغض رکھتا ہے۔

⊙ ...... جس علم سے عمل مقصود ہے وہ علم فقہ ہے۔

⊙ ...... صوفیہ کے علوم و معارف اگر کتاب و سنت کے مطابق ہیں تو معقول ہیں ورنہ نہیں۔

⊙ ...... بدعات میں کسی قسم کی روشنی نہیں۔

⊙ ...... پیر کامل حق تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

الغرض حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن و حدیث، اقوال صحابہ کرام اور عقائد اہل سنت ہی وہ جلیل القدر معیارات ہیں جن پر کسی بھی عمل کو تولا جا سکتا ہے، ان معیارات سے سر مو انحراف کرنے والی کوئی چیز بھی قابل التفات نہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ صوفیا کرام کی شطحات کی ہر ممکن کوشش کر کے تاویل کر فرماتے اور انہیں ہر طرح شریعت کے مطابق ڈھالتے تھے، اگر کوئی شطحی کلام تاویل سے بھی حل نہ ہوتا تو اس کو چھوڑ کر شریعت کا دم بھرتے تھے کیونکہ شریعت کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے، جس میں عیب و ریب کی کوئی گنجائش نہیں، آپ کا فرمان ہے، فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے، ہمیں نص کی ضرورت ہے فص کی نہیں، آپ نظریات کی اصلاح اور محاسبے میں کس حد تک کامیاب ہوئے اس کا جائزہ لینا از حد ضروری ہے، اس سلسلے میں چند نامور تاریخ

دانوں کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

......﴿1﴾......

''جنوبی ایشیا میں متھیوڈیٹ چرچ کے بشپ جان اے سبحان نے لکھا ہے، یہ شخص لوگوں پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ ایک زمانہ تھا کہ جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ دوسرے سلاسل پر چھا جائے گا، اس سلسلے کی اہمیت کا اندازہ روز کے اس بیان سے ہوتا ہے، سلسلہ نقشبندیہ کی تاریخ صرف اس لیے دلچسپ نہیں کہ اس نے اسلامی فکر میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس نے ہندوستان کے سیاسی انقلابات کو بے حد متاثر کیا ہے'' ۲۱

......﴿2﴾......

''حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے انگریزی خطبات میں ایک جگہ لکھتے ہیں، سترہویں صدی کا ایک گراں قدر مفکر شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہم عصر تصوف پر جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک ﴿وحدۃ الشہود﴾ کو جنم دیا، صوفیا کے مختلف سلاسل طریقت جو سینٹرل ایشیا اور عرب سے ہندوستان آئے ان میں صرف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی حدود وثغور کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے'' ۲۲

......﴿3﴾......

''مشہور مورخ اور دانشور پیٹر ہارڈی نے لکھا ہے، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعے نجات دلائی، شاید اس وجہ سے یہ ہو کہ جس نظریہ

کی انہوں نے تائید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا‘‘ ۲۳

﴾4﴿

’’جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے، آپ کے اثرات انڈونیشیا سے لے کر ترکی تک اور پھر وہاں سے افریقہ سے مختلف صوبوں میں پھیل گئے، آپ کے عظیم کارنامہ کی وجہ سے آپ کو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے یعنی وہ کامل انسان جس نے الف ثانی کی تجدید فرمائی‘‘ ۲۴

﴾5﴿

’’مزید لکھتے ہیں، شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک افواج میں اس حد تک پھیل چکی تھی کہ اس کا دبانا مشکل ہو گیا تھا، بلا شبہ ۱۶۲۶ء میں انتقال سے قبل آپ نے شاندار کامیابی حاصل کر لی تھی، بڑھتی ہوئی اور اٹھتی ہوئی سنیت کو شریک حکومت بنانے میں جو آپ نے کوششیں کیں اگرچہ اس سے سنیت کو غیر متنازع فیہ غلبہ حاصل نہ ہو سکا جو سنیت کے خلاف اکبر کی مخالفت سے پہلے رہا تھا لیکن پھر بھی صدی کے باقی حصہ میں سیاسی صورتحال کی تبدیلیوں میں یہ مساعی بہت ہی اثر انداز ہوئیں اور اس سے بھی زیادہ متصوفانہ خیالات پر آپ کا اثر ہوا، اب تک صوفیا ایسے رجحانات کی تربیت کرتے رہے تھے جو سنیت کے خلاف لے جا رہے تھے لیکن آپ کی نگارشات نے زیادہ سے زیادہ سنیت کی طرف مائل کر دیا‘‘ ۲۵

﴾6﴿

’’پروفیسر ایس، ایچ، اے، آر گب نے لکھا ہے، سترہویں اور

اٹھارویں صدی میں چند ممتاز فضلا نے یکے بعد دیگرے شریعت اسلامیہ کے قیام کی سعی کی، انہوں نے ظاہر شریعت پر ہی نہیں باطن شریعت پر بھی خاص زور دیا اور مذہب کی نفسیاتی اور اخلاقی خوبیوں کو اجاگر کیا لیکن اس تحریک پر پوری توجہ نہیں دی گئی، اس تحریک کی ممتاز شخصیتیں یہ ہیں، ملک شام کے عبد الغنی نابلسی، ہندوستان کے احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ دہلوی۔۲۶؎

......﴿7﴾......

''حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے احسانات کا ذکر اس طرح کیا ہے، آپ نے اطراف ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کو پھیلایا، صوفیا و فقہا کے درمیان اختلافات کو رفع کیا، توحید وجودی اور توحید شہودی کے ایسے معنی بتائے جن میں کوئی اشکال نہ رہا، امرا اور اعیان مملکت کو عقائد باطلہ سے روکا، عبادات اور صدقات کی ان کو ترغیب دی، آپ کے ذریعے امرا و حکام کو نفع پہنچا اور امرا و حکام کے ذریعے عام لوگوں کی اصلاح ہو گئی، آپ نے روافض سے مناظرے کیے اور ان کو ساکت و صامت کر کے فساد کو مٹا دیا، فلسفہ زدہ عقلیت پرستوں، فساد زدہ طبیعتوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں سے مختلف مجالس میں مناظرے کیے، ان کے خلاف رسائل لکھے اور فتنہ الحاد کو مٹا دیا، بجز مومن متقی کے کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔۲۷؎

گویا یہی وہ اہداف و مقاصد تھے جن کی کامیابی پر ان کو احسانات کا درجہ دیا گیا، واقعی یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے تصوف کے نام پر پھیلے ہوئے بہت سے نظریات کو شریعت کے رنگ میں رنگ دیا اور مخلوق خدا کی صحیح راہنمائی کا فریضہ سر

انجام دیا، آج بھی آپ کا بتایا ہوا راستہ ہی حقیقی منزل تک رسائی کا باعث ہے ۔

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی
عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اصلاح شخصیات:

مسلم معاشرے کی تباہی اور بربادی کے ذمہ دار تین گروہ تھے،شاہان وقت،صوفیا خام اور علمائے سوء،ان طبقات کی وجہ سے ایک عام فرد مسلم سے لے کر اہل اقتدار تک ہر آدمی متاثر دکھائی دیتا تھا،شاہان وقت اور اعیان مملکت آزاد خیالی اور بد مذہبی کے اندھیروں میں گم تھے،صوفیا خام رقص و سرور اور حال و مستی میں مشغول تھے،علمائے سوء نے جلب زر اور حب جاہ کو اپنا مقصد عظیم بنا رکھا تھا،عوام الناس ان تینوں گروہوں کی تقلید میں ہدایت سے بہت دور نکل چکے تھے،حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں گروہوں کی اصلاح اور تربیت کو اپنی زندگی کا اہم ترین ہدف قرار دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر یہ تینوں گروہ راہ راست پر آ گئے تو عوام الناس خود بخود ان کی اطاعت کرنے سے راہ راست پر آ جائیں گے،اس سلسلے میں آپ کے اعیان مملکت کے نام نہایت جاندار مکتوبات مطہرہ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس دور کی اہم شخصیات کی اصلاح میں حضرت مجدد الف ثانی کا کتنا بڑا ہاتھ ہے۔

......﴿1﴾......

”آپ ایک اہم ستون مملکت جناب صدر جہان کو لکھتے ہیں،

.اس وقت جب کہ حکومتوں میں انقلاب آ گیا ہے اور دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے،ائمہ اور علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر

توجہ ترویج شریعت غرا کی طرف مبذول کر دیں اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر اکھٹا کر دیں'' ۲۸؎

......﴿2﴾......

''ایک اور اہم ستون مملکت جناب خان جہان کو لکھتے ہیں، جب کبھی بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا اچھا ہو کہ صراحتہ یا کنایتہً معتقدات اہل سنت و جماعت کے مطابق کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام ان کے کانوں تک پہنچائیں'' ۲۹؎

......﴿3﴾......

''ایک اور مصاحب شاہ جناب نواب مرتضٰی خان شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں، آج جبکہ بادشاہ کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور دولت اسلام کا زوال ختم ہو رہا ہے، مسلمانوں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے معین و مددگار اور شریعت کی ترویج اور ملت اسلامیہ کی تقویت کے لیے کوشاں ہوں، یہ اعانت وتقویت خواہ زبانی ہو خواہ عملاً، سب سے بڑھ کر دولت اور امداد تو یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے تا کہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں حائل نہ ہو اور راہ سے نہ بھٹکائے اور معاملہ ابتر نہ ہو جائے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرب شاہی پوری طرح عنایت فرمایا ہے اور ساتھ ہی استطاعت بھی بخشی ہے اس لیے آپ سے توقع ہے کہ بادشاہ سے جب بھی ملنے جلنے کا موقع ملے تو شریعت محمدی ﷺ کی ترویج کی سعی کرتے رہیں اور مسلمانوں کو وطن میں بے وطنی کی زندگی سے نجات دلائیں'' ۳۰؎

......﴿4﴾......

''اب جبکہ سلطنتوں میں خرابی آ گئی ہے اور دشمنی اور فساد نے اہل مذہب کو بگاڑ دیا ہے تو اسلام کے پیشواؤں یعنی بڑے وزیروں، امیروں اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ شریعت مطہرہ کی ترقی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں اور سب سے پہلے اسلام کے ان ارکان کو قائم کریں جنہیں پس پشت ڈال دیا گیا ہے، تاخیر کرنے میں خیریت نظر نہیں آتی کیونکہ تاخیر سے غریبوں کے دلوں کی بے قراری اور بڑھ جائے گی جبکہ سابقہ حکومت کی ستم رانیاں دلوں کو تڑپا رہی ہیں، ایسا نہ ہو کہ مذکور صورتحال کا تدارک نہ ہو اور اسلام کی ترویج و ترقی میں کوئی سرگرم نہ ہو اور شاہی مقرب بھی اس ذمہ داری سے پہلو تہی کر کے دنیا کی چند روزہ زندگی سے پیار کرنے لگے تو غریب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی'' [۳۱]

اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقتباسات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں، آپ نے اس دور کے اعیان مملکت کو بار بار ترویج اسلام کی یاددہانی کروائی اور جہانگیر کے ذہن میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی تلقین کی تاکہ بد مذہب علما اور امرا اسے گمراہ کرنے کی کوشش نہ کریں، آپ نے اپنے تعلق دار اعیان مملکت کی اس طریقے سے تربیت فرمائی کہ بادشاہ روح اور رعایا بمنزلہ جسم کے ہے، روح درست ہو گی تو جسم بھی درست ہو گا، روح خراب ہو گی تو جسم بھی خراب ہو جائے گا، بادشاہ کی اصلاح کے لیے کوشش کرنا رعایا کے تمام افراد کی اصلاح کرنا ہے، یہ اصلاح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب بھی موقع ملے اور گنجائش نظر آئے، اہل سنت کے عقائد و تعلیمات اس کے گوش گزار کیے جائیں اور جب موقع ملے مخالفین اہل سنت کا رد و ابطال کیا جائے، [۳۲]

پھر جب آپ کو قید گوالیار کے بعد بادشاہ کی قربت و مصاحبت کا موقع ملا تو آپ نے خود یہ

فریضہ بطریق احسن سرانجام دیا اور جہانگیر کی سیرت وشخصیت کو سرے سے تبدیل کر دیا، ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یہاں کے حالات اچھے ہیں اور شکر کے قابل ہیں، عجیب و غریب صحبتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان ساری گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی یا سستی کا اظہار نہ ہوا، وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوتوں میں بیان کی جاتی تھیں، ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو رہی ہیں، اگر میں ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے لیے دفتر چاہیے، خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی سترہ تاریخ ہے، پیغمبروں کی بعثت، عقل کی بیچارگی، آخرت، عذاب وثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار، خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین کی پیروی اور تراویح کے مسنون ہونے، تناسخ کے باطل ہونے، جن اور جنیوں کے ذکر، ان کے عذاب وثواب کے مسئلے اور اس قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر رہا، بادشاہ نے پوری توجہ سے ان کو سنا، اسی سلسلے میں اقطاب و ابدال و اوتاد اور ان کی خصوصیتوں کا بھی ذکر آیا، خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ بادشاہ ایک حال پر قائم رہے، ان میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا، شاید ان واقعات اور ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں اور اسرار پوشیدہ ہوں، شکر ہے اس خدا تعالیٰ کا جس نے مجھے اس بات کا ہدایت فرمائی'' ۳۳؎

اس مکتوب گرامی میں معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اپنی مجالس خاص میں آپ کو بار بار مدعو کیا اور آپ نے اس کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کی ہر ممکن کوشش کی، اسی کوشش کا نام افضل الجہاد ہے، ان مجالس خاص میں آپ کے اعلائے کلمۃ الحق کا سب سے بڑا

انعام یہ تھا کہ آپ کو حضور تاجدار انبیا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے آپ کو اجازت نامہ دنیا کے بدلے اجازت نامہ آخرت عطا فرمایا اور مقام شفاعت میں حصہ عنایت فرمایا، [۴۴] لشکر میں قیام کے دوران حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی لاتعداد کراموں کا ظہور ہوا، ہزاروں لوگ راہ راست پر آئے، لوگوں نے شراب نوشی سے توبہ کی، ایک بلانوش کی توبہ کا ذکر تو خود جہانگیر نے اپنی توزک جہانگیری میں کیا ہے، [۴۵] خود بادشاہ جہانگیر کی شخصیت پر آپ کے اثرات کا جائزہ لینا ہو تو یہ واقعہ دیکھئے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادوں کے ایک مخلص ارادت مند علی اکبر حسینی اردستانی نے اپنی تالیف، مجمع الاولیا میں لکھا ہے:

"بادشاہ جہانگیر کشمیر سے لوٹتے وقت مرض دقیق النفس میں مبتلا ہو گئے، طبیب علاج کرتے مگر فائدہ نہ ہوتا، مقربین نے کہا کہ اب اللہ والوں کو دکھانا چاہیے، چنانچہ آپ ﴿حضرت مجدد علیہ الرحمۃ﴾ سے درخواست کی گئی، آپ تشریف لے گئے، بادشاہ نے محل کے اندر طلب فرمایا اور دعائے صحت کی التجا کی، آپ نے فرمایا کہ دعا کے لیے حاضر ہوں لیکن آپ وعدہ فرمائیں کہ اسلام اور شعائر اسلام کی آپ اشاعت کریں گے، بادشاہ نے فرمایا، آپ جو فرمائیں گے ہم عمل کریں گے، اس کے بعد آپ اٹھے اور اپنی شال مبارک بچھا کر دوگانہ ادا کی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا فرمائی، آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور اسی رات بادشاہ کا مرض رفع ہو گیا، جب سرہند قریب آیا تو فرمایا، شیخ جیو! چونکہ تمہاری دعا سے صحت پائی ہے، کل تمہارے لنگر خانے سے پرہیز توڑیں گے، چنانچہ دوسرے دن کھانا تیار کرا کے مٹی کے دو برتنوں میں مخدوم زادگان کے ہاتھ بھجوایا، جب بادشاہ نے آپ کا کھانا تناول فرمایا تو آصف جاہ سے فرمایا کہ آج ہم نے شیخ کے گھر کا کھانا تناول فرمایا بہت مزیدار تھا خاص طور پر مرغ

بہت ہی اچھا پکایا تھا اور آدھا اٹھا کر رکھ دیا ہے، پھر کھائیں گے، اس کے بعد آصف جاہ سے کہا کہ تم جا کر کہو کہ درویشوں کے یومیہ خرچ کے لیے ہماری طرف سے کچھ قبول فرمائیں، آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ خدا کے در کے بھکاری صرف خدا پر بھروسا کرتے ہیں'' ۳۶

اسی طرح جب قلعہ کانگڑہ کی فتح ہوئی تو بادشاہ نے آپ کو دعوت دی کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے، آپ بادشاہ کے ساتھ اس قلعہ میں آئے اور بادشاہ نے جو کچھ فرمایا تھا کر دکھایا، ۳۷ قلعہ کانگڑہ کی فتح کے بعد ایک نقشبندی بزرگ عبد العزیز کو نواحی علاقوں کا گورنر مقرر کیا گیا اور وہاں کے طول وعرض میں اسلام کے احکام نافذ کر دیئے گئے، اس فتح عظیم کو خود جہانگیر نے بہت تزک واحتشام کے ساتھ رقم کیا ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حسین اثرات سے جہانگیر اور اس کے بعد میں آنے والے فرمانروا شاہجہان اور اورنگ زیب بھی از حد متاثر ہوئے، اورنگ زیب کا اسلامی دور حکومت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی اولاد کے فیضان کرم سے مالا مال ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہان وقت اور اعیان مملکت کے ساتھ ساتھ صوفیا خام کی اصلاح کا ہدف بھی سامنے رکھا، آپ فرماتے ہیں:

⊙......اکثر صوفیا خام اور بے سروسامان ملحد اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت مطہرہ کی اطاعت سے نکال لیں اور شرعی احکام کو عوام الناس ہی کے ساتھ مخصوص رکھیں، ان لوگوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت ہی کے مکلّف ہیں جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا کسی اور چیز کا مکلّف قرار نہیں دیتے اور وہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ بجا لانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں: ۳۸

⊙......آیات واحادیث اور فقہی روایات غنا اور سرود کی حرمت میں اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے، اگر کوئی منسوخ حدیث یا شاذ روایت کو

سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کسی بھی فقیہ نے کسی بھی زمانے میں سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ رقص پا کوبی کو جائز قرار دیا ہے، اس زمانے کے کچے اور خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اسے اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے اور اس کو عبادت سمجھتے ہیں، روایت سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو جائز اور مستحسن جانے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے، دریں حالات جائے غور ہے کہ مجلس سماع و رقص کی تعظیم کرنا بلکہ اسے اطاعت و عبادت سمجھنا کتنا برا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے مشائخ اس امر میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو ایسے امور کی تقلید سے دور رکھا: ۳۹؎

⊙......اس زمانے کے اکثر فقرا آسودہ حال اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں، ان کی صحبت و مجالست زہر قاتل ہے اور ان سے اس طرح بھاگنا چاہیے جیسے شیر سے بھاگتے ہیں: ۴۰؎

⊙......بعض صوفیا خام نے ان صورتوں کے حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن و جمال سمجھ رکھا ہے اور ان کی جانب مائل ہونے کو خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہونا اور ان کے مشاہدے کو خدا تعالیٰ کا مشاہدہ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہے معلوم نہیں ان بے وقوفوں نے کس کو اللہ تعالیٰ سمجھ رکھا ہے: ۴۱؎

⊙......بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے مطلع نہیں کیا گیا اور اس کے مخصوص فوائد سے بے خبر ہیں، انہوں نے اپنے مرض کا علاج دوسری چیزوں سے کیا اور مقصود کا حصول دیگر امور سے وابستہ جانا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے کار اور غیر متعلق چیز سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور

غیریت پر رکھی اور روزے کو نماز سے افضل جانتے ہیں:۴۲؎

ان عبادات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صوفیا خام کا فتنہ کس قدر بھیانک تھا اور آپ نے اس کے تدارک کے لیے کس طرح ان کے باطل کردار کو ہدف تنقید بنایا اور ان سے محفوظ رہنے کے لیے کس طرح عوام الناس کو تلقین فرمائی، اسی طرح آپ کے نزدیک علمائے سوء بھی اس دور کی فتنہ طرازیوں میں برابر کے شریک تھے، ان کے بارے میں آپ کے جلال فاروقی کا ایک منظر ملاحظہ کیجیے:

⊙......دور اکبری میں جو فساد برپا ہوا تھا وہ علما کی بدبختی سے ظہور میں آیا تھا، امید ہے کہ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ دیندار علما کے انتخاب کی سعی فرمائیں گے، کیونکہ علمائے سوء دین کے چور ہیں، ان کی منزل یہی ہے کہ مخلوق کی بارگاہ میں جاہ و منصب اور بڑائی حاصل ہو جائے، اللہ تعالیٰ ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے، ان علما میں جو بہتر ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں، کل قیامت کو ان کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ وزنی ہوگی:۴۳؎

⊙......علمائے سوء پارس پتھر کی طرح ہیں جو لوہے اور تانبے کے ساتھ لگنے سے انہیں تو سونا بنا دیتا ہے لیکن خود پتھر ہی رہتا ہے، اسی طرح اس آگ کا معاملہ ہے جو بانسوں اور پتھروں میں پوشیدہ ہوتی ہے کہ اہل جہان اس سے مستفیض ہوتے ہیں لیکن اپنی آگ سے پتھر اور بانس کوئی نفع حاصل نہیں کرتے، میں کہتا ہوں کہ ایسے حضرات کا اپنا علم الٹا ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگا کیونکہ علم نے ان پر حجت تمام کر دی، فرمان رسالت ہے، قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اسے نفع نہ دیا:۴۴؎

⊙......جس طرح لوگوں کی نجات علما سے وابستہ ہے اسی طرح ان کی بربادی کا سبب بھی یہی علما ہیں، علما بہترین مخلوق ہیں اور بدترین مخلوق بھی

......کسی بزرگ نے شیطان لعین کو اضلال و تضلیل کے کام سے فارغ بیٹھے ہوئے دیکھا تو فراغت کا راز معلوم کرنا چاہا، ابلیس نے جواب دیا کہ میری جگہ اس وقت کے علما کام کر رہے ہیں، پس ﴿لوگوں کو﴾ گمراہ کرنے کے لیے وہ کافی ہیں: ۴۵؂

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیا خام اور علمائے سوء کی طرف سے سرزد ہونے والی ہر کوتاہی کا خوب محاسبہ کیا، ایک صوفی کی طرف سے خبر گرم ہوئی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ''عالم الغیب'' کی اصطلاح کا انکار کیا ہے تو آپ نے فوراً اس کا رد بیان کیا، فقیر ایسی باتیں سننے کی قطعاً تاب نہیں رکھتا اور بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و ترجیح کی فرصت بھی نہیں دیتی، اسی طرح کسی عالم نے خطبہ جمعہ سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا نام نکال دیا تو اسے بھی خوب تنقید کا نشانہ بنایا اور اہل علاقہ کو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دلائی، فرمایا، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو دانستہ یا سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے ......معلوم نہیں کہ ایسا بد بودار پھول ہندوستان میں آج تک کہیں کھلا ہو، بعید نہیں کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو بدنام کر دے بلکہ سرزمین ہند سے اعتماد اٹھ جائے۔ ۴۶؂

⊙......ادھر مہدی کی جماعت کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل خیالات کی دعوت دیتی ہے اور وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ریوڑ سے ایک دو افراد کو بھیڑیا بن کر اچک لیتے ہیں، زیادہ کیا تکلیف دوں، حقیقت یہ ہے کہ جب یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی تو اس نے شورش پیدا کی اور میری فاروقی رگ کو حرکت دی: ۴۷؂

آپ سرمایہ ملت کے نگہبان تھے؛ آپ کی نگاہ سے کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں تھا، آپ نے خواص کے ان طبقات کے ساتھ ساتھ عوام کے رسوم و رواج کو قطعاً فراموش نہیں فرمایا، صرف ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''رسومات شرک کی تعظیم اور کفریہ مراسم کے احترام کو شرک ہونے میں بڑا

دخل ہے، دو دینوں کو سچا جاننے والا بھی مشرک ہے اور اسلام و کفر کے احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک، کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری توحید کا تقاضا ہے، بیماری اور مصیبتوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے، گھڑے ہوئے یا بغیر گھڑے ہوئے پتھروں سے مدد مانگنا نفس کفر ہے اور واجب الوجود کا انکار ہے،......اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کے باعث اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمیٰ اسما سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور مشرکوں کی شرکیہ رسومات ادا کرنے میں مبتلا ہیں، خاص طور پر ان کی یہ عادت بد چیچک کی بیماری پھیلنے کے وقت دیکھی جاتی ہے، جسے ہندی زبان میں ستیلا کہتے ہیں، کوئی عورت ہی ایسی ہوگی جو اس باریک شرک سے خالی ہو اور کسی شرکیہ رسم کی مرتکب نہ ہو، یعنی جسے اللہ تعالیٰ بچائے اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا، ان دنوں میں ہنود کی متعارف رسومات کا ادا کرنا شرک کو مستلزم اور کفر کو مستوجب ہے جیسا کہ کفار کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور انہیں اپنی عید کی طرح مناتی ہیں، ﴿مسلمان ان دنوں میں﴾ کافروں کی طرح بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھجتے ہیں اور ان دنوں میں اپنے برتنوں کو رنگتے ہیں، انہیں سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر ایک دوسرے کے گھروں میں بھیجتے ہیں، ان مخصوص ایام میں ان باتوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں، یہ سب کچھ شرک اور دین اسلام کا انکار ہے۔[۴۸]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ﷫ نے ملک کی نامور سیاسی شخصیات کے ساتھ مخلصین اور متعلقین کی ایک جماعت بھی تیار فرمائی جس نے آپ کے فیوضات اور

کرامات کے دریا بہا دیئے ،کون نہیں جانتا ،حضرت خواجہ محمد معصوم ،حضرت خواجہ محمد سعید، حضرت خواجہ میر نعمان بدخشی ، حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی ، حضرت خواجہ ہاشم کشمی ، حضرت خواجہ آدم بنوری ، حضرت خواجہ یار محمد طالقانی ، حضرت شیخ حمید بنگالی ، حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری ، حضرت خواجہ محمد صدیق کشمی ، حضرت شیخ بدر الدین سہارنپوری ، حضرت خواجہ محمد طاہر بدخشی ، حضرت شیخ عبدالہادی بدایونی ، حضرت خواجہ محمد صادق کابلی ، حضرت حاجی خضر خان افغانی ، حضرت شیخ احمد دیبنی ، حضرت خواجہ احمد برکی ، حضرت شیخ یوسف برکی ، حضرت شیخ کریم الدین ، حضرت شیخ حسن برکی ، حضرت شیخ عبدالحی اور حضرت علامۃ الدھر عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہم جیسی نابغہ روزگار شخصیات آپ کی تعلیم و تربیت اور خلافت و نیابت سے سرشار ہوکر جب میدان عمل میں نکلیں تو زمانے میں انقلاب برپا کر دیا ، مولانا رحمان علی صاحب لکھتے ہیں:

> ''اسی زمانے میں آنحضرت کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور آستانہ عالیہ پر کاملین جمع ہو گئے تھے ،علما و امرا دور ونزدیک سے آرہے تھے ، مشائخ طریقت حلقہ ارادت میں داخل ہو رہے تھے ، آپ کا سلسلہ ہندوستان سے گزر کر ماوراالنہر ، روم وشام اور بلاد مغرب تک پھیل گیا تھا'' [۴۹]

مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

> ''ایک ابر باراں ہے جس نے عرب وعجم کو سیراب کر دیا ہے ، ایک آفتاب ہے جس کی روشنی مشرق و مغرب تک پھیل چکی ہے ، علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں اور ظاہر و باطن کے خزانوں کے مالک ہیں'' [۵۰]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنت رسول کے مطابق تریسٹھ سال تک انتہائی سرگرم زندگی بسر فرمائی اور اپنے علمی ، فکری ، اجتہادی اور روحانی اہداف و مقاصد کو نہایت کامیابی سے حاصل کیا۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مراجع

1. ملفوظات از محمود نظامی،۱۲۲مطبوعہ لاہور
2. تذکرۃ الاولیا،۱۰۲مطبوعہ لاہور
3. تذکرہ مشائخ نقشبند،۱۵۸مطبوعہ گجرات
4. سیرت مجدد الف ثانی،۱۳۲مطبوعہ کراچی
5. مکتوبات شریفہ،۱:۶۵
6. مکتوبات شریفہ،۱:۸۱
7. تذکرہ مجدد الف ثانی،۷مطبوعہ لکھنو
8. ایضاً،۱۱۲
9. ایضاً،۱۱۲
10. ایضاً،۱۱۴
11. ایضاً،۱۱۹،۱۲۰
12. ایضاً،۱۲۷
13. سیرت مجدد الف ثانی،۱۷۸
14. مکتوبات شریفہ،۱:۲۱
15. ایضاً،۱:۴۴
16. رود کوثر،۱۶۷مطبوعہ لاہور
17. مکتوبات شریفہ،۱:۱۸۶
18. ایضاً،۱:۴۸
19. ایضاً،۱:۱۹۱
20. ایضاً،۱:۸۴
21. صوفی ازم،۸۶سیرت مجدد،۲۴۸
22. تشکیل جدید الہیات،۱۹۲مطبوعہ لاہور
23. سورسز آف انڈین ٹریڈیشن،۴۴۹نیویارک
24. علماان پالٹکس،۹۸مطبوعہ کراچی
25. ایضاً،۹۸
26. محمڈن ازم،۱۲۵مطبوعہ لندن
27. تذکرہ مجدد الف ثانی،۳۰۵،۳۰۶لکھنو
28. مکتوبات شریفہ،۱:۱۹۵
29. ایضاً،۲:۶۷
30. ایضاً،۱:۴۷
31. ایضاً،۱:۱۹۵
32. ایضاً،۱:۴۷
33. ایضاً،۱:۴۳
34. ایضاً،۳:۱۰۶
35. توزک جہانگیری،۶۳۶مطبوعہ لکھنو
36. مجمع الاولیا،۴۴۲مخطوطہ انڈیا لائبریری
37. توزک جہانگیری،۶۵۶لکھنو
38. مکتوبات شریفہ،۱:۲۷۶
39. ایضاً،۱:۲۶۶
40. ایضاً،۱:۱۲۲
41. ایضاً،۱:۲۶۱
42. ایضاً،۱:۲۶۱
43. ایضاً،۱:۱۹۴
44. ایضاً،۱:۳۳
45. ایضاً،۱:۵۳
46. ایضاً،۲:۱۵
47. ایضاً،۲:۱۵
48. ایضاً،۳:۴۱
49. تذکرہ علمائے ہند،۱۱مطبوعہ لکھنو
50. سبحۃ المرجان،۴۷

......شاہ سرہند......

میں ہوں اور موج بلا خیز ہے شیأ للہ
شاہِ سرہند ، ہوا تیز ہے شیأ للہ

اے مرے چارہ گر زیست کوئی چارہ کر
وقت پہلے سے الم ریز ہے شیأ للہ

داستاں، درد محبت کی کہوں ، کس سے شہا
زندگی آہِ غم آمیز ہے شیأ للہ

تیرے قربان ، تری اک نظر کا صدقہ
دولتِ دارا و پرویز ہے شیأ للہ

تیرے الفاظ ہیں انوارِ وفا کے چشمے
تیری آواز ، جہاں خیزہے شیأ للہ

در و دیوار پہ پھیلا ہے دکھوں کا سایہ
دل مرا درد سے لبریز ہے شیأ للہ

اے نگہبانِ چمن،حسن کے کچھ پھول ادھر
تو گل افشاں ہے تو گل ریزہے شیأ للہ

راستے فکر کے کیا تیرہ و تاریک ہوئے
تیرا کردار ، ضیا بیز ہے شیأ للہ

کتنی مدت سے ترستی ہے اجالوں کو نظر
میرا ہر لمحہ شب انگیز ہے شیأ للہ

کر غلام اپنا شہا، در پہ اسے باندھ کے رکھ
زور میں نفس کا شب دیزہے شیأ للہ

غلام مصطفیٰ مجددی

باب ہشتم

القابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناموں اور لقبوں کی کثرت کسی بھی شخصیت کی عظمت شان کی بہت بڑی دلیل ہے جو یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اسکا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اس کی مخلوق کی نگاہ میں کیا مقام ہے، تاریخ ولایت گواہ ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ناموں اور لقبوں کی تعداد حد وشمار سے باہر ہے، ہر دور کے ہر صاحب فکر نے منفرد نام اور لقب سے آپ کی مدحت سرائی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، بارگاہ مجدد کے اس فقیر عاجز نے اسمائے الٰہیہ اور اسمائے مصطفویہ کے لیے مشہور عدد ننانوے کی مناسبت سے آپ کے بھی ننانوے ناموں اور لقبوں کو یکجا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور ساتھ ہی ہلکے پھلکے انداز سے ان کی تشریحات کا شرف بھی حاصل کیا ہے، ہوسکتا ہے یہی کاوش اس فقیر عاجز کے لیے ذریعہ نجات بن جائے، آیئے مطالعہ کیجئے۔

......﴿احمد رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ۱۴ شوال ۹۷۱ ہجری کو جمعۃ المبارک کی شب حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کاشانہ ولایت میں تولد ہوئے اور والد گرامی نے آپ کا اسم مبارک احمد تجویز فرمایا، آپ خود فرماتے ہیں: ''کمترین بندگان پر تقصیر احمد بن عبدالاحد آنکہ تا زمانی کہ از قسم احوال و موارد رومیداد بعرض آں گستاخی می نمودہ جرات نمی کرد'' ﴿مکتوبات ۱۸ دفتر اول﴾ اسم احمد حضور احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی بدولت رکھا گیا، احمد کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا، زمانہ گواہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ

کی حمد وثنا میں ساری زندگی بسر کی تو ان کے کمالات و فیوضات کے وارث کامل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی توحید کی لاج رکھ لی، آپ نے توحید کا صحیح تصور دنیا کے سامنے اجاگر کیا اور اتحاد و حلول پر مبنی تمام تعبیرات کو یکسر باطل قرار دیا، آپ الف ثانی کے دورانیے میں توحید باری اور تقدیس باری کے سب سے بڑے علمبردار بن کر ظاہر ہوئے اور وہ لافانی کردار ادا کیا جس کی پہلے ادوار میں بھی بہت کم مثال ملتی ہے، مقامات شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا، میرے بعد سترہ شخص احمد نام کے ہوں گے اور ان میں سے آخری جو ہیں وہ چار سو سال کے بعد ہوں گے اور وہ سب سے افضل ہوں گے۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۳۸﴾

......﴿بدر الدین رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور لقب ''بدر الدین'' ہے، یعنی دین مصطفیٰ کا مکمل چاند، آپ کے والد گرامی کا بیان ہے، آپ کی ولادت سے پہلے میں نے خواب دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیل گئی ہے، سور، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اسی اثنا میں میرے سینے سے نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا، اسی تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے ﴿فرشتے﴾ تمام ظالموں زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں، کوئی شخص بآواز بلند کہتا ہے، **وقل جاء الحق وزهق الباطل** ......اس خواب کی تعبیر حضرت مخدوم نے حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کی، انہوں نے بعد توجہ فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد و بدعت کی تاریکی دور ہوگی، یہ تعبیر بالکل درست نکلی، ﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ۱۹۰﴾

......﴿صلہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں ایک حدیث مبارک لکھی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے ایک کثیر تعداد جنت میں داخل ہوگی'' یہ حدیث مبارک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ آپ ہی علما وصوفیا کے درمیان صلہ تھے، آپ خود فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان صلہ

بنایا ہے، اس ہزار سال کی مدت میں کوئی بھی آپ کے علاوہ لقب صلہ سے سرفراز نہیں ہوا۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۳۸﴾

......﴿فرد رضی اللہ عنہ﴾......

درجات صوفیا میں ''فرد'' ایک اہم درجہ ہے جس کا مطلب ہے یکتائے روزگار، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس درویش کو اصل نسبت فردیت کہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تھی اور والد بزرگوار کو ایک بزرگ شاہ کمال قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ہاتھ لگی تھی جو جذبہ قوی رکھتے تھے اور خوارق میں مشہور تھے۔ ﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ۱۹۲﴾

......﴿سراج عالم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، قیوم زمانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے لکھا ہے ؎

ایں قطب سراج عالم ہمت بود
شاہ کل و درلجہ وحدت بود

اللہ اللہ! حضور سراج الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات فیوضات کا مظہر کامل کیوں نہ عالم ہمت کا سراج ہوگا، سراج کا معنی ہے سورج، آپ کے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایک سورج کی طرح ہوں گے اور ان سے ایک عالم کو روشنی حاصل ہوگی، الحمد للہ مجھے ان کے احوال کاملہ کا یقین ہوگیا ہے، ﴿مکتوبات باقی، ۶۵﴾ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے، وہ ایک آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چندھیاتی ہیں، ﴿اخبار الاخیار﴾

......﴿شمع ہدیٰ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرات القدس میں حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے ؎

بہار باغ عرفان ابر رحمت کزیں گلشن بتعجیل صبا رفت
مگر صبح قیامت سر بر آورد کہ از مشکوٰۃ دیں شمع ہدیٰ رفت

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جب ہم شہر سرہند میں ٹھہرے تو

واقعے میں دیکھا کہ ایک مشعل آسمان تک روشن ہے اور اس سے تمام عالم مشرق سے مغرب تک روشن ہو گیا ہے اور اس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جا رہی ہے اور لوگ اس مشعل سے بہت سے چراغ روشن کیے ہوئے ہیں، مجھے اس واقعے سے بھی آپ ہی کے متعلق اشارت و بشارت ملتی ہے۔ ﴿حضرات القدس، ۲:۴۰﴾

……﴿قطب الاقطاب رضی اللہ عنہ﴾……

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات کے مطابق قطب الاقطاب کمالات ولایت سے مستفیض ہوتا ہے اور اس کو تکوینی امور تفویض کیے جاتے ہیں، بحمد للہ تعالیٰ آپ کو بھی یہ منصب عظیم حاصل ہوا جیسا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب خواجہ خواجگان امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے مراجعت پر ہمارا گزر سرہند شریف سے ہوا تو ہم نے واقعے میں دیکھا کہ ایک قطب کے قریب ٹھہرے ہیں، پھر اس قطب کا حلیہ بھی بیان کیا گیا، صبح کو ہم نے شہر کے مشائخ کی تلاش کی مگر کوئی بھی اس حلیے کے مطابق نہیں تھا، پھر آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کا حلیہ بالکل اسی حلیے کے مطابق تھا اور اس قطبیت کی علامت آپ میں دیکھی، ﴿حضرات القدس ۲:۴۰﴾ قطب الاقطاب کا معنی ہے مرکزوں کا مرکز، جو دانے مرکز کے قریب ہوتے ہیں وہ چکی کے دو پاٹوں سے محفوظ رہتے ہیں، اس مرکز ولایت کے قریب رہنے والے بھی محفوظ مامون رہیں گے، ایک صالح تاجر کو غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا: کہ وہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جائے زمانے میں ان جیسا کوئی بزرگ نہیں، چنانچہ اس صالح تاجر کا بیان ہے کہ میں علی الصباح اس قطب الاقطاب کی بارگاہ میں روانہ ہوا اور بے انتہا عنایات و الطاف سے مستفیض ہو کر جذب و سلوک سے نوازا گیا، ﴿حضرات القدس، ۲:۵۹﴾ حضرت شیخ عبداللہ بن خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے ؎

امام زماں قطب اقطاب عالم　　که چوں او ندانم که بگذشت یک تن
چو بہر شفاعت بہ محشر در آید　　جہانے نہاں گردوش زیر دامن

……﴿قطب الارشاد رضی اللہ عنہ﴾……

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق قطب الارشاد کمالات نبوت

سے فیضیاب ہوتا ہے اور ایسی نادر الوجود شخصیت کا حامل ہوتا ہے کہ اگر صدیوں کے بعد بھی ہو تو غنیمت ہے، رشد و ارشاد کی ساری دولتیں اس کی ذات سے وابستہ ہوتی ہیں، آپ فرماتے ہیں، قطب الارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت کم ہوا کرتا ہے، بہت صدیوں اور بہت زمانوں کے بعد اس قسم کا جوہر مقصود ظاہر ہوتا ہے اور تاریک دنیا اس کے ظہور سے منور ہوتی ہے اور اس کے رشد و ہدایت کا نور تمام عالم کو شامل ہوتا ہے یعنی عرش کے دائرے سے فرش کے مرکز تک جس کسی کو بھی رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے اور بغیر اس کے توسط سے کوئی شخص اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی طرح تمام عالم کو احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے جس میں مطلق حرکت نہیں ہے، جو شخص ایسے بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا وہ بزرگ خود کسی طالب کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران ایک طرح سے اس طالب کے دل میں ایک سوراخ کھل جاتا ہے اور اس راستے سے اس دریا سے سیراب ہوتا ہے، اسی طرح وہ شخص جو ذکر الٰہی میں مشغول ہے اور اس بزرگ کی طرف انکار سے نہیں بلکہ لاعلمی کی وجہ سے متوجہ نہیں ہے تو اسے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے البتہ وہ شخص جو ایسے بزرگ کا منکر ہو یا اس بزرگ کو اس شخص سے گرانی ہو تو وہ شخص خواہ ذکر الٰہی میں بہت مشغول رہے لیکن رشد و ہدایت سے محروم ہی رہے گا، بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے استفادے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور اسے ہدایت کی اصل حقیقت حاصل نہیں ہوگی بلکہ جو کچھ حاصل ہوگا وہ ہدایت کی صورت ہوگی اور حقیقت کے بغیر صرف صورت سے بہت کم فائدہ پہنچتا ہے لیکن جو لوگ اس بزرگ سے اخلاص اور محبت رکھتے ہیں اور ذکر الٰہی سے کتنے ہی خالی کیوں نہ ہوں ان کو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے، ﴿مبدا و معاد﴾ فضائل پناہ مولانا محمد صادق کشمیری اپنے وقت کے مشہور فاضل تھے، جہانگیر نے ملا حبیب اللہ شیعی سے مناظرے کے لیے آپ کو طلب کیا تھا اور

آپ غالب آگئے تھے، آپ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قطب الارشاد کے لقب سے یاد کیا ہے ؎

فریاد زگردش زمانہ بیداد زدست جور ایام
قطب ارشاد شیخ احمد کہ بود بخلق فیض او عام

آپ خود ارقام فرماتے ہیں، اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے حضور سرور دین و دنیا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قطبیت ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر فائز کیا گیا، اس کے بعد پھر عنایت خداوندی شامل حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا گیا...... یہاں تک کہ فقیر کو مقام اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا، اس آخری عروج میں فقیر کو حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی روحانیت کی امداد حاصل ہوئی اور ان کی قوت وتصرف نے ان تمام مقامات سے گزار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرمادیا، ﴿زبدۃ المقامات، ۲۴۶﴾ حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ قطب ارشاد اور قطب افراد دونوں کے جامع تھے، ﴿ایضا، ۲۲۷﴾

......﴿مجتہد رضی اللہ عنہ﴾......

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کسی شرعی مسئلے میں کوشش کر کے اپنی ذاتی رائے قائم کرنے والا مجتہد کہلاتا ہے، ﴿الرسالہ، ۱۲۷﴾ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو علم الکلام میں درجہ اجتہاد پر بھی فائز کیا گیا، آپ خود ارقام فرماتے ہیں، مجھے توسط حال میں ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم الکلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے لے کر مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے، ﴿مبدا و معاد منعا، ۲۸﴾ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خطبہ میں آپ کو عرفان وسلوک کا مجتہد اعظم قرار دیا ہے، ﴿جدید الہیات، ۲۷۸﴾

......﴿صاحب اسرار رضی اللہ عنہ﴾......

فیاض ازل سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اسرار و افکار کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، آپ پر حقیقت قرآن، حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کے اسرار منکشف فرمائے گئے اور یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ایک ہزار سال کے بعد حقیقت احمدی کے

ساتھ حقیقت محمدی متحد کر دی گئی ہے، ﴿مکتوبات، ۳:۷۷﴾ آپکو قلوب خمسہ کے اسرار و علوم سے بھی نوازا گیا تھا، ﴿مبدا و معاد منھا، ۱۲﴾ آپ پر تعین وجودی ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و برکات سے آپ کو ممتاز کیا گیا، ﴿مکتوبات، ۳:۸۹﴾ آپ پر سیر آفاقی و انفسی کے علاوہ ایک اور سیر مکشوف فرمائی گئی، ﴿مکتوبات، ۲:۲۶﴾ الغرض آپ کی شخصیت سراپا اسرار و سراپا معارف بن کر نمودار ہوئی، حضرت اقبال نے کیا خوب کہا ہے

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

......﴿مکلَّم رضی اللہ عنہ﴾......

یعنی جس سے کلام کیا جائے، آپ فرماتے ہیں، واضح ہو کہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کبھی بلا واسطہ کلام فرماتا ہے جیسا کہ انبیا کرام علیہم السلام میں سے بعض کے ساتھ ہوا ہے اور کبھی انبیا کرام علیہم السلام کے کامل متبعین میں سے بعض کو بطریق وراثت یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۳۰﴾ حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے مکلم بنایا ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۸۵﴾

......﴿محدَّث رضی اللہ عنہ﴾......

آپ فرماتے ہیں، اگر اس طریقے کا کلام امت کے کسی فرد کو بکثرت حاصل ہو تو وہ شخص محدث کہلاتا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، یہ کلام الہام اور القائے قلبی سے مختلف ہے، فرشتے کے ساتھ جو کلام ہوتا ہے اسکی نوعیت بھی یہ نہیں، اس کلام کا مخاطب صرف وہ انسان کامل ہے جو عالم امر، عالم روح و نفس اور آلہ عقل و خیال کا جامع ہو اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور وہ فضل عظیم والا ہے، ﴿مکتوبات، ۲:۵۱﴾ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جگر گوشے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کی وراثت و نیابت کے فیض سے محدث کا مقام عطا فرمایا گیا جیسا کہ حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۸۵﴾ اس کی تصدیق حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی ملتی ہے، ﴿زبدۃ المقامات﴾

......﴿قیوم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ،اس بزرگ ﴿خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ﴾ کی برکت توجہ سے حضرات نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو صفت قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراج النہایت فی البدایت سے کسی قدر سیرابی نصیب ہوئی ، جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہوگیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا ، میں نے اس راہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روحانی تربیت کے ذریعے انجام تک پہنچایا ، ﴿مبدا و معاد﴾ حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قیومیت کی نسبت سے بھی مشرف فرمایا گیا ہے جیسا کہ مکتوبات میں درج ہے ﴿حضرات القدس، ۲:۸۱﴾ قیوم کون ہے ،اس کے متعلق آپ کا ارشاد ہے ، کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بحکم خلافت اس کو تمام اشیا کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری اور باطنی کے فیوض اس کے واسطہ سے پہنچاتے ہیں ، ﴿مکتوبات، ۲:۷۴﴾ یہ عارف جو قیومیت اشیا کے منصب پر مقرر رہوا ہے وہ وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوق کی مہمات اس کی طرف راجع ہیں ، یہ صحیح ہے کہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کی وصولی وزیر کے توسط سے وابستہ ہے ، ﴿ایضاً﴾ یہ منصب چونکہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کیا گیا ہے اس لیے آپ کو قیوم اول کہا جاتا ہے ، یہاں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی ، کیونکہ اولیا کرام کی تعلیمات و مکشوفات سے آگاہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ قطب ، غوث ، قلندر وغیرہ الفاظ بھی بزرگان دین کے اشارات سے حاصل ہوتے ہیں ، غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے پہلے کسی کو بھی قرار نہیں دیا گیا ، اگر وہ سب اصطلاحات درست ہیں تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاحات کو بھی برحق تسلیم کرنا چاہیے۔

......﴿متقی رضی اللہ عنہ﴾......

یعنی پرہیز گار ، حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ایمان افروز واقعہ نقل کیا ہے ، ایک دن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند کے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوایا تو غلبہ انکسار کی وجہ سے آپ کی زبان سے نکلا کہ یہ صدقہ ہماری طرف سے کس طرح قبول ہوگا

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''انما یتقبل اللہ من المتقین '' بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں سے قبول کرتا ہے، ابھی یہ فرما رہے تھے کہ آواز آئی ''انک من المتقین '' بے شک تم متقیوں میں سے ہو، ﴿زبدۃ المقامات، ۲۵۶﴾ اللہ اکبر! کیا مقام تقویٰ ہے جس کی سند جہان غیب سے نازل ہو رہی ہے۔

......﴿امام ربّانی ﷜﴾......

کامل متبعین جب ولایت و نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت و امامت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو ان کمالات کے مجرد حصول پر اکتفا کرتے ہیں، یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات ظلّیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب الارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب ہے، گویا یہ نیچے والے دونوں مقام اوپر والے دونوں مقاموں کے ظل ہیں، ﴿مکتوبات، ۶۱:۱﴾ گویا خلافت اور امامت کا ظل قطب مدار ﴿جسے قطب الاقطاب بھی کہا جاتا ہے﴾ اور قطب الارشاد کا منصب ہے، قطب مدار کے ساتھ تکوینی امور اور قطب الارشاد کے ساتھ تشریعی امور وابستہ ہوتے ہیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کو منصب امامت و خلافت سے بھی سرفراز کیا گیا ہے اور کمالات ظلیہ سے نکل کر کمالات اصلیہ کے ساتھ بھی واصل ہوئے ہیں، اس کی تصریح خود آپ کے کلام بلاغت نظام میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے آپ کو ''امام ربانی'' کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

......﴿ناصر السُّنہ ﷜﴾......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے ناصر السنہ کا نام استعمال کیا ہے، آپ کے مکتوبات اور تعلیمات شاہد عادل ہیں کہ آپ نے ساری زندگی احیائے شریعت اور تائید سنت میں بسر فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں، ہمارے عمل کی حقیقت کیا ہے لیکن جو کچھ بھی ہم کو عطا کیا گیا ہے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سبب جانتا ہوں، مثلاً اگر کوئی امر کرم کا بہانہ ہو تو وہ سید الاولین والآخرین ﷺ کی اطاعت ہوگی کہ میں اس پر اپنے کام کا مدار سمجھتا ہوں، جو کچھ ہمیں دیا ہے وہ اسی اتباع کی راہ سے جزئیا وکلیاً دیا

ہے،﴿زبدۃ المقامات،۲۷۴﴾اور فرماتے ہیں ،بدعت و فجور کی تاریکیوں میں چراغ سنت کی روشنی کے بغیر نجات کی راہ نہیں پاسکتے ،﴿ایضاً،۲۸۱﴾آپ اس حال کو جس میں سر مو بھی شریعت اور اہل سنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے ،اور فرماتے کہ احوال شریعت کے تابع ہیں ،شریعت احوال کے تابع نہیں کیونکہ شریعت قطعی ہے اور وحی سے ثابت ہے،احوال ظنی ہیں جو کشف سے ثابت ہوتے ہیں،﴿ایضاً،۲۹۰﴾آپ نے قدم قدم پر ترویج شریعت اور تائید سنت کا عملی مظاہرہ فرمایا،حضرت مولانا احمد یار خان بدایونی نے واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر سنت پر عمل کیا،صرف ایک سنت رہ گئی،وہ یہ کہ آپ اپنے نواسے کو نہ کھلا سکے،آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد میری صاحبزادی کے ہاں لڑکا ہوگا،اسے میری قبر پر چھوڑ دینا وہ میری قبر پر کھیل لے گا اس طرح یہ سنت بھی پوری ہوجائے گی،﴿ملخصاً شرح مشکوٰۃ﴾ یہ کمال درجے کا التزام سنت آپ کی حیات طیبہ کا عظیم نشان ہے،آپ فرماتے ہیں: ہم نے خود کو شریعت میں ڈھال دیا ہے اور حضور انور ﷺ کی روشن سنت کی خدمت میں ہم قائم ہیں۔﴿حضرات القدس،۲:۱۷۰﴾

......﴿قامع البدعہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے ''قامع البدعہ'' کا نام بھی استعمال کیا ہے،﴿تذکرہ مجدد الف ثانی،۳۰۲﴾قامع البدعہ کا معنی ہے بدعت کو مٹانے والا،آپ نے فرمایا ہے، یہ کیسی نعمت ہے کہ محبوں اور مخلصوں کی توجہ حضور اکرم ﷺ کی سنتوں میں کسی سنت کو زندہ کرنے کی طرف ہوجائے اور وہ منکرہ اور ناپسندیدہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو مٹانے پر کمربستہ ہوجائیں،سنت و بدعت ایک دوسری کی ضد ہیں اور ایک کا وجود دوسری کی نفی کو مستلزم ہے،پس ایک کو زندہ کرنا دوسری کو مارنے کا مستلزم ہے یعنی سنت کو زندہ کرنا بدعت کو مٹانا اور اسی طرح برعکس،﴿مکتوبات،۱:۲۵۵﴾اور فرمایا،تمام سنن حق تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں اور ان کی ضد یعنی بدعات شیطان کی پسندیدہ ہیں،آج بدعات کے پھیل جانے کے باعث یہ بات اکثر لوگوں پر گراں گزرے گی لیکن کل قیامت کو معلوم ہو جائے گا کہ راہ ہدایت پر ہم ہیں یا وہ۔﴿مکتوبات،۱:۲۵۵﴾

...... ﴿سیف اللہ رضی اللہ عنہ﴾ ......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے ''سیف اللہ'' کا نام بھی استعمال کیا ہے، اس کا معنی ہے اللہ کی تلوار جو دشمنان اسلام کے سر پر مسلط ہے، آپ کے مکتوبات اور رسائل آج بھی دشمنان اسلام کے لیے قیامت ڈھا رہے ہیں، اپنے دور ظاہر میں آپ نے جس طرح وقت کے بادشاہوں کا مقابلہ کیا اور تن تنہا ہر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو گئے کیا یہ لافانی کردار ''سیف اللہ'' ہونے کے لیے کافی نہیں، پھر اللہ کی تلوار کو کوئی طاقت توڑ نہیں سکتی بلکہ اس کی برق آسا قوتوں کے سامنے خود ٹوٹ جاتی ہے، زمانہ گواہ ہے کہ باطل کی ہر طاقت کے مقابلے میں آپ ہی فلاح یاب اور کامران رہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کچھ امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

...... ﴿خاشع رضی اللہ عنہ﴾ ......

خاشع کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا، حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ آفتاب ولایت اپنے پیر بزرگوار کی طرح ۹۷۱ھ میں طلوع ہوا، حضرت خود بھی تخمیناً یہی فرماتے ہیں، کلمہ 'خاشع' سے سن ولادت معلوم ہوسکتا ہے، ﴿زبدۃ المقامات، ۱۲۷﴾ ہاں ہاں خشیت الٰہی آپ کے رگ و ریشہ میں جاری تھی اس لیے تحدیث نعمت کے طور پر کوئی جملہ ادا بھی فرما دیتے تو فوراً اپنی عاجزی اور منکسر المزاجی کا اظہار بھی فرما دیتے، فرماتے ہیں، عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے تکبر کا معاملہ یہ ہے کہ عامل کو اپنا عمل بہت اچھا لگتا ہے حالانکہ اسے چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں اور خامیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے بلکہ اپنی عبادتوں کو ادا کرنے سے شرمندہ رہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۶۷﴾ فرماتے ہیں، جو کچھ ہمیں نہیں دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم شریعت کی پیروی میں ہمارے اندر کوئی خامی رہ گئی ہوگی۔ ﴿ایضاً﴾

...... ﴿فقیر رضی اللہ عنہ﴾ ......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لیے فقیر کا لفظ بکثرت استعمال فرمایا ہے، اسم فقیر اور درویش تمام اولیا کے ہاں مستعمل ہے، بلکہ حضرت موسیٰ کلیم

اللہ علیہ السلام نے بھی اس طرح دعا مانگی ہے: رَبِّ اِنِّي لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْر، اے میرے پروردگار جو کچھ تو نے میری طرف خیر اتاری، بے شک میں اس کا فقیر ہوں، ﴿سورۃ القصص، ۲۴﴾ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے لیے لفظ فقیر استعمال فرمایا ہے، یوں تو بزرگان دین اس لفظ کو بطور عجز و انکسار استعمال کرتے ہیں لیکن اس میں بھی ان کے کمالات و مقامات کا راز پوشیدہ ہوتا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شان فقیراں'' کس انداز سے بیان فرمائی ہے، فقیر لوگ اپنا وقت بے ہودہ زیب و زینت میں صرف نہیں کرتے، سرمایہ عمر کو بے فائدہ ملمع امور میں تلف نہیں کرتے، شریف سے خسیس کی طرف میلان نہیں کرتے اور محبوب کو چھوڑ کر مغضوب کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنا ضمیر چرب اور شریں لقمے کے بدلے فروخت نہیں کرتے، باریک اور آراستہ لباس کے لیے غلامی اختیار نہیں کرتے، انہیں اس بات سے عار ہوتی ہے کہ شاہی تخت کے تعلقات سے آلودہ ہوں، وہ اس بات کو ننگ سمجھتے ہیں کہ ملک خداوندی میں لات و عزیٰ کو شریک بنائیں، وہ تو صرف دین خالص طلب کرتے ہیں وہ شرک کا غبار پسند نہیں فرماتے، ﴿مکتوبات: ۱:۱۷۴﴾

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں ہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

ایک دفعہ جہانگیر نے آپ کے لنگر خانے کے لیے کافی نذرانے کی پیشکش کی تو آپ نے فرمایا: ہمیں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم بارگاہ خدا کے فقیر ہیں، حضرت شیخ الاسلام خواجہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لفظ فقیر میں 'ف' سے مراد فاقہ، 'ق' سے مراد قناعت، 'ی' سے مراد یاد الٰہی اور 'ر' سے مراد ریاضت ہے، جو شخص یہ سب کچھ بجا لائے اسے فضل خدا، قرب مولا اور رحمت حق مل جاتی ہے، نہیں تو فضیحت، قہر، یاس اور رسوائی حاصل ہوتی ہے، ﴿ملفوظات شریفہ، ۴۵﴾ اقبال کہتے ہیں ۔

مسلماں آں فقیرے کج کلا ہے رمید از سینہ او سوز آہے
دلش نالد چرا نالد نداند نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

......﴿عارفِ کامل رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عارف کامل ہیں جن کے عرفان و سلوک

سے کروڑں عارفوں نے فیض حاصل کیا ہے، آپ نے عرفان وسلوک کے دریا بہا دیئے، آپ ارشاد فرماتے ہیں: اے فرزند! یہ وہ وقت ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے پر ظلمت وقت میں ایک اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا جو شریعت جدیدہ کی بنیاد قائم کرتا تھا لیکن یہ امت خیر الامم ہے اور اس کے پیغمبر برحق ﷺ خاتم الرسل ہیں، اس کے علما کو انبیا بنی اسرائیل کا مظہر قرار دیا گیا ہے اور انبیا کی جگہ ایسے علما پر اکتفا کیا گیا ہے، اس لیے ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علما میں سے ایک مجدد متعین کیا جاتا ہے جو شریعت کی احیا فرماتا ہے اور بالخصوص ہزار سال کے بعد کہ امم سابقہ میں تو اولوالعزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی اور عام پیغمبر پر ایسے زمانے میں اکتفا نہیں کیا جاتا تھا، اسی طرح ایسے وقت میں ایک ایسے عالم وعارف کی اس امت میں ضرورت ہے جو کامل المعرفت ہو اور جو امم سابقہ والے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو سکے، ﴿حضرات القدس، ۲:۷۲﴾ اس عظیم القدر اعزاز اور انعام سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا ہے، نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں، عالم عارف کامل ومکمل بود، طریقہ نقشبندیہ را امام عہد است و برائے صوفیہ در مسالک سلوک مجدد، مکتوباتش در سہ مجلدات دلیل واضح اند بر علو علم وکمال تبحر و در معرفت و بلوغ غایت مقامات......مرتبہ او در اولیا مثل مرتبہ اولوالعزم است در انبیا، ﴿بحوالہ خزینۃ الاصفیا﴾

......﴿خزینۃ الرحمہ رضی اللہ عنہ﴾......

اس اسم کا معنی ہے رحمت کا خزانہ، حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو خزینہ دار رحمت بنایا گیا جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب، ۳۱۱ میں ہائے دوچشمی کی حقیقت کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۸۵﴾ مکتوب مذکور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس حقیر کی بازگشت ہائے دوچشمی ہے، اب میرا مرجع ومقام بھی ہائے کی حقیقت ہے، یہ حقیقت وہی ہے جس کو غیب ہویت سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ حقیقت رحمت کا خزانہ ہے جو دنیا میں فراخ کیا ہوا ہے اور ننانوے حصے رحمت کے جو آخرت کے لیے ذخیرہ کیے ہوئے ہیں ان سب کا مستقر ومستودع یہی حقیقت ہے گویا اس کا ایک چشمہ دنیا کی رحمت کا خزانہ ہے اور اس کا دوسرا چشمہ آخرت کی رحمت کا گنجینہ ہے، ارحم

الراحمین کی صفت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے، اس مقام میں جمال صرف کا ظہور ہے جس میں جلال کی ذرہ ملاوٹ نہیں ؂

مژدہ اے اہل دل و مژدہ اے ارباب وفا
کہ مسیحا نفسے چارہ گرے پیدا شد

......﴿مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ آفاق لقب جو آپ کے نام ذات پر بھی غالب آ گیا ہے وہ مجدد الف ثانی ہے، حضرت بابا طاہر ہمدانی کیا خوب فرماتے ہیں ؂

موآں بحرم کہ در ظرف آمد ستم | چوں منظر برسر حرف آمد ستم
بہر الفی الف قدی بر آیہ | الف قدم کہ در الف آمد ستم

اللہ تعالیٰ نے آنجناب رضی اللہ عنہ کو مجدد الف ثانی بنایا، چنانچہ آپ نے خود اس معاملے کی صراحت فرمائی ہے اور ایک مکتوب میں خصوصی علوم و معارف کے ذکر کے بعد اس طرح تحریر فرمایا ہے، یہ علوم مشکوٰۃ انوار نبوت سے مقتبس ہیں جو الف ثانی کی تجدید کے بعد محض تبعیت اور وراثت کے لحاظ سے تازہ ہوئے، ان علوم و معارف کا حامل اس ہزارے کا مجدد ہے اور یہ بات ان لوگوں پر بخوبی روشن ہے جنہوں نے اس کے علوم و معارف کو دیکھا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سے اور جن کا رشتہ احوال و مواجید و تجلیات و ظہورات سے ہے......واضح ہو کہ صدی کے سرے کا مجدد ہوا ہے لیکن صدی والا مجدد اور ہے اور الف والا مجدد اور ہے چنانچہ صدی اور ہزار میں جو فرق ہے ان مجددوں میں بھی وہی فرق ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مجدد وہ ہے کہ جو کچھ اس مدت میں فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں اسی کے توسط سے ہوتے ہیں، اگرچہ اقطاب و اوتاد بھی اس وقت میں ہوتے ہیں اور بدلا اور نجبا بھی ہوا کرتے ہیں، ﴿مکتوبات، ۲:۴﴾ ویسے فاضل اجل حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کے لیے مجدد الف ثانی کا لقب استعمال کیا ہے، اس کے بعد یہ لقب زبان زد عام ہو گیا گویا ضرب المثل بن گیا اور آج تک اسی لقب سے عرب و عجم کے معمورے سرشار نظر آتے ہیں، پھر یہ چرچا قیامت تک جاری و ساری رہے گا، اس

راقم عاجز نے عرض کیا ہے۔

تیرے انوار تاباں یا مجدد
گلستاں در گلستاں یا مجدد

......﴿مجمع البحار رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بزرگان دین کے پندرہ سلسلوں کے فیوضات سے اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے مالا مال ہوئے، انہوں نے آپ کو ان تمام سلسلوں میں خلافت عطا فرمائی، آپ کے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ آپ سے سلسلہ نقشبندیہ کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ملک ہندوستان اس طرح کے بزرگوں سے خالی ہے اور افسوس ہے کہ ہم کو اس سلسلہ عالیہ سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا، ان کی یہ خواہش حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں پوری ہوگئی، جب آپ سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے اور کمال درجے کا عرفان حاصل کیا تو گویا سولہ سلسلوں کے مرکز ومحور بن کر اجاگر ہوئے، تاریخ ولایت میں یہ مقام بھی شاید ہی کسی بزرگ کو حاصل ہوا ہو کہ وہ بیک وقت اتنے دریاؤں کو جمع کرنے والا ہو، آپ تمام اولیائے امت کے محبوب ٹھہرے جیسا کہ جواہر مجددیہ میں مرقوم ہے، شیخ ابوالحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ولادت کے وقت سرہند شریف میں موجود تھے، انہوں نے دیکھا کہ تمام انبیا و اولیا جمع ہیں، ایک بزرگ نے منبر پر چڑھ کر بیان کیا کہ جس قدر کمالات اس وقت تک علیحدہ علیحدہ اور اولیا کو دیئے گئے تھے، آپ کو اس کا مجموعہ عطا کیا گیا ہے، شیخ عبدالعزیز چشتی خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ملائک کا ہجوم ہے اور سب آپ کے فضائل بیان کر رہے ہیں۔

......﴿ولی برحق رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا کے اسرار و رموز سے مشرف ہوئے اور ان ولایات ثلاثہ کے مدارج پر فائز ہوئے بلکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع کی وجہ سے ایسے مقام سے جو مقام رضا سے بالاتر ہے ممتاز فرمایا گیا جیسا کہ آپ نے دفتر دوم کے مکتوب نمبر سات میں تحریر فرمایا ہے، آپ پر علم الیقین اور حق الیقین جو دیگر اصحاب کو عطا ہوا ظاہر کیا گیا، دوسرے اولیا جس کو حق

الیقین فرماتے ہیں وہ آپ کے نزدیک علم الیقین کا جزو ہے، اس سے آپ کی استعداد ولایت کا اندازہ لگانا چاہیے، آپ پر مقامات جبی اور مقامات وجودی ظاہر کیے گئے، آپ فرماتے ہیں، میرا خیال ہے میری پیدائش سے یہ مقصود ہے کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی کے رنگ سے رنگی جائے اور اس ولایت کا حسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت کے ساتھ مل جائے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں اور اس انصباغ اور امتزاج سے محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ بلند تک پہنچ جائے، ﴿مکتوبات، ۲:۶﴾ آپ کو کمالات نبوت اور کمالات ولایت سے سرشار کیا گیا اسی لیے آپ ولایت کے اہم ترین درجات قطب الارشاد وغیرہ سے موصوف ہوئے، کمالات ولایت میں آپ نے اپنے آپ کو حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا نائب مناب قرار دیا ہے ﴿مکتوبات، ۱۲۳:۳﴾ آپ فرماتے ہیں، جب کوئی ایسا عارف جس کی معرفت مکمل تر اور جس کا حضور کامل تر ہو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے، یہی شخص ولایت محمدیہ کا صحیح حقدار اور دعوات مصطفویہ کے ساتھ شرف افروز ہوتا ہے، چنانچہ اقطاب واوتاد اور ابدال سب اس کے دائرہ ولایت کے تحت داخل ہوتے ہیں اور افراد، آحاد اور اولیا کے تمام گروہ اس کے انوار ہدایت کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں کیونکہ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور حبیب خدا کا ہدایت یافتہ ہوتا ہے، ﴿زبدۃ المقامات، ۲۶۸﴾ آپ کو ولایت میں اس قدر رسوخ کامل حاصل ہوا کہ فرماتے ہیں، اس چند روزہ صحت کے زمانے میں جو مجھے حاصل ہوئی ہے ہر کمال جو ﴿انبیا اور صحابہ کے بعد﴾ بنی نوع انسان کے لیے ممکن ہوسکتا ہے اور تصور میں آسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں مجھے عطا فرما دیا ہے، ﴿ایضا، ۳۸۷﴾ آپ کے اس ارشاد سے مخدوم زادگان پریشان ہو گئے کیونکہ یہ آپ نے اپنے سانحہ ارتحال کی طرف اشارہ فرمایا تھا ؎

زمشک زلف تو بوئے شب فراق آمد

......﴿عالم راسخ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو عالم راسخ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو متشابہات و مقطعات کا علم عطا فرمایا ہے، فرماتے ہیں، آخر کار اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ان متشابہات کی تاویلات میں سے ایک شمہ مجھ فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس بحر محیط کی نہر اس مسکین کی زمین استعداد میں کشادہ فرما دی، جب مجھے معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو متشابہات اور مقطعات کی تاویلات میں وافر نصیب حاصل ہے، پھر فرماتے ہیں، علم متشابہات صرف رسولوں سے مخصوص ہے مگر امت کی ایک بہت ہی کم تعداد محض تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے بہرہ مند ہوئی ہے، ﴿حضرات القدس﴾ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اصرار کر کے متشابہات و مقطعات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے صرف حرف ق کے اسرار کا اظہار کیا جس سے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہوش اڑ گئے۔ ﴿ایضاً﴾

......﴿کثیر العلم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے کثیر العلم کا اسم مبارک بھی استعمال فرمایا ہے جسکا مطلب ہے بہت زیادہ علم کا مالک، آپ قرآن وحدیث، فقہ وکلام، تصوف و طریقت کے علاوہ علم لدنی اور علم آسمانی کی دولتوں سے سرشار تھے، علم لدنی آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا اور علم آسمانی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے وصول کیا، انہوں نے واقعے میں تشریف لا کر فرمایا، میں آیا ہوں تا کہ تم کو علم سماوات کی تعلیم دوں، ﴿مکتوبات، ۷،۱﴾ آپ فرماتے ہیں، علوم و معارف بہت عظیم نشانیوں میں سے ہیں اور خوارق میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اسی لیے معجزہ قرآنی تمام معجزات سے زیادہ قوی اور پائیدار ہوا، آنکھیں کھول کر دیکھو کہ یہ تمام علوم و معارف جو ابر نیساں کی طرح برس رہے ہیں کہاں سے آتے ہیں، یہ علوم جو اس کثرت سے آتے ہیں اور بال برابر بھی علوم شرعیہ سے انحراف کی گنجائش نہیں رکھتے اپنے اندر خاص نشانیاں رکھتے ہیں، ہمارے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمہارے تمام علوم صحیح ہیں، ﴿مکتوبات، ۱۰۷،۱﴾

انہی علوم و معارف کی کثرت کو دیکھ کر حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے گواہی دی تھی کہ آپ کثیر العلم انسان ہیں، شیخ بزرگوار کی گواہی کے ہوتے ہوئے کسی اور سے تصدیق کی کیا حاجت رہ جاتی ہے لیکن یہاں تو ہزارہ دوم کے کثیر علما اور اولیا آپ کے کثیر العلم ہونے کا دم

بھرتے نظر آتے ہیں، حضرت قدوۃ العرفا میر مومن بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے معارف کا مطالعہ کیا تو وجد میں آ کر فرمانے لگے اگر سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس وقت ہوتے تو وہ بھی اس بزرگ کی خدمت میں بیٹھتے ، ﴿حضرات القدس،۲:۶۵﴾ ایک باعمل عالم کا قول ہے کہ آپ کے رسالے سب کے سب تصنیفات ہیں، ﴿ایضا﴾ آپ کی کثرت علم کا اس سے اندازہ لگائیں کہ فیضی اور ابوالفضل جیسے معاصر علما بھی آپ کے سامنے دم بخود ہو گئے ، جب کتب حدیث کی سند حاصل کی فرمایا، محسوس ہوتا ہے کہ مجھے طبقہ محدثین میں داخل کر دیا گیا ہے، علوم فقہ اوران کی جزئیات پر بھی آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔

......﴿قوی العمل رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے قوی العمل کا نام بھی استعمال فرمایا ہے جسکا معنی ہے بہت زیادہ عمل کا حامل، آپ نے واقعی شریعت وسنت کی اتباع میں بہت مضبوط عمل کا مظاہرہ فرمایا، صرف ایک مثال دیکھیے، ایک بار آپ نفلی روزے رکھ رہے تھے، کسی نے دریافت کیا کہ آپ یہ روزے کس لیے رکھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا احتیاط کے طور پر قضا روزے رکھ رہا ہوں کیونکہ ماہ رمضان میں دن کے وقت استنجا کرنے کا اتفاق ہوا تھا تو اس خیال سے کہ پانی استعمال کرنا پڑا تھا تو احتیاط سے قضا روزے رکھ رہا ہوں ، ﴿حضرات القدس،۲:۱۶۵﴾ فرماتے ہیں، شرم آتی ہے کہ انفرادی نماز میں قوت واستطاعت کے باوجود رکوع وسجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں، ﴿ایضا﴾ جب اولیا تلوین سے تمکین میں آجاتے ہیں تو پھر وہ کثرت اطاعات میں لگ جاتے ہیں اور اس وقت ان کی ترقیوں کا دارو مدار کثرت اعمال ہی پر ہوتا ہے ﴿ایضا،۱۶۶﴾ آپ ہمیشہ اپنے مریدوں کو کثرت ذکر، دوام حضور اور مراقبہ کی پابندی کے لیے ترغیب دلایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا دار عمل ہے اور کھیتی بونے اور اس کے لیے کام کرنے کی جگہ ہے، اس لیے حضور باطن کو ظاہری آداب واعمال کے ساتھ اپنے کام میں لگائے رکھو۔ ﴿حضرات القدس،۲:۱۶۵﴾

......﴿محبوب صمدانی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ محمدی المشرب بزرگ ہیں اور آپ کی صورت وسیرت پر محبوبیت کا غلبہ ہے، آپ کا ارشاد ہے: یہ فقیر چونکہ ولایت محمدی اور

ولایت موسوی کا پروردہ ہے اور مقام ملاحت میں موطن و مسکن رکھتا ہے لہذا ولایت محمدی کے غلبہ محبت کے باعث نسبت محبوبیت غالب اور نسبت محبیت مغلوب اور مستور ہے، ﴿مکتوبات،۹۵:۳﴾ ؎

ازیں افیون کہ ساقی در مے افگند
حریفاں رانہ سر ماند و نہ دستار

یہ آپ کی شان محبوبیت کا اکرام ہے کہ ہر جگہ آپ کا ذکر ہو رہا ہے جس طرح کہ حدیث صحیح سے مستفاد ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے آفاق اس کے تذکار میں گم دکھائی دیتے ہیں اور اذکرکم کی تفسیر رونما ہو جاتی ہے، حضرت علامہ محمد غوث مانڈوی نے آپ کو "بالانشین مسند محبوبیت، صدر آرائے محفل وحدانیت، خدیو مقام فردیت اور صاحب مرتبہ قطبیت" کے القاب سے یاد کیا ہے، ﴿اذکار الابرار،۵۳۳﴾

......﴿امام الطریقہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بنیادی طور پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت فرمائی اور اس سلسلہ عالیہ کا سلوک و عرفان حاصل کیا لیکن اپنی بے پناہ استعداد باطنی سے اس سلسلہ عالیہ کو مزید کمالات و فیوضات کے ساتھ آگے بڑھایا لہذا آپ امام الطریقہ قرار دیئے گئے، آپ کا طریقہ جامع شریعت و طریقت ہے اور اسمیں مقامات ولایت کے علاوہ کمالات نبوت بھی شامل ہیں، ﴿جواہر مجددیہ،۴۳﴾ آپ فرماتے ہیں، یہ ہے وہ طریقہ جس سے حق تعالیٰ نے اس فقیر کو ممتاز فرمایا ہے، بدایت سے نہایت تک اور اس طریقے کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جس میں نہایت درج ہے بدایت میں، اسی بنیاد پر عمارتیں بنائیں گئی ہیں اور محل بنائے گئے ہیں، اگر یہی بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا، تخم بخارہ اور سمرقند سے لایا گیا ہے اور اس کو سرہند کی زمین میں بویا گیا ہے، اس کا خمیر حرمین شریفین سے ہے اور اللہ پاک کے فضل کے پانی سے اس زمین کو برسوں سیراب کیا گیا ہے اور احسان کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی ہے، جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی تو ان علوم و معارف کے پھل حاصل ہوئے، ﴿مکتوبات،۱۰۷:۱﴾ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں تمام سلسلوں اور ولایتوں کا فیض موجود ہے، جو مجددی ہے وہ قادری، چشتی، سہروردی، کبروی،

اور فاروقی بھی ہے ؎

کیا اولیا میں شان مجدد بلند ہے
قطبوں میں اور غوثوں میں وہ ارجمند ہے
صدیق پر عروج تو مجدد پہ ہے نزول
کیا مستند یہ سلسلہ نقشبند ہے

......﴿اولوالعزم رضی اللہ عنہ﴾......

اولوالعزم کا مطلب ہے عزم و استقامت کا پیکر مجسم، حضرت علامہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی مظہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب پہلا ہزارہ گزر گیا اور ایک اولوالعزم مرد کامل کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے تحت دوسرے ہزارے کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا کہ تمام اولیا میں ان جیسا اولوالعزم مجدد کوئی نہ ہوگا، اس کو نبیوں، رسولوں اور رسول کریم کی طینت سے پیدا فرمایا اور وہ مقامات و کمالات عطا فرمائے گئے جو کسی نے نہ دیکھے تھے اور آخر زمانے میں اس کے طفیل یہ کمالات عام اور ظاہر کیے گئے، ﴿ارشاد الطالبین، ۶۳﴾

......﴿منتظر رضی اللہ عنہ﴾......

منتظر کا مطلب ہے جسکا انتظار کیا گیا، مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اولیا کرام نے آپ کی آمد آمد کی پیش گوئیاں بیان فرمائیں اور ہندوستان کے مشائخ کبار آپ کا انتظار کرتے رہے، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا خرقہ مبارکہ اپنے کمالات سے مملو کر کے اپنے صاحبزادے سید عبدالرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا اور فرمایا کہ پانچ سو سال کے بعد عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گی، ایک بزرگ وحید امت پیدا ہوگا اور دنیا سے شرک والحاد کو نابود کر دے گا اور دین محمدی کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا، اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی، اس کے صاحبزادہ صاحب اور خلفا بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے، یہ خرقہ مبارکہ ان کی امانت ہے، پھر وہ خرقہ مبارکہ آپ کی اولاد سے ہوتا ہوا حضرت شاہ سکندری قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گیا، اس طرح حضرت خواجہ احمد جام، حضرت خواجہ داؤد قیصری، حضرت خلیل اللہ چشتی، حضرت شیخ سلیم چشتی، حضرت شیخ نظام نارنولی، حضرت شیخ عبداللہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہم جیسے

بزرگوں نے آپ کی خوشخبری عطا فرمائی، اولیائے وقت جب توجہ باطنی فرماتے تو الہام ہوتا کہ ایک امام وقت مجدد اسلام کا ظہور ہوگا اور سب بد دینی اور ضلالت کو دور فرمادے گا اور قیامت تک اس کا نور باقی رہے گا، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مخدوم عبد الاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی دیکھ کر فرمایا، یہاں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے، اس سے مشرق و مغرب روشن ہوں گے، بدعت و ضلالت دور ہوگی، میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو اس کو وسیلہ قرب الٰہی گردانوں گا، ﴿ملخصا جواہر مجددیہ،۱۹﴾ اس طرح اہل نجوم نے پیش گوئیاں کیں اور اراکین سلطنت کو آپ کے متعلق خوابیں دکھائی دیں جنکی تعبیر خواجہ کبیر اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کی کہ سرہند سے جو نور کا ظہور دیکھا ہے وہ کسی ولی برحق کی ولادت ہے اور بگولوں کا دور ہونا اور بچھوؤں کا مارا جانا کفر و بدعت کا دور ہونا ہے۔

آں مجدد کہ جہاں منتظر او بود
شکر صد شکر کہ آں منتظرے پیدا شد

......﴿رفیع المناقب رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسماء اور القاب سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وصال نکالی ہے، ان میں ایک اسم اور لقب رفیع المناقب بھی ہے جسکا مطلب ہے بہت بلند شانوں عظمتوں اور منقبتوں والا، آپ کے خلفا اور اس عہد کے علما نے آپ کے مکتوبات اور دیگر شواہد و آثار کو ملاحظہ کر کے بہت سے مناقب جمع کیے ہیں جن میں سے چند یہاں درج کیے جاتے ہیں:

⊙......آپ کے ظہور کی آپ کے والد بزرگوار کو قبل از وقت بشارت عطا فرمائی گئی۔

⊙......آپ مختون پیدا ہوئے۔

⊙......اولیائے امت نے جمع ہو کر آپ کی والدہ کو مبارک باددی اور آپ کے مدارج عالیہ بیان فرمائے۔

⊙......آپ عام بچوں کی طرح گریہ وزاری نہیں کرتے تھے، ہر وقت مسکراتے رہتے، کبھی برہنہ نہ ہوتے، آپ کا بدن یا کپڑا کبھی نجس نہیں ہوتا تھا۔

⊙......آپ نے صرف چار واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحے کا شرف

حاصل کیا جن میں ایک صاحب جن تھے۔

⊙......آپ کا تجدیدی کارنامہ تمام مجددین کرام کے کارناموں سے منفرد تھا۔

⊙......آپ کلام و عرفان میں منصب امامت اور درجہ اجتہاد پر فائز ہیں۔

⊙......آپ کا فیضان نظر الف ثانی یعنی دوسرے ہزارے کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔

⊙......آپ کے بیان کردہ عقائد و نظریات بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں درجہ قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

⊙......آپ کی آمد کی بشارت صلہ کے نام سے خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی اور یہ نام آپ سے قبل امت کے کسی فرد نے بھی اپنے لیے استعمال نہیں کیا۔

⊙......حضرتِ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ آپ مرید نہیں میری مراد اور محبوب ہیں۔

⊙......مزید فرمایا، صحابہ اور تابعین کے بعد آپ جیسی ہستیاں چند ہی گزری ہیں۔

⊙......مزید فرمایا، شیخ احمد جیسی ہستی آج اس آسمان کے نیچے اور کوئی نہیں۔

⊙...... مزید فرمایا، آپ تو ایک آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہمارے جیسے کتنے ہی ستارے گم ہیں۔

⊙......مزید فرمایا، مجھے آپ کے ذریعے ہی روشن ہوا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے۔

⊙......حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ محمد حسن غوثی جیسے بزرگوں نے آپ کو علم و عرفان کا گوہر یکتا تسلیم کیا ہے۔

⊙......آپ کی نسبت شریفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہوگی۔

⊙......آپ کی برکت سے ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں روحانی انقلاب پیدا ہوا، آپ کے خلفا ساری دنیا میں پھیل کر آپ کے پیغام حق سے مخلوق خدا کو سیراب کرنے لگے۔

......﴿مرشد رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور ایک جہان کے رشد و ہدایت کا سامان بن گئے اس لیے آپ کے لیے مرشد کا لقب بالکل بجا ہے، دور دو

نزدیک کے لوگ لاکھوں کی تعداد میں آپ کے آستانے پر آنے لگے، آپ نے اپنے بھائی شیخ مودود کو ایک مکتوب گرامی میں اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے، بہت سے مشائخ نے اپنے سجادے چھوڑ کر آپ کی غلامی اختیار کی اور پایہ تکمیل تک پہنچے، فرماتے ہیں، ایک روز درویش اپنے حلقہ یاراں میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی، اس اثنا میں اس دور افتادہ کو مذلت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ ندا اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے تجھے بخش دیا اور جو لوگ قیامت تک بالواسطہ یا بلا واسطہ میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے ان کو بخش دیا، یہ بشارت بار بار سنائی یہاں تک کہ شک کی گنجائش نہ رہی بعد ازاں اس واقعے کے اظہار کا حکم دیا گیا، ﴿مبدا و معاد﴾ آپ یہ بھی فرماتے ہیں، کہ مرد و زن جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک ہوں گے وہ سب ہمیں دکھائے گئے ہیں اور ہر ایک کا نام و نسب اور مولد و مسکن ہمیں بتایا گیا ہے، اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کر دیں، ﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ۲۱۱﴾

......﴿امامِ محققین رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعلقین سے فرمایا کہ تم "امامِ محققین" کی خدمت میں جاؤ اور جس قسم کے شغل کا حکم وہ دیں اسی طریقے کے مطابق مشغول رہو اور ان کی خدمت میں ہماری تعظیم نہ کرو، اپنی توجہ کو ہماری طرف مبذول نہ کرو، ﴿زبدۃ المقامات، ۲۲۳﴾ یہ حضرت خواجہ محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے جو انہوں نے مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض میں اپنے دستخط سے رقم فرمایا تھا، اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے امام المحققین کا نام بھی استعمال کیا جاتا تھا جسکا مطلب ہے علم و عرفان کے میدان میں تحقیق کرنے والوں کا پیشوا، یعنی سب سے بڑا محقق، الف ثانی میں یہ نام بلند واقعی آپ کے لیے ہی مناسب ہے اور پھر پیر بزرگوار کی زبان حق ترجمان سے نکلا ہے جو یقیناً زیادہ باعث برکت ہے۔

......﴿خلیفۃ اللہ رضی اللہ عنہ﴾......

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کمالات ولایت کا بلند ترین مقام خلافت بھی عطا فرمایا، آپ نے اپنے مخدوم زادے حضرت خواجہ معصوم

سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب گرامی میں رقم فرمایا ہے، عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ عرصہ دراز کے بعد کسی خوش نصیب کو فنائے اتم کے بعد بقائے اکمل عطا فرماتے ہیں، یعنی اپنی ذات مقدس کا ایک نمونہ اس کو عنایت فرماتے ہیں اور اس کا قیام اب ذات کے ساتھ ہو جاتا ہے، یہاں پہنچ کر انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان کی خلافت کا راز متحقق ہو جاتا ہے یعنی اس مقام پر انسان خلیفۃ اللہ بن جاتا ہے، ﴿مکتوب ۸۰:۳ ملخصاً﴾

اسی مقام سے ہے آدم ظل سبحانی

آپ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ ذات اقدس کا نمونہ اس کو عطا کرتے ہیں، میدان عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ نمونہ کی وہاں کیا گنجائش ہے اور وہ کونسی چیز ہے جو اس کی صورت پر ہو سکے، صورت کی بھی وہاں مجال نہیں، جاننا چاہیے کہ اس قسم کے بزرگ ایک زمانہ میں متعدد نہیں ہوتے متعدد قرنوں کے بعد ایک ہوتا ہے تو پھر ایک زمانہ میں متعدد کس طرح ہو سکتے ہیں، اگر اس قسم کی دولت کے ظہور کی مدت مقرر کی جائے تو شاید ہی کوئی اعتبار کرے، ﴿ایضاً﴾

......﴿ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ﴾......

مجتبیٰ کا معنی ہے چنا ہوا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگرچہ سلسلہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں لیکن میری تربیت اللہ الباقی کی طرف سے ہے، میں نے اللہ کے فضل سے تربیت حاصل کی ہے اور راہ اجتبا پر چلا ہوں، میرا سلسلہ رحمانی ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۴۱﴾ پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں، بے شک اجتبا کا راستہ انبیا کرام سے مخصوص ہے اور امتوں کو دوسرے کمالات کی طرح اس کمال سے بھی ان کی تبعیت کی وجہ سے حصہ مل جاتا ہے، یہ بات نہیں کہ امتوں کو مطلق اس سے کوئی حصہ نہیں ملتا کیونکہ یہ غیر واقع ہے، ﴿ایضاً ۱۴۲﴾

......﴿ اُویسی رضی اللہ عنہ ﴾......

آپ فرماتے ہیں، اگرچہ میں اویسی ہوں لیکن میرا مربی حاضر و ناضر ہے، ﴿مکتوبات، ۳:۸۷﴾ اویسی روحانیوں کے پروردہ اور تربیت یافتہ انسان کو کہتے ہیں، بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے مرشد ظاہر کا انکار کیا ہے تو آپ نے اس

کا جواب عطا فرمایا، میرے مخدوم! خود کو اویسی کہنا اپنے مرشد ظاہر سے انکار نہیں ہے کیونکہ اویسی تو وہ ہے جس کی تربیت میں روحانیوں کا دخل ہو، حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ظاہر کے باوجود خود کو اویسی کہتے تھے کیونکہ ان کو حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے امداد پہنچی تھی، اس طرح حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی پیر ظاہر کے باوجود اویسی تھے کیونکہ ان کو حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے مدد حاصل تھی، پھر خصوصیت سے وہ شخص جو اویسی ہونے کے ساتھ ہی اپنے پیر ظاہر کا اقرار بھی کر رہا ہے اس پر زبردستی اپنے پیر ظاہر کے انکار کا الزام لگانا کہاں کا انصاف ہے، ﴿مکتوبات،۱۲۱:۳﴾

......﴿حبیب رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت مولانا محمد صادق کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تاریخ وصال اس مشہور جملے سے اخذ کی ہے، ''الموت هو جسر يوصل الحبيب الى الحبيب ''موت ایک پل ہے جو یار کو یار کے ساتھ ملا دیتا ہے، اس جملے سے ۱۰۳۴ اعدد نکلتے ہیں اور یہی آپ کا سن وصال ہے، آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور متابعت کا جو درجہ نصیب تھا اس کو سامنے رکھا جائے تو یقیناً آپ وراثت رسول کی مناسبت سے نام حبیب کے بھی مستحق ہیں۔

......﴿وارثُ الرسُول رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بارگاہ میں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ؎

یا ایها الانام لقد سافر الامام
من کان باب خدمة عروة القبُول
العارف الّذی وَهَب ربّه الهٰ
حال الّتی تحیّر فی شانها العقول
لما اصاب ارث رسول بحقه
فا کتب لعام رحلته وارث الرسول

یہاں ''وارث الرسول'' کے مبارک لفظ سے آپ کا سن وصال ۱۰۳۴ھ وصول ہوتا ہے، آپ واقعی ہر اعتبار سے وارث الرسول ہیں کیونکہ آپ کو شریعت، معرفت اور

حقیقت کے علوم و معارف کے بیش بہا خزانے عطا کیے گئے یہاں تک کہ آپ کے سینے میں متشابہات و مقطعات کے اسرار کی ایک نہر جاری فرمائی گئی، حضرت شیخ امین کردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، انبیا کرام علیہم السلام سے دو قسم کے علم ظاہر ہوئے، علم الکلام اور علم الاسرار، وارث وہ ہے جو ہر نوع میں وارث ہو، آپ عالم مطلق صحیح وراث ہیں کیونکہ آپ کو علم و عرفان کی ہر نوع سے نصیب وافر میسر ہے، ﴿تہذیب المواہب السرمدیہ،۱۱۱﴾

تہنیت رفت زگیتی بہ سماواتِ علیٰ
نائب احمد مرسل بشرے پیدا شد
شکر کز قلزم انوارِ رسولِ عربی
احمد ہندی والا گہرے پیدا شد

......﴿خیر الاولیا رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ''خیر الاولیا'' کے لقب سے بھی یاد کیا ہے یعنی اولیا کرام میں بہترین ولی، آپ واقعی الف ثانی کے دورانیے میں خیر الاولیا کے لقب کے مستحق ہیں، حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں جتنے بھی اولیا آئے ان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام زیادہ ہے، بادشاہوں میں اورنگ زیب اور شاعروں میں مرزا بیدلؔ کا کوئی ثانی نہیں، ﴿یہ الفاظ فقیر راقم نے اپنے استاد گرامی علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ سے سنے تھے، یقیناً ان کے پاس اس عبارت کا کوئی حوالہ موجود ہوگا، ویسے بھی آپ حضرت اقبال کے شاگرد حافظ مظہر الدین کے شاگرد تھے اور ان کی بہت سی سینہ بہ سینہ روایات کے امین تھے﴾ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب ۸۳ میں آپ کو اس طرح مخاطب فرمایا ہے، اللہ پاک آپ کو کمال و اکمال کے مرتبے تک پہنچائے، بزرگوں کے پیالے سے کچھ زمین کو بھی حصہ ملتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے، میں تکلف میں نہیں لکھتا، پیر انصاری عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں لیکن اگر وہ اس زمانے میں زندہ ہوتے تو باوجود پیر ہونے کے میرے مرید ہوتے، جب ایسے مستغنی عن الصفات بزرگوں کی صفت کا یہ حال ہے تو پھر ہم جیسے گرفتاران آثار و صفات کیوں نہ آپ کی طلب گاری کے لوازم پر جان چھڑکیں اور جس جگہ سے مشام جان میں خوشبو آئے اس کے پیچھے

کیوں نہ جائیں، فی الحال ہمارے توقف اور خاموشی کی وجہ استغنا یا بے پرواہی نہیں لیکن یہ کرم واحسان کے انتظار کی وجہ سے ہے ؎

شاہ دیں ہے کرم پر آمادہ
اب قناعت پہ اکتفا کیوں ہو

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان تشریف لانے کے لیے استخارہ کیا تو انہیں ایک پرندہ نظر آیا جسے آپ نے اپنا لعاب دہن عطا کیا اور اس نے آپ کے منہ میں شکر ڈالی، اس کی تعبیر آپ نے اپنے شیخ کریم حضرت خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی کہ ہندوستان کا کوئی بزرگ مجھ سے تعلق قائم کرے گا اور اس کے معارف سے مجھے بھی فائدہ حاصل ہو گا، اس پر شیخ کریم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ایک عرصے سے ہمارے بزرگ اس بزرگ کے انتظار میں ہیں، جلدی کرو اور اس بزرگ کو پکڑو، معلوم ہوا کہ وہ بزرگ تمہارے دامن سے پرواز حاصل کرے گا، ﴿حضرات القدس، ۲:۴۰﴾ یہ تمام جملے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ آپ کے لیے استعمال کر رہے ہیں، یہاں آپ کے مریدوں کا جان بوجھ کر ذکر نہیں کیا گیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مرید تو اپنے پیر کا ذکر اس طریقے سے کرتے ہیں، وہ شخصیت کیوں نہ خیر الاولیا ہو گی جس کے مشائخ نے اس کی عظمتوں اور رفعتوں کو سلام بھیجا ہے، ایک اور متقدم بزرگ شیخ خلیل اللہ بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے میں لکھا ہے، ہندوستان میں ایک بزرگ پیدا ہوں گے جو اپنے زمانے میں بے نظیر ہوں گے، افسوس کہ میں اس وقت زندہ نہ رہوں گا، ﴿حضرات القدس ۲:۳۹﴾

حضرت شیخ محمد امین اللہ بن فتح اللہ کردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ان القاب سے یاد کیا ہے:

''درة اكليل الاولياء العارفين، وغرة جبين الاصفياء الغر المحجلين و مرشد الاكملين، داعي الخلق بالحق الى الحق، القطب الاوحد، والعلم المفرد، الامام الرباني، مجدد الالف الثاني'' ﴿تہذیب المواہب السرمدیہ، ۱۰۷﴾

...... ﴿شیخ یگانہ رضی اللہ عنہ﴾ ......

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مرشد زمانہ وشیخ یگانہ کے القاب استعمال کیے ہیں، ﴿الجزء اللطیف، ۳﴾ شیخ یگانہ کا

معنی ہے بے مثال بزرگ، ایک اور مقام پر لکھتے ہیں، شہادت و نجابت، کثرت علم، توقد ذہن، استقامت عمل، اللہ اور رسول کے بارے میں اپنی غیرت، کرامات جلیلہ اور مقامات کثیرہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ کہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں، اس کے بہت سے احسانات اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے، جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، ﴿تذکرہ مجدد الف ثانی،۳۰۴﴾

......﴿ساقی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میخانہ وحدت کے ساقی ہیں جنھوں نے شراب معرفت سے لاکھوں دیوانگان عشق کو سیراب فرمایا، حضرت اقبال کو آپ سے بے انتہا محبت و عقیدت تھی بلکہ ان کے مرشد گرامی حضرت قاضی سلطان محمود قادری گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے رویا میں ان سے ارشاد فرمایا تھا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے، چنانچہ علامہ اقبال سرہند پہنچے اور فیض یاب ہوئے، ﴿سیرت مجدد الف ثانی،۲۱۶﴾ جب حضرت علامہ اقبال اس میخانہ وحدت سے سرمست ہوئے تو جھوم کر پڑھنے لگے ؎

لا اک بار وہی بادہ وجام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

حضرت علامہ اقبال کے کلام میں لفظ ساقی بکثرت استعمال ہوا ہے اور لگتا ہے اس سے مراد ساقی سرہند ہیں جن کے در دولت سے ان کو شہود کے پیمانے میسر ہوئے، یہاں یہ بھی عرض کیا ہے کہ حضرت اقبال کے بارے میں ہمارے بعض احباب جو لفظ قادری استعمال کررہے ہیں، وہ لفظ نقشبندی مجددی بھی استعمال کریں تو ان کی روح پر فتوح کے لیے اور زیادہ سکون کا باعث ہوگا۔

......﴿مصلح عظیم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت علامہ اقبال نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مصلح عظیم کا نام بھی استعمال کیا ہے، اس کا مطلب ہے معاشرے کی اصلاح کرنے والا عظیم انسان، آپ نے واقعی اپنے افکار و اعمال کے ذریعے لاکھوں انسانوں کے کردار و افکار کی

اصلاح فرمائی، حضرت اقبال فرماتے ہیں، شیخ موصوف نے ان ارشادات میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس مصلح عظیم ﴿Great Refomer﴾ کی نگاہوں میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے، ﴿جدید الہیات،۳۰۰﴾

......﴿صوفی رضی اللہ عنہ﴾......

صوفیا کرام نے تصوف اور صوفی کی بہت سی تعریفات سے آگاہ کیا ہے، حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تصوف ہر قسم کے حظ نفس سے دستبرداری کا نام ہے اور فرمایا، صوفی وہ ہیں جن کی روحیں بشریت کی کثافت سے پاک اور آفت انسانی سے صاف ہوں اور ہوا و ہوس سے آزاد ہوں، ﴿کشف المحجوب،۱۰۰﴾

حضرت خواجہ حصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تصوف دل اور سر کو حق کی مخالفت کی کدورت سے محفوظ رکھنے کا نام ہے ﴿ایضا،۱۰۱﴾ حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے فرمایا، تصوف نیک خوئی اور خوش اخلاقی ہے، جو زیادہ نیک ہوگا وہ زیادہ صوفی ہوگا، ﴿ایضا،۱۰۲﴾ حضرت خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، صوفی وہ ہے جو دو جہان میں بجز ذات خدا کسی چیز کو نہ دیکھے، ﴿ایضا،۱۰۲﴾ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، صوفی وہ ہے جس میں آٹھ خصائل ہوں، رضا، سخا، صبر، اشارت، غربت، صوف پوش، سیاحت، فقر، ﴿ایضا﴾ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تصوف نیک خلق کا نام ہے، ﴿ایضا،۱۰۵﴾ حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، تصوف اخلاق پسندیدہ کا نام ہے، ان جملہ تعریفات کو دیکھا جائے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات ان پر بالکل پورا اترتی ہے، آپ جہاں علم ظاہر سے آراستہ تھے وہاں علم تصوف اور خصائل تصوف سے بھی پیراستہ تھے، آپ فرماتے ہیں، وہ علوم جو مقام فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تعلق رکھتے تھے حق سبحانہ وتعالیٰ کی مہربانی سے منکشف ہو چکے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ہر چیز کی خاص وجہ کیا ہے اور سیر فی اللہ کس معنی میں ہے، تجلی ذاتی برقی کسے کہتے ہیں اور محمدی المشرب کون ہوتا ہے، اس طرح کے دیگر علوم اور ہر مقام کے لوازم وضروریات پر اطلاع بخشی گئی ہے شاید ہی کوئی ایسی چیز باقی رہی ہو جسکا اولیا اللہ نے نشان بتایا ہو جو انہیں راہ میں پیش آئی ہو اور اس ناچیز کو دکھائی نہ گئی

ہو، ﴿مکتوبات،۱۲:۱﴾اور فرماتے ہیں، عجب بات ہے کہ اب فقیر کو حق الیقین سے مشرف کر دیا گیا ہے، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے پردہ اور حجاب نہیں رہے ہیں، یہ ناچیز عین حیرت اور بے نشانی میں علم وشعور سے متصف ہے اور عین غیب حضور کا حکم رکھتی ہے، ﴿مکتوبات،۱۸:۱﴾آپ نے صرف تصوف کے میدان میں فلسفے اور مشاہدے کا ذکر ہی نہیں بیان کیا بلکہ شریعت وطریقت کے مطابق عمل کے بھی اعلی نمونے پیش کیے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ تمام خصائل تصوف بدرجہ اتم موجود تھے اس لیے آپ کو الف ثانی کا بہترین صوفی باصفا کہا جاتا ہے، لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر ہارڈی نے بھی اپنے مقالے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے جاندار متصوفانہ نظریات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے، شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو خود تصوف کے ذریعے متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشا و مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا، ﴿سورسز آف انڈین ٹریڈیشن،۴۴۹﴾حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا تصوف وعرفان پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس آئینے سے ہندی رسومات اور عجمی اثرات کا گرد وغبار دور کر دیا اور اسے صحیح اسلامی اور تشریعی رنگ میں رنگ دیا، آپ نے علمی اور عملی طور پر بتا دیا کہ تصوف وطریقت کا اصل مقصد ہی شریعت مصطفیٰ کی خدمت ہے، اقبال بھی آپ کے اس انداز سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں ؎

از شریعت احسن التقویم شو   وارث ایمان ابراہیم شو
صوفی پشمینہ پوش و حال مست   از شراب نغمہ قوال مست
فقر قرآں احتساب ہست و بود   نے شراب و مستی ورقص وسرود
فقر قرآں گرمی بدر و حنین   فقر قرآں بانگ تکبیر حسین
مصطفیٰ داد از رضائے او خبر   نیست در احکام دیں چیزے دگر
حکم سلطاں گیر داز حکمش منال   راز میداں نیست روز قیل و قال

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن با عماق حیات

……﴿غوث الانام رضی اللہ عنہ﴾……

غوث الانام کا مطلب ہے مخلوق خدا کا باذن اللہ فریا درس، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ امر و اشارہ کے مطابق لاہور کے مبارک شہر کی طرف متوجہ ہوئے، وہاں سے بڑوں چھوٹوں نے آپ کی محترم تشریف آوری کو غنیمت شمار کیا اور خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ ان ''غوث الانام'' کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوئے اور صحبت گرم ہوئی اور حلقہ و شغل و مراقبہ نے وسعت اختیار کی، عالم و عامل مولانا جمال الدین تلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے پاپوش سیدھے کیے تو ان کے شاگردوں نے کہا ہم آپ کو ان سے کم نہیں سمجھتے تو انہوں نے فرمایا، یہ لوگ علما باللہ ہیں اور ''لی مع اللہ وقت'' کے راز کے راز دار ہیں، ہم پر ان کا احترام لازم ہے، انہی مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل آپ علم احکام اور علم اسرار کے جامع ہیں اور حال و عرفان سے سرشار ہیں، ﴿زبدة المقامات، ۲۳۸﴾ آپ غوث الانام ہیں اس لیے آپ کے غلامان در نے جب بھی آپ کو آواز دی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے ضرور پہنچے اور اپنے روحانی تصرفات سے مشکل آسان فرمائی، صرف ایک کرامت دیکھئے، آپ کے مرید باصفا حضرت سید رحمت اللہ کا بیان ہے کہ وہ دو تین درویشوں کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں ایک بتخانہ نظر آیا، یہ لوگ اس بتخانہ کو برباد کرنے پر تل گئے، اصنام کو مسمار کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کا ایک جم غفیر لاٹھیوں اور ہتھیاروں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو گیا ہے، انہوں نے شہید ہونے کی ٹھان لی، اس حال میں حضرت سید رحمت اللہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی، حضور! ہم نے آپ کی نصیحت کے مطابق ہی عمل کیا تھا، اب ہمیں کافروں سے چھڑائیے، اس فریاد کے دوران ہی انہوں نے غوث الانام کی آواز سنی، اطمینان رکھو! تمہاری حفاظت کے لیے ابھی اسلام کا لشکر بھیج رہا ہوں، پھر اچانک تیس چالیس سوار ٹیلے کی اوٹ سے نکلے اور انہوں نے تمام کوفروں کا تازیانے لگا کر بھگا دیا اور یہ لوگ ان کے پنجہ استبداد سے محفوظ ہو گئے، ﴿ملخصا تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ۲۱۷﴾ ایسی بہت سی کرامات اور تصرفات کتابوں میں مرقوم ہیں جو آپ کے غوث الانام ہونے کی گواہی دیتے ہیں، راقم عاجز نے عرض کیا ہے ؎

غوثِ اغواثِ زمانہ پیر پیراں الغیاث
یا مجدد الف ثانی شاہِ شاہاں الغیاث
مزرعِ دیں کو تیری رحمت کی پھر حاجت ہوئی
لطف یزداں المدد ، ابر فراواں الغیاث

......﴿اکمل الافاضل رضی اللہ عنہ﴾......

اس اسم گرامی سے آپ کا سن وصال بھی اخذ ہوتا ہے، اس کا مطلب ہے فاضل انسانوں میں کامل ترین انسان، یہ حقیقت ہے کہ ہزارۂ دوم کے جملہ علما اور فضلا نے آپ کی ذات ستودہ صفات کو مرجع تصور کیا ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اواعلم اہل عصر ودر علم علم لوح اسرارولامع ملک کرم
او مہر کمال و سرور عالم حلم گردرہ او سرمہ دہ اہل کرم

اس بغیر نقطے والی رباعی کے ہر مصرع سے بھی سال وصال برآمد ہوتا ہے اور ہر مصرع کے تیسرے حرف کو ملانے سے 'احمد' آپ کا نام مبارک بن جاتا ہے، اس رباعی میں انہوں نے آپ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک بار حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، میں نے پوچھا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے، فرمایا، میری امت میں ان کی مثل اور کون ہے، پھر میں نے مکتوبات کی ایک عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی ''سبحانہ' تعالیٰ وراء الوراثم وراء الور اء'' آپ نے بہت پسند کیا اور محظوظ ہوتے رہے اور بہت زیادہ تعریف فرمائی، یہ مبارک صحبت دیر تک رہی ﴿مقامات مظہری فصل ۱۴﴾ حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اکمل الافاضل امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں، آپ جیسے قطب اوتاد کے رشد و ہدایت کا قریہ بقریہ اور شہر بشہر جاری وساری ہونا اور آپ کی ہدایت کا تمام دنیا والوں تک پہنچ جانا اور آپ کے تقویٰ اور فلاح کا سارے لوگوں کا محیط ہو جانا اور ان دقائق وحقائق کا ظہور کرنا جو اولیا سابقین کے قلم ان کی مماثل تحریروں سے قاصر رہے اور بہت گہرے اسرار کا اظہار فرمانا کہ متقدمین کی زبانیں ان کی صراحت سے عاجز رہیں اور خواص وعوام میں آپ کا مقبول ہونا اور اولیا کرام کا

آپ پر گرویدہ ہونا، پھر ارباب ارادت میں آپ کے تصرفات کا عام ہونا عظیم خوارق میں سے ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۷۶﴾ آپ کے مکتوبات گرامی کے مکتوب الیھم کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دور ظاہر کے سر برآوردہ افراد نے ضرور آپ کی طرف رجوع کیا ہے اور علم ظاہر اور علم باطن میں آپ سے راہنمائی حاصل کی ہے ان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت علامہ نور الحق دہلوی، حضرت علامہ محمد طاہر بندگی، حضرت خواجہ میر نعمان بدخشی، حضرت شیخ نور محمد پٹنی، حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہم جیسے افاضل روزگار آپ کے علم الاحکام اور علم الاسرار کا اعتراف کرتے تھے۔

......﴿مقبول رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا درجات مقبول بارگاہ خدا ہے اور محبوب بارگاہ مصطفیٰ ہے، حضرت خواجہ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو بکر! میرے فرزند میر نعمان کو بتادو کہ جو شخص شیخ احمد کا مقبول ہے وہ میرا مقبول ہے اور جو شخص میرا مقبول ہے اور میرے خدا تعالیٰ کا مقبول ہے اور جو شخص شیخ احمد کا مردود ہے وہ میرا اور میرے خدا تعالیٰ کا مردود ہے، میں نے یہ بشارت سنی تو بے حد خوش ہوا، الحمد للہ میں حضرت مجدد کا مقبول ہوں اس لیے میں حق تعالیٰ کا بھی مقبول ہوں گا، ﴿حضرات القدس، ۲:۳۲۸﴾ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ مبداء و معاد شریف لکھا تو دیکھا کہ اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از حد محبت فرمارہے ہیں اور اولیا کرام سے فرمارہے ہیں کہ ایسے عقائد ہونے چاہئیں، آپ کی شادی بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مبارک سے سرانجام پائی، آپ کے مکتوبات کو بھی مقبولیت کی سند نصیب ہوئی، حضرت خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے واقعے میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ منبر پر تشریف فرماہیں اور آپ کی مدح وستائش میں خطبہ دے رہے ہیں اور آپ کے فقرات فصیحہ اور کلمات ملیحہ کی تعریف فرما رہے ہیں اور ان پر فخر و مباہات کا اظہار فرمارہے ہیں کہ میں اس بات پر نازاں ہوں کہ میری امت میں شیخ احمد جیسے بزرگ نے ظہور کیا اور میرے دین متین کا مجدد ہوا ہے، ﴿ایضاً، ۵۲﴾ اس طرح ایک مخلص بارگاہ حافظ قرآن نے بیان کیا کہ ایک بار حضرت مجدد

الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ماہ رمضان کے آخری عشرے میں بیمار تھے، ان دنوں میں نے ایک واقعے میں دیکھا کہ لوگ فوج درفوج دوڑے آرہے ہیں، میں نے پوچھا تو جواب ملا کہ قطب اقطاب زمانہ شیخ احمد فاروقی بیمار ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ عیادت کے لیے تشریف لائے ہیں، میں نے بھی آگے بڑھ کر ان کی زیارت کی زانوئے مبارک پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دیا، مجھ میں گریہ شوق پیدا ہوا، انہوں نے فرمایا، جب تم یاد کرو گے میں آجاؤں گا، اسی اثنا میں میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دیکھا کہ میرے آنسو چشمے کی طرح جاری ہیں، ﴿ایضاً،۵۳﴾ اس قسم کے بے شمار واقعات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت اور محبوبیت کی گواہی دیتے ہیں، ویسے بھی عالم اسلام کے متعدد ممالک میں آپ کے سلسلہ عالیہ کے دریا جاری ہیں، آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہزاروں مشائخ کے لاکھوں کروڑوں متوسلین جگہ جگہ آپ کی مقبولیت اور محبوبیت کے روشن نشان ہیں، راقم عاجز نے عرض کیا ہے ؎

ہے عیاں سب پہ ان کی جلالت نائب تاجدار رسالت
آپ ہر گھر میں نزہت فزا ہیں آپ ہر جاں میں نور آفریں ہیں
مظہر حسن حسنین ہیں یہ ، وارث شاہ کونین ہیں یہ
ان کا فیضاں فلک در فلک ہے ان کے جلوے زمیں در زمیں ہیں

......﴿محفوظ رضی اللہ عنہ﴾......

عصمت انبیا کے لیے جبکہ حفاظت اولیا کے لیے ہوتی ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار اور افکار حفاظت الٰہی کے دائرے میں متمکن رہے، آپ خود ارقام فرماتے ہیں، یہ معارف جو تحریر میں آگئے ہیں، رحمت خداوندی سے امید ہے کہ سب الہامات رحمانی ہیں، ان میں شیطانی وسوے کے شائبے کی بھی مطلق مجال نہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ فقیر نے جب ان علوم کی تحریر کا ارادہ کیا تو میں نے بارگاہ خداوندی میں التجا پیش کی، دیکھا کہ ملائکہ اس مقام سے شیطان کو دفع کر رہے ہیں، چونکہ نعمتوں کا اظہار کرنا بھی بہت عظیم خوبیوں میں سے ہے، اس لیے میں نے اس نعمت کے اظہار کی جرات کی، اللہ پاک سے امید کرتا ہوں کہ یہ چیز عجب وغرور سے دور رہے، اللہ پاک کی عنایت سے اپنی برائی اور

خامی ہر وقت پیش نظر ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۵۵﴾ یہاں اظہار نعمت بھی ہے اور اظہار مسکنت بھی، یہ دونوں اوصاف بندہ مومن کی میراث ہیں، بہر حال اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ آپ ''الا عبادک منھم المخلصین'' کے زمرے میں داخل ہیں اور شیطانی وسوسوں کی دخل اندازی سے محفوظ ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خناس اور وسواس کو اپنے کرم محض سے آپ کے سینہ بے کینہ سے باہر نکال دیا ہے جیسا کہ خود فرماتے تھے کہ میں نماز چاشت میں مشغول تھا تو دیکھا کہ ایک عظیم بلا اچانک میرے سینے سے باہر نکل گئی، بعد ازاں دکھائی دیا کہ اس کے آشیانے کو بھی سینے سے دور کر دیا گیا ہے اور اس کے اطراف کی تاریکیوں کا بھی کوئی اثر نہیں رہا اور ایک عجیب قسم کا شرح صدر نصیب ہوا، پھر بتایا گیا کہ یہ خناس تھا جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے، ﴿زبدۃ المقامات، ۲۵۹﴾

......﴿متصرف رضی اللہ عنہ﴾......

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی کائنات میں تصرف کی اجازت سے سرفراز فرمایا ہے کیونکہ خلافت الٰہی اور نیابت مصطفوی کے مقامات پر فائز ہستی اپنے اشارۂ ابرو سے انقلاب برپا کرسکتی ہے ؎

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

حضرت شیخ حسین اندجانی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعے میں دیکھا کہ بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا اور جہانگیر کی سلطنت میں فتور پیدا ہوگا، یہ بات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی، آپ نے فرمایا، ہاں ایسا ہی تھا مگر ہم نے اس فتنے کو ٹھنڈا کر دیا ہے، چند روز گزرے تو شہزادہ خسرو نے بغاوت کر دی اور ملک میں فتنہ برپا ہو گیا، بادشاہ نے اس کا پیچھا کیا اور شہزادے کو دریائے چناب کے کنارے گرفتار کر لیا، اس طرح آپ کے فرمانے کے مطابق وہ فتنہ فرو ہو گیا، ﴿حضرات القدس، ۲:۲۲۴﴾ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح قضائے مبرم ﴿جو صورۃ مبرم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً معلق ہوتی ہے ۱۲ منہ﴾ میں تصرف کی اجازت عطا فرمائی گئی ہے اور اسی تصرف سے آپ نے حضرت علامہ طاہر بندگی کی شقاوت کو سعادت میں بدل دیا تھا ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

آپ کا یہ تصرف وصال کے بعد بھی جاری ہے کہ کرامات اہل حدیث میں مولانا سلمان منصور پوری کا واقعہ درج ہے، آپ نے اپنے مزار اقدس سے دست مبارک باہر نکال کر مولانا سلمان منصور پوری کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا، بیٹھ جائیں، آپ سے ہمارا کوئی پردہ نہیں، ﴿ملخصا﴾ ایسی لاتعداد کرامات اور تصرفات آپ سے منقول ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرات نقشبندیہ کے عجائب تصرفات ہیں، ہمت باندھنا کسی مراد پر تو اس مدعا کا ہمت کے موافق ہونا اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا کہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں، ﴿شفاء العلیل ،۵۵﴾ جب تمام حضرات نقشبندیہ کے تصرفات کا یہ عالم ہے تو متقدمین کے محبوب اور متاخرین کے ممدوح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات کا کیا عالم ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ استقامت کی دولت نے آپ کو کرامت کا مرد میداں بھی بنا دیا ہے۔

......﴿مبارک رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت مبارک اور مقدس شخصیت کے حامل تھے، آپ نے الف ثانی کے دورانیے کو برکات وحسنات سے مزین فرما دیا، آپ کی کنیت ہی ابوالبرکات ہے، روایت ہے کہ آپ ایک قبرستان سے گزرے تو آواز آئی کہ آپ کی برکت سے ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک کے لیے عذاب کو دور کر دیا ہے، حضرت ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ کو حضرت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سات درجہ کے انوار وبرکات کے ساتھ مشرف فرمایا گیا، مولانا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ شدید بیمار ہو گئے، نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعا سے، انہوں نے آپ کی شہرت سن کر ایک عریضہ ارسال کیا جس میں دعائے صحت اور جامہ تبرک کی التماس کی گئی تھی، آپ نے ترس کھا کر اپنا پیراہن بھیجا

اور ساتھ ہی دعا بھی فرمائی، انشاء اللہ یہ ضعف صحت وعافیت میں بدل جائے گا، پیراہن بھیج دیا گیا ہے، آپ اسے پہن کر نتائج وثمرات کے منتظر رہیں کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۱٦٦﴾ چنانچہ مولانا محمد امین رحمۃ اللہ علیہ نے جب وہ پیراہن پہن لیا تو سالوں کی بیماری سے صحت پائی، بعدازاں حاضر خدمت ہوکر آپ کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوگئے، اجمیر شریف کی ایک مسجد کی دیوار کی بنیاد بیٹھ گئی جس سے دیوار بھی ایک طرف کو اس قدر جھک گئی کہ ہر دیکھنے والا خیال کرتا، آج نہیں تو کل گر جائے گی، ایک روز آپ نے خوش طبعی سے فرمایا، جب تک ﴿ہم﴾ فقرا یہاں ہیں ان کی خاطر سے نہ گرے گی، پھر جس روز آپ نے مسجد سے کوچ فرمایا تو وہ دیوار یکبارگی گر پڑی، اہل محبت نے آپ کے غسالے سے برکت حاصل کی، آپ کے لنگر کے متبرک لقموں سے کئی بیمار دلوں اور جسموں کا علاج ہوا، آپ کے دربار گھر بار کی جگہ بھی نہایت متبرک ہے کیونکہ وہاں بیت اللہ شریف کا ظہور ہوا اور اس سرزمین کو بیت اللہ شریف سے مکمل فنا اور بقا نصیب ہوئی، اس پر آپ کے تمام تذکرے گواہ ہیں، گویا آپ کی ذات والا صفات سراپا مبارک تھی، آپ کے مکتوبات کی برکات سے آج تک زمانہ مستفیض ہورہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

......﴿مبلغ دین رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی تبلیغ دین میں بسر ہوئی، آپ نے گوالیار کی قید کے دوران ہزاروں کفار ومشرکین کو عرفان اسلام کی دولت سے مالا مال کیا، تجدید کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی، شیخ احمد برکی، خواجہ یوسف برکی، شیخ حسن برکی، مولانا یار محمد قدیم طالقانی، مولانا صالح گولامی، شیخ عبدالحق شادمانی دور دراز سے چل کر آئے اور خلافت سے سرفراز ہوکر تبلیغ دین اور اشاعت سلسلہ میں مصروف ہوگئے، تجدید کے بارہویں سال جنوں کا بادشاہ اپنے لشکر کے ہمراہ حاضر خدمت ہوا اور دولت ارادت سے سرشار ہوا، آپ نے مولانا یار محمد قدیم طالقانی کی قیادت میں ستر متعلقین کو ملک ترکستان وقبچاق کی طرف روانہ کیا، مولانا فرخ حسین کی قیادت میں چالیس متوسلین کو شام و روم کی جانب بھیجا، مولانا محمد صادق کابلی کی قیادت میں دس مریدین کاشغر کی طرف بھیجے اور مولانا احمد برکی کی قیادت میں تین خلفا توران، بدخشان اور خراسان کی طرف رخصت

کیے، ان مبلغین شریعت و طریقت کی ہر جگہ بہت عزت ہوئی اور ان ممالک کے عوام و خواص، امرا، وزرا اور بادشاہ تک آپ کے ارادت مند ہو گئے، خراسان، باخشان اور توران کا کوئی ایسا قصبہ نہیں تھا جہاں آپ کا کوئی خلیفہ موجود نہیں تھا، مکتوبات کی نقول جگہ جگہ تقسیم کی گئیں، ترجمے ہوئے اور اطراف و اکناف کے علما اور صوفیا نے داد تحسین پیش کی، بلخ کے اکابر حضرت سید میرک شاہ، حضرت میر محمد کبروی، حضرت میر مومن بلخی، مولانا حسن ربانی اور مولانا نولک بلخی وغیرہم نے درخواستیں بھیج کر غائبانہ بیعت کی، ہندوستان میں آپ کے انفاس کریمہ کی برکت سے ارکان سلطنت بھی سرشار ہوئے، خان خاناں، اعظم خان، خان جہان لودھی، سکندر خان، سید صدر جہان، اسلام خان، مہابت خان سالار لشکر اور بالآخر خود بادشاہ جہانگیر آپ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو گئے، اسلام کو فروغ نصیب ہوا، عقائد اہل سنت کی حقانیت ہر خاص و عام پر روشن ہوئی، آپ کے بعد آپ کے نائب اعظم حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند ارشاد تو ایسی گرم ہوئی کہ دنیائے عرفان میں مثال نہیں ملتی، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات قدسیہ کا اثر تھا، آپ نے ایک مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا تھا، آپ کی مسند ارشاد خوب وسیع اور پر نور ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۴۴﴾

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

جب کانگڑہ کا مشہور قلعہ فتح ہوا تو جہانگیر نے آپ کو اپنے ہمراہ رکھا اور وعدہ کیا کہ اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے، آپ اس وعدے پر بادشاہ کے ہمراہ تشریف لے گئے، مولانا محمد امین بدخشی لکھتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے صبر و استقامت سے مصیبتیں اور بلائیں دین و دنیا کی ترقی کا سبب بن گئیں، دینی ترقیاں تو ظاہر ہیں کہ آپ اور آپ کی اولاد و خلفا سے لاکھوں انسان فیض پا چکے ہیں اور دینی و دنیوی فائدے حاصل کر چکے ہیں، ﴿مناقب آدمیہ، ۱۷۲﴾

...... ﴿مجاز شفاعت ﷺ﴾ ......

حدیث صلہ میں حضور اکرم ﷺ نے صلہ امت کا ایک وصف یہ بھی ارشاد فرمایا

ہے کہ اس کی شفاعت سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی مغفرت ہو گی، گویا صلہ امت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو شفاعت کا اجازت نامہ عطا کیا گیا، آپ اس کی تصدیق ایک مکتوب گرامی میں اس طرح فرماتے ہیں، خواب میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقیر کے لیے اجازت نامہ تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا، درعوض اجازت نامہ دنیا اجازت نامہ آخرت دادہ اندو در مقام شفاعت نصیب عناعت فرمودہ، ﴿مکتوبات، ۳:۱۰۶﴾ اس مضمون کا آخری حصہ آپ کے مجاز شفاعت ہونے کی دلیل ہے۔

......﴿سید المکاشفہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مکاشفات کا مطالعہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آپ ہی سید المکاشفہ ہیں، آپ کے کشف عمیق نے تصوف و طریقت کے تنگ کوچے کھلی شاہراہوں میں تبدیل کر دیئے، اس کی توثیق خود حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کشف ہائے مجدد الف ثانی کے رتبہ کی بلندی کو معلوم کرنا چاہیے جن کی بنیاد صحو پر ہے اور کبھی شرع کی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ زیادہ تر کی شرع مقدس موید ہے اور بعض جگہ شرع مقدس خاموش ہے تو ان کی مثال اولیا کرام میں ایسے ہے جیسے انبیا کرام میں کوئی اولوالعزم نبی، اور یہ تمام چیزیں اس شخص پر مخفی نہیں رہیں گی جو انصاف کی نظر سے ان کے کلام کو دیکھے گا، ﴿ارشاد الطالبین، ۲۶﴾ حضرت شیخ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ کی تصنیفات میں مطالب کی باریکی، عبارتوں کی مشکلات، تحقیق اسرار اور تدقیق رموز اس درجہ ہیں کہ ان سے آپ کی شان کی بلندی اور درجات کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی کرامت اور بزرگی کا پتا چلتا ہے، اس وجہ سے بڑے بڑے علما اور مشائخ آپ کے شیفتہ ہو گئے اور جو دقائق آپ نے متعلق بہ حضرات خمس، توحید وجودی و شہودی، مشاہدہ و مکاشفہ، ایمان و ایقان، غیب و عیان، اطوار سبعہ، الوان مختلفہ، تجلیات متکیفہ و غیر متکیفہ، جمع بین التشبیہ والتنزیہ، تنزیہ الصرفہ، خفایائے اطلاق، مجال تعینات، تجلی برقی و دوامی، معاملہ ورائے تجلی، سکر و صحو، علوم وراثت و غیر وراثت، ولایت کی اقسام، مقام نبوت و رسالت، صدیقیت و قربت، محبت اور خلت، درجات سبعہ متابعت، صباحت و ملاحت، اور ان کا جمع، سیر آفاقی و انفسی وغیرہ بیان فرمائے ہیں وہ

ہوشمندوں پر ظاہر و ہویدہ ہیں، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۵۰﴾ ان تمام مقامات کو آپ نے اپنی نگاہ کشف سے واشگاف کیا ہے اور کوئی کشف شریعت کے خلاف دکھائی نہیں دیتا ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے "کاشف پروردگار" کا نام استعمال کیا ہے، اسکا معنٰی ہے پروردگار کے رازوں کو آشکار کرنے والا، اس سے آپ کی تاریخ وصال بھی برآمد ہوتی ہے۔

......﴿متمکن رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں تلوین نہیں تمکین کا غلبہ تھا، حضرات القدس میں مرقوم ہے، بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب احباب آپ کی زبان گوہر فشاں سے معارف عالیہ سنتے تو آپ کی توجہ سے اسی وقت خود کو معرفت سے متصف پاتے اور اکثر آپ کی صحبت مبارک خواہ اپنے احباب کے ساتھ ہو یا دوسروں کے ساتھ خاموشی سے ہوتی تھی اور احباب کو رعب و خوف کی وجہ سے دم مارنے کی جرات نہ ہوتی اور آپ کی تمکین اس قدر تھی کہ واردات کے توارد و تکاثر مختلفہ کے باوجود آپ سے کوئی اثر تلوین کبھی ظاہر نہ ہوتا تھا، جوش و خروش اور نعرہ و فریاد آپ سے کبھی دیکھے نہ گئے مگر اتفاق سے اور بعض اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا اور آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور کبھی حقائق بیان کرتے وقت رخساروں کا رنگ متغیر دیکھا گیا ہے، یہ شان تمکین آج بھی آپ کے دربار گوہر بار میں نہایت قابل دید ہے، وہاں کوئی ہاؤ ہو نہیں، ایک سناٹا ہے، ایک خاموشی ہے، ایک ہیبت کا عالم ہے، سارا ماحول حضرت مدینہ شریف کے مبارک ماحول کا مظہر ہے، گویا آپ تمکین و عزیمت کے اعلیٰ مقام پر متمکن ہیں۔

......﴿متوکل علی اللہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تن تنہا وقت کی بے رحم قوتوں کا مقابلہ کیا اور دنیا جہان کے مصائب و آلام برداشت کیے لیکن ایک لمحے کے لیے بھی توکل کا دامن نہیں چھوڑا، آپ نے قید گوالیار کے دوران اپنے صاحبزادوں کو ایک مکتوب گرامی میں لکھا، تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فعل و مشیت پر راضی رہیں، جہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کو اپنا وطن سمجھیں، یہ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرنی چاہیے، ﴿مکتوبات، ۳:۲﴾ اسی مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں، ملاقات ہوگی یا نہیں، نصیحت یہی

ہے کہ کوئی آرزو اور طلب باقی نہ رہے، اپنی والدہ سے یہی کہیں اور یہ سمجھا دیں کہ دنیا کے احوال آنی جانی ہیں اس لیے ان کو کیا بیان کیا جائے، بچوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں.......... حویلی، سرائے، کنوئیں، باغ کتب خانہ اور دوسری چیزوں کا غم بہت سہل ہے، اس وقت تو کوئی چیز تمہارے مزاحم نہ ہونی چاہیے اور سوائے مرضیات حق کے تمہاری کوئی اپنی مرضی بھی نہ ہونی چاہیے، اگر ہم مرجاتے تو یہ سب چیزیں جاتیں، یہ ہماری زندگی ہی میں چلی گئیں، کچھ فکر نہ کریں، بادشاہ وقت کی طرف سے یہ ظلم وتشدد کی انتہا تھی کہ آپ کی آل اولاد کو ہر چیز سے بے دخل کر دیا گیا تھا مگر آپ کے توکل اور تبتل میں کوئی فرق نہ آیا، اسی کا نام قربانی ہے، اسی کا نام توکل ہے، کہ بندہ مومن ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسا کرتا ہے ؎

پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کر ناصرؔ
غم کے سہنے میں بھی قدرت نے مزا رکھا ہے

......﴿راضی رضی اللہ عنہ﴾......

یہ فطرت کا دستور ہے کہ کوئی جتنا بلند ہوگا اس کا امتحان بھی اتنا ہی شدید ہوگا، محبت کی ہزاروں منزلیں ایسی ہیں جو صرف مصائب وآلام کو برداشت کرنے اور تقدیر الٰہی کے ہروار پر مسکرانے میں پوشیدہ ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب قلعہ گوالیار میں پابند تھے اس دوران حضرت خواجہ میر نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا، ایک روز میں تلاوت کررہا تھا کہ آیت آئی، قل ان کان اباء کم.......... اے نبی فرمادے اگر تم اپنے باپوں سے اور اپنے بیٹوں سے اور اپنے بھائیوں سے اور اپنی بیویوں سے اور اپنے رشتہ داروں سے اور اپنے اموال تجارت سے اور اپنے محبوب گھروں سے اللہ، اس کے رسول اور فی سبیل اللہ جہاد کی نسبت زیادہ محبت کرتے ہو انتظار کرو اللہ تم پر اپنا عذاب نازل کردے، اور اللہ فاسقوں کو ہدایت عطا نہیں کرتا، پھر کیا ہوا، اس آیت کی تلاوت سے بہت زیادہ گریہ طاری ہو گیا، ﴿مکتوبات، ۳:۱۸﴾ سورۃ التوبہ کی اس ساری آیت مقدسہ پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب عمل کر کے دکھایا اور اللہ تعالیٰ، اسکے رسول اور افضل ترین جہاد اعلائے کلمۃ الحق کی محبت پر دنیا کی ہر محبوب چیز قربان کردی اور محبوب حقیقی کی رضا میں راضی رہے ؎

فقر ،ذوق وشوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ ست
قلب او را قوت از جذب و سلوک
پیش سلطاں نعرۂ او ''لا ملوک''

آپ نے اکبر و جہانگیر جیسے مغرور حکمرانوں کے سامنے ''لاملوک'' کا نعرہ بلند کیا اور اس کی پاداش میں ملنے والے زخموں پر تسلیم و رضا کے پھاہے رکھے ،آپ اللہ تعالیٰ کی رضا میں کسقدر خوش تھے ،ان کلمات سے اندازہ لگائیں ،اگر آقا و مولا اپنے غلام کے گلے پر چھری پھرنے تو غلام کو شاداں و خنداں ہونا چاہیے اور آقا کے اس فعل کو اپنی مرضی بنالینا چاہیے بلکہ اس فعل سے لطف اٹھانا چاہیے اور اگر عیاذ باللہ اس کو اس فعل سے کراہت آئے اور دل تنگ ہو تو دائرہ غلامی سے باہر ہے، ﴿مکتوبات، ۳:۸۸﴾ سبحان اللہ کیا خود سپردگی ہے اور خود باختگی ہے، اس کو کہتے ہیں عشق صادق

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں، وحشت ناک خبروں سے نہ گھبرائیں اور نہ دل تنگ ہوں کیونکہ جو اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے وہ بھی جمیل و زیبا ہے، اگر دنیا میں ملاقات ہوگئی تو فبہا ورنہ معاملہ آخرت قریب ہے اور یہ خوشخبری کہ انسان اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس کے ساتھ اس کا پیار ہوگا، مہجور کے لیے باعث سکون و اطمینان ہے، ﴿مکتوبات، ۳:۳۷﴾ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں، دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت پر چھوڑتے ہیں وہ جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے، اس مضمون کے اور بھی مکتوبات آپ نے اپنے عزیزوں اور حلقہ بگوشوں کو رقم فرمائے جن سے اس دور کے حالات کی سنگینی کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور دین خدا اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی خاطر آپ کی بلند ہمتی، جفاکشی اور ہر تکلیف میں حق کی رضا طلبی کا نمونہ بھی دکھائی دیتا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان مجھ پر بلا نازل ہوگی اور اس سے میری تربیت جلالی کی جائے گی ،وہ مقامات و کمالات جو بے مثال اور لامحدود ہیں بغیر اس محنت اور مشقت

کے میسر نہیں ہوں گے، ﴿خزینۃ الاصفیا، مناقب آدمیہ،۱۷۲﴾ ان حقائق کو سامنے رکھ کر آپ کے لیے اسم راضی نہایت موزوں دکھائی دیتا ہے، یعنی وہ ذات جو محبوب حقیقی کے ہر فعل سے شادکام اور لطف اندوز ہے، ہاں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محبوب حقیقی اس سے راضی نہ ہو، کی گواہی ایسے ہی بلند ہمت اور رضا یافت لوگوں کے لیے وارد ہے۔

......﴿حافظ قرآن رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن حکیم سے بہت ہی زیادہ محبت تھی، آپ نے قید گوالیار میں پابند سلاسل رہ کر بھی حفظ قرآن کی دولت حاصل کی، یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کیونکہ آرام دہ ماحول میں خوبصورت قالینوں پر بیٹھ کر قرآن پاک حفظ کرنا اور ہے اور دیار غیر میں ظالم حکمران کا قیدی بن کر حفظ کرنا اور ہے، آپ کی یہی ادا تھی جسکو دیکھ کر ہزاروں لوگ محمدی رنگ میں رنگ گئے۔

یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانہ دل

......﴿نگہبان رضی اللہ عنہ﴾......

جب غریبوں کی کمائی لٹنے لگی، جب اسلام کا دامن تار تار کیا جانے لگا، جب توحید کے نازک آبگینے توڑے جانے لگے، جب تہذیب وتمدن کی بلند دیواریں گرائی جانے لگیں، جب ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، جب بزرگان دین کی نیک سیرتوں پر حملے ہونے لگے، جب امام غزالی جیسے نابغہ روزگار کو دنیا پرست علما پر قیاس کیا جانے لگا، جب مسجد ومندر کے امتیازات ختم کیے جانے لگے، جب کلمہ محمدی کی جگہ کلمہ اکبری پڑھا جانے لگا، جب شعائر اسلامی کو نیست و نابود کیا جانے لگا، جب درسگاہیں برباد کی جانے لگیں، جب سر بازار علمائے ملت کی پگڑیاں اچھلنے لگیں، جب ''دین الٰہی'' کے گھمبیر سائے پھیلنے لگے، جب روافض کی تیز زبانیں اصحاب رسول کے خلاف زہر اگلنے لگیں، جب تصوف کے نام پر ہندی رسومات کو فروغ دیا جانے لگا، کون تھا جس نے دولت اسلام کے تشخص کے لیے نعرہ مستانہ بلند کیا، ہر باطل اور باطل پرست کو للکارا، ہر فریب ہستی کی قلعی کھولی، ہر گل چین کے ہاتھ توڑے، خون جگر سے ایمان کے گل ولالہ کی آبیاری کی

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبر دار

......﴿مخدوم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علما اور صوفیا کے مخدوم تھے اور آج بھی ان کو مشائخ کا مخدوم تصور کیا جاتا ہے، آپ کا ایک مشہور مکاشفہ ہے کہ جب آپ نے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا صدیوں پرانا خرقہ زیب تن فرمایا تو قادری سلسلے کے بزرگ تشریف لائے، انہوں نے آپ کو اپنی خاص نسبتوں کے انوار و اسرار میں مستغرق کر دیا، اس دوران سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کی بھی جلوہ گری ہوئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو ہماری تربیت سے کمال واکمال تک پہنچے ہیں، اکابر قادریہ نے کہا ان کے بچپن ہی سے ان پر ہماری نظر ہے اور انہوں نے ہمارے خوان نعمت سے چاشنی حاصل کی ہے اور ہمارا خرقہ بھی پہنا ہے، اسی دوران کبرویہ اور چشتیہ خاندان کے مشائخ بھی رونق افروز ہو گئے اور ایسا اجتماع ہوا کہ شہر کے جنگل و بیابان ان کے وجود سے بھر گئے، پھر دن کے آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ یہ طریقہ نقشبندیہ میں ہی رشد و ہدایت فرمائیں گے تاہم طریقہ قادریہ میں بھی ہدایت اور تکمیل فرمائیں گے، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۰۴﴾ آپ حضرت شاہ ابو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے مکاشفے کے دوران ارشاد فرمایا، آپ جیسا بزرگ ہمارا مہمان ہوا ہے، اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی ولایت آپ کو پیش کر دوں، پس آج سے اس ملک کے صاحب ولایت آپ ہیں اور یہ ملک آپ کے تصرف میں رہے گا، ﴿ایضاً، ۲:۱۰۵﴾ ایسے بہت سے واقعات اور مکاشفات آپ کے مخدوم طریقت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

......﴿مخلص رضی اللہ عنہ﴾......

آپ نے تصوف وعرفان کے تین درجے بیان کیے ہیں، علم، عمل اور اخلاص، آپ ان تینوں درجات پر بدرجہ اتم فائز تھے، علم شریعت میں کمال کا رسوخ تھا، عمل سنت میں کمال کے کار بند تھے اور علم و عمل میں کمال کا اخلاص تھا، آپ ارشاد فرماتے ہیں، چند روز تک مجھے اپنے احوال کے قصور کی دید اس قدر غالب ہوئی کہ میں سورۃ الفاتحہ کا لفظ ''ایاک'' پڑھتا تھا

تو حیران ہو جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہیے، اگر میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو ''لم تقولون مالا تفعلون '' کا مصداق ہو جاتا ہوں اور اگر نہ پڑھوں تو واجب کا ترک ہو جاتا ہے، پھر آواز آئی کہ ہم نے تمہاری عبادت سے شرک دور کر دیا ہے اور پھر ''الا للہ الدین الخالص '' کا مطلب ظاہر ہو گیا یعنی جان لو خدا ہی کے لیے دین خالص ہے، ﴿ایضا، ۲:۱۰۹﴾ اسی کا نام اخلاص ہے یعنی بندے کی زبان اور دل، قول اور عمل، ظاہر اور باطن کا ایک ہو جانا ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

......﴿فاروقی رضی اللہ عنہ﴾......

حضور پیغمبر نور، سرور دہور و شہور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما، آپ کی دعا کو فوراً شرف قبول حاصل ہوا تو عمر بن خطاب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے صحن کعبہ میں کلمہ حق کی آواز بلند ہونے لگی اور آپ نے اپنی اس مراد عظیم کو ''فاروق'' کا لقب عطا فرمایا، فاروق کا معنی ہے حق اور باطل میں سر عام فرق کرنے والا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی دعا کو صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کی اولاد میں بھی اس کی تاثیر جاری فرما دی، چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ فاروقی شہزادوں نے ہر مشکل وقت میں حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا آبائی فریضہ اچھے طریقے سے سر انجام دیا، حضرت امام رفیع الدین فاروقی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر فاروقی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقی، حضرت امام محمد معصوم سرہندی فاروقی، حضرت امام فضل الحق خیر آبادی فاروقی، حضرت خواجہ احمد سعید فاروقی، حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی فاروقی رحمۃ اللہ علیہم جیسے عظیم انسانوں نے ہر میدان میں اس فریضے کی لاج رکھی اور غیرت فاروقی کا مظاہرہ کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کافروں اور باطل قوتوں کے خلاف جو جہاد کیا وہ تاریخ اسلام کا روشن باب ہے، اس دور میں اسلامی اور ہندی اقدار آپس میں مل رہی تھیں، آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو اپنا تشخص بچانے کا احساس دلایا، یہی وہ فکری اور فاروقی انقلاب تھا جس کے علمبردار حضرت

اقبال، حضرت قائد، حضرت امیر ملت، حضرت لاثانی، حضرت گولڑوی، حضرت صدر الافاضل، حضرت ابو الحسنات، حضرت ابو البرکات، حضرت کوٹلوی اور ان کے لاکھوں کروڑوں متوسلین ایک الگ اسلامی سلطنت قائم کرنے کے لیے میدان عمل میں کود پڑے اور دنیا اسلام کی واحد سپر پاور پاکستان کی صورت میں حاصل کر کے دم لیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر فاروقی کے وارثوں کا کارنامہ ہے، اس الف ثانی کے دورانیے میں اسی فکر فاروقی کا راج قائم رہے گا اور حق ہمیشہ باطل کی آمیزش سے محفوظ رہے گا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ متعدد مقامات پر اپنی ''رگ فاروقی'' کی حمیت و غیرت کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں جو ہر باطل کو للکارنے کے لیے پھڑکتی رہتی تھی، اللہ اللہ کیسا سماں ہو گا، باطل اپنے قدموں پر جھکانے کے لیے پورا زور لگا رہا تھا اور فاروق اعظم کا نور نظر فاروقی سینہ تان کر کھڑا تھا ؎

ابھی زندہ ہیں پروانے شبستان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
ہوا سے چھین لیں گے حوصلہ شمعیں بجھانے کا

پھر زمانے نے دیکھا کہ جہانگیر کے جاہ و حشم کے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے اور فاروقی جانباز قیامت تک کے احرار کے لیے مینار استقرار بن کر کھڑا ہے، سچ فرمایا ہے حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

...... ﴿سرہندی رضی اللہ عنہ﴾ ......

آپ کے بلدہ سرہند شریف کی وجہ سے آپ کو شیخ سرہندی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اس شہر مکرم کی شان بھی عجیب ہے، آپ کے پانچویں جد امام رفیع الدین فاروقی حضرت شیخ جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے، وہ اپنے مرشد کریم کے ہمراہ ہندوستان آئے تو موضوع سرائس کے حضرات نے کہا کہ آپ فیروز شاہ تغلق سے کہیں کہ سامانہ اور سرائس کے درمیان راستہ پر خطر ہے، وہ یہاں ایک شہر آباد کر دے، ان بزرگوں نے فیروز شاہ تغلق سے اہل علاقہ کا مدعا بیان کر دیا تو اس نے امام رفیع الدین فاروقی کے برادر اکبر خواجہ فتح اللہ فاروقی کو شہر آباد کرنے کا حکم دے دیا، خواجہ موصوف دو ہزار سوار لے

کر وہاں پہنچے اور قلعے کی تعمیر شروع کر دی، لیکن یہ عجیب حادثہ پیش آیا کہ ایک دن میں جتنا قلعہ تعمیر کیا جاتا دوسرے دن وہ سب منہدم ہو جاتا، حضرت جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام رفیع الدین فاروقی کو بھیجا کہ وہ خود جا کر قلعہ کی بنیاد رکھیں اور شہر میں آباد ہوں، چنانچہ انہوں نے قلعہ تعمیر فرمایا اور یہیں متوطن ہو گئے، اس شہر کو سرہند کہا جاتا تھا جس کے معنی ہیں کچھار، امتداد زمانہ کی وجہ سے سہرند، سرہند ہو گیا، ﴿ملخصاً زبدۃ المقامات ۹۸﴾ آپ کی برکات وحسنات کی وجہ سے یہ شہر مکرم خواص وعوام کا مرجع ہو گیا ہے، آپ خود فرماتے ہیں، اے بھائی اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا ایسا اجتماع جو آج کل سرہند میں ہوتا ہے اگر تم عالم میں پھرو گے تو اسکا سوواں حصہ بلکہ شمہ بھر بھی نہ پاؤ گے، ﴿مکتوبات، ۱:۲۲۶﴾ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، اس کے عشاق بارگاہ کا ہجوم صدیوں سے اس شمع عرفان پر پروانہ وار قربان ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، راقم عاجز نے عرض کیا ہے

لب گل پر تبسم زا ہے افسانہ مجدد کا
جہاں کا ہر ولی دیکھا ہے پروانہ مجدد کا
مجدد کیا ہے فیضان خدا کا استعارہ ہے
جہاں میں ناشر رحمت ہے کاشانہ مجدد کا
مجدد کی جبیں سے پھوٹتے ہیں نور کے جلوے
شب غم میں چھلکتا ہے وہ پیمانہ مجدد کا

...... ﴿نقشبندی رضی اللہ عنہ﴾ ......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تمام باطنی سلسلوں سے فیضیاب ہونے کے بعد نقشبند ثانی خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ایک نگاہ کرم سے نسبت نقشبندیہ سے سرفراز کر دیا، آپ اسی نسبت نقشبندیہ کی بدولت نقشبندی بھی کہلاتے ہیں، آپ نے اپنے مکتوبات میں جابجا اس نسبت مبارکہ کی شان رقم فرمائی ہے اور اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتساب کی وجہ سے تمام نسبتوں سے اعلیٰ قرار دیا ہے، ساری تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ہر دور کے سرکردہ لوگوں نے اس سلسلہ خواجگان کرام کی طرف رجوع کیا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف تمام صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رجوع کیا اور اس مظہر حبیب خدا تعالیٰ رضی اللہ عنہ سے باطنی فیوضات حاصل کیے، حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی اہل زمانہ کا قبلہ آرزو رہے، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت خواجہ داؤد طائی، حضرت خواجہ حبیب عجمی، حضرت خواجہ مالک بن دینار، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت خواجہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگ بھی ان سے مستفیض ہوئے، حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر صاحب عرفان نے از حد تعریف کی، حضرت جنید بغدادی، حضرت شفیق بلخی، حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگوں نے بھی ان کی عظمتوں کا اعتراف کیا، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نہایت مشہور ہے، ''بایزید درمیان ماچوں جبریل است درمیان ملائکہ'' ﴿سمات القدس،۴۱﴾ حضرت ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''ہژدہ ہزار عالم از بایزید پرمی بینم و بایزید درمیان نہ'' ﴿ایضاً﴾ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی زمانے کے تمام اہل عرفان مائل ہوئے، حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ قدیم مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں، اپنے زمانے میں تمام اولیا کرام کی نگاہوں میں ممتاز تھے، ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ جب خرقان آئے تو ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے دبدبہ سے ان کی فصاحت و بلاغت ختم ہوگئی اور یہ محسوس ہوا کہ کسی نے ان کی ولایت چھین لی ہے، ﴿کشف المحجوب،۲۴۴﴾ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں نے فیض حاصل کیا ہے، حضرت داتا صاحب نے ان کے لیے ''لسان الوقت'' اور ''ابو الفضل'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، ﴿ایضاً،۲۵۰﴾ حضرت ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کو ابوحنیفہ ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ جیسے غوث الانام سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی فیض حاصل کیا اور انہوں نے آپ کو اس بشارت سے نوازا کہ تمہارا قدم تمام اولیا کی گردنوں پر ہوگا، حضرت شیخ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زمانے کے اولیا اور علما نے رجوع کیا اور ان کی بزرگی اور برتری کو تسلیم کیا، حضرت عزیزان علی، حضرت بابا سماسی، حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگ بھی مرجع خلائق رہے، جب حضرت بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی باری آئی تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کائنات آپ کے آستانے پر قربان ہوگئی ہے، تیمور جیسے فاتح عالم

آپ کے درویشوں کی جاروب کشی میں نجات تصور کرتے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ؎

ابو الوقت دو عالم قطب الارشاد
بہاؤ الدین کہ دین شد ازوی آباد
زسنت در جنید افگندہ آشوب
بہ جذبہ بایزیدش آستاں روب

آپ کے متعلق حضرت خواجہ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے چارسو سال پیشتر خبر دی تھی کہ بعداز چہارصد سال مجذوب در بخارا تولد کند کہ چہار دانگ ولایت راازونصیبے باشد، حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اور فرمایا، آں مجذوب مائیم، وہ مجذوب ہم ہی ہیں جن کی ولایت کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلے گا، ﴿نسمات القدس،۴۵﴾

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند
نوبت ثانی بہ بخارا زدند

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار اور حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لسان العصر بھی آپ کے مدحت سرا تھے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ بھی عوام و خواص عالم کے مرجع و ملجا تھے، زمانے کے بادشاہوں نے آپ کی غلامی قبول کی، صوفیا جاروب کشی کرتے رہے اور مولانا جامی جیسے علما نے قلادہ ارادت اپنے گلے میں ڈالا، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی مرکز اولیا تھے، پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عہد ہمایوں اس سلسلہ خواجگان کرام کی مزید ترقیوں کا باعث ہوا، ان کے بعد حضرت شاہ عبد الرحیم دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی دہلوی، حضرت خواجہ احمد سعید مدنی، حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری، حضرت فقیر محمد چوراہی، حضرت سید امام علی مکان شریفی، حضرت خواجہ محمد خالد کردی شامی، حضرت خواجہ غلام محی الدین قصوری، حضرت امام ابن عابدین شامی، حضرت امام عبد الغنی نابلی رحمۃ اللہ علیہم جیسے مشائخ اپنے زمانہ کی نگاہوں کا مرکز بنے رہے اور ان کی بارگاہوں سے پھوٹنے والی نہروں نے

فیضان خواجگان کرام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا، یہ ایک الگ موضوع ہے، ایک الگ تحریک ہے۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی سلسلہ خواجگان کرام سے وابستگی اختیار کی اور اس نسبت عالیہ کو تمام نسبتوں پر غالب کر لیا، خود ارقام فرماتے ہیں، حضرات خواجگان رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ خدا تک پہنچانے والے سب راستوں سے زیادہ قریب ہے اور دوسروں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے، اس کا باعث یہ ہے کہ اس طریقہ میں سنت کو لازم پکڑتے ہیں اور بدعت سے بچتے ہیں اور حتی المقدور رخصت پر عمل جائز نہیں سمجھتے......تجلی ذاتی جو اوروں کے لیے برقی ہے ان کے لیے دائمی ہے، ﴿مکتوبات، ۳:۱۳۱﴾ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے افضل و اقرب ہے، ﴿ایضاً، ۱:۲۲۱﴾

نقشبند یہ عجب قافلہ سالار راند
کہ برندازرہ پنہاں بحرم قافلہ را

......﴿حنفی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے اور گلشن احناف میں بہار جاوداں بن کر نمودار ہوئے اس لیے آپ کو حنفی کہا جاتا ہے، آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے اور آپ کی فقہ کو تمام فقہا کرام کی فقہ سے زیادہ بہتر سمجھا ہے، فرماتے ہیں، فقہ میں صاحب خانہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں، باقی سب فقہا ان کے عیال ہیں، ﴿مکتوبات، ۲:۵۵﴾ آپ فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں صبح کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک قسم کی فنائے خاص ظاہر ہوئی اور میرے یقین کو لے اڑی......اس روز نماز عصر کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ اپنے تمام شاگردوں اور اپنے طریقے کے مجتہدوں اور بعض استادوں کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں، میں نے دیکھا کہ ان بزرگوں کا نور میرے دل میں داخل ہو گیا ہے اور میں نے ان کے نور سے تحقق اور بقا حاصل کی اور میں ان انوار کا مجسمہ بن گیا اور ہر ایک کے انوار میرے الگ الگ

اجزا بن گئے، پھر یہی حال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انوار کے ساتھ ہوا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے، حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گویا اس طرح آپ کو حنفی الشافعی کہا جا سکتا ہے، ﴿حضرات القدس ۲:۱۰۹﴾ پھر فرماتے ہیں، بغیر تکلف اور تعصب سے کہا جا سکتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت میری نظر کشفی میں ایک سمندر معلوم ہوتی ہے اور دوسرے مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں، ﴿ایضا، ۱۱۰﴾ آپ کے ان ارشادات سے ان لوگوں کو دعوت فکر بھی دی جا سکتی ہے جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں لیکن اپنے اکابر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی کرتے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ائمہ اربعہ کی تقلید کے بغیر اسلام کو سمجھنا بہت ہی مشکل ہے، آپ جیسے بلند پایہ لوگ تو مقلد کہلانے میں فخر محسوس کریں اور ان کے یہ نام لیوا تقلید کو گمراہی تصور کریں، یہ کیسا جوڑ ہے، یہ کیسی محبت ہے۔

......﴿ماتریدی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عقائد میں امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات پر اعتماد کرتے تھے، اس لیے آپ کو ماتریدی بھی کہا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ کو علم الکلام میں درجہ اجتہاد حاصل تھا، فرماتے ہیں، احوال سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ میں اس فقیر سے فرمایا کہ تم علم الکلام کے مجتہد ہو، اس وقت سے مسائل کلامیہ میں اس فقیر کی رائے خاص اور علم مخصوص ہے، اشاعرہ و ماتریدیہ کے اکثر اختلافی مسائل سے جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ابتدائی طور پر حقیقت اشاعرہ کی طرف نظر آتی ہے لیکن جب نور فراست اور نظر باریک سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی جانب ہے، علم الکلام کے اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کے موافق ہے، ﴿مبداء معاد، ۵۴﴾

......﴿قریشی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کے نامور فرد تھے اور ان کے خاندان بنو عدی کو قریش کی سفارت کا شرف حاصل تھا، اس مناسبت سے حضرت مجدد

الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ قریشی النسب ہیں، قریش کے بہت سے فضائل کتب حدیث میں مرقوم ہیں، ایک حدیث مبارک ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو قبیلوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، ﴿جامع ترمذی﴾

......﴿ کابلی رضی اللہ عنہ ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کرام میں چودھویں جد کریم حضرت سلطان شہاب الدین المعروف فرخ شاہ کابلی رحمۃ اللہ علیہ والی کابل تھے، آپ نے کئی بار ہندوستان پر لشکر کشی کی، کفار سے جہاد کیا، بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کا بول بالا کیا اور بارہا مال غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے، آخر میں ترک سلطنت کر کے فقر اختیار کیا اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے کوہستان کابل میں سکونت اختیار کی اور بندگان خدا کو اپنے روحانی فیوضات و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا، شیخ ضیا الحق رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خانقاہ اور مسجد تعمیر کروائی، آج کل یہ مقام درہ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے، ﴿عمدۃ المقامات، ۹۹﴾ سلطنت فقر کے اس کابلی تاجدار کی وجہ سے آپ کو کابلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

......﴿ معروف رضی اللہ عنہ ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عرفان کی وجہ سے عارف بھی ہیں اور معروف بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہرت دوام عطا فرمائی ہے، مولانا عبد الماجد دریا آبادی لکھتے ہیں، عہد نبوت سے تقریباً ہزار سال گزرنے کے بعد احمد سرہندی پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف سلسلہ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسل تصوف میں تجدید و اصلاح کا صور اس بلند آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیا اسلام کے در و دیوار سے آ رہی ہے، ﴿تصوف اسلام، ۷﴾

وہ اختر کر گئے ہیں گھر دلوں میں اہل ایماں کے
یوں باطن پر حکومت ہے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی

......﴿ حجۃ العرفا رضی اللہ عنہ ﴾......

حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے حجۃ العرفا کا لقب بھی

استعمال فرمایا ہے، جب حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عارف کامل نے آپ کے عرفان کو عرفائے حق کے لیے حجت بالغہ تسلیم کیا ہے تو کسی اور کے پروانہ تصدیق کی کیا حاجت ہے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، ہم نے تین چار سال میں پیری مریدی نہیں کی بلکہ ہم تو کھیل کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم واحسان ہے کہ ہماری دکان داری میں گھاٹا نہیں ہوا کیونکہ ہم کو ان جیسے بزرگ مل گئے، ﴿حضرات القدس، ۲:۴۱﴾ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام مریدین اور متوسلین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیئے اور خود گوشہ نشین ہو گئے، ایک مکتوب گرامی میں تو کمال درجے کی انکساری کا مظاہرہ فرماتے ہیں، میں اور کیا لکھوں، درویشوں کی بات آپ کی بارگاہ ولایت میں لکھنا بھی زیادہ بے ادبی ہے اور ظاہری حالات کا ذکر بھی بہت ہی نامناسب ہے، غرض کہ ہم کو خود بھی اپنی حد جاننی چاہیے، ﴿مکتوبات باقی مکتوب، ۸۵﴾ ایک مکتوب گرامی میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے رسالہ مکاشفات عینیہ کی از حد تعریف فرمائی ہے اور حضرت فاروق اعظم، حضرت عبید اللہ احرار کے مقامات، خانہ جبروت، مقام فنا فی اللہ کے متعلق سوالات پوچھے ہیں اور آپ کے عرفان کو برحق قرار دیا ہے، فرماتے ہیں آپ کے مکشوف کا طریقہ نہایت مناسب، صحیح درست اور مستحسن ہے، شیخ کریم کی برکت سے لاکھوں متلاشیان حق نے آپ کی ذات کو حجت بالغہ تسلیم کیا اور آپ کے طریقے سے واصل حق ہوئے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے معارف کتاب وسنت کے مطابق ہیں اور وہ مقامات کہ جہاں اعتراضات وارد ہوتے ہیں کے جواب آپ نے خود تحریر فرما دیئے ہیں جو اہل انصاف کے نزدیک کافی ہیں، ﴿مقامات مظہری، ۳۴۵﴾

......﴿شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے "شیخ الاسلام" کا نام بھی استعمال کیا ہے، جس کا مطلب ہے اسلام اور اہل اسلام کا بزرگ، نیز لکھتے ہیں، جب آپ کا شہرہ دنیا اور دنیا والوں پر ہوا اور آپ کی ہدایت کا چرچا تمام عالم میں شائع ہوا اور آپ کے کمالات کا ڈنکا ہفت اقلیم میں بجنے لگا تو آیت کریمہ "اذا جاء نصر الله والفتح" کے مصداق مختلف مقامات میں لوگوں نے آپ کا حلیہ مبارکہ اپنے خوابوں میں دیکھا بلکہ انبیا

اور اولیا سے بھی اشارے اور بشارتیں پائیں کہ آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوں، چنانچہ بکثرت لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے......اس لیے آپ کی صورت اور روحانیت کا ہر شخص شیدا بن گیا تھا، ﴿حضرات القدس،۲:۳۶﴾ ڈاکٹر اشتیاق قریشی صاحب لکھتے ہیں، شیخ کے اثرات مغرب میں افغانستان، وسط ایشیا اور سلطنت عثمانیہ تک اور مشرق میں ملایا اور انڈونیشیا تک پھیل گئے، ﴿مسلم کمیونٹی آف انڈو پاک،۱۵۲﴾

......﴿پیر دستگیر رضی اللہ عنہ﴾......

پیر دستگیر کا مطلب ہے مشکل میں ہاتھ پکڑنے والا، فریاد رسی کرنے والا پیر، آپ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اسی نام سے آپ کو یاد کیا ہے، آپ واقعی پیر دستگیر ہیں، کثرت سے مرید حاضر خدمت ہوتے اور ہر فرد پر آپ توجہ فرماتے اور احوال و کیفیات وارد فرماتے، پھر ان کیفیات سے گزار کر دوسری کیفیات وارد فرماتے ......مریدوں اور ملازموں میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ جتنی شفقت اور عنایت مجھ پر ہے کسی دوسرے پر نہیں ہے...... بلکہ جو حضرات ولایت و خلافت حاصل کرنے کے بعد چلے جاتے تھے آپ ان پر بھی غائبانہ توجہ فرماتے تھے اور احوال خلفا کے بھی ولایت کے کم درجات کو کمالات وراثت نبوت تک واصل فرما دیتے تھے، ﴿ایضا ملخصا،۲:۱۷﴾ آپکی دستگیری، غمگساری اور چارہ سازی کے بے شمار واقعات مرقوم ہیں جو دنیا اور آخرت کے حوالے سے آپ کے پروانوں اور مستانوں کے لیے سرمایہ امید ہیں۔

......﴿شجاع رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شجاعت و شہامت کا شاہکار تھے اور عزیمت و استقامت کا کہسار تھے، آپ دربار جہانگیر میں اس شان فقر کے ساتھ داخل ہوئے کہ بادشاہ اور امرا اس مرد مومن کی دلیری اور مردانگی اور جرات آموزی کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے، آپ نے آداب شاہی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زمین بوسی اور سجدہ ریزی سے اجتناب کیا اور صرف السلام علیکم پر اکتفا کیا، بادشاہ نے ناگوار لہجے میں کہا، اسی وقت سجدہ تعظیمی میں جھک جائیں، آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے، اس نے کہا اپنا سر صرف یوں ہی ذرا سا جھکا لیں ہم اسے سجدہ تعظیمی میں شمار کر لیں

گے، آپ نے فرمایا، یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، پھر اس کے حکم سے چند طاقتور امرا کو حکم دیا کہ ان کا سر جبراً ہمارے سامنے جھکا دیا جائے، انہوں نے آپ کے سر اور گدی مبارک کو گرفت میں لے کر گردن جھکانے کی کوشش کی مگر آپ نے پوری قوت سے خود کو اکڑا لیا، دنیا نے ایسا عجیب وغریب معرکہ نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے وقت کے شہنشاہ جہانگیر اپنے تمام تر جاہ وجلال اور جبر وقدر کے باوجود ایک مرد درویش کی صرف گردن جھکانے میں ناکام ہو گیا، یہ تھے شجاع ملت اسلامیہ جو خود شناسی اور حق آگاہی کی قوت سے اپنے وقت کی سب سے بڑی طاغوتی طاقت سے نبرد آزما تھے، پھر ایک کمرے کے چھوٹے سے دروازے سے گزارا گیا کہ شاید اس طرح ہی جھک کر گزریں گے تو اس کو سجدہ تعظیمی تصور کرلیا جائے گا، آپ نے فراست ایمانی سے سارا منصوبہ ناکام بنا دیا، آپ نے گزرتے وقت پہلے دونوں قدم آگے رکھے اور سر انور پیچھے کی طرف جھکا کر دروازے سے نکل گئے، گویا بتا دیا کہ تیرا تمام تر پندار شاہی درویش خدامست کے قدموں کی ٹھوکر پر ہے ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
وہ جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

حضرت خواجہ امین بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض علما اور شہزادہ عالی جاہ شاہجہان نے مشورہ دیا کہ بادشاہ کے لیے سجدہ تعظیمی جائز ہے، آپ جھک جائیں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی، آپ نے فرمایا، یہ فتویٰ رخصت ہے، عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے، ﴿مناقب آدمیہ، ۱۷۱﴾ عہد شاہجہانی کے مورخ عبد الحمید لاہوری نے لکھا ہے آپ کو مذہبی امور میں اختلاف کی بنا پر سزا نہیں دی گئی تھی بلکہ دربار میں زمین بوس نہ ہونے کی وجہ سے دی گئی تھی، یہ ایک قسم کی تادیب تھی، یہ تاریخی حقیقت نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی لکھی ہے ﴿ابجد العلوم، ۳:۸۹۹﴾ آزاد بلگرامی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

فلا عجب ان صادہ متقنص
الم تر فی الاسلاف قید المجدد

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس شجاعت وبسالت کو زمانہ ہمیشہ سلام کرتا رہے گا۔

......﴿عالم الآخرہ رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بشارت دی گئی تھی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا، اس عبارت عالی کی شرح میں لکھا جاتا ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی تاب نہیں رکھتی اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے، جب حضرت کی دنیا آخرت کے حکم میں ہوگئی تو ناچار آخرت کا موعود اس دنیا میں جلوہ گر ہوگیا اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا نصیب حاصل ہوگیا اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اس فانی دنیا کے بعضے تمتعات جو آخرت کے درجوں کی کمی کا باعث ہیں وہ حضرت کے حق میں ایسے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمت جس سے بہرہ ور ہونا ترقی کا باعث ہے، ﴿مکتوبات معصومیہ، ۱:۱۸۹﴾

......﴿مغفور رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مغفرت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ یہ بشارت بھی دی گئی کہ جس جنازے پر آپ حاضر ہوں گے وہ میت بخش دی جائے گی، ﴿تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ۲۱۰﴾ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے بشارت حاصل ہے کہ کل روز قیامت میں کتنے ہزار مسلمانوں کو تمہاری شفاعت سے بخش دیا جائے گا، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۱۰﴾ حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر مٹی کسی کی قبر میں ڈال دی جائے تو بفضلہ تعالیٰ رحمت عظیم کے نزول کی امید ہے، پھر اس ہستی کا کیا رتبہ ہوگا جو اس روضے میں دفن ہے، ﴿ایضاً، ۲:۱۱۱﴾ ایک دن صبح کے حلقے میں آپ مراقب تھے اور اپنے اعمال کی خامی کا تصور غالب تھا اور انکسار و تضرع کا غلبہ تھا، حدیث میں ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' کے مصداق غفار الذنوب کی طرف سے خطاب ہوا، میں نے تم کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تمہارا وسیلہ اختیار کرے بالواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک سب کو بخش دیا اور اس بشارت کے اظہار کا حکم بھی دیا، ﴿ایضاً ۲:۱۱۴﴾ آپ ایک قبر کے مقابل دیر تک کھڑے رہے اور کچھ دیر کے بعد چہرہ مبارک پر خوشی اور تازگی کے آثار

ظاہر ہوئے، جب پوچھا گیا تو فرمایا، صاحب قبر کو عذاب میں مبتلا دیکھا تھا، میں سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کی ارواح کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تخت نبوت پر بیٹھے ہوئے تشریف لے آئے اور آپ کے آتے ہی عذاب دور ہو گیا، اس قبر میں عورت تھی، اس نے میرے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں راحت پہنچائے جس طرح تم نے مجھے راحت پہنچائی ہے، اس بات پر میرے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے تھے، ﴿ایضا، ۲:۱۰۲﴾

......﴿قبلہ عالم رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عالم کی توجہات اور مرادات کا قبلہ ہیں اس لیے آپ جیسے بزرگوں کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا چاہیے، ایک مرتبہ عرفہ کی صبح آپ قبلہ رو ہو کر بیٹھے رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا، اس کے بعد آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا اور محرمان راز سے فرمایا کہ آج مجھے زیارت کعبہ کا شوق پیدا ہوا اور حرم پاک کا اشتیاق ہوا تو یکا یک میں نے دیکھا کہ خود کعبہ میرے طواف کے لیے آیا ہے اور میرے گرد گھومنے لگا ہے، تعجب ہے کہ ارباب کشف اس واقعے سے غافل رہے ورنہ وہ خود میرے گرد گھومتے اور میرا طواف کرتے، ﴿ایضا، ۲:۱۱۶﴾ آپ کی تعلیم کے مطابق کعبہ مشرفہ کا ظہور فرمانا اسی طرح ہے جیسے کوئی بزرگ کسی طالب بارگاہ کو نوازتا ہے، سرہند شریف میں ظہور کعبہ کا مقام آج بھی زیارت گاہ عام ہے، یہ انعام آپ کی لازوال قربانیوں کا صلہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر وثواب ضائع نہیں فرماتا اور نہ ہی اس کی بارگاہ میں درجات کی کمی ہے، اس نے ہر پھول کو جداگانہ حسن اور خوشبو سے سرشار فرمایا ہے، آپ کی طرف مخلوق خدا کس قدر متوجہ ہوئی، لکھا ہے کہ خدا کے دوستوں اور حق پرستوں کا ایسا مجمع لگ گیا تھا کہ تمام دنیا میں اس کی مثال نہیں تھی، طالبان حق میں جو بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار پکار اٹھتا کہ بے شک یہ کوئی بڑا فرشتہ ہے، ﴿ایضا، ۲:۳۶﴾ مختلف ملکوں سے علما اور فضلا آپ جیسی خیر العباد ہستی کی خدمت میں مور و ملخ کی طرح دوڑے آئے اور بہت سے مشائخ نے اپنی مشیخیت ترک کر کے آپ جیسے مرکز قطبیت وغوثیت کی صحبت اختیار کی بلکہ بہت سے بادشاہ بھی پروانہ وار آپ کی شمع ہدایت پر قربان ہو گئے کیونکہ آپ ہی اپنے وقت ﴿الف ثانی﴾ کے لیے قبلہ وکعبہ تھے، دنیا اور دنیا والوں کے لیے فیض ہدایت اور فضل ورحمت کا ذریعہ مشرق سے مغرب تک اور جنوب

سے شمال تک آپ کے ظہور سے قیامت تک آپ ہی اس منصب پر فائز ہیں، آپ کی توجہ کے بغیر اور قصد کے بغیر بھی آپ کا فیض اور فائدہ لوگوں کو پہنچتا رہے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی کا معاملہ ہے وہ پوری دنیا پر پڑتی رہتی ہے، ﴿ایضا،۲:۱۹﴾

.......﴿متشرع رضی اللہ عنہ﴾.......

حضرت سید صالح رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک رات واقعے میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، آپ بڑے جاہ وجلال کے ساتھ جارہے تھے، ان کے آگے ایک فوج تھی، ایک شخص نے مجھے کہا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو سلسلہ چشتیہ کی ارادت رکھتے تھے، تم کیوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے ہو، میں نے کہا، ایک کتے کو جہاں روٹی کا ٹکڑا ملے وہ وہاں بیٹھ جاتا ہے اور دوسری جگہ نہیں جاتا، اس شخص نے کہا، حضرت خواجہ چشتی اور حضرت مجدد کے طریقے میں تم نے کیا فرق دیکھا ہے، میں نے کہا جو حضرت حبیب اللہ اور حضرت کلیم اللہ کے درمیان ہے، اس پر حضرت خواجہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے غصے میں آکر فرمایا، ان کو کچھ مت کہو کیونکہ ان کے پیر نہایت متشرع ہیں اور بے حد رسوخ اور استقامت والے ہیں، ﴿حضرات القدس،۲:۶۷﴾ آپ کا فرمان ہے، میں نے شریعت کو دیکھا کہ ہمارے اس مقام میں اتری ہے جس طرح کوئی قافلہ کسی جگہ اترتا ہے، پھر آپ نے مسجد اور خانقاہ کی طرف اشارہ فرمایا، ﴿ایضا،۲:۱۰۸﴾ آپ کا طریقہ بالکل صحابہ کرام کے طریقے کے مطابق تھا اور آپ کا لباس بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار کے لباس کی طرح تھا، یعنی سر پر عمامہ، مسواک، گوشہ دستار سے بندھی ہوئی، عمامہ کا کنارہ دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑا ہوا، قمیض کا گریبان دونوں کندھوں کی طرف کھلا ہوا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر بلکہ پنڈلی کے وسط تک، پاؤں میں جوتی اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا، کندھے پر سجادہ ہوتا تھا اور پیشانی پر کثرت سجود کے نشانات، پیشانی اور رخساروں پر باطنی نورانیت کے انوار رہتے تھے، پوری رات آپ نماز یا مراقبہ میں بسر کرتے تھے اور دن میں صبح کی، ظہر کی اور عصر کی نمازوں کے بعد حلقہ ذکر کراتے تھے جس میں استغراق رہتا تھا، نماز اشراق اور چاشت بھی ادا فرماتے تھے اور رات دن وضو، نماز، مراقبہ یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے، ﴿ایضا،۲:۴۷﴾ آپ نے سنت وشریعت کی پاسداری اور آبیاری کے لیے جس قدر التزام فرمایا وہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے اس

لیے آپ کو متشرع کہا گیا ہے اور اس پر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ گواہی فراہم کرتے ہیں، آپ کا فرمان ہے، بڑا تعجب ہے کہ بعض ناقص اور خام قسم کے درویش اپنے کشف پر اعتماد کر کے شریعت بیضا کے انکار اور مخالفت کی جرات کرتے ہیں حالانکہ اگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان کے لئے بھی سوائے اس روشن شریعت کی پیروی کے کوئی چارہ نہ ہوتا، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۶۷﴾

...... ﴿مفکر رضی اللہ عنہ﴾ ......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے افکار سے دنیا میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی، مثلاً وحدۃ الشہود، نظریہ عبدیت، تصور خودی، سر الفراق، مقام فقر، مقام تسلیم و رضا، وسعت باطنی، حقائق زندگی کے متعلق افکار سے حضرت علامہ اقبال جیسے مفکر بھی متاثر دکھائی دیتے ہیں اور جا بجا اپنے اشعار میں ان افکار کی لڑیاں پروتے ہیں، حضرت مسعود ملت ڈاکٹر مسعود احمد مظہری لکھتے ہیں، آپ نے نظریہ ﴿وحدۃ الوجود﴾ کی لاج رکھی اور اس کے ساتھ نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا جو دل و دماغ دونوں سے قریب تھا، یہی نظریہ تھا جس نے فکر اقبال میں ایک انقلاب پیدا کیا اور ایک نئی روح پھونکی، حضرت مجدد نہ ہوتے تو اقبال نہ ہوتے، حضرت مجدد اقبال کی آرزو و تمنا تھے، ﴿مقدمہ روضۃ القیومیہ، ۳۷﴾ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے، شیخ احمد جو شاہ ولی اللہ اور اقبال سے پہلے اسلامی ہند کے نہایت ہی طاقتور مفکر گزرے ہیں، نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کے علما اور صوفیا میں اعلی ترین مقام کے مالک ہیں، ﴿مسلم سویلیزیشن ان انڈیا اینڈ پاکستان، ۲۷۰﴾ آپ نے اکبر کے ایک قومی نظریے کے جواب میں جو دو قومی نظریہ پیش کیا اس نے صدیوں کی سیاست اور معاشرت کو تبدیل کر کے رکھ دیا، آپ کی آواز اس کے ارتداد و الحاد کے خلاف بہت زوردار دی جس سے دشت و جبل گونج اٹھے، آپ کے فکر سے متاثر ہو کر جہانگیر نے امور مذہب و سیاست میں مشورہ کے لیے علما کا ایک کمیشن مقرر کیا، چودھویں صدی میں امام احمد رضا خاں اور علامہ اقبال نے آپ کے دو قومی نظریے کے احیا کی بھرپور کوشش فرمائی، ڈاکٹر حفیظ ملک لکھتے ہیں، فی الحقیقت آنے والی نسل کو شیخ احمد نے بے حد متاثر کیا، ان کا نعرہ تھا چلو چلو مصطفیٰ کی طرف چلو، مذہبی اور سیاسی حیثیتوں سے یہ نعرہ

نہایت ہی دوررس نتائج کا حامل ہوا، ان کی تعلیمات نے معاصر فکر مسلم کو بنیادی طور پر متاثر کیا اور ہندوستان میں مسلم حکومت کو لادینی بنانے کی مخالفت کی، ﴿مسلم نیشنلزم، ۵۵﴾ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں، دور اکبری سے لے کر دور عالمگیری تک حکومت کی مذہبی پالیسیوں میں جو نشیب و فراز آتے رہے وہ بڑی حد تک حضرت مجدد اور آپ کی تعلیمات کی وجہ سے آئے، ﴿مسلم سویلیزیشن، ۲۷۰﴾ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ نے اسلامی فکر میں بہت سی ناہمواریوں کو درست فرمایا، آپ باطنی راہنمائی کے لیے مثالی نمونہ تھے اور آپ نے بہت سے حقائق مخصوصہ کو واشگاف فرمایا، ﴿کلمات طیبات﴾

......﴿فخر العابدین رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ زہد و عبادت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، وقت کے قاضی القضاۃ نے ایک امیر سلطنت سے بیان فرمایا کہ اس طائفے کے باطنی احوال ہمارے ادراک و فہم سے باہر ہیں، البتہ آپ کے اطوار و احوال کو دیکھ کر متقدمین اولیا کرام کے اطوار کی یاد تازہ ہوتی ہے کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ ان کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر ان کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا لیکن اب جو ہم نے آپ کے معاملات کو دیکھا تو وہ تردد دور ہو گیا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انہوں نے کم لکھا ہے، ﴿حضرات القدس ۲، ۶۳:﴾ قطب دکن حضرت شیخ فضل اللہ برہانپوری کے پاس ایک عاقل خدا پرست نے بیان کیا کہ میں ان کے باطنی احوال کیا بیان کر سکتا ہوں البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظاہر غائب میں جس طرح وہ سنت اور اس کی باریکیوں کی رعایت فرماتے ہیں اگر اس زمانے کے تمام مشائخ بھی جمع ہو جائیں تو اس کا سوواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے، حضرت شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا پھر جو کچھ اسرار حقیقت یہ قطب الاقطاب ﴿حضرت مجدد﴾ فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب صحیح اور حقیقی ہیں کیونکہ قول کی سچائی اور حال کی بلندی محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے، مجھے ان سے پوری طرح غائبانہ اخلاص و محبت ہے، ﴿ایضا، ۲:۶۲﴾ یاد رہے کہ آپ کے نزدیک آداب شریعت کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت اور مجاہدہ اور نہیں ہے،

خصوصاً فرض، واجب اور سنت نمازیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے بہت دشوار ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وانها لكبيرة الا على الخاشعين'' اور وہ نماز بہت بھاری ہے مگر ڈرنے والوں پر نہیں، ﴿معارف لدنیہ﴾ آپ فرماتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ ریاضت کے معنی بھوکا رہنا اور روزہ رکھنا ہے لیکن کھانے میں توسط رکھنا دوام روزہ سے زیادہ مفید ہے، جب لذیذ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو تو آدھی بھوک تک کھانا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا بہت بڑی ریاضت ہے اور ان لوگوں کی ریاضتوں سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو وہ کھانا دیکھا ہی نہیں اور کھانے سے باز رہے اور یہ تو اس میں سے کچھ چکھ کر باز رہے ہیں، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۶۶﴾

......﴿نور الخلائق رضی اللہ عنہ﴾......

مخلوق خدا کو نور تقسیم کرنے والا، آپ نے الف ثانی کے دورانیے میں اپنے باطنی اسرار و معارف کا ایسا نور تقسیم کیا کہ دلوں کے جہان جگمگانے لگے، ساتھ شریعت بیضا کے انوار عام کر کے بدعات و خرافات کی تاریکیوں کو کافور کرنے میں اہم نورانی کردار ادا کیا کہ نگاہوں کے ارمان بیدار ہو گئے ؎

مہے براوج سپہر کمال طالع شد
کہ کس ندید چناں ماہ در ہزاراں سال

آپ کی تاریخ ولادت پر غور کر لیا جائے ۱۴ شوال جمعہ کی رات گویا چودھویں رات کا مکمل چاند آسمان پر اجالے بکھیر رہا تھا اور زمین پر معرفت کا بدر کامل طلوع ہو رہا تھا جس کے نور سے نور مصطفیٰ کے جلوے دکھائی دے رہے تھے، شمسی حساب سے سورج اس وقت برج حمل کے خانہ شرف میں تھا جو سورج کی تمام منزلوں سے اعلیٰ اور اشرف منزل ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے ؎

شہ ملک ولایت شیخ احمد
بمثلش مادر ایام کم زاد

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خسر مکرم حضرت شیخ سلطان تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ سلطنت اکبری کے اہم رکن تھے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی مرد خدا ایک نورانی فوج

کے ہمراہ ظاہر ہوا جس کے نور سے جہاں اور تمام اہل جہاں عرش سے فرش تک منور ہو گئے، اس مرد خدا کی شعاعیں حضرت شیخ پر پڑیں، حضرت شیخ نے یہ خواب اہل تعبیر کو سنایا تو انہوں نے کہا کہ عنقریب ایک شخص پیدا ہوگا جس کے نور توجہ سے کفر کی تاریکی اسلام کی روشنی سے بدل جائے گی، اسی طرح ایک اور اہم رکن سلطنت خان اعظم نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے نازل ہوا ہے جس کے نور کی شعاعوں سے تمام زمین مشرق سے مغرب تک منور ہوگئی ہے، وہ جہاں بھی قدم رکھتا ہے وہاں سے چشمہ جاری ہو جاتا ہے، معبروں نے اس خواب کی یہی تعبیر بتائی کہ جو شخص آسمان سے اترا ہے وہ حضور اکرم ﷺ کا نائب اتم ہے جو عنقریب پیدا ہوگا اور اس کے قدم مبارک کی برکت سے ہدایت وارشاد کا چشمہ جاری ہوگا اور اس کے نور ہدایت سے تمام جہان مشرق سے مغرب تک منور ہو جائے گا، دین اسلام کو رونق ملے گی اور مسلمانوں کو فرحت نصیب ہوگی، اکبر کے ایک اور مقرب خاص سید صدر جہاں نے خواب دیکھا کہ سیاہ رنگ کے بگولوں نے تمام جہان تاریک کر دیا ہے، اسی اثنا میں سرہند کی سرزمین سے ایک نور نکلا جس کے نور سے تمام زمین و آسمان منور ہو گئے اور بگولے گم ہو گئے، سید صدر جہاں نے اس کی تعبیر شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفے شیخ جلال الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھی تو انہوں نے فرمایا، اس شہر سرہند سے جو نور نکلا ہے اس سے مراد وہ مرد خدا ہے جو اس شہر سے پیدا ہوگا اور جس کی توجہ کے نور سے تمام جہان منور ہو جائے گا، بدعت اور گمراہی اٹھ جائے گی اور اس کے سرغنے ہلاک ہو جائیں گے، اس کے ارشادات کا نور قیامت تک قائم رہے گا، قصبہ سکندرہ کی حاکمہ ایک صحیح النسب سیدہ نے آپ کے والد ماجد مخدوم عبد الاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق خواب دیکھا کہ ان کے سینے سے ایک نور خارج ہوا ہے جس سے تمام زمین و آسمان منور ہو گئے ہیں، اس نور میں ایک تخت ہے جس پر ایک عزیز القدر انسان تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا ہے اور تخت کے اردگرد اولیا امت دست بستہ کھڑے ہیں، ایک شخص اعلان کر رہا ہے، یہ مخدوم عبد الاحد کا فرزند ارجمند ہے جو ﴿اپنے دور الف ثانی کے﴾ تمام اولیا کرام سے افضل ہے، اس سیدہ نے اپنی نیک سیرت بہن کا نکاح حضرت مخدوم کے ساتھ کر دیا جس سے حضرت مجدد الف ثانی پیدا ہوئے، یہ شان کمال دیکھ کر خان اعظم اور سید صدر جہان آپ کے ارادت مند ہو گئے، بہت سے مکتوبات ان کے نام مرقوم ہیں اور شیخ

سلطان تھانیسری نے اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کر دیا جس سے حضرت خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم جیسے شہسواران عرفان نے جنم لیا، یہ حقائق آپ کے اکثر سیرت نگاروں نے رقم کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضور رسول مجتبیٰ ﷺ کی نگاہ رحمت سے نور الخلائق بن کر جلوہ افروز ہوئے، آپ کے مکتوبات کے دفتر دوم کا تاریخی نام بھی نور الخلائق ہے۔

حسن ذات از رخ پر نور برافگند نقاب
عشق رقصید کہ صاحب نظرے پیدا شد
گشت آفاق منور ز ضیائے سرہند
در شب تار ضلالت قمرے پیدا شد

...... ﴿فیاض رضی اللہ عنہ﴾ ......

فیاضی، دریا دلی اور سخاوت پسندی مومن کامل کی اہم صفت ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس صفت سے بھی پوری طرح مزین تھے، آپ کی بارگاہ میں درویشوں اور مسافروں کے قافلے ٹھہرے رہتے اور آپ ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں اپنی دریا دلی کا مظاہرہ کرتے اور خوشی کا اظہار فرماتے، اپنا لباس کسی غریب یا عزیز خادم یا مسافر کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ ایک سو لوگ علما، عرفا، مشائخ، حفاظ، اشراف و سادات میں سے ہوتے تھے جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا، ﴿حضرات القدس، ۲:۱۰۰﴾ آپ خلق و تواضع اور مخلوق پر شفقت اور تسلیم و رضا بدرجہ کمال رکھتے تھے...... حقوق اہل رحم کی ادائیگی میں نہایت کوشش فرماتے تھے، ﴿ایضاً﴾

...... ﴿عزیز الوجود رضی اللہ عنہ﴾ ......

عزیز الوجود اس ہستی کو کہا جاتا ہے جس کی مثال نہ ملے اور ہر کوئی اس کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں میں لفظ عزیز بہت زیادہ مستعمل ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گوناں گوں اوصاف و کمالات کی بدولت اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں، بارہا اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کمترین بندہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کے کمال عنایات میں سے یہ ہے کہ اس راہ کا کوئی کوچہ ایسا باقی نہیں رہا

جس سے اس حقیر کو نہ گزارا ہو، اس نے مجھے سریان ومعیت، احاطت و وحدت، تشبیہ وتنزیہ ،این جہانی اور آنجہانی اسرار، وجوبی اور امکانی نسبتوں سے الگ الگ کرم محض سے بہرہ ور فرمایا، ﴿زبدۃ المقامات،۲۵۵﴾ آپ نے ایک رسالہ رقم کیا جس میں مفید نصائح موجود تھے، وہ بارگاہ رسالت میں اس قدر مقبول ہوا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مشائخ امت کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ آپ کو دکھائی دیئے، وہ کمال کرم سے رسالے کو بوسہ دے رہے تھے اور مشائخ امت کو دکھا کر فرما رہے تھے، اس طرح کے عقیدے حاصل کرنے چاہئیں اور جس جماعت کو ان علوم کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ لوگ ''نورانی، ممتاز اور عزیز الوجود'' ہیں ،انہوں نے اسی مجلس میں اس واقعہ کی اشاعت کا حکم بھی ارشاد فرمایا، ﴿ایضاً،۳۱۸﴾ یہ واقعہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی بیان فرمایا ہے، ﴿مکتوبات،۱:۱۶﴾ اس مبارک واقعہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے تین اسما کا صدور ہوا، نورانی، ممتاز ،عزیز الوجود، یہ اسما حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صادر فرمائے گئے ہیں، اللہ اللہ کیا عروج سعادت ہے، کیا شان پذیرائی ہے ؎

بر کریماں کار ہا دشوار نیست

آپ فرماتے ہیں، ہماری تحریریں مہدی آخر الزمان علیہ الرضوان کی نظر اقدس سے گزریں گی اور ان کے نزدیک مقبول ہوں گی ،تحریر کی کثرت ان ہی اسباب کی بنا پر ہے، ﴿مکتوبات،۱:۲۳۴﴾ ؎

بر نوحہ شب و روز ازاں می پیچم
تابود کہ یکی نالہ بگوش تو رسد

ایک درویش جس پر آثار نیستی اور علامت مستی کا ظہور تھا اپنے شروع کا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت خواجہ صدر الدین خلیفہ حضرت خواجہ محمد زاہد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرفتوح کی طرف توجہ کی اور پوچھا کہ آپ تو ملک جاودانی کی طرف تشریف لے گئے ہیں، مجھے ایسے بزرگ کی طرف ہدایت فرمائیے جس سے بڑا اس زمانے میں کوئی نہ ہو، پھر مجھے نیند آ گئی، خواب میں حضرت خواجہ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جو فرما رہے تھے کہ تمہیں میں حضرت میاں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجتا ہوں کہ اس زمانے

میں ان سے بڑا کوئی بزرگ نہیں ہے، چنانچہ میں علی الصباح اس قطب آفاق کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبولیت حاصل کی، ﴿حضرات القدس، ۲:۵۹﴾ ایک درویش بلخی کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعے میں ایک عظمت والا جنازہ دیکھا جس میں سلف وخلف کے اکابر اولیا بالخصوص حضرت خواجہ غجدوانی، حضرت خواجہ نقشبند بخاری، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار اور ان کے معاصرین تشریف فرما ہیں اور کسی بزرگ کے منتظر ہیں، میں نے دریافت کیا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ قطب الاقطاب کا انتظار ہے، وہ تشریف لائیں گے اور نماز جنازہ پڑھائیں گے، اتنے میں ایک بزرگ سروقد، گندمی رنگ مائل بہ سفیدی، کشادہ چشم، فراخ پیشانی، جن کا حسن یوسفی تھا اور ملاحت محمدی تھی تشریف فرما ہوئے، تمام اولیا کرام نے ان کی تعظیم کی اور انہوں نے امامت کرائی، جب جنازہ اٹھایا گیا تو میں نے پوچھا کہ اس بزرگ کا نام کیا ہے اور مقام کہاں ہے، لوگوں نے کہا ان کا نام شیخ احمد ہے اور قیام سرہند ہے، پھر میں بلخ سے چل کر سرہند شریف آیا اور ان کی زیارت سے مشرف ہوا، ایک عرصے تک ان کی بارگاہ میں گھومتا رہا اور جو دیکھنا تھا دیکھتا رہا، ﴿ملخصاً حضرات القدس، ۲:۵۸﴾ ایسے بے شمار واقعات آپ کے نورانی، ممتاز اور عزیز الوجود ہونے کی گواہی دیتے ہیں، آپ کا ارشاد ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے زمانے سے لے کر حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور تک یہ کمالات و معاملات جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں کسی اور کو حاصل نہ ہوں گے، ﴿ایضاً، ۲:۱۱۱﴾

......﴿مستقیم الحال رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نہایت مستقیم الحال بزرگ ہیں، آپ کے احوال واطوار شریعت مصطفیٰ کے معیار پر پورا اترتے ہیں، آپ خود فرماتے ہیں کہ راہ عرفان میں ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ سالکوں کے قدم پھسل جاتے ہیں، فقیر کو بھی اسی طریقے پر بہت سی قسم کے شبہے واقع ہوتے اور مختلف قسم کے تخیلات پیدا ہوتے تھے، جب تک میں اس حالت پر رہا اس کے باوجود حفظ الٰہی شامل حال تھا، یقین سابق میں بالکل فرق نہیں آیا، مجمع علیہ کے اعتقاد میں کسی طرح کے فتور نے راہ نہ پائی، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے اور جو کچھ مجمع علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کوئی اعتبار نہ کرتا تھا اور نیک محامل پر محمول کرتا تھا......اور مجملاً یہ

جانتا تھا کہ اگر یہ کشف صحیح ہے تو یہ جزوی فضیلت پر محمول ہے، اگرچہ یہ وسوسہ معارض ہوتا تھا کہ فضل کا سبب اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے ہے اور یہ فضیلت اس قرب میں ہے، پھر یہ جزوی فضیلت کیوں ہوگی لیکن پہلے یقین کے مقابلے میں یہ وسوسہ گرد کی طرح اڑ جاتا تھا اور کچھ اعتبار نہ رکھتا تھا بلکہ توبہ واستغفار اور انابت سے التجا کرتا تھا اور خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس طرح کے کشف ظاہر نہ ہوں جو اہل سنت کے معتقدات کے سر مو بھی خلاف ہوں......غیب الغیب کی راہ کے باغ میں بہت سے پھول کھلتے ہیں جو کسی کو ہدایت کی طرف اور کسی کو گمراہی کیطرف لے جاتے ہیں، حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ملت کے اکثر گروہ جو گمراہی کے غار میں جا پڑے ہیں ان کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ وہ راہ سلوک میں وقت سے پہلے چل پڑے اور غلطیاں کر کے گمراہ ہو گئے، ﴿مکتوبات، ۱:۲۲۰﴾ وقت سے پہلے چلنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے علم ظاہر سے اکتساب نہیں کیا، معتقدات اہل سنت سے آگاہ نہیں ہوئے اور گمراہ ہو گئے، اس راہ کے مسافروں کے ہاتھ میں شریعت کی مشعل کا ہونا اشد ضروری ہے، بقول باہو ؎

علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہو

......﴿غواص قرآنی رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کے ناپیدا کنار سمندر میں غواصی فرما کر انمول موتی اہل عرفان کو عطا فرمائے ہیں، آپ کو قرآن پاک سے خصوصی لگاؤ تھا اور ہمیشہ اس کتاب لایزال کے اسرار و معانی میں گم رہنے کا گہرا شوق تھا، آپ قرات کے وقت اس طرح پڑھتے تھے گویا الفاظ کے ضمن میں معنی ادا فرما رہے ہیں اور سامعین کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسے محبوب رسائی پر اسرار قرآنی فائض ہو رہے ہیں، آپ ہرگز آواز میں غنائی رعایت نہ فرماتے تھے، تراویح میں ہمیشہ قرآن پاک کھڑے ہو کر سنتے تھے اور غنودگی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا، پوچھنے پر فرمایا اسرار قرآنی کے سمندر میں شناوری مجھے موقع نہیں دیتی کہ میں آنکھ بند کر سکوں، ﴿حضرات القدس، ۲:۹۴﴾ آپ کا ارشاد ہے کہ علوم و معارف ابر نیساں کی طرح برستے ہیں کہ قوت مدرکہ ان کو برداشت کرنے سے عاجز ہے۔

......﴿محبّ الرسول رضی اللہ عنہ﴾......

کسی بھی شخصیت کے مقامات وکمالات کا جائزہ لینا ہوتو اس کے اندر موجود محبت رسول کے جذبے کو دیکھا جائے، جتنا یہ جذبہ زیادہ قوی ہوگا اتنا ہی اس کا مقام بھی زیادہ ہو گا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس جذبے اور ولولے سے اس قدر سرشار تھے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، آپ کا شہرہ آفاق قول ہے، آنسرور ﷺ کی محبت اس طور پر مسلط ہوئی ہے کہ حق سبحانہ، کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا رَبّ ہے، حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے، ا﴿مبداء ومعاد﴾ یہ محبت رسول کا فیضان تھا کہ آپ نے ساری زندگی متابعت رسول کا درس دیا، فرماتے ہیں کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوگا، ایک متابعت کے عوض ہمیں سینکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں

آنرا کہ درسرائے نگا ریست فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

آپ اسی محبت و متابعت کی بدولت فنافی الرسول کے مقام پر فائز تھے اور محبت و متابعت کے اثرات سے کما حقہ بہرہ مند تھے، اقبال نے اسی لیے کہا ہے، اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است، آپ کی ذات بابرکات کے لیے محبّ الرسول کا نام انتہائی موزوں ہے۔ ''رواج محبت رسول اللہ بود'' سے آپ کا سال وصال بھی نکلتا ہے۔

......﴿شہباز طریقت رضی اللہ عنہ﴾......

شہباز طریقت کا مطلب ہے طریقت کے میدانوں میں پرواز کرنے والا طائر لاہوتی، اس نام سے آپ کا سال وصال بھی برآمد ہوتا ہے، آپ ولایت کے مقام صغریٰ، مقام کبریٰ اور مقام علیا میں پرواز کرتے کرتے آفاق والنفس کے دائروں سے نکل گئے، اولیا متقدمین کے مقامات کی سیر فرمائی، حضرت عثمان غنی، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم کے کمالات کا مشاہدہ کیا، پھر مقام محبوبیت کے حسین رنگوں اور نقشوں سے خود کو رنگین اور منقش پایا، حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی امداد ہر مقام پر شامل حال رہی،

آپ اسما، صفات، اعتبارات، شیونات اور ذات کے جلووں سے سرشار ہوئے اور عرفان کامل سے ہمکنار ہوئے، آپ نے حقیقت محمدی، حقیقت احمدی، حقیقت صلوٰۃ، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن کے اسرار فاش کیے اور انبیا اور اولیا کے مقامات و کمالات کی خبر عطا فرمائی، طریقت کے میدانوں میں آپ کی پروازوں کا کیا کہنا، کوئی مکتوبات کا انصاف کی نظر سے مطالعہ کرے تو دیکھے کہ ایسے اسرار و افکار کسی شیخ طریقت کی کتاب سے ظاہر نہیں ہوتے۔

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

یہ نام آپ کے لیے حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال فرمایا ہے جو آپ کے حال کی بہترین ترجمانی کر رہا ہے اور آپ کے افکار کی دہائی دے رہا ہے۔

......﴿ آیۃ اللہ رضی اللہ عنہ ﴾......

آیۃ اللہ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کی نشانی، حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آیات من آیات عز و جل'' کے جملے سے آپ کا سال وصال اخذ کیا ہے، آپ واقع ذات و صفات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے جس کو دیکھ کر اسکا عرفان یاد آتا تھا، حدیث پاک ہے، تمہارے بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دیکھ کر خدا تعالیٰ یاد آتا ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

پیر کامل صورت ظل الہ
یعنی دید پیر دید کبریا

......﴿ شہسوار محبت رضی اللہ عنہ ﴾......

جب محبت اپنا رنگ چڑھاتی ہے تو محبّ صادق سے کچھ تقاضے بھی کرتی ہے، قرآن پاک کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے، اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان میں مبتلا کر کے تو صبر کرنے والوں کو بشارت دیجیئے، ﴿سورۃ البقرہ﴾ گویا جوان تقاضوں اور قربانیوں میں پورا اترتا ہے اور محبوب حقیقی کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا کر سرخرو ہوتا ہے اسے شہسوار محبت کہا جاتا ہے، ''شہسوار محبت بود'' کے جملے سے آپ کا سال وصال بھی ظاہر ہوتا ہے، آپ کا صرف ایک حوالہ آپ کے

اس نام اور لقب کی تصدیق کرنے کے لیے کافی ہے، حضرت شیخ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے مکتوب گرامی میں رقمطراز ہیں، مخدوم! مصیبتوں کے آنے پر ہر چند کہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انعام واکرام کی امید بھی لگی رہتی ہے، حزن واندوہ میں یہ بڑا ہی اچھا سرمایہ اور خوان الم ومصیبت کی من بھاتی نعمت ہے، ان شکر پاروں کے اوپر داروئے تلخ کا ہلکا سا غلاف چڑھا دیا گیا ہے اور اس بہانے سے بظاہر ہر مصیبت دکھائی گئی ہے مگر نیک بخت مٹھاس پر نظر رکھتے ہوئے تلخی کو مٹھاس کی طرح کھا جاتے ہیں اور حرارت کو صفرائے شیریں کے برعکس پاتے ہیں، شیریں کیوں نہ پائیں، محبوب کے افعال تو سب ہی میٹھے ہوتے ہیں، جو ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہو اس کو کڑوے لگتے ہیں، دولت مند تو محبوب کی دی ہوئی مصیبت میں اس قدر لذت وحلاوت پاتے ہیں کہ انعام میں بھی متصور نہیں ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی جانب سے ہیں لیکن مصیبت میں محبّ کے نفس کو دخل نہیں اور انعام مراد نفس پر مبنی ہے، ﴿مکتوبات، ۲:۲۹﴾

......﴿متواضع رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی بارگاہ میں نہایت متواضع تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک میں از حد مودب تھے، عوام وخواص کے سامنے بھی آپ کی منکسر المزاجی کا عالم دیدنی ہوتا تھا، آپ نے مکتوبات اور مکشوفات میں جتنے کمالات کا ذکر فرمایا ہے یہ کوئی فخر وغرور کی وجہ سے نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا ہے، آپ کے روحانی عروجات والے مکتوبات کو بنیاد بنا کر جہانگیر اور اس کے حواریوں نے آپ پر تکبر کا الزام عائد کیا اور کہا کہ یہ شیخ تو اپنے آپ کو خلفائے راشدین بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی افضل سمجھتے ہیں، آپ نے کمال درجے کی تواضع وانکسار کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، میں تو خود کو کتے سے بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں، چونکہ مجھ پر ایک روحانی کیفیت عروج وارد ہوئی تھی اس لیے یہ احوال اپنے شیخ کو لکھے تھے جو دشمنوں نے ناسمجھی کی وجہ سے آپ تک پہنچا دیئے، اس کے جواب بہت سے ہیں، آسان تر جواب یہ ہے کہ آج آپ نے یاد فرمایا ہے تو میں امیروں اور شاہزادوں کے مقامات سے گزر کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میں

پنج ہزاری سے افضل ہو گیا ہوں، میرا گھر تو وہی ہے جو سرہند میں جانا پہچانا ہے، ابھی ابھی اپنے گھر چلا جاؤں گا آپ کے وزیر اور امیر ہمیشہ آپ کی قربت میں رہیں گے، اس طرح اصحاب کرام ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ہیں اور ہم جیسے طالب ساری زندگی میں ایک بار آپ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے، ضرورت پوری ہوئی تو لوٹ آئے اور پھر اپنی جگہ پر آرہے، ﴿مناقب آدمیہ، ۱۷۱﴾ آپ کے اس منطقی جواب سے بادشاہ لاجواب تو ہو گیا مگر پندار شاہی کی وجہ سے اس درویش خدا مست کی ایذارسانی کے درپے ہوا، اب اس غرور کا تو کوئی علاج نہیں تھا، آج بھی ہمارے کئی محسن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہی خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو بڑوں بڑوں سے افضل سمجھا ہے، اس میں کوئی حقیقت نہیں، یہ الزام سراسر آپ کی تعلیمات سے عدم واقفیت کی بنا پر عائد کیا گیا ہے، آپ کے کلام میں تحدیث نعمت کے طور پر جب بے مثال کمالات کا ذکر کیا گیا ہے تو ایسے کمالات کا دعویٰ ان سے پیشتر بزرگان دین نے بھی کیا ہے جن میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں، ان بزرگوں کے اقوال واحوال میں نفسانیت کا کوئی دخل نہیں لہذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

......﴿عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ کا ازلی نام عبدالرحمٰن ہے اور آپ زمانے کے لیے عجوبہ اور عطیات الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ﴿حضرات القدس، ۲:۲۱﴾ آپ کا مبداء تعین اسم رحمٰن ہے یہی وجہ ہے کہ آپ میں عبدیت اور رحمت کا غلبہ ہے اور آپ کو خزینۃ الرحمہ بھی کہا گیا ہے، آپ نے تصور عبدیت کو خوب اجاگر کیا اور اسی تصور پر حضرت اقبال نے تصور خودی کی بنیاد رکھی، حضرت اقبال نے خواجہ حسن نظامی مرحوم کو لکھا کہ حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے یا پیوستن، میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں، آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سر الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے لکھا تھا کہ مجھے سرالفراق کہا جائے، اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے، آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال، روح انسانی کا ہے

،اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں، ﴿مکتوبات محررہ ۱۹۱۵ بحوالہ سیر مجدد الف ثانی ۴۲۵﴾ حضرت اقبال کے اس مذہب کی بنیاد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کشف صریح پر ہے، مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است، ﴿مکتوبات،۳۰:۱﴾ حضرت اقبال کیا خوب فرماتے ہیں ؎

ہر مقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

......﴿محسود اقران رضی اللہ عنہ﴾......

حدیث پاک ہے، کل ذی نعمۃٍ محسود ، ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خداداد کمالات کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے حسد کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، اس محسودیت کی وجہ سے آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا جو طریقہ اور عادت مستمرہ اپنے انبیا کرام کے ساتھ رہی اس کو اس نے حضرت مجدد کے ساتھ برتا ہے کہ ظالموں اور مبتدعوں نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف فقہا نے آپ کا انکار کیا تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں اضافہ ہو، مومن ہی کو آپ سے محبت ہوگی اور شقی فاجر ہی کو آپ سے عداوت ہوگی، ﴿حضرت مجدد اور ان کے ناقدین بحوالہ احوال الامام الربانی﴾ حضرت شیخ ابو الحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت خواجہ نے آپ پر اسرار قیومیت روشن کیے اور آپ کو الف ثانی کا آفتاب معارف بنایا، حضرت خواجہ نے اجازت ارشاد اور دعوت الی اللہ افراد کثیرہ کو دی ہے لیکن خلعت خلافت عظمیٰ آپ ہی کو عنایت کی ہے، اس عنایت اور نوازش نے آپ کو ''محسود اقران'' بنایا ہے، ﴿ایضا،۳۶﴾ محسود اقران کا مطلب ہے، وہ شخصیت جس کے کمالات کو دیکھ کر ہر زمانے میں حسد کیا گیا، یہی حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ کی مخالفت ان لوگوں نے بھی کی جو مذہب کے دوکاندار تھے اور ان لوگوں نے بھی جو الحاد و نفاق اور اباحت و بے قیدی کے دلدادہ تھے اور اب اس دور میں وہ لوگ کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو روشن خیال اور تحقیق جدید کا علمبردار سمجھتے ہیں اور جو کہ الحاد و بے

قیدی اور فلسفہ ویدانیت اور وحدت ادیان کو حکمت و اجتہاد کے لباس فریب سے سنوار رہے ہیں، ﴿ایضا، ۱۸﴾

ہم کعبہ و ہم بت کدہ سنگ رہ مابود
رفتیم و صنم بر سر محراب شکستیم

اس حسد طرازی اور تعصب مزاجی کے باوجود زمانے میں عالم اسلام کی غالب ترین اکثریت آپ کی والا وشیدا رہی، یہی حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت مجدد کے نادان معاند جب تک جھوٹے الزامات کی ترویج کرتے رہیں گے یقیناً آپ کے درجات وحسنات میں اضافہ ہوتا رہے گا، ایسے افراد سے حضرت مجدد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ علیٰ رغم انو فھم آپ کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور یورپ کے یہودی اور عیسائی ان نادانوں کی کذب بیانی کا پردہ فاش کر رہے ہیں اور وہاں کے نومسلم آپ کے سلسلے میں داخل ہو رہے ہیں، ہاں یہ نادان حضرت مجدد کے متبعین ومعتقدین کے دل زخمی کر رہے ہیں'' ولا تحسبن اللہ غافلاً عما لیعمل الظالمون'' ﴿ایضا، ۱۷﴾ حاسدین اور معاندین کے اس رویے کا حضرت مجدد کو بھی احساس تھا، اگر کسی مخلص نے اس سلسلہ میں کچھ عرض کیا تو آپ نے تبسم فرما کر یہ شعر پڑھ دیا ؎

یارب آں غنچہ خنداں کہ تو دادی بہ منش
می سپارم بہ تواز چشم حسودی چمنش

یعنی اے پروردگار جو کھلی ہوئی کلی تو نے مجھے عنایت کی ہے، اس کی بہاروں کو حاسدوں کی نظر بد سے بچانے کے لیے تیرے حوالے کرتا ہوں ؎

ہر گل کو باغ دہر میں کھٹکا ہے خار کا
الجھا ہوا خزاں سے ہے دامن بہار کا

......﴿صبغۃ اللہ رضی اللہ عنہ﴾......

صبغۃ اللہ کا مطلب ہے اللہ کا رنگ، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے رنگ سے رنگین ہوئے اور یہ رنگ تقسیم کرتے چلے گئے، حضرت شیخ ابوالحسن زید

فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اکابر میں سے کسی نے کہا ہے اور حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اہل علم اور اصحاب عزیمت کا سلسلہ ہے، یہ سلسلہ بلخ و بدخشان اور بخارا میں تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کے واسطے سے حضرت مجدد کو اس سلسلہ سے بہرہ مند کیا اور آپ نے اس سلسلہ عالیہ کی بدولت مسلمانان عالم کو اللہ تعالیٰ کے رنگ سے رنگ دیا اور ان میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا، ہر ایک کی زبان پر تھا ۔

گر تو صد پارہ ام کنی زیں رنگ
بر نہ گردم کہ صبغتہ اللہ ام

......﴿ کنز الحقائق رضی اللہ عنہ ﴾......

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کی برکت و نسبت سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حقائق و دقائق کا خزانہ بنا دیا، خود حضرت باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے نہایت باریک معاملات اور حقائق کے بارے میں سوالات پوچھا کرتے تھے، مثلاً انہوں نے آپ سے حضرت خراز رحمۃ اللہ علیہ کے حضور و آ گاہی کے متعلق بہت دقیق سوال کیا تو آپ نے کمال معرفت سے لبریز جواب دیا، فرماتے ہیں، خراز کی تمنا اس حضور و آ گاہی کی تھی جو ظاہراً و باطناً حاصل ہو اور اس کے سوا کو وہ غفلت سمجھتے تھے اور وفات سے قبل جو بات انہوں نے فرمائی ﴿ کہ کاش غفلت نہ ہوتی ﴾ اس سے مراد حضور باطنی ہے، ﴿ حضرات القدس، ۲۰ ﴾ حضرت شیخ ابو الحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کو حضرت مجدد کے کشف و حقائق سنجی پر کامل اعتماد ہو گیا تھا اور وہ آپ سے ادق مسائل حل کرواتے تھے اور آپ ان معارف و دقائق کا بیان کرتے تھے اور یاران طریقت کی کیفیت ''از تحسر دست بر روی زند مسکیں مگس'' کے مصداق تھی، ﴿ حضرت مجدد اور ناقدین، ۳۵ ﴾ ایک مکتوب میں حضرت خواجہ نے پوچھا ہے فنائے بشریت کے سلسلہ میں تحقیق کریں، آپ خانہ جبروت پر بھی نظر ڈالیں، فنا فی اللہ کے مقام پر بھی خیال کریں، خیال آتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار کے اقوال کی تفتیش کے متعلق آپ سے التماس کی جائے، شاید کچھ اور بھی ظاہر ہو، ﴿ زبدۃ المقامات، ۲۳۳ ﴾ ایک فاضل وقت نے فرمایا کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مزاج اور ان کی فطرت اس بزرگوار کے حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لائق نہیں ہے،

اس عزیز کو چاہیے تھا کہ اگلے زمانے میں ہوتے تاکہ لوگ ان کے کلام کی قدر جانتے اور متاخرین بطور استشہاد کے بیان کرتے، ﴿زبدۃ المقامات،۲۹۶﴾

......﴿مشیخت پناہ رضی اللہ عنہ﴾......

آپ کے لیے مشیخت پناہ کا مبارک لقب حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال کیا ہے، ﴿رسالہ کشف الغطا﴾ اس کا مطلب ہے مشیخت وطریقت کو پناہ عطا کرنے والا، واقع آپ نے مشیخت وطریقت کی لاج رکھ لی ہے، حضرات القدس میں لکھا ہے، حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دولت کمال و تکمیل کی بشارت دی اور دوسری مرتبہ اپنے مریدوں کو آپ کے حوالے کر دیا اور تیسری مرتبہ الطاف وعنایات کی حد کر دی، جب حضرت خواجہ کا مسکن قلعہ فیروزی میں تھا آپ کو تیسری مرتبہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو پا پیادہ دروازہ کابلی تک برائے استقبال تشریف لے گئے، اس مرتبہ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کے اکرام واحترام میں حد کر دی، جب آپ کی مجلس سے اٹھتے تھے یا کسی راہ پر چلتے تھے تو الٹے پاؤں مراجعت کرتے تھے اور طالبان حق اور حاضرین مجلس سے فرماتے، خبردار آپ کے سامنے میری تعظیم نہ کرو اور اپنے جمہور اصحاب کو آپ کے حوالے کر کے مشیخت وارشاد کو معاملہ بالکل آپ کے سپرد کر دیا بلکہ اپنے دونوں شیر خوار بچوں کو طلب فرما کر ان کے واسطے توجہ طلب کی۔

......﴿عرفان دستگاہ رضی اللہ عنہ﴾......

آپ کے لیے یہ مبارک لقب بھی حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال کیا ہے، ﴿رسالہ کشف الغطا﴾ آپ واقعی عرفان وایقان کی دستگاہ اور حقیقت ومعرفت کی جائے پناہ بن کر نمودار ہوئے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، مشارب نیز انبیا کرام کے کمالات ولایت، اسی طرح یہ کہ کون طالب کسی پیغمبر کے قدم پر ہے آپ پر مکشوف ہو گئے تھے نیز ان مشارب میں ہر ایک کے قدموں کے تفاوت کو بھی آپ پر ظاہر کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ پر فرماتے تھے کہ فلاں شخص ولایت موسوی میں ہے اور فلاں شخص مرکز کے نقطہ کے قریب اور فلاں دائرہ کے نزدیک ہے، وغیرہ ذالک اور یہ نوادرات میں سے بہت ہی عظیم ہے، ﴿زبدۃ المقامات،۲۶۵﴾

......﴿جوہر المراد رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں جوہر المراد اور گوہر مقصود بن کر تشریف لائے، آپ کے جد کریم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مراد مصطفیٰ تھے، ان کی نسبت سے یہ انوکھی شان آپ کے حصے میں بھی ظہور پذیر ہوئی، آپ خود فرماتے ہیں، میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور مراد بھی ہوں، میرا سلسلہ بغیر کسی توسط سے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے اور میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے اور میری ارادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے واسطوں سے ہے لیکن میری ارادت جو اللہ تعالیٰ سے ہے وہ واسطے کو قبول نہیں کرتی، پس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ہم پرہ، ﴿یعنی پیچھے پیچھے چلنے والا﴾ بھی ہوں، اگرچہ اس خوان نعمت پر طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں، اگرچہ تابع ہوں لیکن اصالت سے محروم نہیں ہوں، اگرچہ امتی ہوں لیکن نعمت میں شریک ہوں، وہ شرکت نہیں جس میں ہمسری کا دعویٰ ہو بلکہ وہ شرکت جو ایک خادم کو اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، ﴿مکتوبات﴾ آپ کے اس فرمان سے آپ کی مرادیت کا اظہار ہو رہا ہے، یہ جو آپ نے فرمایا کہ ''میرا سلسلہ بغیر کسی توسط کے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے'' پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، آپ نے مکتوب ۱۲۱ میں اس کی خود وضاحت فرمادی ہے کہ طریق جذبہ میں چونکہ مطلوب کی طرف سے کشش ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت طالب کے حال کی متکفل ہے اس لیے جذبہ واسطہ اور وسیلہ قبول نہیں کرتا اور طریق سلوک میں چونکہ طالب کی طرف سے انابت ہے اس لیے اس میں واسطے ضروری ہیں، نفس جذبہ میں اگرچہ واسطے درکار نہیں ہیں لیکن جذبہ کی تکمیل بغیر سلوک نہیں ہوتی، یعنی سلوک جو شریعت پر عمل کرنے سے عبارت ہے اگر جذبہ کا ساتھ نہ دے تو جذبہ ناتمام اور ابتر رہتا ہے، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کا انکار نہیں کرتے بلکہ جابجا اس کا اقرار کرتے ہیں، یہ تو ایک خاص حالت کا ذکر ہے جس کے متعلق صحیح بخاری شریف کی اس حدیث میں صراحت پائی جاتی ہے، جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے

اوراس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کا نورا جلال بندے کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور بروایت دیگر قلب اور زبان میں کارفرما ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سنتا ہے، دیکھتا ہے، پکڑتا ہے، چلتا ہے، سوچتا ہے اور بولتا ہے، یہ طریق جذبہ محبت ہے جس کا داعی خود خالق کائنات ہے اگرچہ بندے کو یہ شان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ومتابعت سے نصیب ہوتی ہے جس کا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس جذبی محبت کی تکمیل سلوک کے بغیر ممکن نہیں اور سلوک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے وسیلے کا نام ہے جس کے بغیر کامیابی کا کوئی تصور نہیں، اس قسم کی باریک عبارات بہت سے بزرگان دین سے منقول ہیں جو ان کی خاص حالت جذبہ کی خبر دیتی ہیں، آپ فرماتے ہیں، ہمارے خواجہ نے شروع شروع میں اس فقیر کی سیر کو سیر مرادی بنا دیا تھا اور یہ بات احباب نے بھی ان سے سنی ہوگی، ﴿مکتوبات، ۱۲۱: ۳﴾ آپ کی شخصیت ''جوہر المراد'' ہے، جس کو حاصل کرنے کے لیے حضرت خواجہ نے دور دراز کا سفر طے کیا اور جب ہاتھ آگیا تو خود سب کچھ آپ کے حوالے کر کے گوشہ نشین ہوگئے اور بالآخر تھوڑی مدت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔

......﴿غیور رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ غیرت ایمانی اور حمایت اسلامی کے جذبات سے مالا مال تھے، جہاں کوئی چیز ایمان اور اسلام کے منافی دکھائی دیتی اس کو حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے سرگرم ہوجاتے، آپ کو یہ وصف اپنے جد کریم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وراثت سے حاصل ہوا تھا، آپ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''اشداء علی الکفار'' کی شان سے بہرہ اندوز تھے، آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کافروں اور مشرکوں کے متعلق کسی قسم کی رعایت کے قائل نہیں تھے، فرماتے ہیں، آپ پوری کوشش کریں کہ اہل کفر کی جو موٹی موٹی باتیں مسلمانوں میں پھیل چکی ہیں انہیں نیست و نابود کر دیا جائے اور اہل اسلام خلاف شرع امور سے محفوظ و مامون ہوجائیں، ﴿مکتوبات، ۶۵: ۱﴾ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صاحب خلق عظیم تھے، کفار سے جہاد کرنے اور ان پر سختی فرمانے کا حکم دیا ہے، معلوم ہوا کہ کفار کے

ساتھ سخت رویہ بھی اختیار کرنا خلق عظیم کا حصہ ہے اور ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کفر اور کفار کی ذلت وخواری میں ہے، جس نے کافروں کی عزت کی اس نے اسلام کو ذلیل کیا...... انہیں کتوں کی طرح دور رکھنا چاہیے...... بلکہ اسلامی کمال تو یہ ہے کہ دنیاوی غرض کے لیے بھی ان سے مطلقاً رابطہ نہ کیا جائے...... خدا کے دشمنوں کی دوستی ایک انسان کو خدا کا دشمن بنا دیتی ہے اور پیغمبر خدا سے دشمنی رکھنے کا سبب بن جاتی ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۱۶۳﴾ فرماتے ہیں، کفر اور کفار کو ذلیل کرنے میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت ہے، جزیہ سے کفار کی ذلت واہانت ہی مقصود ہے...... اکثر لوگوں نے اس اصول کو نظر انداز کر کے اپنی بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے، ﴿مکتوبات، ۱:۱۹۳﴾ فرماتے ہیں، کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور یہ مردود ہندوؤں کی شکست کا باعث ہوگا، اس کو خواہ کسی بھی نیت سے قتل کیا گیا، بہر حال اس میں کفار کی ذلت اور اسلام کی ترقی ہے، اس فقیر نے کافر مذکور کے قتل ہونے سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے شرک کی کھوپڑی کو توڑا ہے، واقعی وہ بہت بڑا بت پرست، مشرکوں کا سرغنہ اور کافروں کا امام تھا، اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل وخوار کرے، ﴿مکتوبات، ایضا﴾ اس مضمون غیرت اور عنوان حمیت سے تو آپ کے مکتوبات بھرے پڑے ہیں، ایک ایک لفظ سے غیرت فاروقی جوش مارتی دکھائی دیتی ہے، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کی غیرت وحمیت کا حوالہ ایک عزیز کے سامنے پیش کیا ہے اور آپ کی غیرت افروز بات کو "ارشاد ہدایت بنیاد" قرار دیا ہے، ﴿مکاتیب رضا﴾ بلکہ ان کے یہ اشعار بھی اس فکر مجدد کے عکاس ہیں

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں سے کیا مروت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

......﴿مظہر الشہود رضی اللہ عنہ﴾......

مظہر الشہود کا مطلب ہے شہود کو ظاہر کرنے والا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے تمام سلاسل اولیا میں حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وحدۃ

الوجود کارفرما تھا، شاذ شاذ کسی بزرگ کے کلام سے وحدۃ الشہود کی رمق دکھائی دیتی تھی مگر اس کا کوئی نام نہیں تھا، یہ سعادت ازلی بھی آپ کے حصے میں آئی کہ آپ نے وحدۃ الوجود سے اگلی منزل وحدۃ الشہود کا تعارف کروایا اور طریقت کو شریعت کے جامے میں بند کردیا، شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، جو توحید اس جماعت گرامی کی راہ میں آتی ہے دو قسم کی ہے، توحید شہودی اور توحید وجودی، توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا اور باوجود عدمیت کے اس کے مجال ومظاہر کو ایک خیال کرنا، پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم ہے، ﴿مکتوبات، ۲:۴۳﴾ آپ نے واضح طور پر فرمایا ہے، پس عالم کے ساتھ اس کو کسی طرح بھی نسبت نہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے، اللہ تعالیٰ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد بنانا بلکہ اس سے نسبت دینا بھی فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے، آپ نے وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات اور ان کے معاشرے میں اثرات پر کھل کر قلم اٹھایا ہے، آپ کا نظریہ وحدۃ الشہود عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے، جس میں نصوص کی تاویل کی ہرگز ضرورت محسوس نہیں ہوتی، آپ کے اس نظریے کی سب سے پہلے تائید حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی جو وحدۃ الوجود کے شناور تھے، انہوں نے واضح طور پر فرمایا ہے، میں شیخ احمد کے فیض روحانی کی بدولت وحدت وجود کے کوچہ تنگ سے نکلا ہوں، ﴿تصور توحید، ۲۶۷﴾ آپ کے اس نظریے سے حضرت اقبال جیسے مفکر بہت زیادہ متاثر ہوئے اور پکار اٹھے

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

......﴿اشرف العارفین رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت خواجہ میر نعمان بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے لیے ''اشرف العارفین'' کا لقب استعمال کیا ہے بلکہ ''اشرف العارفین بود'' کے جملے سے آپ کی تاریخ وصال برآمد کی ہے، یہ نام بھی آپ کے لیے بالکل درست ہے کیونکہ آپ نے متابعت کے سات درجات بیان فرمائے اور آخر میں فرمایا، کامل تابعدار وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو، ﴿مکتوبات، ۲:۵۴﴾ آپ فرماتے ہیں، یہ وہ عظیم دولت ہے جو صحابہ کرام کے بعد بہت

کم کسی کو نصیب ہوئی ہے، اگرچہ یہ بات بعید و عجیب ہے اور اکثر لوگ اس کو قبول نہ کریں گے لیکن تحدیث نعمت کی جا رہی ہے، یہ نسبت کل کے روز اکمل طریقے پر حضرت امام مہدی علیہ الرضوان پر ظاہر ہو گی، ﴿مبداء ومعاد منہا ۹﴾ فرماتے ہیں، یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کے سمجھنے سے قاصر اور عاجز ہیں، یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت و وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں، ﴿مکتوبات ۲:۴﴾ حضرت سید صالح جو خدا پرست تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دن اس طائفہ مجددیہ کے ایک منکر نے کہا کہ حضرت مجدد نے فرمایا ہے، اگر خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ہوتے تو میری خدمت کرتے، یہ بات سن کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا معاذ اللہ آپ نے ایسا نہیں فرمایا ہوگا اور ان کا طریقہ ایسا نہیں ہے کہ وہ ایسی بات فرمائیں، اتفاقاً اس زمانے میں میں طاعون میں مبتلا ہو گیا، ایک رات مرض کی شدت میں دیکھا کہ آسمان سے فرشتے میری روح قبض کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اسی اثنا میں حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے اور فرشتوں سے فرمایا، اس سید زادے کو زندگی دے دی گئی ہے اس لیے آپ لوگ واپس جائیں، روح قبض کرنے والوں نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ دنیا سے چلے جاتے تو تین شخص کافر ہو جاتے، اس کے بعد انہوں نے مجھے فرمایا، اگرچہ حضرت مجدد نے ایسی بات نہیں فرمائی جیسا کہ اس منکر نے بیان کیا ہے تاہم ان کا درجہ اس سے بھی بلند ہے، ﴿حضرات القدس، ۲:۶۶﴾ یہ حقائق بتاتے ہیں کہ آپ واقعی ہزارۂ دوم کے پھیلے ہوئے دورانیے میں اشرف العارفین ہیں، اعتصام الناصرین ہیں، سرور اہل تمکین ہیں، شمس المستعدین، کرامت ہیں، عرش مجید اجابت ہیں، نور جہان طریقت ہیں، گوشوارہ صباحت ہیں، جمال تجلیات علوی ہیں، ریاض احمدی ہیں، منبع اخبار نبوی ہیں، راست رو ملک ابدی ہیں، سرمہ دیدۂ اقتدار ہیں، محرم رموز الاسرار ہیں، آیات برکات ہیں، آرائش جمال ولایات ہیں، مرشد شفیق ہیں، بحر عمیق تصدیق ہیں، اکمل آثار مصطفویہ ہیں، صراط مستقیم واحدنیہ ہیں، ان تمام القابات سے آپ کی تاریخ وصال اخذ ہوتی ہے۔

......﴿وجیہ العصر رضی اللہ عنہ﴾......

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہزار سال پر مشتمل ہے اس لیے اس عصر ہزار سال میں آپ ہی وجیہ العصر کہلانے کے مستحق ہیں، آپ کی وجاہت و نزاکت، طہارت و شرافت، نجابت و نفاست کا کیا کہنا، آپ حسن و جمال کا پیکر مجسم اور فضل و کمال کا نقش تمام بن کر آئے، آپ کی ہر اک ادا مظہر مصطفیٰ تھی، آپ کے اوصاف میں صدق صدیق کا جلوہ تھا، عدل فاروق کا نقشہ تھا، شرم عثمان کی جھلک تھی، جرات حیدری کی چمک تھی، جودِ حَسن کی مہک تھی اور صبر حسین کی چنک تھی، جن سنتوں پر کسی فرد بشر کا اختیار نہیں ہوتا، قدرت فیاض ازل نے وہ بھی ارزانی فرما دیں، آپ شکم مادر سے مختون پیدا ہوئے، ولادت کے وقت والدہ نے حسین خواب دیکھے، حضور تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیا کے کمالات سے نوازا گیا اور حضور تاجدار اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو تمام اولیا کے کمالات سے سرفراز کیا گیا، ادھر قیصر و کسریٰ کے تخت لرزہ براندام ہوئے، ادھر اکبر اعظم کے ادیوانوں میں زلزلے آگئے، ادھر انبیا کی بشارات تھیں، ادھر اولیا کی بشارات تھیں، ان کا انبیا انتظار کرتے تھے، ان کا اولیا انتظار کرتے تھے، ادھر چالیس سال کے بعد کمالات نبوت کا اظہار کیا گیا، ادھر چالیس سال کے بعد کمالات ولایت کا پرچار کیا گیا، مظہریت محمدی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ قرآنی حروف مقطعات کے اسرار جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز سبحانی تھے، وہ بھی ﴿ان کے طفیل﴾ آپ کے باطن پر ظاہر کیے گئے، ﴿حضرات القدس﴾ آپ کے حسن و جمال کی ایک جھلک دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ مظہر یت محمدی کس قدر نمایاں ہے، حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی گندمی رنگ لیکن مائل بہ سپیدی تھے اور کشادہ پیشانی تھے اور آپ جیسے سردار کبار کی پیشانی اور چہرہ نورانی سے ایک نور چمکتا تھا کہ آنکھیں اس کے مشاہدے سے خیرہ ہو جاتی تھیں، آپ کشادہ ابرو تھے اور ابرو ایسے تھے جیسے ایک مخنی کمان یعنی لمبے سیاہ اور باریک بھی، آپ کی آنکھیں کشادہ اور بڑی بڑی تھیں، ان کی سیاہی زیادہ سیاہ تھی اور سفیدی بھی بہت سفید تھی، آپ کی ناک بلند اور باریک تھی، لب سرخ اور باریک تھے، منہ نہ لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا، آپ کے دانت ایک دوسرے سے ملے

ہوئے اور چمکدار تھے جیسے لعل بدخشاں ہوں، آپ کی ریش مبارک خوب گھنی دراز اور مربع تھی، آپ کے رخساروں پر آپ کی ریش مبارک کے بال تجاوز نہیں کرتے تھے، آپ دراز قد اور نازک اندام تھے اور کبھی آپ کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی، آپ کے پاؤں کی ایڑیاں ایسی صاف اور چمکدار تھیں جیسے چین و چگل کے محبوبوں کی ہوتی ہیں اور آپ کے پسینے سے کبھی ناگوار بدبو نہیں آتی تھی جیسی کہ موسم گرما میں ہو جاتی ہے، غرض کہ آپ کا حسن یوسف علیہ السلام کے حسن کی یاد تازہ کر دیتا تھا اور آپ کی وجاہت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت کی یاد دلاتی تھی، جو شخص بھی آپ کو دیکھتا بے اختیار پکار اٹھتا، ''یہ انسان نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے'' اور بلا تامل ہر شخص کی زبان پر جاری ہو جاتا، سبحان اللہ! یہی اللہ کے ولی ہیں، گویا یہ حدیث کہ اولیا اللہ کے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے، آپ ہی کی یاد میں وارد ہوئی تھی، اسلام کے ضعف اور کفر کے غلبے کے باوجود ہزاروں کافر آپ جیسے قبلہ ابرار کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور فاسقوں اور فاجروں کی کثیر جماعت آپ کے اطوار و اخلاق کو دیکھ کر تائب ہوئی اور صلاح و تقویٰ اور خدا پرستی کی طرف آ گئی، دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ آپ کو واقعات اور خوابوں میں دیکھ کر اور رابطہ حاصل کر کے آپ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور جیسا کہ وہ واقعے میں دیکھتے تھے ٹھیک اسی طرح آپ کو حاضر ہو کر دیکھتے تھے، بہت سے علما، صلحا، درویشوں اور امیروں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر آپ سے ذکر و شغل کا طریقہ سیکھا اور ان کا دل بھی اس ذکر سے ذاکر بن گیا، پھر پورے اشتیاق کے ساتھ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تعلیم طریقہ حاصل کی اور اسے ویسا ہی پایا جیسا کہ خواب میں حاصل کیا تھا، ﴿حضرات القدس، ۱۷۱، ۱۷۱:۲﴾ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے، ''شیخ احمد سرہندی کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں'' ﴿زبدۃ المقامات، ۲۲۶﴾

زبہر آں بتے چوں شمع و چوں گل
گرفتہ جنگ با پروانہ بلبل

مظہریت محمدی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ آپ کی عمر مستعار تریسٹھ سال ہوئی، اس امر کا آپ کو الہام کیا گیا تھا اس لیے بہت خوش ہوئے کہ حضور انور ﷺ کی پیروی عمر کے معاملے میں بھی ان شاء اللہ نصیب ہو گی اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی

عمروں کے ساتھ بھی متابعت میسر ہو گی، یہ تھے وجیہ العصر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ کی عکاس تھی اور ہر ہر انداز متابعت مجتبیٰ کا ترجمان تھا۔ راقم نے عرض کیا ہے ؎

اے جمال سرمدی اے عکس حسن احمدی
تجھ کو زیبا ہے جہان آرزو کی سروری
تیرے کوچے میں نظر والوں کو کیا آیا نظر
حسن کی عشوہ طرازی عشق کی دیدہ وری
نالہ زن بلبل ، گریباں چاک گل ، بے چین دل
جستجو کے شوق میں کیا کھو گئی ہے دلبری
تو جہانگیری تفاخر پر گرا بن کر عتاب
تیری ہیبت سے مٹا جاہ وجلال اکبری
آکہ یہ گوشہ جاں ہے جان جاں تیرے لیے
آکہ نظروں میں ترا ہے انتظار سرمدی
تیرا انداز جلالت مظہر فاروق ہے
دیکھ کر جسکو لرزتی ہے جہاں کی کافری
اے کہ جس کے نام سے ملتا ہے دل کو حوصلہ
اے کہ جس کے عشق نے بخشی خرد کو آگہی
تو مجدد الف ثانی آفتاب چرخ دین
آج تک پھیلی ہوئی ہے تیرے دم کی روشنی
میری امیدوں کا میخانہ ہوا ویران کیوں
میں ہوں اور ٹوٹے ہوئے جام و سبو اور بیکسی
تیری چوکھٹ پر جھکے شاہان عالم کے غرور
کون کر سکتا ہے تیرے بام و در کی ہمسری
اے گلیم بو ذری ، دلق اویسی کے نقیب

تیری دنیا میں نظر آئی حیات اخروی
اس غلام زار کے دل میں تیرا ارمان ہے
اب توہو بندہ نوازی اب تو ہو چارہ گری

......﴿ مصادر ﴾......

1 مکتوبات امام ربانی از حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ﷫

2 زبدۃ المقامات از حضرت خواجہ ہاشم کشمی ﷫ مطبوعہ سیالکوٹ

3 حضرات القدس از حضرت خواجہ بدرالدین سرہندی ﷫ مطبوعہ سیالکوٹ

4 سیرت مجدد الف ثانی جدید از حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مطبوعہ کراچی

5 مجددی عقائد از حضرت علامہ عبدالحکیم اختر مظہری مطبوعہ لاہور

6 تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از حضرت علامہ نور بخش توکلی مطبوعہ گجرات

7 ملفوظات شریفہ از حضرت شیخ غلام علی دہلوی مطبوعہ لاہور

8 مقامات مظہری از حضرت شیخ غلام علی دہلوی مطبوعہ لاہور

9 مقامات معصومی ترتیب از پروفیسر محمد اقبال مجددی مطبوعہ لاہور

10 ارشاد الطالبین از حضرت شیخ ثناء اللہ پانی پتی مطبوعہ لاہور

11 حضرت مجدد اور ناقدین از حضرت شیخ ابوالحسن زید فاروقی مطبوعہ دہلی

12 جواہر نقشبندیہ از حضرت علامہ محمد یوسف مجددی مطبوعہ فیصل آباد

13 مجدد الف ثانی حالات وافکار از ڈاکٹر مسعود احمد مظہری مطبوعہ کراچی

14 مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال از ڈاکٹر مسعود احمد مظہری مطبوعہ کراچی

15 تشکیل جدید الٰہیات از ڈاکٹر محمد اقبال مطبوعہ لاہور

16 مجدد الف ثانی کا تصور توحید از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مطبوعہ لاہور

17 ابجد العلوم از نواب صدیق حسن بھوپالی مطبوعہ بھوپال

18 تصوف اسلام از مولانا عبدالماجد دریا آبادی مطبوعہ لکھنؤ

19 خزینۃ الاصفیا از مفتی غلام سرور لاہوری مطبوعہ لاہور

20 تذکرہ مجدد الف ثانی از مولانا منظور احمد نعمانی مطبوعہ لکھنؤ

......⊙......

باب نہم

اعتقادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں عالم اسلام مختلف عقائد و نظریات میں بٹا ہوا تھا، صوفیائے خام اور علمائے سُوء نے ہدایت کے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے، آپ نے اپنی قوم کو ضلالت کے قعرِ عمیق سے نکالنے کے لیے اسلافِ کرام کے عقائد ونظریات کا درس دیا، اسلافِ کرام نے ہمیشہ کتاب وسنت کا درس دیا تھا اور ہر دور میں نجات وحیات کا دار و مدار صرف اور صرف کتاب وسنت پر ہے، یہی لوگ حزب اللہ کے لقب سے ملقب تھے اور انھیں ہی دو جہان کی کامیابی کی بشارت عطا کی گئی تھی، آپ ایک عزیز کو نصیحت آموز لہجے میں فرماتے ہیں، آپ نے فائدہ مند باتوں کا مطالبہ کیا ہے، مخدوم گرامی! آپ کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں تاکہ نجات ابدی میسر آئے، علم، عمل، اخلاص، پھر علم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علم جس پر عمل مقصود ہے، فقہ اس کو بیان کرنے کا کفیل ہے، دوسری وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقین قلب ہے، اس علم کی تفصیل اہل سنت و جماعت کی آرائے صائبہ کے مطابق علم کلام کی کتابوں میں موجود ہے، چونکہ اہل سنت و جماعت ہی ناجی فرقہ ہے لہذا ان بزرگوں کی پیروی کے بغیر نجات مقصود نہیں، اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت کی تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے بھی درجہ یقین تک پہنچ چکی ہے، اسی لیے اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہے، تو کس قدر مبارک ہے وہ شخص جسکو ان بزرگوں کی متابعت کی توفیق مل گئی اور ان کی تقلید کا شرف حاصل ہوگیا اور خرابی ہے اس کے لیے جو ان کے مخالف چلا، ان کے گروہ سے نکلنے والا خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر ڈالتا ہے۔[1]

ایک اور مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ عقلمندوں کا اولین فریضہ یہی ہے کہ اپنے عقائد و نظریات کو حضرات علمائے اہل سنت کے عقائد و نظریات کی روشنی میں درست کریں کیونکہ فرقہ ناجیہ یہی ہیں، ۲ ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں، سب سے پہلے آدمی پر ضروری ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کیا جائے کیونکہ یہی مسلمانوں کا سواد اعظم ہے، عقائد کی اصلاح بہت ضروری ہے تا کہ آخرت میں کامیابی میسر آسکے، اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھنا بداعتقادی ہے جو سم قاتل ہے اور اس کا نتیجہ ابدی موت ہے اور دائمی عذاب ہے، عمل میں اگر سستی یا کوتاہی ہو جائے تو بخشش کی امید ہو سکتی ہے لیکن عقیدے میں تساہل اور خرابی ہوئی تو نجات کی کوئی امید نہیں رہتی، ۳ آپ نے اسی مضمون پر بہت سے مکتوبات گرامی میں کھل کر اظہار خیال فرمایا ہے، ایک جگہ دیکھئے کتنا واضح انداز اپنایا ہے، حضور پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں اکہتر فرقے بن گئے جن میں ایک کے سوا سب جہنمی تھے، قریب ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے بن جائیں گے جن میں ایک جنتی ہوگا باقی سب جہنمی، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ، وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا، آپ نے فرمایا، وہ اسی طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں، پس اس نجات پانے والے فرقے کا نام اہل سنت و جماعت ہے اور وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کو ضروری قرار دیتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کرتے ہیں، اے اللہ! ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقیدے پر قائم رکھنا اور اسی جماعت میں رہتے ہوئے ہمیں موت آئے اور انہی حضرات میں ہمارا حشر و نشر ہو۔ ۴

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف عظیم پر کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و اہل بیت کے بہت سے روشن دلائل قائم ہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قرآن پاک نے چار قسم کے افراد کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حقدار قرار دیا ہے، انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، ذرا غور تو کیجئے کہ تمام فرقے ان میں سے کسی نہ کسی کا انکار ضرور کرتے ہیں، خارجیوں نے ہمیشہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن مجتبیٰ، حضرت حسین سید الشہدا اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم جیسے بلند پایہ شہیدان وفا کا انکار کیا تو رافضیوں نے حضرت ابوبکر

صدیق اور حضرت سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا جیسے صدیقین سے انحراف کیا، کوئی غوث اعظم، شاہ نقشبند، خواجہ ہجویر اور سید اجمیر جیسے بزرگوں کے کمالات اور کرامات کا منکر ہے تو کوئی امام احمد، امام شافعی اور امام مالک جیسی ہستیوں کی تعلیمات وتقلیدات کا دشمن ہے، یہ اہل سنت و جماعت ہی وہ خوش نصیب گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کا اعتراف کرتا ہے، یہی گروہ تمام انبیا کرام، صدیقین عظام، شہدائے اسلام اور صالحین والا مقام کا تہ دل سے دریوزہ گر ہے، یہی گروہ صحابہ کرام کو آسمان ہدائت کے ستارے سمجھتا ہے اور اہل بیت اطہار کو کشتی امت کے سہارے جانتا ہے ؎

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی
تم کو اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عظیم مصلح ملت اور راہبر امت کی حیثیت سے اجاگر ہوئے اور آپ نے وقت کی اہم ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اہل سنت و جماعت کے عقائد ونظریات کو صحیح معنوں میں واضع کیا، ہم محولہ بالا عنوان کے پیش نظر صرف آپ کے مکتوبات گرامی کی روشنی میں عقائد اہل سنت رقم کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، شاید کوئی بھٹکا ہوا مسافر اس روشنی سے منزل مراد کا تعین کرنے میں کامیاب ہو جائے ؎

اب جس کے جی میں آئے وہی پالے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

ذات وصفات حق تعالیٰ:

مغل اعظم کے دور میں مختلف مذاہب کا معجون مرکب تیار کیا گیا جسکا نام دین الٰہی تھا، دوسری طرف صوفیائے خام نے وحدت الوجود کی غلط تشریحات وتعبیرات سے خالق و مخلوق، عابد ومعبود، ساجد ومسجود کو ایک ہی وجود کے سانچے میں ڈھال رکھا تھا، ان کی چشم کو تاہ بین میں رحمان اور رام، مسجد اور مندر، کعبہ اور بت خانہ کے جملہ امتیازات ختم ہو چکے تھے، اسلام اور کفر کے سارے فاصلے مٹ چکے تھے، ایسے گمراہ معاشرے میں اسلام کے

ناجی گروہ کے اعتقاد واحدنیت کو عام کرنا کس قدر ضروری تھا، ان اقتباسات سے اندازہ لگائیے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فریضہ کتنی کامیابی سے ادا کیا ہے:

......﴿1﴾......

''اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے، اس کی ہستی بذات خود قائم ہے اور جسطرح سے وہ اب ہے ہمیشہ سے اس طرح ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا، عدم سابق اور عدم لاحق کی اس ذات مقدس تک رسائی نہیں کیونکہ وجوب وجود اس کی بارگاہ کا ادنیٰ خادم ہے اور سلب عدم اس کی مقدس بارگاہ کا کمترین خاکروب ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہے جسے عالم کہتے ہیں، خواہ وہ عناصر وافلاک ہوں، خواہ عقول ونفوس اور خواہ بساط ومراکب، تمام خدا تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں اور عدم سے وجود میں آئے ہیں، قدم ذاتی اور زمانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہوا ہے اور اس کے ماسوا کے لیے حدث ذاتی و زمانی ثابت ہے'' ۵

......﴿2﴾......

''حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے، تمام مسلمانوں کا اس عقیدے پر اجماع ہے اور جو کوئی حق تعالیٰ کے سوا کسی کے قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی اس وجہ سے تکفیر کی تھی کہ وہ عقول ونفوس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں نیز صورت وہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو بھی ان کی اشیا سمیت قدیم سمجھتے ہیں'' ۶

......﴿3﴾......

''اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے، جوہر اور عرض نہیں ہے، محدود اور متناہی نہیں ہے، طویل اور عریض نہیں ہے، دراز اور کوتاہ نہیں ہے، فراخ اور تنگ نہیں ہے، وہ فراخی والا ہے، لیکن ایسی وسعت کے ساتھ نہیں جو ہمارے فہم میں آسکے، وہ محیط ہے لیکن اس کا احاطہ ایسا نہیں ہے جس کا ادراک کیا جاسکے، وہ قریب ہے لیکن ایسے قرب کے ساتھ نہیں جو ہماری سمجھ میں آتا ہے، وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن معیت متعارفہ کے ساتھ نہیں، ہم ایمان لاتے ہیں وہ فراخی والا ہے، احاطہ کرنے والا ہے، قریب ہے، ہمارے ساتھ ہے، لیکن ان

صفات کی کیفیات کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیسی ہیں اور جو کچھ اس سلسلے میں ہم سمجھتے ہیں اس پر یقین کرنا مجسمہ کے مذہب میں قدم رکھنا ہے'' ۷

......4......

''حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کو پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں، ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے، جس کی طرف اللہ نے اہل سنت و جماعت کو ہدائت فرمائی ہے، باقی تمام فرقے اس فرق کی ہدائت نہ پانے کے باعث گمراہ ہیں'' ۸

......5......

''جاننا چاہیے کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ عرش کے اوپر قرار پذیر ہے اور اس طرح مقام اور جہت اس کے لیے ثابت ہے، اللہ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کے جنابِ تقدس وتعالیٰ کے لائق نہیں پاک و منزہ ہے، زید کی صورت کا شیشے میں نظر آنا زید کے شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں، اگرچہ بے عقل لوگ وہم میں پھنس جاتے ہیں'' ۹

......6......

''اللہ تعالیٰ جیسے بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے، وہ فعل اچھے ہوں یا برے، سب اللہ کی تقدیر سے ہیں، ہر چند کہ یہ دونوں اسی کے ارادے اور مشیت سے ہیں لیکن وہ اچھے کاموں سے راضی اور برے کاموں سے راضی نہیں ہے، لیکن تنہا شر کو سوئے ادبی کے باعث اس کی طرف منسوب نہ کریں یعنی ''خالق الشر'' نہیں کہنا چاہیے بلکہ ''خالق الخیر والشر'' کہا جائے، اسی طرح علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق کہنا تو بالکل درست ہے لیکن گندگیوں اور خنزیروں کا خالق نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ذات باری تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے'' ۱۰

......7......

''وہ جو علما کرام نے کہا ہے کہ لا یجری علیہ تعالیٰ زمان، یعنی اللہ تعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہوتے، اس کی صورت یہی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سامنے

ازل سے ابد تک ایک آن واحد ہے جو حاضر ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ماضی اور مستقبل کا کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ اس ایک آن میں متعدد امور کا ظہور ہوتا ہے اور لوح ہستی پر مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لہذا اس تعلق کی وجہ سے وہی ایک آن متعدد آنوں اور متعدد زمانوں کی صورت میں نظر آتی ہے'' [11]

......﴿8﴾......

''اللہ تعالیٰ نے جو قصد و اختیار بندے کو دے رکھا ہے وہ فعل اور ترک فعل دونوں کے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کرام علیہم السلام کی زبانی فعل کا حسن و قبح تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے، اس کے باوجود جب بندہ ایک جہت کو اختیار کرتا ہے تو اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اس کی ملامت کی جائے یا اسے ممدوح ٹھہرایا جائے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو وہ قدرت و اختیار دیا ہے کہ شرعی اوامر و نواہی سے عہدہ برآ ہو سکے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ پوری قدرت اور پورا اختیار دیا جاتا بلکہ اتنا دے دیا ہے جتنا چاہیے تھا اور اس کا منکر ہدایت کا معارضہ کرتا ہے، بیمار دل والا ہے اور شریعت کی تکمیل میں عاجز ہے، یہ مسئلہ علم کلام کے دقیق مسائل میں سے ہے، اس مسئلہ کی انتہائی شرح و بیان یہی ہے جو ان اوراق میں مندرج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے، جو کچھ علمائے اہل حق نے فرمایا ہے وہ پورا کرنا چاہیے اور مقابلہ اور جنگ میں نہیں پڑنا چاہیے'' [12]

......﴿9﴾......

''حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نفس وجود اور تمام کمالات میں جو کہ وجود کے توابع ہیں مثلاً حیات، علم، قدرت، بصر، ارادہ، سمع، کلام اور تکوین میں بذات اقدس خود کافی ہے اور ان کمالات کے حصول میں وہ صفات زائدہ کا محتاج نہیں ہے اگرچہ صفات کاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، پس اللہ تعالیٰ جس طرح خود اپنی ذات سے موجود ہے نہ کہ وجود سے، اسی طرح وہ اپنی ذات سے زندہ ہے نہ کہ صفت حیات سے اور اپنی ذات سے جاننے والا ہے نہ کہ صفت علم سے اور اپنی ذات سے دیکھنے والا ہے نہ کہ صفت بصر سے اور اپنی ذات سے سننے والا ہے نہ کہ صفت سمع سے اور اپنی ذات سے قادر ہے نہ کہ صفت قدرت سے اور اپنی ذات سے ارادہ کرنے والا ہے نہ کہ صفت ارادہ سے اور اپنی ذات سے متکلم

ہے نہ کہ صفت کلام سے اور اپنی ذات سے کائنات کا موجد ہے نہ کہ صفت تکوین سے'' [13]

......﴿10﴾......

''آخرت میں ایمان والے اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف و بے شبہ و بے مثال بہشت میں دیکھیں گے، یہ ایک مسئلہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے سوا تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت فرقے اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف دیدار کی تجویز کو درست نہیں سمجھتے'' [14]

......﴿11﴾......

''مومن اللہ تعالیٰ کو بہشت میں بے چون و بے چگون دیکھیں گے کیونکہ جو رویت بے چون سے متعلق ہے وہ خود بھی بے چون ہوگی بلکہ دیکھنے والا بھی بے چون سے وافر حصہ پائے گا تا کہ بے چون کو دیکھ سکے، بادشاہ کے عطیات کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں، اس معمہ کو آج اپنے اخص اولیا پر حل کر دیا ہے اور ان پر منکشف فرما دیا ہے، یہ دقیق مسئلہ ان بزرگوں کے نزدیک تحقیقی ہے اور دوسروں کے نزدیک تقلیدی، اہل سنت و جماعت کے علاوہ دیگر فرق و مذاہب سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، کوئی بھی اس مسئلہ کا قائل نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی رویت کو بزرگان اہل سنت و جماعت کے سوا سب محال سمجھتے ہیں اور ان مخالفین کی دلیل غائب کا حاضر پر قیاس ہے جس کا فساد ظاہر ہے، ایسے دقیق مسئلے میں ایمان کا حصول سنت سنیہ کے نور متابعت کے بغیر محال ہے ؎

لائق دولت نہ بود ہر سرے
بار مسیحا نہ کشد ہر خرے

دنیا میں رویت باری تعالیٰ واقع نہیں ہے، یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی، جو دنیا میں رویت کا قائل ہو وہ مفتری ہے، اس نے خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خدا سمجھ رکھا ہے، یہ دولت اگر دنیا میں میسر آ سکتی تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام دوسرے کی نسبت اس کے زیادہ حقدار تھے، آخرت میں رویت کا ہونا برحق ہے، ہمارا اس پر ایمان ہے لیکن ہم اس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی کیونکہ عوام کا فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے، اس کی وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے

کیونکہ ان کے لیے تو اس دولت سے دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے اگر چہ اس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔'' 15

انبیا کرام اور خیرالانام:

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ اس کے انبیا کرام اور حضور تاجدار انبیا، رسول مجتبیٰ، نبی مصطفیٰ، باعث تخلیق دوسرا، خیرالانام علیہم السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دے اور ان کے جملہ کمالات و معجزات کو تہ دل سے تسلیم کرے، ان کو ہر اعتبار سے تمام مخلوقات ارضی و سماوی کا مقتدا سمجھے اور ان کو ہر گناہ سے معصوم جانے، پھر حضور خاتم الرسل، ہادی سبل، مولائے کل، محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کو تمام انبیا کرام کا سردار تصور کرے۔

ملک کونین میں انبیا تاجدار — تاجداروں کا آقا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رسل — اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی

حضرات انبیا کرام اور حضور خیرالانام علیہم السلام کے متعلق حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کا روشن عقیدہ رقم فرماتے ہیں:

......﴿1﴾......

''انبیا کرام خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے پاس بھیجے گئے تا کہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی جانب بلائیں اور گمراہی سے راہ راست پر لائیں اور جو ان کی دعوت کو قبول کرے اسے بہشت کی خوش خبری دیں اور جو ان کا انکار کرے اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں، جو کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا ہے اور جس کی تبلیغ فرمائی ہے وہ سب حق و صداقت پر مبنی ہے اور کہیں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں'' 16

......﴿2﴾......

''محمد رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں کے خاتم اور آپ کا دین، ادیان سابقہ کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب پہلی کتابوں سے بہترین ہے، آپ کی شریعت کا ناسخ کوئی نہیں ہوگا اور قیامت تک یہی شریعت رہے گی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو نزول فرمائیں گے وہ بھی آپ کی شریعت پر ہی عمل کریں گے اور آپ کے امتی کی حیثیت میں رہیں گے'' 17

......《3》......

''جاننا چاہیے کہ خلق محمدی دوسرے انسانی افراد کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افراد عالم میں سے کسی بھی فرد کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتی، رسول اللہ ﷺ عنصری پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا ہے، خلقت من نور الله، میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں، دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے'' ۱۸

......《4》......

: ''کشف صریح سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اس امکان سے ہے جو صفات اضافیہ سے تعلق رکھتا ہے اس امکان سے نہیں جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے اور جس قدر بھی دقت نظر سے ممکنات عالم کے صحیفے کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ کا وجود اس میں مشہود نہیں ہوتا، رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا منشا اور آپ کا امکان صفات اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے، جب آنحضرت ﷺ اس عالم ممکنات میں سے نہیں ہوں گے بلکہ اس عالم سے اوپر ہوں گے تو یقینی بات ہے کہ ان کا سایہ نہیں ہوگا، عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے لطیف تر ہوتا ہے لیکن جب ان سے لطیف تر اس دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے تو ان کا سایہ کسی صورت میں ہوتا'' ۱۹

......《5》......

''علم جملی جو کہ صفات اضافیہ سے ہو گیا ہے وہ ایک ایسا نور جو عنصری پیدائش میں اصلاب سے متعدد ارحام میں پہنچتے ہوئے اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق انسانی صورت میں جو بہترین شکل ہے ظاہر ہوا اور وہی محمد و احمد ﷺ کے نام سے موسوم ہوا''

﴿ آپ کا اگلا عرفان یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی پیدائش ''حُب'' سے ہے ﴾ ۲۰

......《6》......

''خرمستی کا شکار ہونے والوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بشر کہا اور باقی انسانوں جیسا تصور کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ منکر ہو گئے اور خوش قسمت لوگوں نے انہیں رسالت کے رنگ میں دیکھا، رحمت عالمیان جانا اور تمام انسانوں سے ممتاز سمجھا تو ایمان جیسی متاع

عزیز سے مشرف ہو گئے اور ان کا شمار اہل نجات میں ہو گیا'' ۲۱

......﴿7﴾......

''حاصل کلام یہ کہ اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تا کہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو اپنی بشریت ظاہر کرنے کے لیے بڑی تاکید سے امر فرمایا، قل انما انا بشر مثلکم کالانا تاکید بشریت کے لیے ہے اور وجود عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی جانب روحانیت غالب ہو گئی اور بشریت کی مناسبت گم ہو گئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہو گیا'' ۲۲

......﴿8﴾......

''سید البشر ﷺ معراج کی رات رویت باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے جو کہ ظلال کے پردوں سے دور تھی بلکہ بہت ہی دور تھی کہ وہ ظلیت کے شائبہ اور آمیزش سے بھی پاک ہے تو ان کے حق میں غیب رویت سے کامل کب رہ گیا، غیب پر اکتفا تو صرف ظلیت کو رفع کرنے کے لیے تھا اور جب ظلیت پوری طرح رفع ہو گئی اور عین حضوری میسر آ گئی تو غیب کی کیا ضرورت رہ گئی، یہ وہ متاع گراں ہے جو صرف اور صرف سید الکونین ﷺ کے لیے مخصوص ہے اور آپ کے کامل ترین پیروکاروں کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے لیکن چونکہ مقام رویت نہیں ہے پس شہود و مشاہدہ بھی نہیں ہے، اس مقام کو لفظ غیب سے تعبیر کرنا بہترین عبارت ہے'' ۲۳

......﴿9﴾......

''انبیا کرام اور صلحا عظام کی شفاعت باذن اللہ قیامت کے روز اہل ایمان کے لیے ثابت ہے، پہلے انبیا کرام کی، پھر صلحا عظام کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، میری شفاعت اہل کبائر کے لیے ہے'' ۲۴

......﴿10﴾......

''سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں، قیامت کے

دن آپ کے امتی سب نبیوں سے زیادہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ سب اگلے پچھلوں سے زیادہ معزز ہیں، سب سے پہلے آپ کی قبر انور شق ہوگی، سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی کی شفاعت قبول ہوگی، سب سے پہلے آپ ہی جنت کے دروازے پر دستک دیں گے، پس اللہ تعالیٰ آپ پر دروازہ کھول دے گا، قیامت کے روز آپ حمد کا جھنڈا بلند فرمائیں گے جس کے نیچے حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیا کرام علیہم السلام جلوہ فرما ہوں گے'' ۲۵

......﴿11﴾......

'' اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے'' ۲۶

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

ملائکہ کرام کے بارے میں:

ملائکہ کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں جن کی تخلیق نور سے ہوئی، یہ ہر وقت اللہ کی عبادت واطاعت میں سرگرم عمل رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی عصمت جیسی گراں قدر دولت سے مشرف فرمایا ہے، ملائکہ کرام علیہم السلام کی تعداد بے شمار ہے جس کا احاطہ انسانی عقل سے خارج ہے، ان کے سردار چار فرشتے ہیں، حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، ان چاروں میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا مقام زیادہ بزرگ و برتر ہے، یہ چاروں فرشتگان نور مختلف فرائض پر مامور کیے گئے ہیں، ان کے ماتحت لاکھوں فرشتے مختلف کاموں میں مصروف ہیں، ان کے علاوہ جنت کا نگہبان فرشتہ رضوان اور جہنم کا داروغہ مالک جہنم بھی نہایت عزت وعظمت کے حامل ہیں، نکیرین اور کراماً کاتبین کا بھی اپنا مخصوص درجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس فرشتوں کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا ہے، فرمایا:

من کان عدوالله وملائکته و رسله و جبریل و میکال

فـان الـلـه عـدو للكـافرين ، جوکوئی دشمن ہوا اللہ اوراس کے
فرشتوں اوراس کے رسولوں اور جبریل ومیکائیل کا تو اللہ دشمن ہے
کافروں کا، ۲۷؎

کتاب وسنت کی ان تصریحات کی روشنی میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ رقم فرماتے ہیں:

......﴿1﴾......

''فرشتے اللہ تعالیٰ کے معزز بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رسالت اور تبلیغ سے مشرف ہیں، ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اسکی تعمیل کرتے ہیں، خدا کی نافرمانی کرنا ان کے حق میں مفقود ہے، انہیں خوراک اور پوشاک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، وہ میاں بیوی کے تعلق سے دور اور توالد وتناسل سے مبرا ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے ان کے ذریعے نازل ہوئے، یہ امانت ان کے ذریعے محفوظ ومامون رہی، فرشتوں پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے اور ان کو سچا جاننا اسلام کے واجبات میں سے ہے'' ۲۸؎

......﴿2﴾......

''فرشتے خطا اور خلل سے محفوظ ہیں اور دشمن کے مکر وفریب سے مامون ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغامات پہنچائے سب حق اور درست ہیں، اس عمل میں احتمال اور اشتباہ کا شائبہ تک نہیں ہے، یہ بزرگوار اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور تعمیل حکم کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں ہے'' ۲۹؎

آج کل ہماری محافل نعت میں کچھ جاہل نعت خوان یہ شعر پڑھتے ہیں اور عوام اہل سنت سے داد وامداد کے ذخیرے جمع کرتے ہیں ؎

در زہرا پہ یہ جبریل نے اکثر سوچا
پیغام کسے دوں یہ تو سارے ہیں محمد

یہ شعر واضح طور پر بتا رہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پنجتن پاک کوا کٹھے جلوہ گر دیکھ کر اکثر سوچتے رہتے تھے کہ یہ تمام بزرگ تو محمد ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کا پیغام کسے سناؤں، اس شعر میں عقائد اہل سنت کا کس طرح قتل عام کیا گیا ہے، اس کا کسی کو اندازہ نہیں، سب سے بڑا

ظلم تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کو بھی محمد کہا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ارضی وسماوی میں محمد ایک ہی بنایا ہے، آپ کی ذات اور صفات ہر اعتبار سے تمام مخلوقات عالم میں بے مثال ہیں، خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے کہ میری آنکھ نے آپ جیسا خوبصورت نہ پہلے کوئی دیکھا اور نہ بعد میں کوئی دیکھا ۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو ہی شہ دوسرا جانا

پھر یہ ظلم بھی کم نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام پیغام رسانی کے دوران اکثر سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ ان میں پیغمبر کون ہے اور غیر پیغمبر کون ہے، یہ اہل سنت و جماعت کے اس روشن عقیدے کے خلاف ہے کہ فرشتے ہر قسم کی خطا اور خلل سے محفوظ ہیں، دشمنان صحابہ میں سے ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو واضح طور پر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وحی الٰہی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر نازل ہونی تھی، حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کر دی، یہ باطل عقیدہ دراصل یہودیت سے مستعار لیا گیا ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام پر کھلے بندوں تنقید کی گئی ہے کہ انہوں نے وحی اور نبوت کی دولت بنی اسرائیل سے چھین کر بنی اسمائیل کو عطا کر دی تھی، اس قسم کے شاعر اہل بیت اطہار کے محبّ نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ ان کے شر انگیز کلام سے اہل سنت و جماعت کو محفوظ فرمائے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے چار کتابیں اپنے انتہائی مقرب رسولوں پر نازل فرمائیں، تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید، ان کتابوں کو برحق ماننا انتہائی ضروری ہے، قرآن مجید تو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے پاک ہے لیکن پہلی کتب ثلاثہ کو قوم نے تبدیل کر دیا لہذا ہم ان اصل کتابوں کی حقانیت پر کامل یقین رکھتے ہیں جو ان مقرب رسولوں پر نازل کی گئی تھیں، ان کی موجودہ حالت قطعی طور پر قابل یقین نہیں، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

⊙......اور ہم انبیا کرام کے پیچھے ان کے آثار پر عیسیٰ ابن مریم کو لائے جو اپنے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہے اور ہم نے

اسے انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرتی ہے تورات کی کہ جو اس سے پہلے تھی اور ہدایت و نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لیے○ ۳۰؎

⊙......بے شک ہم نے بعض انبیا کو بعض انبیا پر فضیلت عطا فرمائی اور داود کو زبور عطا فرمائی○ ۳۱؎

⊙......اے محبوب! اس نے تم پر کتاب برحق نازل فرمائی ، جو اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے، اس نے اس سے پہلے تورات اور انجیل نازل فرمائی جو انسانوں کے لیے ہدایت تھی اور اس نے فرقان کو نازل فرمایا، بے شک جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہو گئے، ان کے لیے شدت والا عذاب ہے○ ۳۲؎

⊙......اے محبوب! ہم نے تم پر قرآن تدریج کے ساتھ نازل فرمایا○ ۳۳؎

اور بھی بہت سی آیات مبارکہ ہیں جن میں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید کی شان و عظمت کا ذکر ہے، ان آیات کی روشنی میں حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

......﴿1﴾......

''وہ کتابیں اور صحیفے جو پہلے انبیا کرام علیہم السلام پر نازل کیے گئے تھے، وہ سب بھی خدا تعالیٰ کا کلام ہیں اور جو کچھ قرآن کریم، دیگر کتب سابقہ اور صحائف اولیٰ میں درج ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں کہ اپنے وقت کے مطابق بندوں کو ان پر عمل کرنے کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے'' ۳۴؎

......﴿2﴾......

''قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حروف و آواز کے الفاظ میں آیا ہے اور ہمارے پیغمبر برحق ﷺ پر نازل ہوا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم دیا گیا ہے، جیسے ہم اپنے کلام کو اپنے حلق اور زبان کے ذریعے حروف و آواز کا لباس پہنا کر ظاہر

کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد کو میدان ظہور میں لاتے ہیں اس طرح حق سبحانہ نے اپنے کلام نفسی کو حلق اور زبان کے بغیر اپنی قدرت کاملہ سے حروف و آواز کا لباس پہنا کر بندوں کے لیے بھیجا ہے اور اپنے مخفی امر و نہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر منصۂ شہود پر جلوہ گر فرما دیا ہے، پس نفسی اور لفظی دونوں قسم کا کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور کلام کا اطلاق ان دونوں قسموں پر بطریق حقیقت ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے دونوں طرح کے کلام یعنی نفسی اور لفظی بطریق حقیقت دونوں ہمارے ہی شمار ہوں گے، بات یوں نہیں کہ پہلی قسم حقیقت ہو اور دوسری قسم مجاز، یہ اس لیے درست نہیں کہ مجاز کی نفی جائز ہے جبکہ کلام لفظی کی نفی کرنا اور اسے خدا تعالیٰ کا کلام نہ کہنا کفر ہے'' ۳۵

......﴿3﴾......

''متشابہات کی تاویل کا علم ان معاملات سے کنایات ہیں جو رسولان گرامی کے ساتھ مخصوص ہیں اور امتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو ان کی تبعیت و وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں، اس دنیا میں اُن پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا صرف نقاب اٹھاتے ہیں، لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف کریں گے، لیکن حقیقت کاملہ کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں فرماتے، بالجملہ جائز ہے متشابہات کی تاویل ان بعض کو حاصل ہو لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہوا ہے کیونکہ متشابہات جو معاملات سے اشارات و کنایات ہیں روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو، فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں سے بھی ایک خادم کے اندر مشاہدہ کیا ہے اور دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے'' ۳۶

......﴿4﴾......

''اس فقیر پر ظاہر فرمایا گیا ہے کہ الفاظ قرب اور معیت اور احاطہ حق تعالیٰ کے لیے جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں منجملہ متشابہات قرآنی کے ہیں جیسا کہ لفظ ید اور وجہ وغیرہ ہیں اور یہی حال اول و آخر اور ظاہر و باطن اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے، لہذا ہم حق تعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ قرب کیا چیز ہے، اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ یہاں اول سے کیا مراد ہے اور قرب و اولیت کے جو معنی

ہمارے علم وفہم میں آئے ہیں حق تعالیٰ اس سے منزہ و برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے'' ۳۷

برزخ اور احوال آخرت:

حیات بعد الممات، قیامت اور اسکی علامات، احوال آخرت، جنت اور دوزخ وغیرہ سب حقائق پر ایمان لانا ضروریات دین میں شامل ہے، ان سب حقائق کا ذکر کتاب وسنت میں بکثرت وارد ہے لہذا ان سے روگردانی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کرنا خسران ابدی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، قندیل نورانی، شہباز اوج عرفانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ان حقائق کے متعلق روشن عقائد کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

......(1)......

''چونکہ قبر دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے تو اس کا عذاب ایک لحاظ سے دنیاوی عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ ختم ہو جانے والا ہے اور دوسرے لحاظ سے آخرت کے عذاب سے مشابہت رکھتا ہے کہ وہ عذاب آخرت کی جنس سے ہے، اس عذاب کے مستحق اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتے، بے ہودہ باتیں بناتے ہیں اور چغل خوری کی عادت بد کا شکار ہیں، قبر میں منکر نکیر کے سوال بھی برحق ہیں اور یہ ایک عظیم آزمائش اور امتحان کا وقت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رکھے'' ۳۸

......(2)......

''جو کچھ انبیا کرام نے آخرت کے متعلق خبریں دی ہیں وہ سب صحیح ہیں، عذاب قبر اور اس کی تنگی، منکر نکیر کے قبر میں سوال اور دنیا کا فنا ہونا اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا گرنا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لیا جانا اور ان کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا، جسم میں روح کا آنا اور حشر ونشر کا ہونا، قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکیاں اور اعمال کا محاسبہ، کیے ہوئے افعال کے متعلق اعضا کی شہادتیں، نیکی اور بدی کے اعمال ناموں کا دائیں بائیں اڑتے پھرنا اور نیکیوں بدیوں کا وزن کرنے کی غرض سے ترازو کا رکھا جانا تاکہ نیکی اور بدی کی کمی زیادتی ظاہر کی جائے، نیکیوں کا پلڑا بھاری ہونا نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا رہا تو

خسارے کا نشان ہے، اس ترازو میں ہلکے بھاری کا معیار دنیاوی اصول کے خلاف ہوگا، وہاں بھاری اوپر کو جائے گا اور ہلکا نیچے کو جھکے گا'' ۳۹

......《3》......

''پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا، مؤمن اس کے اوپر سے گزر کر بہشت میں چلے جائیں گے اور کافروں کے پاؤں لڑکھڑائیں گے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں گر پڑیں گے، یہ حق ہے اور اسی طرح ثابت ہے، بہشت اہل ایمان کو آرام پہنچانے کے لیے تیار کی گئی ہے جبکہ دوزخ کافروں کو عذاب دینے کے لیے بنائی گئی ہے، یہ دونوں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گی اور کبھی فنا نہیں ہوں گی'' ۴۰

......《4》......

''قیامت کی علامات جن کی مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے وہ سب برحق ہیں، ان میں خلاف ہونے کا احتمال نہیں ہے مثلاً خلاف عادت سورج کا مغرب سے نکلنا، حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور، حضرت روح اللہ علیہ السلام کا نزول، دجال کا نکلنا، یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا، دابۃ الارض کا نکلنا، ایک دھوئیں کا آسمان سے پیدا ہو جانا جو لوگوں کو گھیرے گا اور دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور آدمی بے قراری سے کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! اس عذاب سے ہمیں بچا لے ہم ایمان لاتے ہیں اور آخری علامت وہ آگ ہے جو عدن سے اٹھے گی'' ۴۱

......《5》......

''حساب اور میزان اور پل صراط حق ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے ان کی خبر دی ہے، مقام نبوت سے ناآشنا لوگوں کے نزدیک اگر یہ امور بعید از عقل ہیں تو ان کا دعویٰ اعتبار کے لحاظ سے ساقط ہے کیونکہ نبوت کی حقیقت عقل کی حقیقت سے بہت بلند ہے اور انبیا کرام علیہم السلام کی دی ہوئی سچی خبروں کو عقل کے ساتھ موافقت پر مجبور کرنا حقیقت میں مقام نبوت کا انکار ہے کیونکہ یہاں تو بات صرف اتباع پر ختم ہو جاتی ہے، کیا وہ نہیں جانتے کہ مقام نبوت طور عقل کے خلاف ہے اور وہ انبیا کرام علیہم السلام کی تقلید کے لیے عالی مطالب کی طرف ہدایت نہیں پا سکتی، مخالفت اور چیز ہے اور وہاں تک رسائی نہ ہونا اور بات ہے کیونکہ

مخالفت مقصود تک پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے" ۴۲

ایمان اور کفر کے بارے میں:

ایمان کا مطلب ہے ضروریات دین کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا جبکہ کفر سے مراد ضروریات دین کا انکار ہے، اگر کوئی شخص تصدیق کا دعویٰ بھی کرے اور کفر سے بیزاری بھی ظاہر نہ کرے تو ظاہر ہے ایسا شخص دو دینوں کا ماننے والا ہے اور ارتداد کے نشان سے داغدار ہے، حقیقت میں اسے منافق کہا جائے گا کہ وہ نہ اِدھر ہے اور نہ اُدھر، پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے بیزاری اشد ضروری امر ہے، بیزاری یہ کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے، کفر و کافری اور خصائص کفر مثلاً زنار، بدھی اور اس قسم کی دوسری علامات و رسوم سے تبریٰ کرنا اور بیزار ہونا بھی تصدیق کی نشانی ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے ایمان اور کفر کے موضوع پر اہل سنت کا عقیدہ کھل کر بیان کیا ہے:

......﴿1﴾......

"ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے کہ جو کچھ تواتر اور یقین کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے خواہ اجمالاً خواہ تفصیلاً اسکا زبان سے اقرار کیا جائے ﴿اور دل سے تصدیق کی جائے﴾ اعضا کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں، ہاں وہ ایمان میں کمال بڑھاتے ہیں اور حسن پیدا کرتے ہیں" ۴۳

......﴿2﴾......

"گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں کوئی مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرے میں داخل نہیں ہو جاتا" ۴۴

......﴿3﴾......

"اگر گناہگار مومن سکرات موت سے پہلے توبہ کی توفیق پالے تو نجات کی قوی امید ہے کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے، اگر توبہ وانابت سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو اس کو معاف کردے اور جنت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو گناہ کے مطابق سزا دے، خواہ آگ سے یا آگ کے بغیر عذاب دے لیکن آخر کار پھر اس کی نجات ہے اور اس کا انجام بہشت ہے کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کافروں کے

ساتھ خاص ہے اور جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ رحمت کا امیدوار ہے، اگر اپنے گناہوں کے باعث ابتدا میں خدا تعالیٰ کی رحمت تک نہ پہنچا تو آخرت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت میسر ہو جائے گی'' ۴۵

......﴿4﴾......

''پانچوں نمازوں کی فرضیت اور ان کی متعین رکعات پر اور مال زکوٰۃ کی فرضیت پر اور رمضان المبارک کے روزوں اور بیت الحرام کے حج بشرط استطاعت پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح شراب پینے کی حرمت اور قتل نفس بغیر حق اور والدین کی نافرمانی اور چوری اور زنا اور یتیم کا مال کھانا، سود لینا اور ان جیسی چیزوں کی حرمت پر ایمان لانا جو تواتر سے ثابت ہو چکی ہیں، ضروریات دین سے ہے اور مومن کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر ایمان لانے سے خارج نہیں ہوتا، نہ کافر ہوتا ہے، کبیرہ گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے اور اسکا ارتکاب کرنا فسق ہے'' ۴۶

......﴿5﴾......

''اپنے آپ کو مومن برحق ماننا چاہیے یعنی ایمان کے ثبوت اور تحقیق کا اقرار کرنا چاہیے اور کلمہ استثنا یعنی ایمان کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس سے شک کا وہم ہوتا ہے اور یہ ایمان لانے کی صورت میں منافات کی شکل رکھتا ہے، اگر استثنا کو خاتمے کی جانب راجع کریں جو مبہم ہے تو پھر بھی ثبوت حالی کے اشتباہ سے خالی نہیں ہے پس احتیاطاً یہی ہے کہ شک واشتباہ کی صورت کو ترک کر دیا جائے'' ۴۷

......﴿6﴾......

''چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں لہذا ان کو ﴿اس وقت تک﴾ کافر کہنے کی جرات نہیں کرنی چاہیے جب تک وہ ضروریات دین کا انکار نہ کریں اور احکام شریعہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں، علما کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجوہات کفر کی پائی جائیں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے'' ۴۸

......﴿7﴾......

''لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا ہے، خواہ وہ آفاقی

ہوں خواہ انفسی، آفاقی معبودوں سے مراد کافروں اور فاجروں کے معبود ہیں مثلاً لات وعزیٰ اور معبود انفسی سے مراد نفسانی خواہشات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی ہوائے نفس کو اپنا خدا بنا لیا، ایمان یعنی تصدیق قلبی جسکا ہمیں ظاہر شریعت نے مکلّف ٹھہرایا ہے، معبودان باطل کی نفی کے لیے کافی ہے لیکن انفسی سے مراد نفسانی معبودان باطل کی نفی کے لیے نفس امارہ کا تزکیہ درکار ہے جو اہل اللہ کے راستے پر چلنے کا حاصل ہے، ایمان حقیقی ان دونوں قسم کے معبودان باطل کی نفی سے وابستہ ہے، اگرچہ ایمان کے متعلق ظاہر شریعت کا حکم محض معبودان آفاقی کے ابطال ونفی سے بھی ہو جاتا ہے مگر اس قسم کا ایمان محض ایمان کی صورت ہے جبکہ ایمان کی حقیقت معبودان انفسی کے ابطال ہی پر منحصر ہے، صورت ایمان کے تو زائل ہونے کا بھی احتمال ہے لیکن حقیقت ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے کیونکہ صورت ایمان میں اول تو نفس امارہ ہی اپنے کفر وانکار سے باز نہیں رہتا اور اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن ایمان حقیقی میں خود نفس امارہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے سرکش ہے وہ مطیع وفرمانبردار ہو کر سرکشی سے باز آجاتا ہے اور شرف ایمان سے مشرف ہو جاتا ہے" ۴۹؎

اصحابِ کبار اور اہل بیت اطہار:

اللہ تعالیٰ نے حضور پیغمبر نور، شافع یوم نشور ﷺ کے اصحاب کبار اور اہل بیت اطہار کی بہت شان ومنزلت بیان فرمائی ہے، وہ تمام افراد انسانیت کا خوبصورت خلاصہ تھے جن کو فیاض ازل نے اپنے محبوب اکمل ﷺ کے لیے منتخب فرمایا تھا، کیا حسن اتفاق ہے، پیغمبران بر حق کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی تو اصحاب مصطفیٰ کی تعداد بھی اتنی تھی، ان میں تین سو تیرہ رسول تھے تو ان میں تین سو تیرہ بدری صحابہ تھے، دس رسولوں کو اولوالعزم کہا گیا ہے تو دس صحابہ کو عشرہ مبشرہ قرار دیا گیا ہے، پھر ان میں چار رسولوں پر چار کتابیں نازل ہوئیں تو ادھر بھی چار صحابہ خلفائے راشدین کی حیثیت سے منتخب ہوئے، ان چار رسولوں میں رسول اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مقام سب سے بلند ہے تو ان چار خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر صدیق ﷛ سب سے افضل ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کے اصحاب کبار کو اپنے انبیا والا تبار کا مظہر بنایا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے

مکتوبات مبارکہ میں اصحاب کبار کی عظمتوں اور رفعتوں کو کھل کر بیان کیا ہے، چند شہپاروں کی زیارت کر کے دامن مراد کو مالا مال کیجیے:

......﴿1﴾......

''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور ان کی عدم تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تعظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کے باعث تمام صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیے، حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعظیم نہیں کرتا اسکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایمان نہیں'' ۵۰

......﴿2﴾......

''صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک کے باعث حسن ظن کی ضرورت ہے اور یہ جاننا چاہیے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور آپ کے صحابہ کرام انبیا کرام کے بعد بنی آدم میں سب سے بہترین انسان ہیں، پس ایسے بہترین انسان کسی عمل باطل پر اجماع نہیں کر سکتے اور خیر البشر کے جانشین کافر و فاسق نہیں بنائے جا سکتے اور یہ جو ہم نے کہا کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم ہیں اس لیے کہا ہے کہ یہ امت نص قرآنی کی رو سے خیر الامم ہے اور اس امت میں سے بہترین وہی حضرات ہیں کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا'' ۵۱

......﴿3﴾......

''حضرات خلفائے اربعہ کی افضلیت ان کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے کیونکہ اہل حق کا اجماع ہے کہ انبیا کرام کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، خلیفہ اول کی افضلیت اس فقیر کے نزدیک نہ کثرت فضائل کی وجہ سے ہے نہ کثرت مناقب کی وجہ سے بلکہ ایمان میں اسبقیت، مال خرچ کرنے میں اقدمیت اور تائید دین و ترویج شرح متین کے لیے اپنی جان خرچ کرنے میں اولیت کی وجہ سے ہے، سابق گویا دین کے معاملے میں لاحق کا استاد ہے اور لاحق کو جو کچھ ملتا ہے وہ سابق کے خوان کرم سے ملتا ہے اور مذکورہ تینوں صفات کاملہ کا مجموعہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے، ایمان کی اسبقیت کے ساتھ جس نے مال

خرچ کرنے اور جان قربان کرنے کو جمع کیا وہ یہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ وہ دولت ہے جو ان کے علاوہ امت میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی'' ۵۲

......﴿4﴾......

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں امت کے افضل ترین آدمی ہیں اور جو شخص مجھے ان دونوں پر فضیلت دے وہ مفتری ہے، بہتان طراز ہے، میں اسے اسی طرح کوڑے لگاؤں گا جیسے مفتری کو لگاتا ہوں'' ۵۳

......﴿5﴾......

''جب تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنھوں نے مال خرچ کرنے اور جہاد کرنے اور ہجرت کرنے میں سب پر سبقت کی، ان کی شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے'' ۵۴

......﴿6﴾......

''جاننا چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کتاب وسنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی ان کے زمانے سے وابستہ ہے، اگر یہ حضرات تمام یا ان میں سے بعض مطعون ہو جائیں اور فسق وضلالت سے متہم کر دیئے جائیں تو پورے دین یا بعض دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فائدہ کم ہو کر رہ جائے گا، جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں، اگر یہ حضرات مطعون ہو جائیں یا ان کی عدالت ختم ہو جائے تو قرآن پاک پر کیا اعتماد رہ جائے گا، دین کس چیز کا نام ہوگا، الزام تراشی کی شناعت پر غور کرنا چاہیے، اصحاب پیغمبر سب عدول ہیں اور جو کچھ بھی ہمیں کتاب و سنت کی صورت میں ملا ہے وہ ان حضرات کی تبلیغ سے ملا ہے اور وہ حق وصداقت ہی پر مبنی ہے'' ۵۵

......﴿7﴾......

''حضرت حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ''رحماء بینھم'' فرمایا ہے، پس ان بزرگان دین کے بارے میں باہمی عداوت و

کینہ رکھنے کا گمان کرنا نص قرآنی کے خلاف ہے“ ۵۶؎

......﴿8﴾......

”وہ جنگیں جو اصحاب رسول کے درمیان واقع ہوئیں انہیں اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیے اور ان کو نفسانی اغراض، بدگمانی، جاہ و منصب یا حکومت کی محبت وغیرہ امور کی طلب سے دور رکھنا چاہیے کیونکہ یہ رذیل صفات نفس امارہ کی ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس صحبت خیر البشر ﷺ کے باعث پاک ہو چکے تھے، اتنا ضرور ہے کہ وہ جھگڑے اور جنگیں جو خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں واقع ہوئیں ان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور فریق ثانی سے اجتہادی خطا ہوئی جس پر طعن وملامت کی مجال نہیں، انہیں فاسق کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام صحابہ عدول و وثوق میں یکساں ہیں، ان کا باہمی نزاع کسی کے لیے بھی جرح کا سبب نہیں ہے“ ۵۷؎

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اس موضوع پر شاندار رسالہ ”رد روافض“ بھی قلمبند فرمایا جس میں صحابہ کرام پر ہونے والے جملہ مطاعن کا جواب دلائل و براھین کے ساتھ عطا فرمایا، رسالے کے آخر میں اہل بیت اطہار کی شان وعظمت بھی بیان فرمائی، اس طرح انہوں اہل سنت و جماعت کے عقائد کی خوب نمائندگی فرمادی اور دشمنان صحابہ پر حجت تمام کر دی، آپ کا ارشاد پاک ہے، اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے۔

مقام اولیاء اللہ:

اہل سنت و جماعت کی صداقت اور حقانیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جملہ اولیا کرام نے اپنے اہل سنت ہونے کا اعلان فرمایا، کسی دوسرے فرقے میں کوئی ولی نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ ولایت کا تعلق ہدایت کے ساتھ ہے اور اس پر صرف اہل سنت ہی گامزن ہیں، حضرت امام ربانی، قندیل نورانی، شہباز لامکانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

......﴿1﴾......

”جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا کیونکہ اولیا اللہ ارتکاب گناہ سے محفوظ ہیں حالانکہ ان سے گناہ کا سرزد ہونا بعید از قیاس نہیں البتہ انبیا کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں، جب اولیا کرام سے گناہ

صادر نہ ہوگا تو یقیناً گناہ کا ضرر بھی نہ ہوگا، پس گناہ کے صادر ہونے کی صورت میں '' لا یضر ذنب '' درست ہے جیسے کہ صاحبان علم سے پوشیدہ نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ سے مراد وہ پہلے گناہ ہوں جو درجہ ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہیں کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو قطع کر دیتا ہے'' ۵۸

......﴿2﴾......

'' کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بحکم خلافت اس کو تمام اشیا کا قیوم بنا دیتا ہے اور تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری اور باطنی کے فیوض اسکے واسطے سے پہنچاتا ہے، اگر فرشتہ ہے تو اسی سے متوسل ہے، اگر انسان و جن ہیں تو اسی کے ساتھ وابستہ ہیں اور حقیقت میں تمام اشیا کی توجہ اس کی جانب ہے اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں خواہ وہ اس امر کو جانیں یا نہ جانیں'' ۵۹

......﴿3﴾......

'' یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا انیس وحبیب محروم نہیں رہتا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا، ان کی نظر دوا ہے اور ان کا کلام شفا ہے اور ان کی صحبت سراپا نور وضیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا، محروم و ناامید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا، سرفراز ہوا اور نجات وخلاصی پا گیا'' ۶۰

......﴿4﴾......

'' اس گروہ اولیا کا بغض زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ہمیشہ کے لیے مایوسی کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس مصیبت سے محفوظ رکھے'' ۶۱

......﴿5﴾......

'' ہم تو کہتے ہیں کہ اولیا اللہ کا وجود ہی درحقیقت کرامت ہے اور خلقت کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کی دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک عظیم نشان ہے، یہی لوگ اہل زمیں کا امن اور غنیمت روزگار ہیں، **بھم یمطرون وبھم یرزقون**، انہی کے طفیل لوگوں پر بارش کا نزول ہوتا ہے

اورانہی کے صدقے لوگوں کورزق نصیب ہوتا ہے، انہی کی شان میں وارد ہے، ان کا کلام دوا ہےاوران کی نگاہ شفا ہے، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں اورانہی لوگوں کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اوران کا دوست رحمت حق سے ناامید نہیں ہوتا، وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اورسچا الگ ہوسکے، یہ ہے کہ وہ شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو'' ۶۲

﴿6﴾

''یہ بزرگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور جو کچھ پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاتے ہیں اوران کے اجتہادی احکام بھی وحی سے موید ہیں'' ۶۳

﴿7﴾

''جب حضوراکرم ﷺ کی امت میں سے کامل اولیا کوان کے عروجات سے پورا پورا حصہ حاصل ہوتا ہے تو پھر اگر کعبہ بھی ان بزرگوں سے برکات حاصل کرے تو کیا عجب'' ۶۴

﴿8﴾

''جو بعض اولیا کرام سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں، یہاں بھی ان کے مختلف لطائف جسدوں میں متجسد اور مختلف شکلوں میں متشکل ہوجاتے ہیں۔۔۔۔۔اس طرح حاجت مند لوگ زندہ اورفوت شدہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے وقت مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہوکران کی بلا کو دفع کیا ہے اوران بزرگوں کواس بلیہ کے دفع کرنے کی اطلاع کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی

ہمارا اور تمہارا ہے بہانہ

یہ بھی ان بزرگوں کے لطائف کی شکلیں ہیں، یہ شکلیں کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہیں اور کبھی عالم مثال میں، جس طرح ایک ہی رات میں ہزار آدمی رسول اللہ ﷺ کوخواب میں دیکھتے ہیں اور فائدہ حاصل کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صفات ولطائف کی مثالی صورتیں ہیں، اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے مستفید ہوتے ہیں اور مشکلات حل کرتے ہیں'' ۶۵ اہل اللہ دلی امراض کے طبیب ہیں، باطنی امراض کا دور ہونا ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے'' ۶۶

﴿9﴾

''حضرت قبلہ گاہی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں کسی کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے، اگر چاہوں تو اس میں تصرف کروں، میں اس بات پر بہت تعجب کیا کرتا تھا کہ آپ کا فرمان بعید از فہم تھا اور بہت مدت تک یہ خیال فقیر کے ذہن میں رہا یہاں تک حضرت حق تعالیٰ نے مجھے اس دولت سے مشرف فرمایا'' یہاں اس تقدیر کی طرف اشارہ ہے جو صورۃً مبرم ہے لیکن حقیقتاً معلق ہے، یہ بھی آپ کے معارف سے مستفاد ہے۔ ۶۷

﴿10﴾

''ایک دن امیر تیمور بخارا کی گلی سے گزر رہا تھا، اتفاقاً اس وقت حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش خانقاہ کی دریوں اور بستروں کو جھاڑ رہے تھے اور گرد سے پاک کر رہے تھے، امیر مذکور مسلمانی کے حسن خلق سے جو اس کو حاصل تھا اس کوچہ مبارکہ میں ٹھہر گیا تا کہ خانقاہ کی گرد کو اپنے لیے صندل و عبیر بنا کر درویشوں کی برکات و فیوض سے مشرف ہو شاید اس تواضع و فروتنی کے باعث جو اس کو اہل اللہ کے ساتھ حاصل تھی حسن خاتمہ سے مشرف ہوا، منقول ہے کہ حضرت خواجہ قدس سرہ نے اس کی موت کے بعد فرمایا، تیمور مر گیا اور ایمان لے گیا'' ۶۸

﴿11﴾

''یہ حالت ﴿اضطرار﴾ ایک مدت تک رہی، پھر ایک دن اتفاقاً ایک ولی اللہ کے مزار کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا اور اس معاملہ میں مدفون ولی اللہ سے میں نے مدد و اعانت طلب کی چنانچہ اس دوران اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہوگئی اور معاملہ کی حقیقت پورے طور پر منکشف ہوگئی اور عین اس وقت حضور اقدس ﷺ کی روح مبارک بھی تشریف فرما ہوئی اور میرے غمگین دل کو تسلی عطا فرمائی'' ۶۹

ایصال ثواب جائز ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے جس طرح بدعات کا رد فرمایا اس کی کہیں مثال نہیں ملتی، اس کمال درجے کی احتیاط کے باوجود آپ ایصال ثواب کی مختلف

صورتوں کے قائل تھے اور ان پر عمل بھی کرتے تھے، گویا یہ صورتیں ان کے نزدیک بدعت نہیں تھیں بلکہ سنت کے دائرے میں داخل تھیں، درجہ ذیل اقتباسات کا مشاہدہ بہت سے بند دلوں کیلئے اکسیر کامل ہوگا:

......﴿1﴾......

''شیخ حبیب اللہ نے اپنے والد مرحوم کے فوت ہو جانے کی نسبت لکھا تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون ،فقیر کی طرف سے دعا پہنچا کر تعزیت بجالائیں اور کہیں کہ دعا و فاتحہ وصدقہ واستغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں، مردہ غریق کی مثال ہوتا ہے جو دعا کا منتظر رہتا ہے، دعا اس کے ماں باپ، بیٹے دوست لواحقین کی طرف سے اسے ضرور پہنچتی ہے'' [۷۰]

......﴿2﴾......

''چند سال پیشتر فقیر کا طریقہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے طعام پکاتا اور اس کا ثواب اہل عبا کی ارواح پاک کو نذر کر دیتا، ایک رات فقیر نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ جلوہ افروز ہیں، فقیر نے سلام نیاز عرض کیا تو آپ فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ چہرہ مبارک پھیر لیا، پھر ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کھانا تناول فرماتا ہوں، جس کسی نے مجھے طعام بھیجنا ہو وہ حضرت عائشہ کے گھر بھیجا کرے، اس طرح معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کی توجہ نہ فرمانے کا باعث یہ تھا کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شریک طعام نہ کرتا تھا، بعد ازاں حضرت صدیقہ بلکہ تمام امہات المومنین کو جو اہل بیت ہیں کو شریک طعام کر لیا کرتا اور تمام اہل بیت کو اپنے لئے وسیلہ بناتا'' [۷۱]

......﴿3﴾......

''آپ نے پوچھا تھا کہ کلام اللہ کا ختم کرنا اور نماز نفل پڑھنا اور تسبیح وتحلیل کرنا اور اس کا ثواب ماں باپ یا استاد یا بھائیوں کو بخشنا بہتر ہے یا نہیں، واضح ہو کہ بارگاہ الٰہی میں بخشنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں اپنا بھی نفع ہے اور ان کا بھی اور عجیب نہیں کہ یہ عمل صالح دوسروں کے طفیل ہی قبول ہو جائے ،[۷۲] وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لئے روانہ کی، موصول ہوئی اور اس پر فاتحہ پڑھی گئی'' [۷۳]

حضرت خواجہ خواجگاں باقی باللہ علیہ الرحمہ کے عرس شریف کے دنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں بھی پہنچے............۴ے

ان تمام امور سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے نزدیک عرس منانا، فاتحہ پڑھنا، نیاز قبول کرنا، فوت شدگان کو ایصال ثواب کرنا بدعت نہیں بلکہ داخل سنت ہیں کیونکہ ان کی اصل کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

حضرت امام اعظم کی تقلید:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ حضرات ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کو قطعی طور پر جائز سمجھتے تھے، آپ خود حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زبردست مقلد تھے اور ان کی مدح وثنا میں رطب اللسان رہتے تھے، آپ فرماتے ہیں:

......﴿1﴾......

''اونچے پائے کے اولیاء اللہ بھی مجتہدین کرام کی تقلید میں عام مسلمانوں کی طرح ہیں، ان کے کشوف والہامات کی فضیلت کا اس میدان کوئی دخل نہیں اور وہ بھی حلقہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہم جیسے بزرگ بھی زید وعمر و خالد جیسے عام مسلمانوں کی طرح مجتہدین کرام کے اجتہادی احکام کی تقلید کے پابند ہیں، ہاں دوسرے معاملات میں ان بزرگوں کو ضرور فضیلت حاصل ہے'' ۵ے

......﴿2﴾......

''وہ علوم جو کتاب وسنت سے مستفاد ہیں ان میں سے وہی بات معتبر ہے جو ان بزرگوں نے کتاب وسنت سے اخذ کی ہے اور سمجھی ہے ورنہ یوں تو ہر بدعتی اور گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کو اپنے زعم فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے، پس ایسے لوگوں کی سمجھی ہوئی بات معتبر نہیں'' ۶ے

......﴿3﴾......

''حاسدوں کے بے جا تعصب اور ان کی فاسد نظر پر ہزار افسوس، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ کے بانی ہیں اور تین چوتھائی فقہ ان کیلئے مسلم ہے، جبکہ باقی ائمہ ایک چوتھائی میں شریک ہیں، فقہ میں صاحب خانہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں اور باقی سب ان کے بال بچے ہیں، اس کے

باوجود کہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے گویا ذاتی محبت ہے، اس لئے بعض نفلی کاموں میں ان کی تقلید کر لیتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم اور بکمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں" ۷ے

......﴿4﴾......

"کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے جبکہ باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح نظر آتے ہیں، ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی بات دکھائی دیتی ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم بھی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے متبعین پر مشتمل ہے اور پیروکاروں کی کثرت کے علاوہ یہ حنفی مذہب اصول وفروع میں باقی تمام مذاہب فقہ سے ممتاز ہے اور استنباط مسائل میں اس کا طریقہ کار ہی نرالا ہے اور یہ اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے" ۸ے

......﴿5﴾......

"کل جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی طرح عمل کریں گے جیسا کہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں فرمایا ہے، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہی ایک بزرگی کافی ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبران کے مذہب کے مطابق عمل کرے، دوسری سو بزرگیاں بھی اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہوسکتیں" ۹ے

شریعت مطہرہ کی اہمیت:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے شریعت وسنت کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور شریعت وسنت کے مقابلے میں مکشوفات والہامات کا کوئی اعتبار نہیں کیا، اس طرح آپ اہل سنت وجماعت کا مسلمہ موقف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

......﴿1﴾......

"کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوف کی پرسش نہ ہوگی، دخول جنت اور تقرب محبوب اتباع شریعت سے وابستہ ہے، انبیا کرام جو کائنات میں سب سے افضل ہیں، انہوں نے شریعت ہی کی طرف دعوت دی ہے اور نجات اخروی کا مدار بھی اسی پر ہے، ان اکابر کی بعثت سے مقصود تبلیغ شریعت ہے،

پس سب سے بڑھ کر نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں کوشش کی جائے اور احکام شرعیہ کے کسی حکم کو بھی زندہ کیا جائے خصوصاً ایک ایسے دور میں جب کہ شعائر اسلام منہدم ہو گئے ہیں'' ۸۰؎

......﴿2﴾......

''شریعت کے تین حصے ہیں، علم، عمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہیں ہو جاتیں شریعت متحقق نہیں ہوسکتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو پھر حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی جو تمام دینی اور دنیوی سعادت سے بڑھ چڑھ کر ہے، رضوان من اللہ اکبر'' ۸۱؎

......﴿3﴾......

''پس شریعت تمام دینی اور دنیوی سعادت کی متکفل ہوئی اور کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی جس کی ضرورت شریعت کے مقابلے میں پڑے، جزو ثالث یعنی اخلاص کی تکمیل کیلئے طریقت وحقیقت ہے جن سے متصوفہ ممتاز ہوئے ہیں اور جو شریعت کی خادم ہے، پس ان دونوں کے حاصل کرنے کا مقصد تکمیل شریعت کے سوا اور کچھ نہیں'' ۸۲؎

......﴿4﴾......

''حقیقت طریقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہے اور راہ شریعت پر چلنا ہی حقیقت ہے، نہ یہ کہ شریعت دوسری چیز ہے اور طریقت وحقیقت دوسری چیزیں، یہ تصور کرنا الحاد وزندقہ ہے'' ۸۳؎

الغرض حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں اور بھی بہت سے عقائد ونظریات کا اظہار فرمایا جو اہل سنت و جماعت کا طرۂ امتیاز ہیں، آپ نے لوگوں کی راہنمائی سنت اور اہل سنت کی طرف فرمائی ہے اور اپنے آپ کو سنت کا داعی قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول عطا فرمایا اور آپ کی برکات وحسنات سے عالم اسلام کے دوسرے ہزارے کو مالا مال فرما دیا، آج اگر ہم اہل سنت و جماعت ہیں تو اس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے فیضان نظر کی کرامت ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں نے بھی

اعتراف فرمایا ہے، بلکہ مسلک دیوبند کے اہم ستون مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی کہا ہے کہ ''جن کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ میں اور آپ آج مسلمان کہلاتے ہیں''

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

......☆......

مراجع

1۔مکتوبات امام ربانی،۱:۵۹
2۔مکتوبات امام ربانی،۱:۲۶۶
3۔مکتوبات امام ربانی،۲:۶۷
4۔مکتوبات امام ربانی،۲:۶۷
5۔مکتوبات امام ربانی،۳:۵۷
6۔مکتوبات امام ربانی،۳:۵۷
7۔مکتوبات امام ربانی، ۳:۷۶
8۔مکتوبات امام ربانی،۱:۲۶۶
9۔مکتوبات امام ربانی،۲:۱۱
10۔مکتوبات امام ربانی،۲:۶۷
11۔معارف لدنیہ،۱۷
12۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۷
13۔مکتوبات امام ربانی،۳:۲۶
14۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۷
15۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۷
16۔مکتوبات امام ربانی،۲:۶۷
17۔مکتوبات امام ربانی،۲:۶۷
18۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۰۰
19۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۰۰
20۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۰۰
21۔مکتوبات امام ربانی،۳:۶۴
22۔مکتوبات امام ربانی،۱:۲۰۹
23۔مکتوبات امام ربانی،۳:۸
24۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۷
25۔معارف لدنیہ،۷۶
26۔رسالہ تہلیلیہ،۳۹
27۔سورۃ البقرہ،۹۸
28۔مکتوبات امام ربانی،۳:۱۷
29۔مکتوبات امام ربانی،۳:۶۷
30۔سورۃ المائدہ،۴۶
31۔سورۃ بنی اسرائیل،۵۵
32۔سورۃ آل عمران،۳
33۔سورۃ الدھر،۳۲
34۔مکتوبات امام ربانی،۲:۷۶
35۔مکتوبات امام ربانی،۲:۷۶
36۔مکتوبات امام ربانی،۲:۳۵

37۔ مبداء معاد، ۶۱ مطبوعہ کراچی

38۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

39۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۶۷

40۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۶۷

41۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۶۷

42۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۲۶۶

43۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۶۷

44۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۶۷

45۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

46۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

47۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

48۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۳۸

49۔ معارف لدنیہ، ۴۸

50۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

51۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۹۶

52۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

53۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

54۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۹۶

55۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۲۴

56۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۹۶

57۔ مکتوبات امام ربانی، ۳:۱۷

58۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۴۴

59۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۷۴

60۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۲

61۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۱۰۶

62۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۹۲

63۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۶۳

64۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۲۰۹

65۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۸

66۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۱۰۹

67۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۲۱۷

68۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۹۲

69۔ مکتوبات امام ربانی، ۲۲۰

70۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۲۷۸

71۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۳۶

72۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۷۷

73۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۱۴۲

74۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۲۳۲

75۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۵

76۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۱۹۳

77۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۵

78۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۵

79۔ مکتوبات امام ربانی، ۲:۵۵

80۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۴۸

81۔ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم

82۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۳۶

83۔ مکتوبات امام ربانی، ۱:۵۷

باب دہم

تعلیمات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بارگاہ ولایت کے خادموں اور اپنے سلسلہ عالیہ کے درویشوں اور بالعموم تمام مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام فرمایا اور ان کے لیے اسلامی نقوش کے مطابق ایک خوبصورت تربیتی جہان تشکیل دیا، آپ کے مکتوبات اور تصنیفات اس تربیتی جہان کا بہترین نصاب ہیں، جن کے ایک ایک لفظ سے صراط مستقیم کی جانب راہنمائی میسر آتی ہے، آپ کی کچھ تعلیمات کا ذکر اس باب میں بھی مرقوم ہے، پڑھیے اور آپکی تعلیمی اور تربیتی کاوشوں کو سلام پیش کیجئے۔

......﴿1﴾......

کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کی ذات بلند کی پاک بارگاہ تک نہیں پہنچتی بلکہ اس کی عزت و جلال کے پردوں سے پرے ہی پرے رہ جاتی ہے، اس ذات پاک نے اپنی تعریف آپ ہی کہی ہے اور اپنی حمد کو آپ ہی بیان کیا ہے، وہ ذات پاک آپ ہی حامد اور آپ ہی محمود ہے، تمام مخلوقات حمد مقصود کے ادا کرنے سے عاجز ہیں کیوں نہ ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی اس کی حمد سے عاجز ہیں جو قیامت کے دن لوائے حمد کو اٹھانے والے ہیں، جس کے نیچے حضرت آدم اور تمام انبیا علیہم السلام ہوں گے، رسول اللہ ﷺ ظہور میں تمام مخلوقات میں افضل اور اکمل اور مرتبہ میں سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ حسن و جمال اور کمال کے جامع ہیں، انکی قدر سب سے بلند اور ان کی شان و شرف سب سے عظیم ہے، ان کا دین سب سے مضبوط اور ان کی ملت سب سے زیادہ راست اور درست ہے،

حسب میں سب سے زیادہ کریم اورنسب میں سب سے زیادہ شریف اور خاندان میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کو ان کا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو خلقت کو پیدا نہ کرتا اور نہ ہی اپنی ربوبیت کو ظاہر فرماتا، وہ نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے ﴿یعنی پیدا نہ ہوئے تھے﴾ قیامت کے دن وہ تمام نبیوں کے امام اور خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے، انہوں نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے: قیامت کے دن ہم ہی ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اور ہم ہی آگے جانے والے ہیں، یہ بات فخر سے نہیں کہتا اور میں اللہ کا حبیب اور خاتم النبیّن ہوں، لیکن مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے، جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے نکلیں گے تو سب سے اول میں ہی نکلوں گا اور جب وہ گروہ در گروہ جائیں گے تو انکو چلانے والا میں ہی ہوں گا اور جب وہ خاموش کئے جائیں گے تو ان کی کفایت میں ہی کروں گا اور جب وہ رحمت و کرامت سے ناامید ہوں گے تو میں ہی ان کو خوشخبری دوں گا، اس دن تمام کنجیاں میرے ہی ہاتھ میں ہوں گی، ان پر اور ان کے تمام بھائی نبیوں اور مرسلوں اور ملائکہ مقربین اور تمام اہل اطاعت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام وتحیۃ وبرکت نازل ہو جو ان کی شان بلند کے لائق ہے، جس قدر کہ ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غافل ہیں۔ ﴿مکتوبات،۲:۱﴾

......﴿2﴾......

اے میرے سعادت مند! آپکے مکتوب کے کسی فقرہ میں لکھا ہوا تھا، کہ خدیو نشاتین یعنی دونوں جہان کا بادشاہ، یہ ایسی تعریف ہے جو حضرت واجب الوجود جل شانہ سے مخصوص ہے بندہ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا لائق ہے کہ کسی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ شرکت کرے اور خداوندی کے راستہ پر چلے، خاص کر عالم آخرت میں کہ مالکیت اور ملکیت حقیقی اور مجازی حضرت مالک یوم الدین سے مخصوص ہے، حضرت حق تعالیٰ قیامت کے دن پکارے گا آج یہ کس کا ملک ہے اور خود ہی جواب میں فرمائے گا اللہ تعالیٰ واحد قہار ہے اس دن بندوں پر ڈر اور خوف چھایا ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ متصور نہ ہوگا، حق تعالیٰ قرآن مجید میں اس دن کی سختی اور مخلوقات کی بے قراری سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑا سخت ہے، اس دن سب دودھ پلانے والیاں

اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ مستول کی طرح لڑکھڑاتے نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مست نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۷۴﴾

......﴿3﴾......

اس فقیر کو بھی دہلی میں ایک دفعہ ایسی ہی آزمائش پیش آئی تھی، بعض دوستوں نے وضو کا مستعمل پانی پینے کا اصرار کیا، ان کا کہنا تھا کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو باعث ضرر ہوگا، بہت منع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، آخر کار فقہا کی کتب کی طرف رجوع کیا تو نجات کا راستہ ملا کہ تین دفعہ غسل کے بعد ثواب وعبادت کی نیت نہ کریں تو چوتھی دفعہ پانی مستعمل نہیں ہوتا، یہ حیلہ تجویز کر کے ثواب کی نیت کے بغیر چوتھے غسل کا پانی پینے کو دیا، نیز بعض معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی آفتاب سے زیادہ ظاہر ہے، یہ شرک ہے، انہیں تاکید کر دیں کہ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر آدمی کے لیے ضروری ہے، خاص کر اس شخص کے لیے جو خلق کا مقتدا اور پیشوا بنا ہوا ہو، کیونکہ اس کے پیرو اور مقتدی ایسے افعال کی اقتدا کریں گے تو بلا و مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۹﴾

......﴿4﴾......

حقیقت محمدی جو حقیقت الحقائق ہے مراتب ظلال طے کرنے کے بعد آخر کار اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے، محبت کا تعین اور ظہور ہے، جو تمام مظاہر کی مبدا اور مخلوقات کی پیدائش کا منشا ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ "کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف" ﴿میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، پس میں نے خلق کو پیدا کیا﴾ اول اول جو چیز اس پوشیدہ خزانہ سے ظاہر ہوئی محبت ہے کہ جو مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی ہے، اگر یہ محبت نہ ہوتی تو ایجاد کا دروازہ نہ کھلتا اور عالم عدم میں راسخ اور مستقر رہتے، حدیث قدسی "لولاک لما خلقت الافلاک" جو حضرت خاتم المرسلین ﷺ کی شان میں آئی ہے، کا بھید بھی اس میں ڈھونڈنا چاہیے اور "لولاک لما اظہرت ربوبیة" کی حقیقت کو بھی اسی مقام پر طلب کرنا چاہیے۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۲۲﴾

﴿5﴾

حقیقت محمدی جو ظہور اول میں سب سے بڑی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تمام حقائق کیا انبیا کرام علیہم السلام اور کیا ملائکہ عظام علیہم السلام کے حقائق کا اصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اول ما خلق اللہ نوری'' ﴿سب سے اول خدا تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا﴾ اور فرمایا: ''خلقت من نور اللہ والمومنون من نوری'' ﴿میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور مومن میرے نور سے﴾ پس یہی حقیقت باقی تمام حقائق اور حق تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے اور آنحضرت ﷺ کے واسطے کے بغیر کوئی مطلوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ ''فھو نبی الانبیا والمرسلین وارسالہ رحمۃ اللعالمین و علیہ و علیھم الصلوت والتسلیمات'' ﴿آپ ﷺ تمام انبیا اور مرسلین کے بھی نبی ہیں اور آپ کا تشریف لانا جہان کے لیے رحمت ہے﴾ یہی وجہ ہے کہ انبیائے اولو العزم باوجود اصالت کے آپ ﷺ کی اتباع طلب کرتے رہے ہیں اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو کرتے رہے ہیں جیسا کہ حدیث میں درج ہے۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۲۲﴾

﴿6﴾

اس شان کے وجود اعتباری کا مبدا ہے، جیسے کہ گزر چکا اور حقیقت محمدی ﷺ شان العلیم سے مراد ہے اور حقیقت احمدی اسکے معنی سے کنایہ ہے جو اس شان کا مبدا ہے اور حقیقت کعبہ سبحانی بھی اس کے معنے سے مراد ہے اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حاصل تھی، جیسا کہ اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے: ''کنت نبیا و آدم بین الماء والطین'' ﴿میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے﴾ وہ با اعتبار حقیقت احمدی کی تھی جس کا تعلق عالم امر سے ہے اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالم امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، حضور انور ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری اسم احمد سے دی ہے اور فرمایا ہے: ''مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد'' ﴿میں خوشخبری دینے والا ہوں، ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے﴾ اور وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے وہ صرف حقیقت محمدی ﷺ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور

اس مرتبہ میں آپ کا تربیت کرنے والا وہ شان اور اس شان کا مبدا ہے یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت زیادہ اتم ہے کیونکہ اس مرتبہ میں آپ کی دعوت عالم امر سے مخصوص تھی اور آپ کی تربیت روحانیوں پر منحصر تھی اور اس مرتبہ میں آپ کی دعوت خلق و امر کو شامل ہے اور آپ کی تربیت اجساد و ارواح پر مشتمل ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہاں میں آپکی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تا کہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے ، وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۰۹﴾

......﴿7﴾......

حسن و جمال محمد مصطفیٰ ﷺ کے بیان میں کہ جس سے اللہ تعالیٰ جہانوں کے پروردگار کی محبت کا تعلق ہے اور نبی اکرم ﷺ اس جمال کے ساتھ رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام اگر چہ اس صباحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ہوئے لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم المرسلین ہیں اس ملاحت کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے، خالق زمین و آسمان کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو ان کے طفیل پیدا کیا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی ﷺ تمام افراد الناس کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں'' اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۰۰﴾

......﴿8﴾......

اگر چہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے مسلم ہے اور باقی تیسرا حصہ تمام میں تقسیم ہوا لیکن عالم آخرت میں حسن صرف حسن محمدی ﷺ ہے اور جمال صرف جمال محمدی ﷺ ہے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں، ان کے حسن کے ساتھ کسی دوسرے کے حسن کو کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے جبکہ ان کا حسن مطلوب کے ساتھ متحد ہونے کے باعث عین مطلوب کا حسن ہے اور دوسرے کے لیے چونکہ اس قسم کا اتحاد نہیں اس لیے وہ

اس طرح کا حسن نہیں، پس پیدائش محمدی ﷺ باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے اور اس کا امکان بھی وجوب ذات باری تعالیٰ تک منتہی ہے اور اس کا حسن، حسن ذات تعالیٰ ہے، جس میں حسن کے سوا کسی چیز کی آمیزش نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو دوست رکھتا ہے۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۰۰﴾

......﴿9﴾......

اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حاصل تھی، آپ نے اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے: ''میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے مابین تھے۔ ﴿مکتوبات،۳:۲۰۹﴾

......﴿10﴾......

اگر حضور اکرم ﷺ کی ذات پاک کی تخلیق مقصود نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ فرماتا اور آپ اس وقت بھی نبی ﷺ تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے مابین تھے یعنی تخلیق کا مرحلہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔ ﴿مکتوبات،۱:۴۴﴾

......﴿11﴾......

جاننا چاہیے ،رسول اللہ ﷺ کی پیدائش دیگر افراد کی طرح نہیں کیونکہ حضور ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے، جیسے کہ حضور نے فرمایا:''خلقت من نور الله'' ﴿میری خلقت اللہ کے نور سے ہوئی﴾ کسی دوسرے شخص کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۰۰﴾

......﴿12﴾......

آنحضرت ﷺ ایک نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر آخر کار مختلف رحموں سے ہوتے ہوئے حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر بصورت انسان جو بہترین صورت ہے دنیا میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور محمد اور احمد ﷺ کے مبارک نام سے موسوم ہوئے ہیں۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۰۰﴾

......﴿13﴾......

فرمایا: جو چیز اللہ تعالیٰ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے، دونوں کا ایک ہی مطلب ہے یعنی نور بھی اور عقل و شعور بھی، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ نور کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے ''نوری'' یعنی میرا نور اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرتبہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہی تعین اول ہونا چاہیے۔ ﴿مکتوبات،۳:۷۶﴾

......﴿14﴾......

''لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل'' ﴿میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت مخصوص ہے، جس میں ملائکہ مقربین اور انبیا مرسلین کو کوئی دخل نہیں﴾ لیکن اس حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت دائمی نہیں ہوتا، اس کے جواب میں میرا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کو صحیح مان لینے سے بعض مشائخ نے اس وقت سے وقت مستمرہ مراد لیا ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۸۵﴾

......﴿15﴾......

بعض مشائخ طریقت قدس سرہم نے مقام دعوت کے متعین کرنے میں مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے کام لیا ہے مثلاً بعض حضرات نے خالق اور مخلوق کے درمیان توجہ کا جمع ہونا بیان کیا ہے، بعض نے نہیں، دراصل یہ اختلاف اقوال و مقامات پر مبنی ہے، ہر ایک نے اپنے ہی مقام کی نسبت خبر دی ہے اور حقیقت حال صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور جو یہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نہایت ہی بدایت کی طرف رجوع کرتا ہے، یہی مقام دعوت ارشاد و عزیمت کے موافق ہے، اس کے متعلق راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ بدایت ہی میں ہمہ تن توجہ خلق کی طرف ہے، حدیث میں ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا، اس میں دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنی امت کے احوال سے غافل نہ ہونے کی خبر ہے، یہی وجہ ہے کہ نیند میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ساقط نہ ہوتا تھا کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نگہبان ہیں تو پھر غفلت منصب نبوت کے مناسب نہیں اور حدیث میں ہے:

''میرا اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور نبی اور رسول

کی گنجائش نہیں'' میں بشرط صحت تجلی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، پھر وہ تجلی بھی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کی مستلزم نہیں ہے بلکہ یہ تجلی اس طرف سے ہے متجلی لہ کا اس میں کوئی دخل نہیں جیسا کہ محبوب محبّ کی محبت میں سیر ہو گیا ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۹۹﴾

......﴿16﴾......

علما نے کہا کہ جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے نطفہ مبارکہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم میں قرار پکڑا تو تمام روئے زمین کے بت اوندھے گر پڑے اور تمام شیطان اپنے کام سے رک گئے اور ابلیس کے تخت کو فرشتوں نے الٹ دیا اور اسے سمندر میں پھینک دیا اور چالیس روز تک اسے سزا دیتے رہے اور حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کی رات میں کسریٰ کا محل کانپ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور فارس کی وہ عظیم آگ جو برابر ایک ہزار سال سے روشن تھی اور کبھی نہ بجھی تھی یک بیک بجھ گئی۔ ﴿مکتوبات،۲:۶۸﴾

......﴿17﴾......

اگر حضور اکرم ﷺ نے اس عالم دنیا میں ظہور نہ فرمانا ہوتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ مخلوق کو پیدا ہی نہ فرماتا اور آپ نبی ﷺ تھے، درآں حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کی حالت میں تھے، قیامت کے دن وہ تمام نبیوں کے امام اور خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والے ہوں گے، انہوں نے اپنے حق میں یوں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہم ہی پیچھے چلنے والے ہیں اور ہم ہی آگے جانے والے ہیں۔ ﴿مکتوبات،۲:۱﴾

......﴿18﴾......

حضور سرور کائنات ﷺ شب معراج میں چونکہ حد زمان ومکاں سے بھی آگے تشریف لے گئے تھے اس لیے آپ نہ صرف حکمت ازل اور حقیقت ابد سے آن واحد میں بہرہ یاب ہوئے بلکہ بدایت ونہایت کو بھی ایک ہی نقطہ متحدہ سے ملاحظہ فرمالیا، نیز ان اہل بہشت کو بھی جو قرن ہا قرن کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۸۳﴾

......﴿19﴾......

مقام تسلیم ورضا سے پرے حضرت خاتم الرسل ﷺ کے سوا کسی کا قدم نہیں پہنچا،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل" ﴿اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے جس میں کسی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل کو دخل نہیں﴾ تو اسی مقام کی خبر دی ہے اور اس حدیث میں وارد ہے کہ " یا محمد انا و انت وما سواک خلقت لا جلک فقال محمد علیہ الصلوۃ والسلام اللھم انت وما انا وما سواک ترکت لا جلک " ﴿اے محمد میں ہوں اور تو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب تیرے لیے پیدا کیا ہے، پھر محمد ﷺ نے عرض کیا کہ یا اللہ تو ہے اور میں نہیں، میں نے تیرے سوا سب کچھ تیرے لیے ترک کر دیا﴾ شاید اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے، آج محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس اور ان کی عظمت و بزرگی جہان رنگ و بو میں کون پہچان سکے کیونکہ حق و باطل یک جا ہو کر رہ گئے ہیں، البتہ میدان حشر میں آپ ﷺ کی بزرگی اور عظمت معلوم ہوگی جبکہ آپ ﷺ پیغمبروں کے بھی امام ہوں گے اور ان لی شفاعت کریں گے، نیز آدم علیہ السلام اور دیگر تمام انبیا علیہم السلام آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور اس موطن خاص میں جو تسلیم و رضا کے آگے ہے اگر آپ ﷺ کے پس خوردہ خادموں میں سے کسی کو وراثت و اتباع کے طور پر یہ مقام حاصل ہو جائے اور آپ کے طفیل اس بارگاہ اقدس کا محرم بنا دیا جائے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ﴿مکتوبات،۲:۷﴾

......﴿20﴾......

حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی'' حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت فرمایا ہے ، پس حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو رسول کی اطاعت کے سوا ہو وہ حق تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور اس مطلب کی تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ قد لایا ، تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان جدائی ظاہر نہ کرے اور ایک دوسرے پر اختیار نہ کرے اور دوسرے مقام میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں کے حال سے شکایت کرتا ہے جو ان اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور کہتے ہیں کہ بعض سے ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راستہ

نکالیں، حقیقت میں یہی لوگ کافر ہیں'' ﴿مکتوبات، ۱:۱۵۲﴾

......﴿21﴾......

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کمال اعتقاد و اخلاص سے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے بلکہ آب حیات کی طرح اٹھاتے تھے اور حضور اکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد کرانے کے بعد آپ کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے نوش کرنے کا قصد مشہور و معروف ہے۔ ﴿مکتوبات، ۲:۳۶﴾

......﴿22﴾......

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو ان میں سے بہتر خلقت میں مجھے پیدا کیا، پھر ان کو دو گروہ بنایا اور مجھے ان میں اچھے گروہ میں کیا، پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہتر قبیلے میں کیا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور ان میں سے بہتر گھر والوں میں پیدا کیا، پس میں از روئے نفس اور گھر کے ان سب سے بہتر ہوں اور میں سب لوگوں سے اول نکلوں گا، جب وہ قبروں سے نکالے جائیں گے تو میں ان کا راہنما ہوں گا، جبکہ وہ گروہ گروہ بنائے جائیں گے، میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ خاموش کرائے جائیں گے، میں ان کا شفیع ہوں گا، جب وہ روکے جائیں گے، میں ان کو خوشخبری سنانے والا ہوں گا، جب وہ ناامید ہو جائیں گے اور کرامت اور جنت کی کنجیاں اور لوائے حمد اس دن میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اللہ کے نزدیک تمام اولاد آدم علیہ السلام سے بزرگ ہوں، ہزار خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار موتیوں کی طرح ہوں گے اور جب قیامت کا دن ہو گا میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات کا فخر نہیں ہے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ کرتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا اور آپ نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے، جس شخص کا راہنما ایسا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہو وہ گناہوں کے عوض نہیں پکڑا جائے گا، پس ناچار ایسے پیغمبر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تمام امتیوں سے بہتر ہیں، ''کنتم خیر امۃٍ اخرجت'' ان کے حال کے مصداق ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والے سب بنی آدم بدتر ہیں'' الاعراب اشد کفر او نفاقا '' ان

کے احوال کا نشان ہے، دیکھئے کس صاحب نصیب کو حضور اکرم ﷺ کی سنت سنیہ کی تابعداری سے نوازش کرتے ہیں، اور حضور اکرم ﷺ کی پسندیدہ شریعت سے سرفراز فرماتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے دین کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد تھوڑا سا عمل بھی بجالانا عمل کثیر کے برابر ہے، اصحاب کہف نے اتنا بڑا درجہ صرف ایک ہی نیکی کے باعث حاصل کیا اور وہ نور ایمانی کے ساتھ دشمنوں کے غلبہ کے وقت خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے ہجرت کر جانا تھا، مثلاً سپاہی دشمنوں اور مخالفوں کے وقت اگر تھوڑا سا بھی تردد کریں تو اس قدر نمایاں ہوتا ہے اور اس کا اعتبار ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا اعتبار میں نہیں آسکتا اور نیز جب آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں تو حضور کے تابعدار بھی آپ کی تابعداری کے باعث محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محبّ اور عاشق اس آدمی کو بھی جس میں اپنے محبوب کی عادتیں اور خصلتیں دیکھتا ہے اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے، اگر ہجرت ظاہری میسر نہ ہو سکے تو ہجرت باطنی کو مدنظر رکھنا چاہیے، خلقت کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیے۔ ﴿مکتوبات: ۲/۴۴﴾

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او
وسیلہ دو جہاں کی آبرو کا ہیں نبی سرور
پڑے خاک اس کے سر پر جو نہیں ہے خاک اس در پر

......﴿23﴾......

محمد رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ کو اس دنیا میں لوگ کیا جان سکتے ہیں اور ان کی عظمت اور بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں کیونکہ سچ جھوٹ کے ساتھ اور حق و باطل کے ساتھ اس جہان میں ملا ہوا ہے، آپ کی بزرگی تو قیامت کے روز معلوم ہوگی جب آپ پیغمبروں کے امام بنیں گے اور ان کے صاحب شفاعت ہوں گے، حضرت آدم علیہ السلام اور کے ماسوا سب کے سب آپ ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، آپ ﷺ اور جمیع انبیا کرام پر افضل درود اور اکمل سلام ہو۔ ﴿مکتوبات، ۲: ۷﴾

......﴿24﴾......

آپ فقرا کے ساتھ ملتے جلتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں، یہ بے سروسامان فقیر نہیں جانتا کہ اس کے جواب میں کیا لکھے سوائے اس کے کہ چند فقرے عربی عبارت میں جو آپ کے بزرگوار خیر العرب ﷺ کے فضائل میں ماثور ہیں لکھے اور اس سعادت نامہ کو آخری نجات کا وسیلہ بنائے نہ کہ حضور ﷺ کی تعریف کرے بلکہ اپنے کلام کو حضور ﷺ کے نام سے آراستہ کرے۔

ما ان مدحت محمداً بمقالی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

عرض سخن سے نہیں مدح صاحب لو لاک

سوائے اس کے میرا سخن ہو جائے پاک

پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سے عصمت اور توفیق ہے۔ ﴿مکتوبات، ۱:۴۴﴾

......﴿25﴾......

ظل واجب ممکن نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ظل کیوں ہو، کیونکہ ظل سے مثل کے پیدا ہونے کا گمان گزرتا ہے اور اصل میں کمال لطافت کے نہ ہونے کا شک پیدا ہوتا ہے، جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جسد مبارک کا کمال لطافت کے باعث سایہ نہیں تھا تو خدائے محمد کا سایہ وظل کس طرح ہوتا، خارج میں بالذات وبالاستقلال حضرت ذات تعالیٰ اور اس کی صفات ثمانیہ حقیقیہ ہی موجود ہیں، باقی سب کچھ حق تعالیٰ کے ایجاد سے موجود ہوا ہے اور ممکن مخلوق وحادث ہے، کوئی مخلوق اپنے خالق کا ظل نہیں اور اس نسبت کے سوا کہ جس کی نسبت شرع میں وارد ہے، یعنی مخلوقیت کے سوا اور کوئی نسبت خالق تعالیٰ کے ساتھ نہیں رکھتا۔ ﴿مکتوبات، ۳:۱۲۲﴾

......﴿26﴾......

چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالم ممکنات میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے بلند وارفع امکان سے پیدا ہوئے ہیں، اس بنا پر آپ کے جسم شریف کا سایہ نہیں تھا اور نیز اس عالم شہادت میں شے کا سایہ شے سے لطیف تر ہوتا ہے اور جب حضور اقدس ﷺ سے زیادہ

لطیف چیز جہاں میں ہے ہی نہیں تو آپ کے جسم مبارک کے لیے سایہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے، واضح ہو کہ صفت علم صفات حقیقیہ میں سے ہے اور موجود خارجی کے دائرہ میں داخل ہے۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۰۰﴾

......﴿27﴾......

نبوت کے منکر اگرچہ خدا کو واحد جانتے ہیں لیکن ان کا حال دو امور سے خالی نہیں، یا تو یہ اہل اسلام کی تقلید کرتے ہیں اور یا وجود کے وجوب میں واحد جانتے ہیں، نہ کہ عبادت کے استحقاق میں، کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' سے مراد جھوٹے خداؤں کی نفی کرنا اور معبود حق کا ثابت کرنا ہے اور دوسرا کلمہ جوان بزرگوں سے مخصوص ہے یہ ہے کہ اپنے آپ کو دیگر لوگوں کی طرح بشر جانتے ہیں اور عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں نیز لوگوں کو اس کی طرف بلاتے ہیں اور حق تعالیٰ کو حلول و اتحاد سے پاک بتاتے ہیں۔ ﴿مکتوبات،۱:۶۳﴾

......﴿28﴾......

اے فرزند یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے کوئی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ حضور ﷺ کی دعوت کا نور پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو، حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ سے بہت دور دکھائی دیتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، اگر ہندوستان کے شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور کوئی پیغمبر ایسا ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہوا اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں، تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں یا کہ چار آدمی ایک

پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کی تنزیہ و تقدس کی نسبت لکھا ہے سب انوار نبوت سے مقتبس ہے کیونکہ گزشتہ امتوں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے۔ ﴿مکتوبات، ۱:۲۵۹﴾

......﴿29﴾......

آپ نے سنا ہوگا انبیا کرام علیہم السلام قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر سے گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو وہاں پایا، اس مقام کے معاملات نہایت عجیب و غریب ہیں، آج کل چونکہ فرزند اعظم مرحوم کی تقریب پر اسی مقام کی طرف بہت نظر کی جاتی ہے اس لیے نہایت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوتے ہیں، اگر ان کا تھوڑا سا حال بھی بیان کیا جائے تو بڑے بڑے فتنے پیدا ہونے کا احتمال ہے، اگرچہ جنت کی چھت عرش مجید ہے لیکن قبر بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، عقل کوتاہ اندیش ان باتوں کے تصور سے عاجز ہے، وہ اور ہی آنکھ ہے جو اس قسم کی عجوبہ باتوں کو دیکھتی ہے، مجرد ایمان اگرچہ چنان و چنین سے نجات دینے والا ہے مگر کلمہ طیبہ کا بلند ہونا بھی عمل صالح پر موقوف ہے اور وبائی موت سے بھاگنا یوم زحف یعنی کفار کے مقابلہ سے بھاگنے کی طرح گناہ کبیرہ ہے، جو کوئی وبا والی زمین ﴿علاقہ﴾ میں صبر کے ساتھ قیام کرے

اور پھر مر جائے تو شہدا میں سے ہے ؂
اگر وہ کہے کہ مر جاؤں میں خوشی سے
پیک اجل کو کہدوں آجائیں تیرے صدقے

﴿مکتوبات، ۲:۱۶﴾

......﴿30﴾......

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کا حال کشتی نوح کی طرح ہے، جو شخص اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے ہٹ گیا ہلاک ہو گیا۔ ﴿مکتوبات، ۱:۵۱﴾

﴿31﴾

کاملین و عارفین کے اسرار و معارف اور کمالات و تصرفات کے اظہار میں من جملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ کم از کم لوگ ان کی دنیوی اور ظاہری آرزوؤں اور ضرورتوں کو دیکھ کر ان کو ناقص نہ سمجھ لیں اور اس طرح ان کی برکات سے محروم نہ رہ جائیں، کفار جو انبیا کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کی دولت و سعادت سے محروم رہے، اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی نظر انبیا کرام علیہم السلام کی ظاہری ضرورتوں اور حاجتوں پر پڑی تو کہ اٹھے کیا بشر ہمیں ہدایت دینے آئے ہیں تو کافر ہو گئے اور یہ جو فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ عارف کو اس کی مرادوں اور خواہشوں کے دور ہو جانے کے بعد صاحب ارادہ بنا دیتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے دیتے ہیں تو اس مضمون کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بیان کی جائے گی کیونکہ اب وقت یاوری نہیں کرتا۔ ﴿مکتوبات،۳:۲۷﴾

﴿32﴾

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس سے صادر نہیں ہوتا، کیونکہ اولیا اللہ ارتکاب گناہ سے محفوظ ہیں، حالانکہ ان سے گناہ سرزد ہو جانا بعید از قیاس نہیں البتہ انبیا کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں جب اولیا کرام سے گناہ صادر نہ ہوگا تو یقیناً گناہ کا ضرر بھی نہ ہوگا، پس گناہ کے صادر ہونے کی صورت میں "لا یضرہ ذنب" درست ہے جیسے کہ صاحبان علم سے پوشیدہ نہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ سے مراد وہ پہلے گناہ ہوں جو درجہ ولایت تک پہنچنے سے پہلے صادر ہوئے ہیں کیونکہ اسلام پہلی باتوں کو قطع کر دیتا ہے۔ ﴿مکتوبات،۲:۴۴﴾

﴿33﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اے میرے رسول جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رسالت کے حق کو ادا نہ کیا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا﴾، کفار کہا کرتے تھے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اس وحی کو جو آپ کے موافق ہوتی ہے ظاہر کر دیتے ہیں اور جو مخالف ہوتی ہے اسے ظاہر نہیں کرتے، لیکن یہ بات اس امر کی متقاضی ہے کہ نبی ہر حال میں حق کا اظہار کرے، ورنہ اس کی شریعت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، پس

جب خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و توقیر کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ ظاہر ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کی تعظیم خطا اور زوال سے محفوظ ہے، اب ہم زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ تمام اصحاب کی متابعت دین کے اصول میں لازم ہے کہ وہ اصول میں ہرگز اختلاف نہیں رکھتے، اگر کچھ اختلاف ہے تو فروع میں ہے ......اب جو کوئی بعض پر طعنہ زنی کرے وہ دیگر صحابہ کی متابعت سے بھی محروم رہے گا ہر چند ان کا کلمہ متفق ہے، مگر دین کے بزرگوں کے انکار پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، یہ بدبختی اتفاق اور اتحاد کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ قائل کا انکار اس کے اقوال کے انکار تک پہنچا دیتا ہے نیز شریعت کو امت تک پہنچانے والے صحابہ ہی ہیں، جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کیونکہ سب سے پہلے صحابہ عادل تھے، ہر ایک نے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچائی ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۸۰﴾

......﴿34﴾......

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، امام شافعی رضی اللہ عنہ جو اصحاب کے حالات سے بخوبی واقف ہیں انہوں نے فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ بہت بے قرار ہو گئے، پس ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی شخص آسمان کے سایہ تلے نہ ملا، پس انہوں نے ان کو اپنا والی بنا لیا، یہ صریح دلالت ہے اس بات پر کہ تمام صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر متفق ہیں اور ان کے افضل ہونے میں اجماع صدر اول میں ہوا اور یہ اجماع قطعی ہے اور اس میں انکار کو کوئی دخل نہیں، بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کو ستاروں کی مانند فرمایا اور اہل بیت کو کشتی نوح علیہ السلام کی طرح، اس میں اشارہ ہے کہ کشتی میں سوار کے لیے ستاروں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے تا کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے اور ستاروں کی رعایت کے بغیر نجات بالکل محال ہے اور اس بات کو اچھی طرح معلوم کریں کہ بعض کا انکار کرنا سب کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہ مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالوں سے بڑھ کر ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ جو سب تابعین میں بہترین ہیں، ایک ادنیٰ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچے، پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز ہے اور نہ ہو گی، کیونکہ

اس کا ایمان صحبت اور نزول وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا اور صحابہ کے بعد کسی کو اس درجہ کا ایمان نصیب نہیں ہوا اور اعمال ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور ان کا کمال ایمان کے کمال کے موافق حاصل ہوتا ہے اور جو ان کے درمیان جھگڑے واقع ہوئے ہیں، سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ حرص و ہوا اور جہالت سے نہ تھے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی رو سے ہیں اور اگر ان میں سے کسی نے اجتہاد سے خطا کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خطا کے لیے بھی ایک درجہ ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہل سنت نے اختیار کیا اور یہی بچاؤ والا اور مضبوط راستہ ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۵۹﴾

......﴿35﴾......

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو توفیق بخشی، مخالفوں کے وہ سب اعتراض جو انہوں نے ایمان کے کم و بیش نہ ہونے پر کیے ہیں زائل ہو گئے اور عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیا علیہم السلام کے ایمان کی طرح نہ ہوا کیونکہ انبیا علیہم السلام کا ایمان جو کامل طور پر منجلی اور نورانی ہے عام مومنوں کے ایمان سے جو مومنوں کے درجوں کے اختلاف کے موجب بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے، کئی گنا زیادہ ثمرات و نتائج رکھتا ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان جو وزن میں امت کے ایمان سے زیادہ ہے انجلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیے، کیا نہیں دیکھتے کہ انبیا علیہم السلام نفس انسانیت میں عام لوگوں کے برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب باہم متحد ہیں تفاضل یعنی ایک دوسرے سے افضل ہونا صفات کاملہ کے اعتبار سے ہے اور جس میں یہ صفات کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل اور خواص سے محروم ہے لیکن باوجود اس تفاوت کے انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۶۶﴾

......﴿36﴾......

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں جو کوئی مجھے ان پر فضیلت دے وہ مفتری ہے میں اس کو اتنے کوڑے

لگاؤں گا جتنے مفتری کو لگاتے ہیں...... حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے۔ ﴿مکتوبات،۳:۱۷﴾

......﴿37﴾......

پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا اہل سنت و جماعت سے خارج ہے، اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور جو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سب وطعن کرنے کے لیے زبان دراز کرتا ہے اور جو شخص اصحاب اور تابعین اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے، وہ رافضی ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے کے درمیان اہل سنت و جماعت متوسط ہیں۔ ﴿مکتوبات،۲:۳۶﴾

......﴿38﴾......

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ باوجود اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے چونکہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ادنیٰ صحابہ کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکے، کسی شخص نے عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ تو جواب میں فرمایا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ناک میں داخل ہوا، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے کئی درجہ بہتر ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۰۷﴾

......﴿39﴾......

جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام سے جدا ہو گیا اور امام نے اس کے حق میں فرمایا، اعتزل عنا، ہم سے جدا ہو گیا، اسی طرح باقی فرقوں کو قیاس کرلو اور صحابہ کے حق میں طعنہ زنی کرنا درحقیقت پیغمبر حق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نعوذ باللہ طعن کرنا ہے، یعنی جس نے صحابہ کی عزت وتکریم نہیں کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا، کیونکہ اسکا حسد کفر کی حد تک پہنچا ہے، قرآن وحدیث کے جتنے شرائع ہم تک پہنچتے ہیں وہ تمام صحابہ کی نقل اور وسیلہ سے پہنچتے ہیں، جب صحابہ مطعون ہوں گے تو نقل بھی مطعون

ہو گی کیونکہ نقل ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض سے مخصوص ہو بلکہ سب کہ سب عدل اور صدق و تبلیغ میں مساوی ہیں ، پس ان میں سے کسی ایک کا طعن دین کے طعن کو مستلزم ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ ﴿مکتوبات،۱: ۸۰﴾

......﴿40﴾......

یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ بدتر ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر ﷺ کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں ، اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے ، قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب ہی نے کی ہے اور اگر ان پر طعن کریں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے ، قرآن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے ، خدا تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے برے اعتقاد سے بچائے۔ ﴿مکتوبات،۱: ۵۴﴾

......﴿41﴾......

میرے مخدوم ! سلوک کی منزلوں کو طے کرنے اور جذب وضبط کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص حاصل کرنا ہے جو آفاقی و انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزا میں ایک جزو ہے، کیوں کہ شریعت کی تین جزو ہیں، علم و عمل و اخلاص، پس طریقت اور حقیقت دونوں کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے شریعت کے خادم ہیں، اصل مقصود یہی ہے، لیکن ہر شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا ، اکثر عالم خواب و خیال میں آرام پسند ہیں نیز نکمی اور بیہودہ باتوں پر کفایت کرتے ہیں وہ شریعت کے کمالات کو ہی نہیں جان سکتے تو طریقت اور حقیقت کا کیا پتا لگا سکتے ہیں، یہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز جانتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اصل معاملہ کیا ہے، صوفیا ﴿خام﴾ کی بعض بیہودہ باتوں پر مغرور اور احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ ﴿مکتوبات،۱: ۴۰﴾

﴿42﴾

پسرِ عزیز فرصت، صحت اور فراغت کو غنیمت جاننا چاہیے اور تمام اوقات ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے، جو عمل شریعت حقہ کے موافق کیا جائے ذکر ہی میں داخل ہے، اگرچہ خرید و فروخت ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شرعیہ کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے تا کہ سب کچھ ذکر میں شمار ہو جائے، ذکر سے مراد غفلت سے دور ہو جانا ہے جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کو مدنظر رکھا جائے تو اوامر و نواہی کی غفلت دور ہو جاتی ہے اور دوام ذکر الٰہی خاص ہو جاتا ہے کہ ذکر دوام حضرات خواجگان کی یاد داشت سے الگ ہے وہ یاد داشت صرف باطن تک ہی محدود ہے اور اس ذکر و دوام کا اثر ظاہر میں بھی ہے اگرچہ دشوار ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی توفیق دے۔ ﴿مکتوبات،۲:۲۵﴾

﴿43﴾

وہ درویش جو شریعت حقہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں اور عالم حقیقت سے بخوبی واقف ہیں، ان سے اعانت طلب کرنی چاہیے تا کہ حق تعالیٰ کی عنایت ان کے طفیل اپنی طرف کھینچ لے اور کسی مخالفت کی گنجائش نہ رہے، اگر شریعت کی مخالفت کا راستہ بال برابر بھی کھلا رہے تو خطرے کا مقام ہے، مخالفت کے تمام راستوں کو بند کرنا چاہیے۔ ﴿مکتوبات،۱:۷۸﴾

﴿44﴾

برادرِ عزیز کا مکتوب پہنچا چونکہ فقرا کی محبت اور اس طائفہ عالیہ کی طرف التجا کرنے کے حال سے بھرپور تھا اس لیے خوشی کا باعث ہوا، ''المرء مع من احب'' کو اپنا نقد وقت سمجھیں، لیکن جان لیں کہ اس راہ کے دیوانے اس طرح تسلی حاصل نہیں کر پاتے، نہ اس قرب نما بعد سے تسکین پاتے ہیں بلکہ ایسا قرب چاہتے ہیں جو بعد نما ہو اور ایسا وصل ڈھونڈتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو، تسویف و تاخیر کی تجویز نہیں کرتے تعطیل و تاجیل کو برا خیال کرتے ہیں، وقت بیہودہ زیب و زینت میں صرف نہیں کرتے اور عمر کے سرمایہ کو بے فائدہ ملمع امور میں تلف نہیں کرتے، شریف سے خسیس کی طرف میلان نہیں کرتے اور پسندیدہ کو چھوڑ کر مغضوب کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو چرب اور شریں لقموں کے بدلے

نہیں بیچتے اور باریک اور آراستہ لباس کے لیے غلامی اختیار نہیں کرتے، انہیں اس بات سے عار ہوتی ہے کہ شاہی تخت کے تعلقات سے آلودہ ہوں، وہ اس بات کو ننگ سمجھتے ہیں کہ ملک خداوندی میں لات وعزیٰ کو شریک بنائیں تو اے جان برادر وہ فقط دین خالص طلب کرتے ہیں، وہ شریک کا غبار پسند نہیں فرماتے، اگر تو نے شرک کیا تو تیرا تمام عمل اکارت گیا، گھڑی بھر کے لیے اپنے حال پر غور کر، اگر دین خالص ہے تو تجھ کو بشارت اور مبارک ہو، وہ نہیں تو وقوع سے پہلے واقعہ کا علاج کرنا چاہیے، وہ واقعہ جو آپ نے لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا اور اس قسم کا تصرف اور ظہور طالبان حق پرست پر ہوتا ہے، آپ کچھ غم نہ کریں۔ ﴿مکتوبات، ۱: ۱۷۴﴾

......﴿45﴾......

شیخ کامل وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف راہنمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے کیونکہ پیر کامل تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا راہنما بھی ہے بخلاف پیر خرقہ کے، پس تعلیم کے آداب میں پیر کامل کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے، کیونکہ وہ شیخ کہلانے کا زیادہ مستحق ہے اور طریقت میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ﴿مکتوبات، ۱: ۲۲۱﴾

......﴿46﴾......

برادرم! آپ نے فقرا کی صحبت سے تنگ آ کر دولت مندوں کی مجلس اختیار کی ہے، بہت برا کیا ہے، آج اگر آپ کی آنکھ بند ہے تو کل کھل جائے گی تو پھر ندامت کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوگا، اطلاع دینا شرط ہے، اے ابو الہوس، تیرے لیے تیرا حال دو صورتوں سے خالی نہیں، دولت مندوں کی مجلس میں آپ کو جمعیت خاطر ملے گی یا نہ ملے گی، اگر ملے گی تو بد اور اگر نہ ملی تو بدتر اور اگر مل جائے گی تو استدراج پر محمول ہوگی، نعوذ باللہ منہا، اگر نہ ملے گی تو دنیا و آخرت کا خسارہ شامل حال ہوگا، فقرا کی خاک روبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، آج یہ بات آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، آخر ایک دن سمجھ میں آ جائے گی، پھر کچھ فائدہ نہ دے گی، چرب کھانوں کی خواہش اور قیمتی لباس

کی تمنا نے آپ کو اس بلا میں ڈال دیا ہے، ابھی کچھ نہیں گیا، مقصد کا فکر کریں اور جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے مانع ہو اس کو دشمن جان کر اس سے بھاگیں اور اس سے بچیں، ''ان من ازواجکم و اولاد کم عدولکم فاحذروھم ''نص قاطع ہے، صحبت کے حق نے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کی جائے، آپ عمل کریں یا نہ کریں۔ ﴿مکتوبات،۱:۱۳۲﴾

......﴿47﴾......

جب کوئی سائل کسی درویش کی خدمت میں جائے تو اس کو چاہیے کہ خالی ہو کر جائے تا کہ بھرا ہوا واپس آئے، اس کے لیے سب سے پہلے عقائد کی درستگی ضروری ہے چنانچہ دو دفعہ قدم رنجا فرمایا لیکن جلد ہی اٹھ کر چلے گئے، اس قدر فرصت بھی نہ ملی کہ بعض حقوق مجلس ادا کیے جاتے، ملاقات مقصود افادہ ہو یا استفادہ، جب مجلس ان دونوں فوائد سے خالی ہو تو کسی گنتی میں نہیں، اس گروہ کے پاس خالی ہو کر آنا چاہیے تا کہ بھرے ہوئے واپس جائیں، اپنی مفلسی کا اظہار کرنا چاہیے تا کہ ان کو شفقت آئے اور استفادہ کا راستہ کھل جائے، اس طرح سیر آنا اور سیر ہی چلا جانا کچھ مزا نہیں دیتا، امتلا یعنی پر شکمی کا پھل سوائے بیماری کے اور کچھ نہیں۔ ﴿مکتوبات،۱:۱۵۷﴾

......﴿48﴾......

حق تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا، فرشتے عرض کرتے ہیں یا الٰہی! اس ذکر کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ دنیاوی حاجت کے لیے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا، حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ ''انا جلیس من ذکرنی'' ﴿میں اس کا ہمنشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا﴾ کے بموجب میرے ہمنشیں ہیں اور ان کا ہمنشیں بد بخت نہیں ہوتا، اس حدیث اور پہلی حدیث ''المرء مع من احب'' سے لازم آتا ہے کہ ان کے محبّ ان کے ساتھ ہیں اور جو کوئی ان کے ساتھ ہے وہ بد بخت نہیں ہوتا، اہل اللہ کی صحبت نہایت ضروری ہے، حق تعالیٰ ان لوگوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۰۳﴾

......﴿49﴾......

''احسن الله تعالیٰ احوالکم و اصلح اعمالکم و اما لکم'' اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو اچھا کرے اور آپ کے اعمال اور مقاصد کو نیک کرے۔

مکتوب شریف جو فقرا کی محبت پر مبنی تھا، پہنچا اور بڑی خوشی حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ اس بلند گروہ کی محبت کو دن بدن زیادہ کرے اور ان کی نسبت نیاز مندی کو سرمایہ روز بنائے اور ''المرء مع من احب'' کے بموجب ان کا محبّ انہی کے ساتھ ہے اور وہ یہی لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۰۳﴾

......﴿50﴾......

آپکا صحیفہ شریفہ جو کمال محبت و اخلاص سے صادر فرمایا تھا مع تحائف ملا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس گروہ کی محبت پر استقامت عطا فرمائے اور حشر میں انہی کے ساتھ اٹھائے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور ان کا انیس وحبیب محروم نہیں رہتا، ''هم جلساء الله اذا روء اذکر الله'' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جس نے ان کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا، ان کی نظر دوا ہے اور ان کا کلام شفا ہے اور ان کی صحبت سراپا نور وضیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جس نے ان کے ظاہر کو دیکھا محروم و نا امید ہوا اور جس نے ان کے باطن کو دیکھا سرفراز ہوا اور نجات و خلاصی پا گیا۔ ﴿مکتوبات،۲:۵۲﴾

......﴿51﴾......

یہ تمام بزرگ اصول میں متفق ہیں، ذات و صفات اور حشر و نشر، پیغمبروں کا ورود اور فرشتوں اور وحی کا نزول، ہمیشہ کے لیے جنت کے آرام اور دوزخ کے عذاب کے بارے میں ان سب کا ایک ہی پیغام ہے، ان کا اختلاف صرف بعض احکام میں ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں اولوالعزم پیغمبر پر مناسب احکام کے ساتھ وحی بھیجی ہے اور اس زمانہ کے لوگوں کو احکام مخصوصہ کیساتھ مخاطب فرمایا ہے، احکام شرعیہ میں نسخ اور تبدیلی خدائے تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے اور اس قسم کی اکثر مثالیں ملتی ہیں کہ ایک ہی صاحب شریعت پیغمبر پر مختلف اوقات

میں متضاد احکام نسخ اور تبدیلی کے طور پر وارد ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کے متفق علیہ کلمات میں سے ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور مخلوقات میں سے کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنانا۔ ﴿مکتوبات، ۱:۶۳﴾

......﴿52﴾......

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے سب عارف کے گوشہ دل میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی فراخی کے باعث کچھ محسوس نہ ہو، حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی تائید کرتے ہیں اور دلیل کے ساتھ ثابت کر کے کہتے ہیں کہ جب حادث قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا اپنا اثر باقی نہیں رہتا یعنی عرش و مافیہا حادث ہے اور عارف کا قلب جو انوار قدم کے ظہور کا محل ہے، جب اس حادث کو قدم کے ساتھ ملنے کا اتفاق ہوتا ہے تو مضمحل اور متلاشی یعنی فانی و ناچیز ہو جاتا ہے، تو پھر کس طرح محسوس ہو سکے، بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب صوفیا کے رئیس یعنی سلطان العارفین اور سید الطائفہ اس طرح کہیں اور عرش مجید کا قلب عارف کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہ کریں اور عرش کو انوار قدم کے ظہورات سے خالی سمجھیں اور قلب کو انوار قدم کے ظہورات کے باعث قدیم بیان کریں تو پھر اوروں کا کیا ذکر، اس فقیر کے نزدیک جو جذبات الٰہی سے تربیت یافتہ ہے یہ ہے کہ عارف کا قلب جب اپنی خاص استعداد کے موافق نہایت انسانیت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ قابلیت پیدا کر لیتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی عمل مقصود نہیں ہوسکتا تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے کہ انوار عرشی کے ظہور کے بے نہایت لمعات میں سے ایک لمعہ اس پر فائض ہو جاتا ہے، اس لمعہ کو ان لمعات کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو قطرے کو دریائے محیط اور بحر بیکراں کے ساتھ ہوتی ہے۔ ﴿مکتوبات، ۲:۱۱۰﴾

......﴿53﴾......

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسد کا زندہ کرنا چونکہ لوگوں کے نزدیک بڑا اعتباری تھا، اس لیے اہل اللہ اس طرف سے منہ پھیر کر روح و قلب کے زندہ کرنے میں مشغول ہوئے ہیں، واقع جسدی زندگی قلبی و روحانی کے مقابلہ میں راستہ کے خس و خاشاک کی طرح ہے اور اس کی طرف نظر کرنا عبث و بے فائدہ ہے

کیونکہ جسدی زندگی چند روزہ زندگی کا باعث ہے اور روحانی وقلبی زندگی حیات دائمی کا موجب ہے، ہم تو کہتے ہیں کہ اہل اللہ کا وجود ہی درحقیقت کرامت ہے اور خلقت کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کی دعوت دینا اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک عظیم نشان ہے، یہی لوگ اہل زمین کا امن اور غنیمت روزگار ہیں ''وبھم یمطرون وبھم یرزقون'' ﴿انہیں کے طفیل لوگوں پر بارش کا نزول ہوتا ہے اور ان کو رزق ملتا ہے﴾ انہی کی شان میں وارد ہے، ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جس کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوسکتا اور ان کا دوست رحمت وحق سے ناامید نہیں ہوتا، وہ علامت جس سے اس گروہ کا جھوٹا اور سچا الگ ہو سکے یہ ہے کہ وہ شخص شریعت پر استقامت رکھتا ہو۔ ﴿مکتوبات،۲:۹۲﴾

......﴿54﴾......

پس یہ بزرگ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور جو کچھ پہنچاتے ہیں اس کی طرف سے پہنچاتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے موید ہیں، اگر بالفرض کسی قسم کی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ فوراً اس کا تدارک وحی سے فرما دیتا ہے اور منکروں کے رئیس جو الوہیت کے مدعی ہیں، جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں اور الوہیت کے خیال سے اسی کو بہتر جانتے ہیں، پس انصاف سے کام لینا چاہیے کہ جو شخص کمال بے عقلی سے اپنے آپ کو خدا ٹھہرائے اور عبادت کا مستحق جانے اور اسی زعم فاسد کے باعث ناشائستہ افعال کا مرتکب ہو تو اس کی گفتگو کا کیا اعتبار اور اس کی اتباع کا کیا مدار، سالیکہ نکوست از بہارش پیداست ﴿ہوتا ہے سال ویسا جیسی بہار ہو﴾۔ ﴿مکتوبات،۱:۶۳﴾

......﴿55﴾......

شیخ کامل جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے عرصہ میں طالب صادق کو حضور اور آگاہی بخش دیتے ہیں اس طرح نسبت کے سلب کرنے میں پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں، سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیا کرام کے غصہ

سے بچائے، البتہ اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے، ان بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جسکو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا، یہ خاموشی انہوں نے تکلف سے اختیار نہیں کی ہے، وہ ان لازمات کو بھی ضروریات کے سوا کچھ نہیں جانتے، کیوں کہ ان بزرگوں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے اور اسم وصفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں جانتے، معلوم ہونا چاہیے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا ہے، "**من عرف الله كل لسانه**" جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ ﴿مکتوبات، ۱:۱۲۲﴾

......﴿56﴾......

جاننا چاہیے کہ سالکان راہ حق دو حال سے خالی نہیں ہیں، وہ مرید ہیں یا مراد، اگر مراد ہیں تو قابل مبارک باد ہیں، محبت اور انجذاب کی راہ منزل کی طرف ان کو کشاں کشاں لے آئے گی اور مقصود اعلیٰ تک پہنچا دے گی، جیسا ادب وعقیدت ان کے لیے درکار ہوگا، وسیلہ یا بے بوسیلہ ان کو سکھا دے گی، اگر ان سے کوئی لغزش بھی ہو جائے گی تو ان کو جلد ہی اس سے آگاہی ہو جائے گی جس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا، اگر شیخ طریقت کی حاجت ہوگی تو سعی وکوشش کے بغیر اس دولت کی طرف راہنمائی بھی ہو جائے گی، غرض حق تعالیٰ کی عنایت ازلی ان بزرگان دین کے شامل حال ہوتی ہے، بسبب یا بے سبب ان کی کفایت کرتے ہیں، "**والله يجتبى اليه من يشاء**" اور اللہ جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے اور اگر مرید ہیں تو راہنمائے کامل کے بغیر ان کا کام دشوار ہے، راہنما ایسا ہونا چاہیے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف ہو اور فنا و بقا کے رموز وسعادت سے بہرہ ور ہو اور "**سير الى الله**" اور **سير في الله**" اور "**سير عن الله بالله**" اور "**سير في الاشياء بالله**" کے انجام تک پہنچا ہو لیکن اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اور مرادوں کا تربیت یافتہ ہے تو اس کا وجود کبریت احمر کی مانند ہے، اس کا کلام دوا اور نظر شفا ہے، مردہ دل اس کی توجہ سے زندہ ہوتے ہیں اور مرجھائی ہوئی روحیں اس کے الطاف وکرم سے تازہ ہوتی ہیں، اگر اس قسم کا صاحب نظر پیر نہ ملے تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے، وہ بھی ناقصوں کی تربیت کر سکتا ہے اور فنا اور بقا کے اسرار تک پہنچا سکتا ہے۔

عرش سے نیچے ہے گرچہ آسمان
لیکن اونچا ہے زمیں سے اے جوان

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل پیر مل جائے تو چاہیے کہ اس کے وجود کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضا مندی میں تلاش کرے، غرض اپنی ہر خواہش اس کی رضا کے تابع بنا دے، حدیث نبوی ﷺ میں ہے "لن یومن احد کم حتیٰ یکون ھوٰہ تبعاً لما جیئت بہ" ﴿تم میں کوئی ایمان دار نہ ہوگا جب تک اس کی خواہش اس امر کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں﴾ جاننا چاہیے کہ مجلس صحبت کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے، تا کہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور نہ ہی مجلس سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا، محض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں جو گوش ہوش سے سننے چاہیئں، طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے شیخ کی طرف متوجہ کرے، اس کے اذن کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور حضوری میں اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے، حتیٰ کہ جب تک حکم نہ ملے ذکر میں مشغول بھی نہ ہو، البتہ نماز اور دیگر فرائض ضرور یہ ادا کر سکتا ہے۔

کسی بادشاہ کا واقعہ ہے کہ اس کا وزیر حضور میں کھڑا تھا، اتفاقاً وزیر کی نظر اپنے جامہ پر پڑی تو اس کے بند درست کرنے لگا، جب بادشاہ نے دیکھا کہ وزیر میرے سوا غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑک کر کہا کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تو وزیر ہو کر میرے حضور کپڑے کا بند درست کرے، سوچنا چاہیے کہ دنیا کے وسائل کے لیے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو حصول الی اللہ کے وسائل کے لیے ان آداب کی رعایت بہت ہی ضروری ہوگی، مرید کو چاہیے کہ ہو سکے تو ایسی جگہ دانستہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے پیراہن یا پیر کے سایہ پر پڑے نیز اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ میں طہارت نہ کرے یہاں تک کہ اس کے برتن بھی استعمال نہ کرے، اس کے حضور میں پانی نہ پیئے، کھانا نہ کھائے اور کسی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو اور شیخ کی عدم موجودگی میں جس طرف اس کا قیام ہو پاؤں دراز نہ کرے، تھوکے بھی نہیں اور جو کچھ

بھی پیر سے صادر ہو اس کو بہتر جانے، اگر چہ بظاہر بہتر معلوم نہ ہو، کیونکہ شیخ کامل کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے، شیخ سے بہ تقاضائے بشری اگر غلطی سرزد ہو جائے تو اس پر گرفت نہ کرے بلکہ اس کو اجتہادی غلطی سمجھے، جب مرید کو پیر سے محبت ہو تو محبوب سے جو کچھ بھی صادر ہو محبّ کی نظر میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے، پھر اعتراض کی کہاں گنجائش ہے، کھانے پینے، پہننے اور اتباع کے چھوٹے بڑے کاموں میں شیخ ہی کی اقتدا کرنی چاہیے اور فقہ بھی اسی طریقہ سے سیکھنی چاہیے۔

آں را کہ درسرائے نگار یست فارغ است
از باغ وبوستان و تماشائے لالہ زار

شیخ کی حرکات وسکنات پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے خواہ وہ رائی کے برابر کیوں نہ ہو، کیونکہ اعتراض سے سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، تمام مخلوقات میں سے بد بخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے، اپنے شیخ سے خوارق وکرامت طلب نہ کرے اگر چہ وہ طلب خطرات اور وساوس کی وجہ سے ہو، کبھی کسی مومن نے پیغمبر سے معجزہ طلب نہیں کیا، معجزہ طلب کرنا کافروں اور منکروں کا کام ہے۔

معجزات از بہر قہر دشمن است
بوئے جنسیت پے دل بردن است
موجب ایماں نہ باشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذب صفات

البتہ دل میں کوئی شبہ ہو تو بے توقف عرض کرے، اگر حل نہ ہو تو شیخ پر کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کرے اور جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے، واقعات کی تعبیر بھی اسی سے دریافت کرے اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسا نہ کرے کیونکہ اس جہان آب وگل میں حق و باطل اور خطا وثواب ملے جلے ہیں، بے ضرورت اور بے اذن علیحدگی نہ اختیار کرے کیونکہ یہ عقیدت اور ارادت کے خلاف ہے، اپنی آواز کو شیخ کی آواز سے بلند نہ کرے اور نہ ہی بلند آواز سے گفتگو کرے کہ یہ سوء ادب ہے اور جو فیض وفتوح پہنچے اپنے شیخ کا ہی ذریعہ سمجھے اور اگر محسوس کرے کہ فیض دیگر مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے ہی شیخ سے منسوب کرے،

جان لے کہ جب شیخ تمام کمالات اور فیوض کا جامع ہے، پیر کا فیض مرید کی خاص استطاعت کے مناسب ہوتا ہے، یہ بھی پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے، سید البشر ﷺ کے طفیل پیر کے اعتقاد اور محبت پر ثابت قدم رہے، غرض، الطریق کلہ ادب، مثل مشہور ہے کہ بے ادب خدا تک نہیں پہنچتا، اگر مرید بعض آداب کے بجالانے میں اپنے آپ کو خطا کار سمجھے اور آداب کما حقہ ادا نہ کر سکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے عہدہ برآنہ ہو سکے تو قابل مواخذہ نہیں، البتہ اپنے قصور کا اعتراف ضروری ہے اور اگر نعوذ باللہ آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہر کہ را روئے بہ بہبود نداشت

دیدن روئے نبی سود نداشت

ہاں وہ مرید جو شیخ کی توجہ اور برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور الہام وفراست کا راستہ اس پر کھل جائے، جہاں تک کہ شیخ بھی اس کے کمال پر شہادت دے، ایسے مرید کو لائق ہے کہ بعض الہامی امور میں شیخ کے خلاف اپنے الہام کے موافق عمل کرے کیونکہ مرید اپنے مقام تقلید سے آگے نکل چکا ہے، اب تقلید اس کے حق میں خطا ہے،......پس معلوم ہوا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کو پیر کے برعکس نظر آئے تو اظہار جائز ہے، یہ بے ادبی نہیں ہے بلکہ ادب ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مرتبہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہ کرنا کوئی خطا نہ تھی کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور ہے، "نازعت ابی حنیفة فی مسئلة خلق القرآن ستة اشهر" میں نے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرآن کے مخلوق ہونے کے مسئلہ پر چھ ماہ تک جھگڑا کیا، تو نے سنا ہوگا کہ ہر ایک صنعت بہت سے فکروں کے ملنے کے بعد کامل ہوتی ہے، اگر ایک ہی فکر پر رہتی تو کچھ زیادتی حاصل نہ کرتی، وہ نحو جو سیبویہ کے زمانے میں تھا، آج وہ مختلف راؤں اور بہت سی نظروں اور فکروں کے ملنے سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے، چونکہ بنیاد اسی نے رکھی ہے اس لیے فضیلت اس کے لیے ہے کیونکہ فضیلت مقدمین کے لیے ہے، حدیث نبوی ﷺ میں ہے "مثل امتی کمثل المطر لایدری اولهم خیر ام آخر هم" میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے نہیں معلوم اس کا اول اچھا ہے یا آخر۔ ﴿مکتوبات، ۱:۲۹۲﴾

......﴿57﴾......

حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ ﴿اتباع شریعت محمد یہ﴾ سب طریقوں سے افضل اور اقرب ہے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے اور آپ کی یہ التجا قبول ہوگئی ہے چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ افضل کیوں نہ ہو جبکہ اس کی ابتدا میں انتہا ہے اور وہ شخص بہت بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور پھر بدنصیب رہ جائے، خورشید نہ مجرم از کسے بینا نیست، اگر کوئی اندھا ہے تو سورج مجرم نہیں ہے، ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو طریق کا کیا گناہ ہے۔ ﴿مکتوبات، ۱:۲۲۱﴾

......﴿58﴾......

حضرات خواجگان رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ خدا کی طرف پہنچانے والے سب راستوں سے زیادہ قریب راستہ ہے اور دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس طریقہ میں سنت کو لازم پکڑتے ہیں اور بدعت سے بچتے ہیں اور حتیٰ المقدور رخصت پر عمل جائز نہیں کرتے، اگر چہ بظاہر باطن میں فائدہ دینے والا ہو اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگر چہ بظاہر باطن میں مضر جانیں، انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا اور وہ ذوق و معارف کو علوم شرعیہ کے خادم سمجھتے ہیں، احکام شرعیہ کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہیں دیتے اور صوفیہ ﴿خام﴾ کی بیہودہ باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے، نص کو چھوڑ کر فص کی طرف نہیں جاتے اور فتوحات مدنیہ یعنی احادیث سے قطع نظر کر کے فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے، ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری ہے، تجلی ذاتی جو اوروں کے لیے بجلی کی طرح ہے ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے۔ ﴿مکتوبات، ۱:۱۳۱﴾

......﴿59﴾......

اس طریقہ علیہ کے بزرگوں نے ذکر جہر سے پرہیز فرمایا ہے اور ذکر قلبی کی

راہنمائی کی ہے اور سماع و رقص اور وجد و تواجد سے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ تھے، ان سے منع کیا ہے اور خلوت و چلہ جو صدر اول میں نہ تھا، اس کی بجائے خلوت در انجمن کو اختیار کیا ہے، اس التزام پر بہت عظیم نتائج مترتب ہوئے ہیں اور بہت قسم کے فائدے اس اجتناب سے حاصل ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی ابتدا میں مندرج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے بڑھ کر ہے، ان کا کلام دلی مرضوں کی دوا ہے اور ان کی نظر باطنی امراض کی شفا ہے، ان کی بزرگ توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے اور ان کے بلند ہمت مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی تک پہنچاتی ہے، ﴿مکتوبات،۱:۱۶۸﴾ ۔

عجب ہی قافلہ سالار ہیں یہ نقشبند
کہ لے جاتے ہیں پوشیدہ حرم تک قافلے کو

......﴿60﴾......

میرے مخدوم و مکرم، طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں پیری و مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر منحصر ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ پر، جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں متعارف اور مشہور ہے، ان بزرگوں کا طریق صحبت ہی صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے اس لیے ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے اور دیگر راستوں سے زیادہ قریب راستہ یہی ہے، ان کی نظر دلی امراض کو شفا بخشتی ہے اور ان کی توجہ روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

امید ہے کہ معذرت خواہ کو معاف فرمائیں گے۔ ﴿مکتوبات،۲:۱۸﴾

......﴿61﴾......

بعض دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے اپنے طریقوں میں بعض حقانی نیتوں کے ساتھ امور محدثہ یعنی نئے نئے امور پیدا کیے ہیں، جن میں نہایت صحت اور تحقیق کے بعد رخصتی کا حکم ہے برعکس اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے سرمو بھی سنت کی مخالفت نہیں اور ابداع و احداث یعنی کسی نئے امر کا پیدا کرنا روا نہیں رکھتے،

پس اس تحریک میں نفس کی مخالفت پورے طور پر کرتے ہیں، اس لیے یہی طریقہ تمام دیگر مسالک ﴿طریقت﴾ سے اقرب و احسن ہے، پس طالب حق کے لیے اس طریق کا اختیار کرنا نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے، کیونکہ یہ راہ نہایت اقرب ہے اوران بزرگوں کا مطلب کمال رفعت حاصل کرنا ہے، لیکن ان کے متاخرین خلفا کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے اوضاع و اطوار کو ترک کر کے اس طریق میں بعض نئے نئے امور پیدا کیے ہیں۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۸۶﴾

......﴿62﴾......

آپ یہ شرط بھی مدنظر رکھیں کہ اپنی توجہ کا مرکز ایک ہی بنائیں، توجہ کے متعدد مراکز بنانا اپنے آپ کو تفرقہ میں ڈالنا ہے، مثل مشہور ہے، ہرکہ یک جاست ہمہ جاست وہر کہ ہمہ جاست ہیچ جانیست، جو ایک جگہ ہے وہ سب جگہ ہے اور جو سب جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں، حق تعالیٰ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی راہ مستقیم پر چلنے میں استقامت بخشے "والسلام علی من اتبع الهدیٰ والتزام متابعة المصطفیٰ علیه وعلیٰ اله الصلوت والتحیات" اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازم پکڑا۔ ﴿مکتوبات،۱:۷۵﴾

......﴿63﴾......

اہل اللہ پر خاص کر جبکہ پیر و مرشد کا واسطہ ہو اور راہ افادہ بھی کشادہ ہو تو ہرگز ہرگز معترض نہ ہونا چاہیے، بلکہ اسے زہر قاتل سمجھنا چاہیے، اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہوگی، یہ چند باتیں بھی محبت و اخلاص کے رابطہ کے باعث لکھی گئی ہیں، امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوں گی۔ ﴿مکتوبات،۱:۷۸﴾

......﴿63﴾......

اور جانوروں کو جو کہ مشائخ کی نذر کیے جاتے ہیں اور ان کی قبروں کے سرہانے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں اس امر کو شرک میں شامل کیا گیا ہے اور اس معاملہ میں مبالغہ پیدا ہوتا ہے اور اس ذبح کو ذبائح جن کی قسم سمجھتے ہیں جو کہ شرعی طور پر منع اور شرک میں داخل ہے اور اس عمل سے بھی پرہیز کرنا

چاہیے، کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے، نذر کے بہت سے طریقے ہیں کیا ضروری ہے کہ کسی حیوان کا ہی ذبح نذر کریں اور اس کے ذبح کے مرتکب ہوں اور اسے ذبائح جن کی مانند ٹھہرائیں اور اس کے بندوں کو جن سے تشبیہ دیں، ایسا بھی ہے کہ عورتیں پیروں اور بیبیوں کے لیے نیت کر کے روزے رکھتی ہیں اور اکثر اپنے پاس سے ان کے نام مقرر کر لیتی ہیں، اپنے ان روزوں کو ان کے نام منسوب کر دیتی ہیں اور افطار کے وقت ہر روزہ کے لیے خاص طرز کا کھانا تعین کرتی ہیں، ایسے روزوں کے لیے دن بھی مقرر کر لیتی ہیں پھر اپنی مرادیں اور مقاصد ان روزوں کے ساتھ مربوط کر لیتی ہیں اور ان روزوں کی وساطت سے ان ﴿پیروں اور بیبیوں﴾ سے اپنی حاجات چاہتی ہیں اور ان کو اپنا حاجت روا سمجھتی ہیں، یہ عبادت میں شرک ہے اور غیر کی عبادت کے وسیلہ سے اپنی حاجات کو ان غیروں سے طلب کرنا ہے، اس برے عمل کو اچھی طرح جان لینا چاہیے۔ ﴿مکتوبات،۳: ۴۱﴾

......﴿64﴾......

''الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' اس کی شان میں ثابت ہے، چلے جانے ﴿مرنے﴾ پر مصیبت نہیں ہے بلکہ جانے کے حال پر ہے کہ دیکھیے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں، دعا و استغفار و صدقہ سے امداد کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں فریاد چاہنے والے غریق کی طرح ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر ہوتی ہے، جو اس کو ماں باپ، برادر یا دوست کی طرف سے پہنچے، پس جس وقت وہ دعا پہنچتی ہے تو اس کے نزدیک دینا و مافیہا سے بھی بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین پر رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور پر رحمت نازل فرماتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا ہے، آپ کا محبت نامہ پہنچا موسم سرما کی ہوا فقیروں پر سخت ہوتی ہے ورنہ کبھی اپنے آپ کو معذور نہ رکھتا، سفارش تاکید سے لکھی ہے، انشاء اللہ فائدہ مند ہوگی، زیادہ لکھنا سر دردی ہے، محبت سے سرشار قاضی حسن اور تمام عزیز بہت بہت دعوات کا مطالعہ کریں اور تمام امور میں حق تعالیٰ سے شاکر اور راضی رہیں۔ ﴿مکتوبات،۱: ۱۰۴﴾

......﴿65﴾......

تمام مقامات سے اعلیٰ و برتر مقام وہ ہے جس کے متعلق مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے "ان للہ جنۃ لیس فیھا حور ولا قصور یتجلی فیھا ربنا ضاحکا" اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ کوئی حور ہے نہ کوئی محل، اس میں اللہ تعالیٰ ﴿اپنی شان کے مطابق﴾ مسکراتے ہوئے تجلی فرمائیں گے، پس تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا و مافیہا کا ہے اور اعلیٰ ظہور جنت الفردوس کا بلکہ یہ دنیا ظہور کا مقام نہیں ہے، جو ظلی ظہورات اور مثالی نمائشات دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں، فقیر کے نزدیک سب امور دنیا میں شمار ہیں اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیات صفات ہوں، خواہ تجلیات ذات سب دائرہ امکان میں داخل ہیں "تعالیٰ اللہ عما یقولون علوا کبیرا" اللہ تعالیٰ اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے، فقیر جب دنیا کو پورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے اور مطلوب کی خوشبو اس کے دماغ میں نہیں پہنچی ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر مطلوب کو جاننا ہے چنانچہ اکثر لوگ اس دنیا میں گرفتار ہیں اور محو خواب و خیال ہیں، اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ خبر رکھتی ہے اور مطلوب کی خوشبو لاتی ہے، و دونہ، خرط القتاد، اس کے سوا سب کچھ بے فائدہ اور رنج آور ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۲۶۳﴾

......﴿66﴾......

جب تک عقائد درست نہ ہوں احکام شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک دونوں متحقق نہ ہوں اعمال و افعال پر نفع نہیں ہوتے، پھر جب تک یہ تینوں حاصل نہ ہوں تصفیہ و تزکیہ نفس حاصل ہونا محال ہے، بعد ازاں انہیں چار ارکان سے متممات و مکملات ہے ﴿جیسا کہ سنت فرض کو مکمل کرنے والی ہے﴾ اس کے سوا سب کچھ فضول ہے اور حلقہ لایعنی میں داخل ہے "ومن حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ و اشتغالہ بما یعینہ" لایعنی اور بے ہودگی کو ترک کرنا اور فائدہ مندبات میں مشغول ہونا انسان کے لیے احسن ہے "والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزام متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی الہ الصلوت والتحیات" اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور مصطفیٰ

کریم ﷺ کی اتباع کو لازم پکڑا۔ ﴿مکتوبات،۱:۱۵۷﴾

......﴿67﴾......

ایک دلیل جو پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ کے متعلق تمیز کے لیے بیان فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ میں وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر ہیں جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ کا ذکر ہی صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کافی ہے، ان کے لیے کسی دیگر دلیل کی ضرورت نہیں۔ ﴿مکتوبات،۱:۸۰﴾

......﴿68﴾......

مکتوب مرغوب پہنچا، مضمون معلوم ہوا، عبادات میں لذت حاصل ہونا اور ان کے ادا کرنے میں تکلیف کا رفع ہونا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، خاص کر نماز ادا کرنے میں جو غیر منتہی کو میسر نہیں ہے اس سے زیادہ خاص کر نماز فریضہ کے ادا کرنے میں، کیونکہ ابتدا میں نماز نفلی کے ادا کرنے میں لذت بخشتے ہیں اور نہایت النہایت میں یہ نسبت فرائض سے وابستہ ہو جاتی ہے اور نوافل کے ادا کرنے میں اپنے کام کو بے کار جانتا ہے، اس کے نزدیک فرائض کا ادا کرنا ہی بڑا کام ہے۔ ؎

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند
بڑی اعلیٰ ہے یہ دولت خدا جانے ملے کس کو

جاننا چاہیے کہ جو لذت نماز ادا کرنے کے وقت حاصل ہوتی ہے نفس میں اس کا کچھ فائدہ نہیں ہے، عین یہ لذت حاصل کرنے کی صورت میں وہ نالہ وفغان میں ہے، سبحان اللہ کیا عجب رتبہ ہے "ھنیئا لا رباب النعیم نعیمھا" مبارک ہو منعموں کو اپنی دولت، ہم جیسے حریص آدمیوں کو اس قسم کی باتیں کہنی اور سننی بھی غنیمت ہیں۔ "بارے بہ ہیچ خاطر خود شاد میکنیم" ترجمہ: بارے اسی خیال سے کرتا ہوں دل کو خوش اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبہ کی طرح ہے، دنیا میں بہت قرب نماز میں ہے، آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت ہے اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لیے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے۔ ﴿مکتوبات،۱:۱۳۷﴾

......﴿69﴾......

تعجب کی بات ہے کہ بلاد ماوراالنہر ہی میں جو علمائے حق کا مورد و مسکن ہے اس قسم کی بدعتیں رواج پا گئی ہیں، اس قسم کی مخترعات اور من گھڑت باتیں شائع ہو گئی ہیں، حالانکہ ہم فقیر انہیں کی برکات سے علوم شرعیہ حاصل کرتے ہیں۔ "واللہ سبحانہ الملھم للصواب" اور اللہ تعالیٰ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے، جس نے آمین کیا۔

میرے مخدوم مکرم! اس طریقہ علیہ میں ان لوگوں نے یہاں تک احداث و ابداع کو رواج دیا ہے کہ اگر مخالف یہ بات کہیں کہ طریق میں بدعت کا التزام اور سنت سے اجتناب ہے تو بجا ہے، نماز تہجد کو پوری جمعیت یعنی جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجد میں رواج و رونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک جانتے ہیں اور لوگوں کو اس پر ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہا نے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے نوافل کا جماعت سے ادا کرنا نہایت ہی مکروہ کہا ہے اور بعض فقہا نے جو تداعی کو جماعت نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انہوں نے بھی جماعت نفلی کا جواز مسجد کے کونے میں مقید کیا ہے اور تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے نیز نماز تہجد کی تیرہ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تا کہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرے کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے حالانکہ یہ علم و عمل بھی سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مخالف ہے، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں اور نماز تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا وتر کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے نہ کہ جیسے ان بزرگواروں نے خیال کیا ہے۔ ﴿مکتوبات، ۱: ۱۶۸﴾

......﴿70﴾......

میرے فرزند عزیز! فرصت کو غنیمت جانیں اور خیال رکھیں کہ عمر بیہودہ امور میں صرف نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا جوئی میں بسر ہو، نماز پنجگانہ کو جمعیت و جماعت اور تعدیل

ارکان کے ساتھ ادا کریں، نماز تہجد کو ترک نہ کریں اور صبح کے استغفار کو رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش سے محظوظ نہ ہوں اور دنیا کی فانی لذتوں پر فریفتہ وحریص نہ ہوں، موت کو یاد رکھیں اور آخرت کے احوال کو مدنظر رکھیں، غرض دنیا کی طرف سے منہ پھیر لیں اور آخرت کی طرف متوجہ ہو جائیں، بقدر ضرورت دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں اور باقی اوقات کو امور آخرت کے اشتغال میں بسر کریں، حاصل کلام یہ کہ دنیا کو ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کریں اور ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔ ﴿مکتوبات۔۲:۳۱﴾

......﴿71﴾......

آپ نے باطنی جمعیت کی نسبت شکایت لکھی تھی، ہاں ظاہر کی پراگندگی باطنی تفرقہ میں بڑی تاثیر رکھتی ہے، جب باطن میں کدورت معلوم کریں تو توبہ واستغفار سے اس کا تدارک کریں اور جب کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید "**لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**" سے اس کو دفع کریں "**معوذتین**" کا تکرار بھی اس وقت غنیمت ہے، باقی احوال حمد کے لائق ہیں۔ "**للہ سبحانہ الحمد و المنۃ دائما و علٰی کل حال و اعوذ باللہ سبحانہ من حال اھل النار**" ﴿ہمیشہ اور ہر حال پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کا احسان ہے اور دوزخیوں کے حال پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں﴾ فقیر ضعف وکمزوری کے باعث مفصل حال نہیں لکھ سکا، حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سیدھے راستہ پر استقامت عطا فرمائے۔ ﴿مکتوبات۔۲:۳۲﴾

......﴿72﴾......

واضح ہو کہ محبوب محبّ کی نظر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے، خواہ رنج پہنائے اور خواہ انعام فرمائے، اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہوئے ہیں، ایلام کی نسبت انعام میں محبوب کی زیادہ محبت ہے یا دونوں حالتوں میں محبت برابر و یکساں ہے اور اقل وبعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے اور ایلام، انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہیں، اس دولت عظمٰی کا مقدمہ محبوب پر حسن ظن ہے، حتیٰ کہ اگر محبوب محبّ کے حلقوم پر خنجر چلا دے اور اس کے اعضا کو ایک دوسرے سے الگ کر دے تو محبّ اس کو اپنی عین صلاح جانے اور اپنی بہتری تصور کرے، جب اس کے حسن ظن کے حاصل ہونے سے

محبوب کے فعل کی کراہت محبّ کی نظر سے دور ہو جائے تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتباروں سے معرا ہے، مشرف ہو جاتا ہے اور محبوب کے ایلام میں اس کے انعام کی نسبت زیادہ لذت و خوشی پاتا ہے، میرے خیال میں یہ مقام، مقام رضا سے برتر و بلند ہے کیونکہ رضا میں محبوب کے فعل ایلام کی کراہت کا دفع کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہاں اس فعل سے لذت حاصل ہوتی ہے کیونکہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر محبّ کی جانب سے فرح و سرور زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ ''شتان ما بينهما'' ﴿ان دونوں میں بہت فرق ہے﴾ چونکہ محبوب محبّ کی نظر میں بلکہ نفس الامر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا اور محبّ اس کے ایلام و انعام کے وقت اس کی ثنا و مدح کرے گا، اسی وقت اس محبّ کو واجب ہے کہ صادق و مصدق ہو کر کہے ''الحمد لله رب العلمين على كل حال'' اور اس وقت یہ محبّ حقیقی طور پر رنج و خوشی میں اللہ تعالیٰ کا حمد کرنے والا ہوتا ہے۔ ﴿مکتوبات، ۲: ۳۳﴾

......﴿73﴾......

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاتا ہے جب کہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کی جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے، اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری باطنی عالم تھے، اکثر اوقات اہل بیت کی محبت کی ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے، اس کی بڑی رعایت کرنی چاہیے، ان کی مرض موت میں فقیر حاضر تھا، جب ان کا معاملہ آخر تک پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات کو انہیں یاد دلایا اور محبت کی نسبت پوچھا تو اس بے خودی میں آپ نے فرمایا کہ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اہل بیت کی محبت اہل سنت و جماعت کا سرمایہ ہے، مخالف لوگ اس معنیٰ سے غافل اور ان کی محبت متوسط سے جاہل ہیں، مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم دیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے، نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے

درمیان حد وسط ہے جو حق کا مرکز اور صدق کا متوطن ہے جو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کو نصیب ہوا ہے۔ ﴿مکتوبات،۲:۳٦﴾

......﴿74﴾......

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت ہی نے قتل کیا ہے اور اہل بیت کے دشمنوں کو جڑ سے اکھیڑا ہے اس وقت رافضیوں کا نام و نشان تک نہ تھا، اگر تھا بھی تو عدم کا حکم رکھتا تھا، شاید اپنے گمان فاسد میں اہل بیت کے محبوں کو رافضی تصور کرتے ہیں اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں، عجب معاملہ ہے کبھی اہل سنت کو خارجیوں سے گنتے ہیں اس لیے کہ افراط محبت نہیں رکھتے، کبھی نفس محبت کو ان سے محسوس کر کے ان کو رافضی جانتے ہیں، اسی واسطے یہ لوگ اپنی جہالت کے باعث اہل سنت کے اولیا عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم مارتے ہیں اور آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حب کا اظہار کرتے ہیں، رافضی خیال کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کے بہت سے علما کو جو اس محبت کے افراط سے منع کرتے ہیں اور حضرات خلفا ثلاثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں، خارجی جانتے ہیں، ان لوگوں کی ان نامناسب جراتوں پر ہزار بار افسوس ہے۔ "**اعاذنا اللہ سبحانہ من افراط تلک المحبۃ و تفریطھا**" ﴿اللہ تعالیٰ اس محبت کی افراط وتفریط سے ہم کو بچائے﴾ یہ افراط محبت ہی کا باعث ہے کہ اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے تبرا کو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی محبت کی شرط جانتے ہیں، انصاف کرنا چاہیے کہ یہ کونسی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سب وطعن پر موقوف ہو، اہل سنت کا گناہ یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جو ان کے درمیان واقع ہوئے، ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت و تکریم کے باعث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے، سب کو ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل خطا کو خطا پر کہتے ہیں، لیکن ان کی خطا کو ہوا و ہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے و اجتہاد کے حوالے کرتے ہیں، رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب کرام سے تبرا کریں اور ان دین کے

بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں، جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی کے بغض پر وابستہ ہے۔ ﴿ایضاً﴾

......﴿75﴾......

"لا الہ الا اللہ" حق تعالیٰ کے غضب کو دور کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ فائدہ منداور کوئی چیز نہیں ہے، جب یہ کلمہ دوزخ کے غضب کو تسکین کر دیتا ہے تو اور غضب جو اس سے کم درجہ کے ہیں، ان کی بطریق اولیٰ تسکین کر دیتا ہے، کیوں تسکین نہ کرے جبکہ بندے نے اس کلمہ طیبہ کے تکرار سے ماسویٰ کی نفی کر کے سب کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے اور اپنی توجہ کا قبلہ معبود برحق کو بنایا ہے، غضب کا باعث مختلف تعلقات اور توجہات ہی تھیں جن میں بندہ مبتلا ہو رہا تھا، جب وہ نہ رہیں تو غضب بھی نہ رہا، اس باز کو عالم مجاز میں بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں، جب مالک اپنے غلام پر ناراض اور غضبناک ہو تو اپنے حسن فطرت سے جو اس کو حاصل ہے، اپنی توجہ کو اپنے مالک کے ماسوا سے پھیر کر اپنے آپ کو پورے طور پر مالک کی طرف متوجہ کر لے تو اس وقت مالک کو اپنے غلام پر ضرور شفقت و رحمت آ جائے گی اور غضب و آزار دور ہو جائے گا، فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمت کے ان ننانوے حصوں کے خزانوں کی کنجی سمجھتا ہے جو آخرت کے لیے ذخیرہ فرمائے گئے اور جانتا ہے کہ کفر کی ظلمتوں اور شرک کی کدورتوں کو دفع کرنے کے لیے اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر زیادہ شفیع اور کوئی کلمہ نہیں ہے، جس شخص نے اس کلمہ طیبہ کی تصدیق کی ہو اور ذرہ برابر بھی ایمان حاصل کر لیا ہو اور پھر کفر و شرک کی رسموں میں بھی مبتلا ہو تو امید ہے کہ اس کلمہ کی شفاعت سے اس کا عذاب دور ہو جائے گا اور دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پا جائے گا، جس طرح کہ اس امت کے تمام کبیرہ گناہوں کے عذاب دور کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نافع اور فائدہ مند ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس امت کے کبیرہ گناہ تو اس لیے کہا ہے کہ سابقہ امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہے بلکہ کفر و شرک کی رسمیں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں، شفاعت کی زیادہ محتاج یہی امت ہے، گزشتہ امتوں میں بعض لوگ کفر پر اڑے رہتے تھے اور بعض اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے تھے اور امر بجا لاتے تھے، اگر کلمہ طیبہ ان کا شفیع نہ ہوتا اور حضرت خاتم الرسل ﷺ جیسا شفیع ان کی

شفاعت نہ کرتا تو یہ امت پر گناہ ہلاک ہو جاتی۔"امة مذنبة ورب غفور" ﴿امت گنہگار ہے اور رب بخشنے والا ہے﴾ حق تعالیٰ کی عفو و بخشش جس قدر اس امت کے حق میں کام آئے گی، معلوم نہیں کہ گزشتہ امتوں کے حق میں اس قدر کام آئے، گویا رحمت کے ننانوے حصوں کو اسی پر گناہ امت کے لیے ذخیرہ کیا ہوا ہے۔﴿مکتوبات،۲:۳۷﴾

......﴿76﴾......

خدا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جس کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو یا اس کے باطن کو دنیا کے ساتھ اس قدر تعلق ہو یا دنیا کی اتنی مقدار اس کے باطن میں گزرتی ہو، باقی رہا ظاہر، اس کا ظاہر جو باطن سے کئی منزلیں دور پڑا ہے اور آخرت سے دنیا میں آیا ہے اور اس کے لوگوں کے ساتھ اختلاط پیدا کیا ہے تاکہ وہ مناسبت حاصل ہو جو افادہ اور استفادہ میں مشروط ہے، اگر دنیا کلام کرے اور دنیاوی اسباب میں مشغول رہے تو گنجائش رکھتا ہے اور کچھ مذموم نہیں بلکہ محمود ہوتا ہے تاکہ بندوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور استفادہ وافادہ کا طریق بند نہ ہو جائے، پس اس شخص کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہوتا ہے اور جو نما گندم فروش کا حکم رکھتا ہے، ظاہر بین لوگ اس کو اپنی طرح گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں اور اس کے ظاہر کو اس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بظاہر بے تعلق دکھائی دیتا ہے مگر باطن میں گرفتار ہے"ربنا افتح بینناوبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین" ﴿یا اللہ تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر، تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے﴾ سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔﴿مکتوبات،۲:۳۸﴾

......﴿77﴾......

⊙......اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ یعنی علمائے اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق درست کریں۔

⊙......عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کے مطابق عمل بجا لائیں، کیونکہ جس چیز کا امر ہو چکا ہے اسکا بجالانا ضروری ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے ہٹ جانا لازم ہے۔

⊙......پنج وقتی نماز کو سستی اور کاہلی کے بغیر شرائط اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔

⊙......نصاب کے حاصل ہونے پر زکوٰۃ ادا کریں، امام اعظم رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ کا ادا کرنا فرمایا ہے۔

⊙......اپنے اوقات کو کھیل کود میں صرف نہ کریں اور قیمتی عمر کو بیہودہ امور میں ضائع نہ کریں پھر امور منہیہ اور محظورات شرعیہ کے بارے میں کیا تاکید کی جائے۔

⊙......سرود ونغمہ یعنی گانے بجانے کی خواہش نہ کریں اور اس کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں، یہ ایک قسم کا زہر ہے جو شہد میں ملا ہوا ہے اور سم قاتل ہے، جو شکر سے آلودہ ہے۔

⊙......لوگوں کی غیبت اور نکتہ چینی سے اپنے آپ کو بچائیں، شریعت میں ان دونوں خصلتوں کے بارے میں بڑی وعید آئی ہے۔

⊙......جہاں تک ہو سکے جھوٹ بولنے اور بہتان لگانے سے پرہیز کریں، کیونکہ یہ دونوں بری عادتیں تمام مذہبوں میں حرام ہیں اور ان کے کرنے والے پر بڑی وعید آئی ہے۔

⊙......خلقت کے عیبوں اور گناہوں کو ڈھانپنا اور ان کے قصوروں سے درگزر اور معاف کرنا بڑے عالی حوصلہ والے لوگوں کا کام ہے۔

⊙......غلاموں اور ماتحتوں پر مشفق اور مہربان رہنا چاہیے اور ان کے قصوروں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے اور موقع اور بے موقع ان نامرادوں کو مارنا، پیٹنا، گالی دینا اور ایذا پہنچانا نامناسب ہے۔

⊙......اپنی تقصیروں کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیے، جو ہر ساعت حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت وقوع میں آرہی ہیں اور حق تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی کو نہیں روکتا۔

⊙......عقائد کے درست کرنے اور احکام فقہ کے بجالانے کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں بسر کریں اور جس طرح ذکر کا طریق سیکھا ہوا ہے، اسی طرح عمل میں لائیں اور جو کچھ اس کے منافی ہو اس کو اپنا دشمن جان کر اس سے اجتناب کریں۔ ﴿مکتوبات،۳:۳۴﴾

......﴿78﴾......

حق تعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش وقت اور جمعیت کے ساتھ رکھے اور اس کے گزشتہ غم واندوہ کی اچھی طرح تلافی فرمائے ،اے فرزند! جوانی کے زمانے کا آغاز ہے جس طرح ہوا وہوس کا وقت ہے اسی طرح علم وعمل کے حاصل کرنے کا بھی یہی وقت ہے، وہ عمل جو اس وقت میں نفس کی غضبی اور شہوانی رکاوٹوں کے غالب ہونے کے باوجود شریعت غرا کے موافق کیا جائے اس عمل جو سے جوانی کے سوا اور وقت میں ادا کیا جائے ،کئی گنا زیادتی ، اعتماد اور اعتبار رکھتا ہے، کیونکہ مانع کا ہونا جو رنج ومحنت کا باعث ہے، عمل کی شان کو آسمان تک بلند کر دیتا ہے اور مانع کا نہ ہونا جس میں کسی قسم کی کوشش وتکلیف نہیں، عمل کے معاملہ کو زمین پر ڈال دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خواص انسان خواص فرشتوں سے افضل ہیں، کیونکہ انسان کی طاعت باوجود موانع کے ہے اور فرشتہ کی طاعت موانع کے بغیر ہے، سپاہیوں کا زیادہ اعتماد اور اعتبار دشمنوں کے غلبہ کے وقت ہے جو دولت کے مانع ہیں ،ایسے وقت میں سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد بھی اور وقتوں کے بہت سے تردد کی نسبت کئی گنا زیادہ اعتبار اور زیادتی رکھتا ہے اور معلوم ہے کہ ہوا وہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی نفس وشیطان کے نزدیک پسندیدہ ہے اور شریعت روشن کے موافق علم وعمل کا بجالانا حق تعالیٰ کو پسند ہے، پھر عقل ودانش سے دور ہے کہ اپنے مولا کے دشمنوں کو راضی کریں اور نعمتیں بخشنے والے مولا کو ناراض کریں "واللہ سبحانہ الموفق" ﴿اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے ﴾۔﴿مکتوبات،۲:۳۵﴾

......﴿79﴾......

"الحمد للہ رب العالمین دائما و علی کل حال" ﴿ہر حال میں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو سب کا پالنے والا ہے ﴾ پراگندہ چیزوں سے پریشان اور دل تنگ نہ ہونا چاہیے کیونکہ جمیل مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے ،زیبا اور اچھا ہے،اس کی بلا اگرچہ جلال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، لیکن درحقیقت جمال ہوتا ہے، یہ بات صرف کہنے پر ہی محمول نہیں اور صرف منہ سے بولنے پر ہی منحصر نہیں ، بلکہ حقیقت رکھتی ہے اور سراسر مغز ہے، کہنے اور لکھنے میں نہیں آسکتی ،اگر دنیا میں ملاقات میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ نزدیک ہے،"المرء مع من احب" ﴿آدمی اس کے ساتھ ہے جس

سے اس کو محبت ہے ﴾ کی بشارت ہجر کے ماروں کو تسلی بخشنے والی ہے۔ ﴿مکتوبات، ۳:۳۷﴾

......﴿80﴾......

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ورع وتقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ بلند درجہ حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے اور ان کے مجتہدات کو دقت معانی کے باعث کتاب وسنت کے مخالف جانتے ہیں اور انکو اور انکے اصحاب کو اصحاب رائے خیال کرتے ہیں، یہ سب کچھ ان کی حقیقت ورروایت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم وفراست پر اطلاع نہ پانے کا نتیجہ ہے۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿81﴾......

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے، تو وہ فرماتے ہیں کہ فقہا سب ابوحنیفہ کے عیال ہیں، ان کم ہمتوں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنا قصور دوسروں کے ذمے لگاتے ہیں۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿82﴾......

حضرت خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب فقہ کے موافق عمل کریں گے، ممکن ہے یہ اسی مناسبت کے باعث جو انکو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے لکھا ہو یعنی حضرت روح اللہ علیہ السلام کا اجتہاد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی شان اس سے برتر ہے۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿83﴾......

بلاتکلف وتعصب کہا جاتا ہے کہ مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذہب نہروں اور حوضوں کی طرف نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کے سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تابع دار ہیں، یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول و فروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اسکا طریقہ کار علیحدہ ہے اور یہ معنی اسکی حقیقت یعنی حق ہونے کا پتا بتاتے ہیں۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿84﴾......

بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں، حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور اپنے طور پر مقدم سمجھتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کرام کے قول کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں دوسروں کا ایسا حال ہیں، پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں اور ان کی طرف بے ادبی کے لفظ منسوب کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کو بیزار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿85﴾......

احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب وسنت ہیں اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں، ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے، الہام حل وحرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض وسنت کو ثابت نہیں کرتا، ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں، ان کے کشف والہام انکو زیادتی نہیں بخشتے اور تقلید سے باہر نہیں نکالتے۔ ﴿مکتوبات: ۳/۵۵﴾

......﴿86﴾......

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں میری کوئی اس کے برابر کوئی آرزو ہو کہ ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہوں اور کلمہ طیبہ کے ورد سے لذت گیر اور محظوظ ہوتا رہوں لیکن کیا کیا جائے سب آرزؤں کا پورا ہونا ممکن نہیں کیونکہ غفلت اور خلق خدا سے میل جول رکھے بغیر چارہ نہیں۔ ﴿مکتوبات: ۲/۳۷﴾

......﴿87﴾......

ترقی وعروج وابستہ ہے ورع وتقویٰ کے ساتھ، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں، اوامر کو بجالانا اور نواہی سے بچنا، اوامر کے بجالانے میں

فرشتے بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں، اگر صرف اوامر کے بجا لانے سے ترقی ممکن ہوتی تو فرشتے بھی ضرور ترقی کرتے جبکہ نواہی سے بچنا فرشتوں کو سرے سے حاصل ہی نہیں کیونکہ وہ فطرتی طور پر گناہوں سے معصوم ہیں، اس سے لازم آیا کہ ترقی جزو دوم کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر مخالفت نفس کا نام ہے کیونکہ شریعت نفسانی خواہشات کو مٹانے اور غلط رسومات کو دفع کرنے کی خاطر وارد ہوئی ہے، پس حرام اور فضول کاموں سے بچنا نفس کی عین مخالفت ہے۔ ﴿مکتوبات:۱/۲۹۲﴾

......﴿88﴾......

ناپسندیدہ بدعات سے اجتناب ضروری ہے خواہ بدعت صبح کی سفیدی جیسی روشن کیوں نظر نہ آئے کیونکہ درحقیقت نہ بدعت میں کوئی نور ہے اور نہ کوئی ضیاء ہے، نہ یہ کسی مریض کے لیے شفا ہے اور نہ کسی مرض کی دوا ہے۔ ﴿مکتوبات:۲/۱۹﴾

......﴿89﴾......

اس وقت کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث وہ دریائے ظلمت کی طرح نظر آتی ہے اور سنت کا نور غربت وقلت کی بنا پر تاریک دنیا میں جگنو کی طرح نظر آتا ہے، بدعت کا عمل اس ظلمت کو بڑھاتا اور سنت کے نور کو کم کرتا ہے، جبکہ سنت کا نور اسکی تاریکی کو مٹانے اور نور کو بڑھانے کا باعث ہے، اب جو چاہے وہ بدعت کی تاریکی کو بڑھائے اور جو چاہے وہ سنت کے نور کو زیادہ کرے۔ ﴿مکتوبات:۲/۲۳﴾

......﴿90﴾......

حق تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے، وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو سارا بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں کچھ نہ ڈالے، ایک دانے سے سو دانے نہ بنائے اور اس دن کے لیے کچھ ذخیرہ نہ کرے، جس روز بھائی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور ماں اپنے بیٹے کی خبر نہ لے گی ایسا شخص دونوں جہانوں کے خسارے میں ہے اور سوائے حسرت وندامت کے اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ﴿مکتوبات:۱/۲۱۴﴾

......﴿91﴾......

ان نالائقوں کا یہی کام ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس

بات کے منتظر رہتے ہیں کہ قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا انہیں کفر کی جانب پھیر کر لے جائیں، پس مسلمانوں کو بھی ایمانی غیرت سے کام لینا چاہیے کیونکہ ایمان باحیا بننے کا تقاضا کرتا ہے، لہذا امل غیرت کا پاس ضروری ہے۔ ﴿مکتوبات:۱/۱۶۳﴾

......﴿92﴾......

سعادت وشرافت کے نشانات والے! آدمی کو جب کوئی مرض لگ جاتا ہے اور کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کے دور کرنے میں سعی بلیغ کی جاتی ہے کہ اس مصیبت سے بھی نجات ملے لیکن قلبی مرض جو سوائے حق کی گرفتاری ہے اور جو آدمی پر اس درجہ غالب آجائے کہ قریب ہے کہ اسے ہمیشہ کی نیند سلادے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کر دے، اس کے دور کرنے کی ذرا پروانہیں ہوتی، دفع کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اگر کوئی اس گرفتاری کو مرض نہیں جانتا تو پرلے درجے کا احمق ہے اور مرض تو جانتا ہے لیکن دفع کرنے کی فکر میں نہیں تو بڑا بے عقل ہے، اس میں شک نہیں کہ اس مرض کو مرض سمجھنے کے لیے عقل معاد درکار ہے کیونکہ عقل معاش اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث ظاہر پر نظر رکھتی ہے۔ ﴿مکتوبات:۱/۲۱۹﴾

......﴿93﴾......

صوفیائے خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرائض وسنن کے بجالانے میں تساہل سے کام لیتے ہیں چلّے اور ریاضتیں کر کے جمعہ وجماعت کو ترک کر دیتے ہیں، نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے، ہاں آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر وفکر میں مشغول ہونا بھی بہتر اور ضروری ہے۔ ﴿مکتوبات:۱/۲۶۰﴾

......﴿93﴾......

نوافل کے ادا کرنے سے ظلی قرب اور اور فرض کی ادائیگی سے اصلی قرب حاصل ہوتا ہے جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیئے جاتے ہیں وہ اصلی قرب مدومعاون ہوتے ہیں اور فرائض کے محلقات میں شمار ہوتے ہیں، فرائض کا ادا کرنا عالم خلق سے مناسبت رکھتا ہے، جو اصل کی جانب متوجہ ہے

اور نوافل کا ادا کرنا عالم امر سے مناسبت رکھتا ہے جس کا رخ جانب ظل ہے اگرچہ جملہ فرائض ہی اصلی قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سے افضل واکمل نماز ہے۔ ﴿مکتوبات: ۱/۲۶۰﴾

......﴿94﴾......

بعض علما راسخ العقیدہ ہونے کے باوجود اعمال میں سستی اور کوتاہی کے مرتکب ہیں، انھیں دیکھ کر علما کا مطلق انکار کرنا اور تمام علمائے کرام کو مطعون کرنا محض ناانصافی اور بے بنیاد مکابرہ ہے بلکہ اکثر ضروریات دین کا انکار ہے کیونکہ ضروریات دین کے ناقل علمائے کرام ہی تو ہیں۔ ﴿مکتوبات: ۱/۲۸۶﴾

......﴿95﴾......

ارباب عقل سلیم جانتے ہیں کہ تقیہ بزدلی کی علامت ہے، جس کی نسبت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی جانب کرنا انتہائی نامناسب ہے، بتقضائے بشریت گھڑی دو گھڑی یا ایک دو دن کے لیے تقیہ کی صفت کو جائز قرار دیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن شیر خدا رضی اللہ عنہ کو مسلسل تیس سال تک بزدلی پر ثابت ماننا اور یہ کہنا کہ وہ اتنا عرصہ تقیہ پر قائم رہے بہت ہی نازیبا ہے۔ ﴿مکتوبات: ۲/۳۶﴾

......﴿96﴾......

اگر حضرات شیخین ﴿ابو بکر وعمر﴾ رضی اللہ عنہما کی تقدیم وتفضیل میں توقف کرتا ہے تو طریق اہل سنت کا تارک ہے اور اگر حضرات ختنین ﴿عثمان وعلی﴾ رضی اللہ عنہما کی محبت میں شک کرتا ہے تو بھی اہل حق سے خارج اور دور ہے۔ ﴿مکتوبات: ۲/۱۵﴾

......﴿97﴾......

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی افضلیت اجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے جیسا کہ اس کو اکابر نے نقل کیا ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ﴿مکتوبات: ۲/۶۷﴾

......﴿98﴾......

اللہ تعالیٰ اس جماعت روافض کو انصاف کی توفیق دے کہ اکابر دین پر زبان درازی سے باز آجائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے حق کو ملحوظ رکھیں۔ ﴿مکتوبات: ۳/۲۴﴾

......﴿99﴾......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہیں جائے گا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے اوراس کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ اس قوم سے خوش ہے، اس میں شک نہیں کہ ایسے حضرات کو کافر کہنا جنہیں کتاب وسنت میں بشارت جنت ملی ہو بدترین قسم کا کفر ہے۔ ﴿مکتوبات:۲/۹۶﴾

......﴿100﴾......

اے بھائی! سجدہ جو زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے، یہ نہایت درجہ اپنی ذلت وانکساری کے اظہار پر دلالت کرتا ہے اورانتہائی عاجزی اورتواضع پر مشتمل ہے، لہذا ایسی تواضع اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ مخصوص ہے اوراس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں۔ ﴿مکتوبات:۲/۹۲﴾

......⊙......

باب یازدہم

مکتوبات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یوں تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصنیفات عالم اسلام کا بہترین سرمایہ ہیں لیکن علمی ،فکری ،اعتقادی اور روحانی اعتبار سے مکتوبات شریفہ اپنی مثال آپ ہیں ،آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں بہت سے فقہی ،تصوفی اور فلسفی موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور گویا ان کا حق ادا کر دیا ہے ،آپ کی مکتوب الیھم شخصیات کا جائزہ لیا جائے تو زمانے کے بڑے بڑے صوفیہ، فلاسفہ اور امراء آپ سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں اور آپ ان کی علمی اور فکری پیاس بجھاتے دکھائی دیتے ہیں ،اس امر سے آپکی وسعت مطالعہ اور فکرت بالغہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

چہ باید مرد را طبعے بلندے، مشربے نابے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے ، جان بیتابے

آپ کے مکتوبات اور دیگر تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں طبع بلند بھی ہے، مشرب ناب بھی ہے، دل گرم بھی ہے ،نگاہ پاک بھی ہے اور جان بیتاب بھی ہے، یہی وہ اثاثہ ہے جو ایک مصنف کی تحریر و تحقیق کو حیات ابدی سے سرفراز کر دیتا ہے، آپکی تحقیقات کے متعلق حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ایک معاصر بزرگ کے تاثرات نقل کئے ہیں جو گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہیں:

"لوگوں کے رسائل و کتب دو قسم کے ہیں، یا تو تصنیف ہے

اور یا تو تالیف ہے، تالیف تو یہ ہے کہ لوگوں کی باتوں کو سیاق وسباق کے ساتھ اچھی طرح جمع کر دے اور تصنیف یہ ہے کہ اپنے علوم و نکات کو تحریر میں لائے، خواہ وہ نکات علمی مہارت اور بلندی فطرت کی بنا پر ظاہر ہوئے ہوں خواہ الہام ربانی اور سچے کشف کے ذریعے جلوہ گر ہوئے ہوں، ایک عرصے سے اہل روزگار میں صرف تالیف باقی رہ گئی تھی اور تصنیف ختم ہوگئی تھی مگر یہ کہ شاذ ونادر......اب انصاف یہ ہے کہ اس زمانے میں سنجیدہ اور مناسب تصنیف تمہارے شیخ بزرگوار کے رسائل ومکاتیب کا مجموعہ ہے کہ جس قدر بھی ہم نے نظر ڈالی ان کو کہیں نقل کرتے نہیں دیکھا مگر یہ کہ شاذ ونادر یا ضرورت کی بنا پر ایسا کیا ہے، ان میں زیادہ تر ان بزرگوار کے مکشوفات اور الہامات ہیں اور سب کے سب بلند و نازنین ہیں اور شرع متین کے موافق ہیں''

﴿زبدۃ المقامات:۲۹۶﴾

مکتوبات شریفہ کی بہت سے عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ونظریات کو خدا تعالیٰ اور حضور محمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک کی قبولیت حاصل تھی، فرشتگان نور آپ کے قلم گوہر رقم کی حفاظت فرماتے تھے اور اس کو شیطانی حملوں سے بچاتے تھے، مکتوبات شریفہ تین مجلدات پر مشتمل ہیں۔

⊙......جلد اول جو درالمعرفت ﴿۱۰۲۵ھ﴾ کے نام سے موسوم ہے، اس کو مولانا یار محمد الجدید بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، اس جلد میں ۳۱۳ مکتوبات مرقوم ہیں۔

⊙...... جلد دوم جو نورالخلائق ﴿۱۰۲۸ھ﴾ کے نام سے موسوم ہے، اسکو مولانا عبدالحئ حصاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، اس جلد میں ۹۹ مکتوبات مرقوم ہیں۔

⊙...... جلد سوم جو معرفۃ الحقائق ﴿۱۰۳۱ھ﴾ کے نام سے موسوم ہیں، اسکو مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، اس جلد میں ۱۲۴ مکتوبات مرقوم ہیں۔

مکتوبات شریفہ کی جلد چہارم کا کام شروع ہونے والا تھا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما گئے چنانچہ جلد چہارم کے لیے جمع کیے جانے والے مکتوبات جلد سوم کی تکمیل کے بعد اس میں شامل کر دیئے گئے جیسا کہ حضرت مولانا ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے، آپ کے جملہ مکتوبات کو تمام عالم اسلام میں بہت زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی، آپ نے ان کے ذریعے بہت سے صوفیہ، علما اور امراء کی اصلاح کا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا کیونکہ آپ کا انقلابی نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر یہ تین طبقات راہ راست پر آجائیں تو معاشرے کی تمام خرابیاں دور ہوسکتی ہیں، مکتوبات کے بے شمار ایڈیشن ہندو پاک میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں شائع ہو چکے ہیں، مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ان کی شروحات پر بھی نہایت گراں قدر تحقیقات معرض وجود میں آچکی ہیں، بہت سے علما اور عرفا نے آپ پر ہونے والے اعتراضات کی تردید میں بھی بہت سی کتابیں رقم کی ہیں اور آپ کا بھرپور علمی دفاع کیا ہے، آپ کی مکتوب الیھم شخصیات کے حالات پر بھی بہت سا کام ہو چکا ہے، غرض ایک جہان ہے جو آپ کے ان شہ پاروں سے آباد دکھائی دیتا ہے، ذیل میں چند تراجم و شروح کا ذکر پیش خدمت ہے:

⊙...... الطاف رحمانی ترجمہ مکتوبات امام ربانی از مولانا محمد حسین مطبوعہ لاہور ۱۸۹۶ء

⊙...... ترجمہ مکتوبات امام ربانی از مولانا عبدالرحیم مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۱ء

⊙...... ترجمہ مکتوبات امام ربانی از مولانا عالم الدین مطبوعہ لاہور

⊙...... ترجمہ مکتوبات امام ربانی از مولانا محمد سعید نقشبندی مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء

⊙...... خلاصہ مکتوبات امام ربانی از مولانا ہدایت علی جے پوری مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۵ء

⊙...... ضیاء المقدمات شرح مکتوبات از مولانا ضیاء الدین قندھاری

⊙...... شرح مکتوبات مجددی از خواجہ عبداللہ وحدت

⊙...... شرح مکتوبات امام ربانی از شاہ عبدالرحیم گرھوڑی

- ...... حواشی مکتوبات امام ربانی از مولانا منظور احمد مکان شریفی
- ...... شرح مکتوبات امام ربانی از مولانا نصر اللہ کابلی
- ...... البینات شرح مکتوبات از مولانا سعید احمد مجددی

عربی زبان میں بھی مکتوبات شریفہ کے کافی تراجم ہو چکے ہیں مثلاً ''الدرالمکنونات'' از مولانا محمد مراد منزلوی اور اس ترجمے کا انتخاب مولانا ایشیق حلمی نے المنتخبات من المکتوبات کے نام سے شائع کیا ہے، اس انتخاب پر ترکی کے فاضل مولانا عبدالحکیم ادریسی کے یہ تاثرات مرقوم ہیں، اسلام میں قرآن وحدیث کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر کتاب مکتوبات امام ربانی ہے، اس طرح عربی میں تعریب المکتوبات کے نام سے شیخ یونس نقشبندی نے مکتوبات کا ترجمہ کیا ہے، ایک عربی ترجمہ مکاتیب الشیخ احمد کے نام سے بھی مشہور ہے، زیر نظر باب میں آپ کے تمام مکتوبات شریفہ کے مضامین اور موضوعات کا تعارف دیا جارہا ہے تاکہ قارئین کرام کی نگاہوں میں اس جہان معرفت کے خوبصورت مناظر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جائیں۔

دفتر اوّل کے مکتوبات:

...... ﴿مکتوب: 1﴾ ......

ان حالات کے بیان میں جو اسم ظاہر سے مناسبت رکھتے ہیں اور توحید کی ایک خاص قسم کے ظہور اور ان عروجات کے بیان میں جو عرش پر واقع ہوئی ہیں اور درجات بہشت اور بعض اہل اللہ کے مراتب کے ظہور میں اپنے پیر بزرگوار کی طرف لکھا ہے اور وہ شیخ کامل، دوسروں کو کامل کرنے والا کمال ولایت کے درجوں تک پہنچانے والا، ایسے راستے کی طرف ہدایت کرنے والا جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے، پسندیدہ دین کی تائید کرنیوالا ہمارا شیخ اور امام محمد باقی باللہ نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بھید کو پاک کرے اور ایسے اعلیٰ درجہ تک اسکو پہنچائے کہ جس کی وہ آرزو رکھتا ہے۔

...... ﴿مکتوب: 2﴾ ......

ترقیوں کے حاصل ہونے اور خداوند تعالیٰ کی مہربانیوں پر فخر کرنے کے بیان میں یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:3﴾……

یاروں کے ایک خاص مقام پر رک جانے اور یاروں کے اس مقام سے گزرنے اور تجلی ذات کے مقامات تک پہنچنے کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:4﴾……

بڑے درجے والے مہینے ماہ رمضان کی فضیلتوں اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم واسلام کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:5﴾……

مخلص یاروں میں سے ایک مخلص یار خواجہ برہان الدین کی سفارش اور اس کے احوال کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کے نام لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:6﴾……

جذبہ اور سلوک کے حاصل ہونے اور جلالی اور جمالی دونوں صفتوں کے ساتھ تربیت پانے اور فنا و بقا اور ان کے متعلقات اور نسبت نقشبندیہ کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:7﴾……

اپنے بعض عجیب وغریب احوال اور بعض ضروری استفسار کے متعلق، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:8﴾……

ان احوال کے بیان میں جو صحو اور بقا سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

……﴿مکتوب:9﴾……

ان احوال کے بیان میں جو نیچے اترنے کے مقام یعنی مقام نزول سے مناسبت رکھتے ہیں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:10﴾......

غیر مشہور معانی میں قرب و بعد وفوق و وصل کے حاصل ہونے اور ان کے مناسب بعض علوم کے بارے میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:11﴾......

بعض کشفوں اور اپنے قصور کو دیکھنے اور تمام اعمال واقوال میں اپنے آپ کو قاصر اور تہمت زدہ جاننے کا مقام حاصل ہونے اور شیخ ابوسعید ابوالخیر کے کلام کے اسرار ظاہر ہونے کے بیان میں کہ انہوں نے فرمایا کہ عین نہیں رہتا ہے، اثر کہاں رہے اور بعض یاروں کے احوال کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:12﴾......

فناو بقا کا مقام اور ہر چیز کی خاص توجہ کے ظہور حاصل ہونے اور سیر فی اللہ اور تجلی ذاتی و برقی وغیرہ کی حقیقت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا۔

......﴿مکتوب:13﴾......

راستہ کی لمبائی اور علوم حقیقت کو علوم شریعت کے ساتھ مطابق کرنے کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کو لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:14﴾......

ان واقعات کے حاصل ہونے کے بیان میں جو اثنائے راہ میں ظاہر ہوئے تھے اور بعض مسترشدوں یعنی طالبوں کے احوال کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:15﴾......

ان احوال کے بیان میں جو ہبوط اور نزول کے مقامات کے مناسب ہیں معہ پوشیدہ اسرار کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:16﴾......

عروج وزوال کے احوال وغیرہ کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:17 ﴾......

بعض احوال کے بیان میں جو عروج و زوال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:18 ﴾......

تمکین کے بیان میں جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ولایت کے تین قسم کے مراتب کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی ذات وغیرہ پر زائد ہے، اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:19 ﴾......

بعض حاجت مندوں کی سفارش میں اپنے پیر بزرگوار کو لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:20 ﴾......

یہ بھی بعض حاجت مندوں کی سفارش میں اپنے پیر بزرگوار کو لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:21 ﴾......

ولایت کے درجوں خاص کر ولایت محمدی ﷺ کے درجوں کے بیان میں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور ان بزرگواروں کی نسبت کی بلندی اور باقی تمام طریقوں پر اس طریق کی فضیلت اور اس بیان میں کہ ان کا حضور دائمی ہے، حاجی قاری موسیٰ لاہوری کے بیٹے شیخ محمد مکی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:22 ﴾......

روح و نفس کے درمیانی تعلق اور اس کے نزول و عروج اور فنائے جسدی اور روحی اور ان کے بقا اور مغلوب الحال درویشوں اور ان لوگوں کے درمیان فرق کے بیان میں جو مقام دعوت کی طرف راجع ہیں، شیخ محمد مفتی لاہوری کے بیٹے شیخ عبد المجید کی طرف لکھا ہے ۔

......﴿ مکتوب:23 ﴾......

پیر ناقص سے طریقہ اخذ کرنے سے منع کرنے اور اس کے نقصان کے بیان میں اور ان القاب سے جو اہل کفر سے مشابہ ہیں، زجر و تنبیہ کے بیان میں، عبد الوحید خانخاناں کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:24﴾......

اس بیان میں کہ صوفی کائن بائن ہے، اس بیان میں کہ دل کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا اور اس بیان میں محبت ذاتی کا ظہور محبوب کے رنج و انعام کو مساوی جاننے کو مستلزم اور اس بیان میں کہ مقربین کی عبادت میں کیا فرق ہے اور اس بیان میں کہ مغلوب الحال اور ان اولیاء کے درمیان جو دعوت خلق کی طرف سے راجع ہیں کیا فرق ہے، محمد قلیچ خان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:25﴾......

حضرت سید المرسلین ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی متابعت پر ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ جہان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:26﴾......

اس بیان میں کہ شوق ابرار کو ہوتا ہے اور مقربین کو نہیں ہوتا اور اس مقام کے مناسب علوم کے بیان میں، شیخ عالم مولانا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا گیا ہے۔

......﴿مکتوب:27﴾......

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور ان بزرگواروں کی بلندی نسبت کے بیان میں خواجہ عمک کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:28﴾......

بلندی حال کے بیان میں خواجہ عمک کو لکھا ہے لیکن ایسی عبارت میں تحریر ہے جس سے نزول و بعد کا وہم پیدا ہوتا ہے۔

......﴿مکتوب:29﴾......

فرضوں کے ادا کرنے اور سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کرنے کی ترغیب اور فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کے ادا کرنے کے بیان میں، آدھی رات کے بعد نماز خفتن کو ادا کرنے سے منع کرنے اور وضو کے مستعمل پانی کو پینے کو جائز سمجھنے سے روکنے اور مریدوں کو سجدہ کرنے کے جائز جاننے سے منع کرنے کے بیان میں، شیخ نظام تھانیسری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:30﴾......

شہود آفاقی اور انفسی اور شہود انفسی اور تجلی صوری کے درمیان تفرقہ کے بیان میں اور مقام عبدیت کی شان کی بلندی میں اور اس مقام کے علوم کو شرعی علوم کے ساتھ مطابق کرنے اور ان کے مناسب بیان میں، ملا محمد صدیق جو اس درگاہ کے قدیم خدمتگاروں میں سے ہے کہا کرتا تھا کہ یہ مکتوب بھی شیخ نظام تھانیسری کی طرف صادر ہوا تھا۔

......﴿مکتوب:31﴾......

توحید وجودی کے ظہور اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت ذاتی کی حقیقت اور اس مقام سے گزر جانے کے بیان میں معہ چند سوال و جواب کے جو اس مقام کی تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں شیخ صوفی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:32﴾......

اس کمال کے بیان میں جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے مخصوص ہے اور اولیاء میں سے بہت تھوڑے ہیں جو اس کمال سے مشرف ہوئے ہیں اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ میں وہ کمال پورے طور پر ظہور پائے گا اور وہ کمال جذبہ اور سلوک کی نسبت سے بڑھ کر ہے اور اس بیان میں کہ صنعت کا کمال بہت سے فکروں سے ملنے پر ہوتا ہے اور اس کی زیادتی بہت سے فکروں پر منحصر ہے، پیر کی نسبت اگر اسی اصلیت پر رہے تو نقصان کا موجب ہے، مرید رشید اس کو کامل کر سکتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا احمد حسام الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:33﴾......

بُرے علما کی محبت میں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور جنہوں نے علم کو دنیا حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے اور علما زاہد کی تعریف میں جو دنیا سے بے رغبت ہیں ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:34﴾......

عالم امر کے جواہر خمسہ کو شرح و تفصیل کیساتھ بیان کرنے میں ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:35 ﴾......

محبت ذاتی کے بیان میں جہاں کہ انعام وایلام برابر ہیں، میاں حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:36 ﴾......

اس بیان میں کہ شریعت دنیا آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب نہیں ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے اور طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور اس کے مناسب بیان میں ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:37 ﴾......

سنت نبوی ﷺ کی تابعداری پر برانگیختہ کرنے اور نسبت نقشبندیہ کے حاصل کرنے کے لیے ترغیب دینے میں شیخ محمد خیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:38 ﴾......

ذات بحت کے ساتھ جو اسما وصفات وشیون واعتبارات کے اعتبار کے پاک و منزہ ہے، گرفتار ہونے میں اور ناقص لوگوں کی خدمت میں جو چون کو بیچون تصور کر کے اس میں پھنسے ہوئے ہیں اور اہل فنا کے مرتبوں کے تفاوت میں کہ جن پر علوم ومعارف وغیرہ کا تفاوت مرتب ہے یہ بھی شیخ محمد خیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:39 ﴾......

اس بیان میں کہ کام کا مدار دل پر ہے، بڑے ظاہری عملوں اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں ہوتا، وغیرہ وغیرہ کے بیان میں، شیخ محمد خیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:40 ﴾......

مقام اخلاص کے حاصل کرنے کے بیان میں جو شریعت کے تینوں حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت وحقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں وغیرہ کے بیان میں، شیخ محمد خیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:41 ﴾......

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روشن اور بزرگ سنت کی تابعداری کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ طریقت اور حقیقت شریعت کو کامل کرنے والی ہیں اور اس بیان میں کہ علوم شرعیہ اور علوم صوفیہ کے درمیان صدیقیت میں جو ولایت کے مرتبوں میں سے اعلیٰ مرتبہ ہے فائض ہوتے ہیں ہرگز مخالف نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ درویش کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:42 ﴾......

اس بیان میں کہ دل کی حقیقت جامع سے ماسویٰ اللہ کی محبت کے زنگار کو دور کرنے والی سب سے بہتر چیز نبی اکرم ﷺ کی سنت کی تابعداری ہے، شیخ درویش کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:43 ﴾......

اس بیان میں کہ توحید دو قسم کی ہے، شہودی اور وجودی اور وہ جو ضروری ہے توحید شہودی ہے جس سے فنا متعلق ہے اور توحید شہودی عقل و شرح کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی، برخلاف توحید وجودی کے اور ان مشائخ کے اقوال کی جو توحید وجودی میں نظر کرنے والے ہیں، توحید شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے اور توحید شہودی مرتبہ عین الیقین میں ہے جو حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گزر کر حق الیقین تک پہنچتے ہیں اس قسم کے احوال و اقوال سے کنارہ کرتے ہیں اور اس مضمون کے مناسب سوالوں اور جوابوں اور روشن مثالوں کے بیان میں سرداری کی پناہ والے، شرافت کے مرتبہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:44 ﴾......

حضرت خیر البشر ﷺ کی تعریف میں اور اس بیان میں کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر اور اس کے جھٹلانے والے تمام بنی آدم سے بدتر ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی روشن سنت کی تابعداری کی ترغیب میں سرداری کی پناہ والے شیخ فرید.. کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:45﴾......

یہ بھی سرداری اور شرفت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے، یہ مکتوب اپنے پیر دستگیر کے اس جہان فانی سے کوچ کر جانے کے بعد لکھا تھا اور چونکہ خانقاہ کے فقرا کی ظاہری تقویت شیخ موصوف سے منسوب تھی اس لیے اس کا شکر کر کے انسان کی جامعیت کی وجہ کو جو انسان کے کمال کا بھی اور نقصان کا بھی موجب ہے، بیان کیا ہے اور ماہ رمضان شریف کے فضائل اور اس کے مناسب ذکر کیے ہیں۔

......﴿مکتوب:46﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ تمام جو کچھ آپ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، سب بدیہی ہیں اور کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں ہیں اور مضمون کے واضح کرنے میں بہت دلائل بیان کیے ہیں، یہ مکتوب بھی شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا تھا۔

......﴿مکتوب:47﴾......

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے، سابق زمانوں کی شکایت کرنے کے بیان میں جبکہ کفار غالب تھے اور اہل اسلام خوار و بے اعتبار تھے، اس بات کی ترغیب میں کہ بادشاہت کی ابتدا میں اگر دین کی ترقی اور رواج میسر ہو جائے تو بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی گمراہ خلقت کو گمراہ کرنے والا درمیان میں آ کر اہل اسلام کے کارخانہ میں خلل ڈال دے اور پہلے زمانہ کی طرح کر دے۔

......﴿مکتوب:48﴾......

عالموں اور طالب علموں کی تعظیم پر جو شریعت کے اٹھانے والے اور قائم رکھنے والے ہیں، ترغیب دینے میں سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید بخاری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:49﴾......

ان دونوں دولتوں کے جمع کرنے یعنی ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کرنے اور باطن کو سوائے حق کی گرفتاری سے آزاد کرنے کی ترغیب میں، سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:50﴾......

کمینی دنیا کی مذمت میں سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:51﴾......

شریعت روشن کے رواج دینے کی ترغیب میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:52﴾......

نفس امارہ کی مذمت اور اس کی ذاتی مرض اور اس کے علاج کے بیان میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:53﴾......

اس بیان میں کہ برے عالموں کا اختلاف جہان کی تباہی کا باعث ہے اور اس کے مناسب بیان میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:54﴾......

اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا لازم ہے، بدعتی کی صحبت کا ضرر کافر کی صحبت سے بڑھ کر ہے اور بدعتی فرقہ شیعہ شنیعہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:55﴾......

محبت کے اظہار کرنے میں شیخ عبدالوہاب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:56﴾......

ایک سید کی سفارش میں شیخ عبدالوہاب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:57﴾......

نصیحت کے بارے میں شیخ محمد یوسف کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:58﴾......

اس بیان میں کہ یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم در پے ہیں سب سات قدم ہیں اور اس بیان میں کہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے، برخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے اور ان بزرگواروں کا طریق اصحاب کرام کا

طریق ہے اور اس کے مناسب بیان میں، یہ سیادت مآب محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:59 ﴾......

سید محمود کی طرف صادر فرمایا ہے، اس بیان میں کہ آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں کہ نجات ابدی حاصل ہو جائے اور اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت کی تابعداری کے سوا نجات محال ہے اور اس بیان میں کہ علم و عمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص صوفیہ کے طریق پر چلنے سے وابستہ ہے اور اس بیان میں کہ عمل کا اخلاص اولیا کرام کو تمام افعال اور اعمال اور حرکات وسکنات میں حاصل ہے۔

......﴿ مکتوب:60 ﴾......

کلی طور پر خطروں کے دور کرنے اور وسوسوں کے دفع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں سیادت پناہ سید محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:61 ﴾......

شیخ کامل مکمل کی صحبت کی ترغیب اور ناقص کی صحبت سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں سیادت مآب سید محمود کے نام لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:62 ﴾......

اس بیان کہ وہ جذبہ جو سلوک سے اول ہے وہ اصلی مقصود نہیں ہے بلکہ منزل مقصود کو باآسانی قطع کرنے کا وسیلہ ہے، ہاں وہ جذبہ جو سلوک کے بعد ہے وہ اصلی مقصد ہے، جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:63 ﴾......

اس بیان میں کہ انبیا کرام علیہم السلام دین کے اصول میں متفق ہیں اور ان بزرگواروں کا اختلاف صرف دین کے فروع میں ہے اور ان بعض متفق علیہ کلمات کے بیان میں سرداری کی پناہ والے، شرافت کے مرتبہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:64 ﴾......

جسمانی اور روحانی لذت اور درد کے بیان میں اور جسمانی رنج کو مصیبتوں کے برداشت کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں سیادت و شرافت پناہ شیخ فرید کی

طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:65﴾......

اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی خواری پر افسوس کرنے اور اسلام کو تقویت دینے اور احکام جاری کرنے کی ترغیب دینے میں خان اعظم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:66﴾......

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف میں اور اس بیان میں کہ یہ طریق بعینہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریق ہے اور دوسروں پر اصحاب کرام کی فضیلت میں اگرچہ اویس قرنی ہوں یا عمر مروانی، خانِ اعظم کی طرف صادر ہوا ہے۔

......﴿مکتوب:67﴾......

ایک محتاج کی سفارش میں خان خاناں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:68﴾......

اس بیان میں کہ تواضع دولتمندی سے اچھی ہے اور استغنا لا پرواہی فقرا سے زیبا ہے اور اس کے مناسب بیان میں خان خاناں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:69﴾......

تواضع کے بیان میں جو دونوں جہان کی عزت کا باعث ہے اور اس بیان میں کہ نجات فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی تابعداری پر وابستہ ہے۔

......﴿مکتوب:70﴾......

اس بیان میں کہ انسان کے لیے کہ جس طرح اس کی جامعیت اس کے قرب کا باعث ہے ویسے ہی یہ جامعیت اس کے بعد کا بھی باعث ہے اور اس کے مناسب بیان میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:71﴾......

اس بیان میں کہ منعم کا شکر منعم علیہ پر واجب ہے اور شکر کا حاصل ہونا شریعت کے بجالانے سے ہے، نہ کچھ اور، خان خاناں کے بیٹے مرزا داراب کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:72﴾......

اس بیان میں کہ دین کا دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے، پس طالب آخرت کے لیے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے، اگر حقیقی ترک میسر نہ ہو تو ترک حکمی سے چارہ نہیں اور اس کے مناسب بیان میں خواجہ جہان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:73﴾......

دنیا اور اہل دنیا کی مذمت اور بے فائدہ علوم کے حاصل کرنے کی برائی اور فضول ترغیب سے بچنے اور خیرات و اعمال صالحہ کے خاص کر جوانی کے وقت بجالانے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں قلیج اللہ بن قلیج خان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:74﴾......

فقرا کی محبت اور ان کی طرف توجہ کی ترغیب اور صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام کی تابعداری کی نصیحت میں مرزا بدیع الزمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:75﴾......

حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر حرص دلانے میں اول عقائد کے درست کرنے اور پھر فقہ کے ضروری احکام جاننے اور اس بیان میں کہ حق تعالیٰ سے بوسیلہ یا بے وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیے اور اس کے بیان میں مرزا بدیع الزمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:76﴾......

اس بیان میں کہ ترقی ورع و تقویٰ سے وابستہ ہے اور فضول مباحات کے ترک کرنے کی ترغیب میں اگر یہ میسر نہ ہو تو محرمات سے بچ کر فضول مباحات کے دائرہ کو بہت تنگ اختیار کرنا چاہیے اور اس بیان میں کہ مباحات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے، قلیج خاں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:77﴾......

اس بیان میں کہ خدائے بے مثل و بے مانند کی عبادت کب حاصل ہوتی ہے اور اس کے مناسب بیان میں جباری خاں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:78 ﴾......

سفر در وطن اور سیر آفاقی اور انفسی کے معنی میں اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حاصل کرنا صاحب شریعت ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے، جباری خاں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:79 ﴾......

اس بیان میں کہ یہ شریعت تمام گزشتہ شریعتوں کی جامع ہے اور اس شریعت کے موافق عمل کرنا تمام شریعتوں کے موافق عمل کرنا ہے اور اس کے بیان میں جباری خاں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:80 ﴾......

اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کا فرقہ ہے، بدعتی فرقوں کی برائی اور اس کے مناسب بیان میں مرزا فتح اللہ خاں حکیم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:81 ﴾......

اسلام کی ترقی پر ترغیب دینے اور اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری اور کفار نگونسار کے غلبہ کے بیان میں لالا بیگ کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:82 ﴾......

اس بیان میں کہ دل کی سلامتی ماسوائے اللہ کے نسیان کے بغیر ناممکن ہے اور یہ نسیان فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، سکندر خان لودھی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:83 ﴾......

ظاہر و باطن کی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ترغیب دینے میں بہادر خاں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:84 ﴾......

اس بیان میں کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور مرتبہ حق الیقین تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم شرعیہ کے ساتھ مطابق ہونا اور ان کے مناسب بیان میں سید احمد قادری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:85﴾......

اعمال صالحہ کے بجالانے خاص کر نماز کو با جماعت ادا کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں مرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:86﴾......

ماسوائے حق سے دل کو سلامت رکھنے کے بیان میں پرگنہ جرک کے کسی حاکم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:87﴾......

اس بیان میں کہ اس سے بڑھ کر کونسی سعادت ہے کہ خدائے تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول کرلیں، پہلوان محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:88﴾......

اس بیان میں کہ اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہے کہ کسی شخص نے ایمان وصلاح کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کیا ہو اور جوانی میں اس پر خوف غالب ہو، پہلوان محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:89﴾......

ماتم پرسی کے بارے میں مرزا علی خان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:90﴾......

اس بات پر ترغیب دینے میں کہ ہمہ تن حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور آج اس دولت کا حاصل ہونا اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ توجہ اور اخلاص پر وابستہ رہنا ہے، خواجہ قاسم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:91﴾......

اس بیان میں کہ عقائد کی درستی اور نیک عملوں کا بجالانا دونوں عالم قدس کی طرف اڑنے کے لیے پر ہیں اور شریعت کے اعمال اور حقیقت کے احوال کا مقصود نفس کا پاک اور دل کا صاف کرنا ہے، شیخ کبیر کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:92 ﴾......

اس بیان میں کہ دل اطمینان ذکر پر منحصر ہے نہ نظر اور استدلال پر، شیخ کبیر کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:93 ﴾......

اس بیان میں کہ تمام اوقات ذکر الٰہی میں مشغول رہنا چاہیے، سکندر خان لودھی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:94 ﴾......

اس بیان میں کہ آدمی کو عقائد کی درستگی اور اعمال صالح کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے تا کہ ان دو پروں کے ساتھ عالم حقیقت کی طرف اڑے خضو خان لودھی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:95 ﴾......

اس بیان میں کہ آدمی نسخہ جامع ہے اور اس کا دل بھی جامعیت کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے اور بعض مشائخ کے اقوال جو مرتبہ سکر میں دل کی وسعت وغیرہ میں ظاہر ہوئے ہیں وہ مختلف توجیہوں پر محمول ہیں اور اس بیان میں کہ صحو افضل ہے سکر سے، اس بیان میں سید احمد بجواڑی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:96 ﴾......

تسویف اور تاخیر سے کرنے اور جھڑکنے اور شریعت پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں محمد شریف کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:97 ﴾......

اس بیان میں کہ عبادت مامور سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے، شیخ درویش کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:98 ﴾......

نرمی کرنے کی ترغیب دینے اور سختی کو ترک کرنے کے بیان میں اور اس کے مناسب احادیث نبوی ﷺ کے لکھنے میں شیخ زکریا کے بیٹے عبد القادر کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:99 ﴾......

ایک استفسار کے جواب میں جو دوام آگاہی کی کیفیت اور حالت قوم کے ساتھ اس کے جمع کرنے کے بارے میں جو سراسر غفلت اور بیکاری ہے، ملا حسن کشمیری کی طرف لکھا گیا ہے۔

......﴿ مکتوب:100 ﴾......

ایک سوال کے جواب میں جو اس بارے میں لکھا گیا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ غیب جاننے والا ہے، ملا حسن کشمیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:101 ﴾......

ان لوگوں کے ردعمل میں جو کامل کو ناقص خیال کر کے اعتراض کی زبان دراز کرتے ہیں، ملا حسن کشمیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:102 ﴾......

اس بیان میں کہ سودی قرض میں سب کا سب روپیہ حرام ہے نہ فقط زیادتی مثلاً کسی شخص نے دس تنگہ بعوض بارہ تنگہ قرض لیے تو اس صورت میں سب بارہ تنگہ حرام ہیں نہ صرف دو تنگہ زیادتی اور اس کے متعلق بیان میں ملا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:103 ﴾......

عافیت کے معنی اور سرہند کے لیے قاضی کے طلب کرنے کے بیان میں سیادت و شرافت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:104 ﴾......

ماتم پرسی کے بارے میں پرگنہ مستکن کے قاضیوں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:105 ﴾......

اس بیان میں کہ مریض جب تک بیماری سے تندرست نہ ہو جائے غذا اس کو فائدہ نہیں دیتی اور اس کے مناسب بیان میں حکیم عبدالقادر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:106 ﴾......

اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت جو ان کی معرفت پر مرتب ہے، خداوند تعالیٰ کی

بڑی نعمتوں میں سے ہے، محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:107﴾......

چند سوالوں کے جواب میں جو اس طریقے سے لکھے ہوئے تھے جن سے طعن و تعصب کی بو آتی تھی اور یہ مکتوب ان ضروری قوائد پر مشتمل ہے جو اس طائفہ عالیہ کے ایمان میں فائدہ مند ہیں، محمد صادق کشمیری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:108﴾......

اس بیان میں کہ نبوت افضل ہے ولایت سے برخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ ولایت افضل ہے نبوت سے، میاں سید احمد کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:109﴾......

دل کی سلامتی اور ماسوائے حق کے نسیان میں حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:110﴾......

اس بیان میں کہ انسانی پیدائش سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا اور حق تعالیٰ کی جناب میں پورے طور پر توجہ رکھنا، شیخ صدر الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:111﴾......

اس بیان میں کہ توحید ماسوائے حق سے دل کو اخلاص کرنے سے مراد ہے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ حمید سنبھلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:112﴾......

اس بیان میں کہ اصل مقصود یہی ہے کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر پابند ہو جائیں اگر اس دولت کے ساتھ احوال و مواجید بھی عطا فرمائیں تو کمال احسان ہے ورنہ اسی دولت کو کافی جانتے ہیں جب یہ ہے تو سب کچھ ہے، شیخ عبدالجلیل کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:113﴾......

جذبہ مبتدی اور جذبہ منتہی کے درمیانی فرق کے بیان میں اور اس بیان میں کہ مجذوبوں کا مشہود ابتدا میں سوائے روح کے نہیں ہے جو قلب کے اوپر ہے اور اسی مشہود کو شہود الٰہی خیال کرتے ہیں جمال الدین حسین کولابی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:114﴾......

حضرت سید المرسلین ﷺ کی متابعت پر حرص دلانے میں صوفی قربان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:115﴾......

اس بیان میں کہ یہ راہ جس کے ہم قطع کرنے کے درپے ہیں صرف سات قدم ہے، شاہ محمد عبدالحق دہلوی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:116﴾......

اس بیان میں کہ دل کی سلامتی ماسوائے حق کے نسیان میں ہے اور دنیاوی کاروبار میں بکثرت مشغول ہونے سے منع کرنے میں کہ ایسا نہ ہو دنیا میں رغبت پیدا ہو جائے ملا عبدالواحد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:117﴾......

اس بیان میں کہ ابتدا میں قلب جس کے تابع ہے اور انتہا میں یہ تابعداری نہیں رہتی، ملا یار محمد بدخشی قدیم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:118﴾......

ان لوگوں کے خسارہ کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتے ہیں، ملا قاسم علی بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:119﴾......

شیخ مقتدا کی صحبت پر ترغیب دینے میں اور اس بیان میں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کامل لوگ ایسے بعض ناقص مریدوں کو بھی نیت کے لیے طریقہ سکھانے کی اجازت فرماتے ہیں میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:120﴾......

جمعیت والوں کی صحبت پر ترغیب دینے کے بیان میں میر محمد نعمان کو لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:121﴾......

اس بیان میں کہ یہ راہ سب سات قدم قرار پایا ہے اور بعض یار چھ قدم پر پہنچے ہیں،

میر محمد نعمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:122 ﴾......

بلند ہمتی پر ترغیب دینے اور ہر چیز جو ہاتھ میں آئے توجہ نہ کرنے کے بیان میں ملا محمد طاہر بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:123 ﴾......

اس بیان میں کہ نفل کا ادا کرنا خواہ حج ہی کیوں نہ ہو اگر فرض کے فوت ہو جانے کو مستلزم ہے تو وہ لایعنی میں داخل ہے، ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:124 ﴾......

اس بیان میں کہ راستہ کی استطاعت حج کے واجب ہونے کے لیے شرط ہے، استطاعت نہ ہونے کے باوجود حج کا ارادہ کرنا مطلب کے ہونے کی نسبت تضیع اوقات میں داخل ہے، ملا طاہر بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:125 ﴾......

اس بیان میں کہ کیا عالم صغیر کیا عالم کبیر اسما و صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور عالم کو اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت اور مظہریت کے سوا اور کوئی نسبت نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں میر صالح نیشاپوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:126 ﴾......

اس بیان میں کہ طالب کو چاہیے کہ باطل خداؤں کی نفی کرنے میں خواہ آفاقی ہوں خواہ نفسی کوشش کرے اور معبود برحق کے اثبات کی طرف میں جو کچھ حوصلہ فہم اور احاطہ اور ادراک میں آئے اس کو بھی نفی کے نیچے لاکر صرف موجودیت پر کفایت کرے اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں کوئی گنجائش نہیں اور اس کے مناسب بیان میں میر صالح نیشاپوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:127 ﴾......

اس بیان میں کہ والدین کی خدمت اگرچہ نیکیوں میں سے ہے لیکن اصلی مطلب تک پہنچنے کے مقابلہ میں محض بیکاری اور صرف تعطیل ہے بلکہ برائی میں داخل ہے

حسنات الابرار سیات المقربین اور اس کے مناسب بیان میں ملا صفر احمد رومی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:128﴾......

بلند ہمتی پر ترغیب دینے اور سوائے مطلب بیچونی کے کفایت نہ کرنے کے بیان میں خواجہ مقیم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:129﴾......

اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقہ کے باعث ہے اور یہی جامعیت اس کی جمعیت کا موجب ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کماء نیل ماء للمحبوبین وبلاء للمحجوبین آب نیل کی طرح جو دوستوں کے لیے پانی اور مجوبوں کے لیے بلا ہے، سید نظام کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:130﴾......

اس بیان میں کہ احوال کے تغیر وتبدل کا کچھ اعتبار نہیں، بیچونی اور بیچونگی کے مطلب کو حاصل کرنا چاہیے، جمال الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:131﴾......

طریقہ حضرات خواجگان قدس سرہم کی بلندی شان اور ان لوگوں کی شکایت میں جنہوں نے اس طریقہ میں نئی نئی باتیں نکالی ہیں اور ان کو اس طریقہ کی تکمیل سمجھی ہے، خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:132﴾......

دولت مندوں کی صحبت سے بچنے اور فقرا کی صحبت کی ترغیب دینے کے بیان میں کہ فقرا کی خاک روبی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، ملا محمد صدیق بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:133﴾......

اس بیان میں کہ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیے اور وقت کو عزیز رکھنا چاہیے، ملا محمد صدیق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:134 ﴾......

تسویف یعنی سوف افعل کہنے سے منع کرنے میں ملا محمد صدیق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:135 ﴾......

ولایت عامہ اور خاصہ کے مرتبوں کے بیان میں بعض خاص الخاص کے سچے مخلص محمد صدیق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:136 ﴾......

مطلوب حقیقی کے حاصل کرنے میں تسویف و تاخیر سے منع کرنے میں ملا محمد صدیق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:137 ﴾......

نماز کی بلندی شان میں کہ جس کا کمال نہایت النہایت سے وابستہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں حاجی خضر افغان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:138 ﴾......

دنیا کمینی کی مذمت اور دنیا داروں کی صحبت سے بچنے میں شیخ بہاؤ الدین سرہندی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:139 ﴾......

اس بیان میں کہ ان بد بختوں کی ہجو اور مذمت اور جو اہل اللہ پر طعن کرتے ہیں جائز بلکہ مستحسن ہے، جعفر بیگ تہانی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:140 ﴾......

اس بیان میں کہ رنج و محنت کے لوازم سے ہے، ملا محمد معصوم کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:141 ﴾......

اس بیان میں کہ اس کام میں عمدہ محبت و اخلاص ہے، ملا محمد قلیج کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:142 ﴾......

اس بیان میں کہ ان بزرگواروں کی نسبت میں سے اگر تھوڑی بھی ہاتھ آ جائے

تو وہ تھوڑی نہیں، ملا عبد الغفور سمر قندی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:143 ﴾......

ملا شمس الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:144 ﴾......

سیر وسلوک کے معنی اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور دوسری سیروں کے بیان میں جو ان دوسیروں کے بعد ہیں، حافظ محمود لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:145 ﴾......

اس بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس سرہم نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور اس طریقہ کے بعض مبتدیوں کو جلدی تاثر نہ ہونے کے بھید میں، ملا عبد الرحمٰن مفتی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:146 ﴾......

سبق کے تکرار نصیحت کرنے میں شرف الدین حسین بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:147 ﴾......

اس بیان میں کہ گستن ﴿توڑنا﴾ پیوستن ﴿جوڑنے﴾ پر مقدم ہے یا پیوستن ﴿جوڑنا﴾ گستن ﴿توڑنے﴾ پر، خواجہ اشرف کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:148 ﴾......

اس بیان میں کہ صاحب رے یعنی سیراب ہوا ہوا بے حاصل ہے اور اس بیان میں کہ مشائخ کی روحانیت کے وسیلہ اور ان کی امداد پر ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی صورتیں حقیقت میں شیخ مقتدا کے لطائف ہیں، ملا صادق کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:149 ﴾......

اس بیان میں کہ اگرچہ مسبب الاسباب نے اشیا کو اسباب پر مرتب کیا ہے لیکن کیا فائدہ جبکہ سبب معین پر ہی نظر لگی رہے، ملا صادق کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:150 ﴾......

اس بیان میں کہ مطلوبیت کے لائق سوائے حضرت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس

کے اور کوئی نہیں ہے، خواجہ محمد قاسم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:151 ﴾......

حضرات خواجگان کے طریقہ کی بزرگی اور یادداشت کے معنی میں جو ان بزرگواروں کے ساتھ مخصوص ہے، میر مومن بلخی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:152 ﴾......

اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کے مناسب بیان میں سیادت و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:153 ﴾......

ماسوائے اللہ کی غلامی سے پورے طور پر آزاد ہونے کے بیان میں جو فنائے مطلق سے وابستہ ہے، میاں شیخ مزمل کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:154 ﴾......

اس بیان میں کہ اپنے آپ سے گزرنا چاہیے اور اپنے آپ میں جانا چاہیے، میاں مزمل کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:155 ﴾......

اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب میں میاں شیخ مزمل کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:156 ﴾......

اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں میاں شیخ مزمل کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:157 ﴾......

اس بیان میں کہ اول عقائد کو درست کرنا چاہیے حکیم عبدالوہاب کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:158 ﴾......

اس بیان میں کہ کمال کے مرتبوں میں استعداد کی تفاوت کے موافق فرق ہوتا ہے، شیخ حمید بنگالی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:159 ﴾......

ماتم پرسی کے بیان میں شرف الدین حسین بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:160﴾......

اس بیان میں کہ مشائخ کے تین گروہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے احوال اور کمال ونقصان کو شرح اور مفصل طور پر بیان کرنے میں اس کمترین غلام یار محمد جدید بدخشی طالقانی کے نام لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:161﴾......

اس بیان میں کہ منازل سلوک کے طے کرنے سے مقصود ایمان حقیقی کا حاصل ہونا ہے جو نفس کے مطمئنہ ہونے پر وابستہ ہے، ملا صالح بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:162﴾......

ماہ رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی اس مناسبت کے بیان میں جو اس مہینے میں اس کے نازل ہونے کا سبب ہے اور تمر یعنی کھجور کی جامعیت کے بیان میں جس سے افطار کرنا مستحب ہے اور اس کے مناسب بیان میں میاں محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:163﴾......

اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان دونوں ضدوں کا جمع ہونا محال ہے، ایک کو عزت دینے میں دوسرے کی خواری ہے، اخیر تک حضرت خواجہ سلمہ اللہ تعالیٰ نے کفاروں کے ذلیل کرنے اور ان کے ساتھ نہ ملنے جلنے اور اس اختلاط کے ضرر کے بیان میں فرمایا ہے اور اس بیان میں کہ دنیا و آخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں، سیادت و شرافت پناہ والے بزرگ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:164﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کا فیض ہمیشہ خاص و عام پر وارد ہے، اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا تفاوت اسی طرف سے پیدا ہے، حافظ بہاؤ الدین سرہندی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:165﴾......

صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور اس کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ

عداوت وبغض وسختی کرنے کی ترغیب میں شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:166﴾......

اس بیان میں کہ چندروز ناپائدار حیات پر مدار نہ رکھنا چاہیے اور اس تھوڑی سی فرصت میں ذکر کثیر کیساتھ مرض قلبی کے علاج کا فکر کرنا چاہیے جو نہایت ہی ضروری ہے، ملا محمد امین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:167﴾......

تمام جہانوں کی پرورش کرنے والے خدائے بیچون و بیچگون کی عبادت کرنے اور ہندوؤں کے جھوٹے خداؤں سے بچنے کی ترغیب میں ہردے رام ہندو کی طرف لکھا ہے، جس نے اس طائفہ عالیہ سے محبت و اخلاص کا اظہار کیا تھا۔

......﴿مکتوب:168﴾......

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بلند شان اور ان لوگوں کے حال کی شکایت کے بیان میں جنہوں نے اس طریقہ شریفہ میں کئی طرح کی محدثات اور مخترعات کو رواج دیا ہے اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ املنکی یعنی خواجہ محمد قاسم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:169﴾......

شیخ عبدالصمد سلطانپوری کی طرف لکھا ہے، اس کے اس سوال کے جواب میں کہ مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ اگر خاص وقت میں جبکہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں تو درمیان آجائے تو میں تیرے سر کو تن سے جدا کر دوں گا اور پیر نے اس بات کو پسند کیا اور بغل میں لے لیا۔

......﴿مکتوب:170﴾......

اس بیان میں کہ آدمی کو جس طرح حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے ویسے ہی خلق کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے سے چارہ نہیں اور اس کے مناسب بیان میں شیخ نور کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:171﴾......

اس بیان میں کہ جو کچھ فقراء پر لازم ہے وہ ہمیشہ محتاج اور ذلیل رہتا ہے اور زندگی

کے وظیفوں کو ادا کرنا، حدود شرعیہ کی محافظت، سنت سنیہ کی متابعت، گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ، عالم الغیب کے انتقام کا خوف وغیرہ، ملا طاہر بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:172 ﴾......

ان اسرار کے بیان میں جو خواص میں سے بہت تھوڑوں کو نصیب ہوتے ہیں اور اس بیان میں کہ عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر معلوم کرتا ہے اس کا کیا سبب ہے اور شریعت روشن کے ظاہر کے ساتھ اس کے مطابق کرنے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:173 ﴾......

ایک سوال کے جواب میں معہ بعض سرار غریبہ کے بیان میں جو کلمہ طیبہ کے اثبات اور نفی کے متعلق ہیں، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:174 ﴾......

اس بیان میں کہ اس راہ کے دیوانے اس معیت کے ساتھ تسلی حاصل نہیں کرتے اور اس قرب نما بعد سے تسکین نہیں پاتے بلکہ وہ قرب چاہتے ہیں جو بعد نما ہو اور وہ وصل ڈھونڈتے ہیں جو ہجر کی مانند ہو اور اس بیان میں کہ وہ واقع جو لکھا تھا وہ جسن کا ظہور و باطل تصرف تھا خواجہ اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:175 ﴾......

احوال کی تلوینات اور تمکین کے حاصل ہونے اور حدیث قدسی لی مع اللہ وقت کے معنی کے بیان میں حافظ محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:176 ﴾......

اس بیان میں کہ وقتوں کی محافظت اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ بیہودہ امور میں تلف نہ ہو جائیں، ملا محمد صدیق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:177 ﴾......

اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آرائے صائبہ کے موافق عقائد درست کرنے کی ترغیب میں جمال الدین حسین بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:178﴾......

ایک شخص کی سفارش اور سید عالمیان، خلاصہ آدمیان ﷺ کی ترغیب میں، مرزا مظفر کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:179﴾......

نصیحت کے بارے میں میر عبداللہ بن میر نعمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:180﴾......

پیروں کے بعض ناموں کے استفسار میں جن میں تردد پیدا ہوا تھا، مخدوم زادہ املنگی یعنی خواجہ ابوالقاسم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:181﴾......

حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں محمد صادق کی طرف ﴿خدائے تعالیٰ اس کو دوستوں کے سروں پر سلامت و باقی رکھے﴾ لکھا ہے، ان کے استفسار کے جواب میں کہ کیا سبب ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت کو میں دیکھتا ہوں کہ قرب الٰہی کے مرتبہ میں ایک ہی درجہ رکھتے ہیں لیکن باوجود اس کے مقامات زہد و توکل وغیرہ میں ان کے بڑے درجے ہیں اور بعض مشائخ کو دیکھتا ہوں کہ قرب کے مرتبوں میں فوقیت رکھتے ہیں اور مقامات مذکورہ میں تنزل اور اس کے مناسب بیان میں۔

......﴿مکتوب:182﴾......

اس حدیث نبوی ﷺ کے بیان میں جو حضور ﷺ نے اپنے بعض یاروں کو جنہوں نے اپنے برے خطرات کی شکایت بیان کی تھی فرمایا تھا ''ذالک من کمال الایمان'' کہ یہ کمال ایمان سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں ملا صالح کولابی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:183﴾......

نصیحت کے بارے میں ملا معصوم کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:184﴾......

حضرت سید المرسلین ﷺ کی متابعت کی ترغیب میں قلیج اللہ کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:185﴾

ایک شخص کی سفارش میں منصور عرب کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:186﴾

سنت کی تابعداری اور بدعت سے بچنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ہر بدعت ضلالت ہے کابل کے مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:187﴾

اس بیان میں کہ موصل الی اللہ طریقوں میں سے رابطہ کا طریق اقرب ہے اور اس بیان میں کہ مرید کے لیے رابطہ ذکر کہنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:188﴾

ان مسائل کے حل میں جو پوچھے گئے تھے خواجہ محمد صدیق بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:189﴾

اس بیان میں کہ فقرا کی یاد کو باوجود بیہودہ تعلقات کے فقرا کے ساتھ بڑی مناسبت ہے اور اس دنیا کمینی کی تر و تازگی پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اور باطنی سبق کو عزیز رکھنا چاہیے اور اس بیان میں کہ احکام شریعت سے سر نہ پھیرنا چاہیے اور وہ منت و عاجزی سے قبول کرنے چاہئیں اور اس کے مناسب بیان میں شرف الدین حسین بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:190﴾

دوام ذکر الٰہی جل شانہ پر حرص دلانے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کو اختیار کرنے کی ترغیب میں اور نیز ذکر کی طرز اور اس کے مناسب بیان میں میر محمد نعمان کے فرزندوں میں سے ایک فرزند کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:191﴾

انبیائے کرام علیہم السلام کی متابعت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ شرعی تکلیفات میں بڑی آسانی کو مدنظر رکھا گیا ہے اور بڑی تخفیف فرمائی گئی ہے، خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

﴿مکتوب:192﴾

ایک استفسار کے جواب میں جو اس بارے میں کیا گیا تھا کہ آپ مقام رنگین میں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے برتر ہے گئے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:193﴾

فرقہ اہل سنت و جماعت کی راؤں کے موافق عقائد کو درست کرنے اور احکام فقہ یعنی حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مندوب و مکروہ ﴿جن کا علم فقہ ذمہ دار ہے﴾ کے سیکھنے کی ترغیب میں اور اسلام کی غربت اور اس کی تائید و ترقی کے لیے برانگیختہ کرنے کے بیان میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:194﴾

ملت کی ترقی اور دین کی تائید کی ترغیب میں اور اس کے متعلق بیان میں صدر جہان کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:195﴾

شریعت کی ترقی پر ترغیب دینے اور اسلام اور اہل اسلام کی کمزوری پر افسوس ظاہر کرنے کے بیان میں صدر جہان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

﴿مکتوب:196﴾

اس بیان میں کہ وہ راستہ جس کو طے کرنے کے در پے ہیں، سب سات قدم ہے اور ہر قدم پر سالک اپنے آپ سے دور اور حق سبحانہ کے نزدیک ہو جاتا ہے، منصور عرب کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:197﴾

اس بیان میں کہ سعادت مند وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت کی گرمی سے گرم ہو اور اس کے مناسب بیان میں پہلوان محمود کی طرف لکھا ہے۔

﴿مکتوب:198﴾

اس بیان میں کہ فقیروں کی دوستی دولت مندوں کے ساتھ اس زمانہ میں بہت

مشکل ہے اور اس کے مناسب بیان میں خانخاناں کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:199﴾......

درد اور مشغولی کے قبول کرنے میں جس کی طلب کی گئی تھی، ملا محمد امین کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:200﴾......

نفحات کی مشکل عبارتوں کو حل کرنے میں جن کی تشریح طلب کی گئی تھی، ملا شکیبی اصفہانی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:201﴾......

ایک استفسار کے جواب میں کوچک بیگ حصاری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:202﴾......

ان لوگوں کے حال سے افسوس کرنے میں جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کی سلک ارادت میں داخل کیا ہے اور پھر بے سبب ان بزرگواروں سے قطع کر لیا ہے، مرزا فتح اللہ خاں حکیم کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:203﴾......

اس بزرگ گروہ کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ اس کا ہم نشین بدبختی سے محفوظ ہے اور اس کے مناسب بیان میں ملا حسینی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:204﴾......

اس بیان میں کہ اہل خسران کے طعنوں سے تکلیف اٹھائیں اور جو کام درپیش رکھتے ہیں اس میں مشغول رہیں اور دوستوں کی جمعیت اور ترقیوں کے حاصل ہونے میں کوشش کریں، میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:205﴾......

اس بیان میں کہ اصلی مقصود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے، خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:206﴾......

دنیا اور اس کے ناز و نعمت میں گرفتار ہونے کی برائی میں ملا عبد الغفور سمرقندی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:207﴾......

اس بیان میں کہ بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے اور اس بیان میں کہ وجد و حال کو جب تک شرع کی میزان میں نہ تولیں نیم چیتل کے برابر نہیں لیتے، مرزا حسام الدین احمد کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:208﴾......

اس سوال کے جواب میں کہ اس طریق کا سالک کبھی اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات دیکھتا ہے کہ اس سے اوپر چلا گیا ہے، اس میں کیا بھید ہے، حضرت مخدوم زادہ میاں محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:209﴾......

رسالہ مبدا و معاد کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں اور بعض عبارتوں کے بیان میں جو اس کی تائید میں لکھی گئی ہیں اور ایک مکتوب کے جواب میں جو اس طریق کی ضروری باتوں پر مشتمل ہے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:210﴾......

نفحات کی عبارت کو حل کرنے اور بعض ضروری نصیحتوں کے ذکر میں ملا شکیبی اصفہانی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:211﴾......

ایک سوال کے جواب میں جو مولوی علیہ الرحمہ کے مقولہ کے بارے میں کیا گیا تھا اور مقام تکمیل و ارشاد کی ضروری شرطوں کے بیان میں مولانا یار محمد قدیم بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:212﴾......

مولانا صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے، اس کے بعض سوالوں کے جواب

میں جواس نے پوچھے تھے اوراس واقعہ کے حل میں جواس نے دیکھا تھا اور جولکھا تھا۔

......﴿مکتوب:213﴾......

پندونصائح کے بیان میں اور فرقہ ناجیہ یعنی علماء اہل سنت و جماعت کی تابعداری کرنے اور برے علما کی صحبت سے جنہوں نے علم کو دنیاوی اسباب حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا ہے بچنے کی ترغیب میں سیادت پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:214﴾......

اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اوراس سوال مشہور کے جواب میں کہ کفار کو کفر موقت کے باعث دائمی عذاب کیوں ہوگا اور ایک حاجت مند کی سفارش میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:215﴾......

دنیا کی مذمت میں مرزا داراب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:216﴾......

اس بات کے بھید میں کہ اولیاء اللہ سے خوارق بکثرت ظہور میں آتے ہیں اور بعض اولیا سے کم اور مقام ارشاد و تکمیل کے اہم ہونے اوراس کے مناسب بیان میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:217﴾......

اس بیان میں کہ باطنی نسبت جس قدر حیرت و جہالت کی طرف جائے اسی قدر بہتر ہے اوراس بیان میں کہ کیا باعث ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط واقع ہوتے ہیں اوران کے خلاف ظاہر ہوتا ہے اور قضائے معلق اور قضائے مبرم کے درمیانی فرق اوران میں سے ہر ایک کے حکم میں اوراس بیان میں کہ جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب وسنت ہے اوراس بیان میں کہ بعض طالبوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا ان کے کمال اور تکمیل کی علامت نہیں ہے اوراس کے متعلق بیان میں ملا طاہر بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:218﴾......

پیر طریقت کے آداب کو مدنظر رکھنے کے بیان میں ملا داؤد کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:219﴾......

اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی سے اپنی ظاہری مرض کو دور کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے اور باطنی مرض سے جو دل کی گرفتاری سے مراد ہے غافل پڑا ہے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا ایرج کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:220﴾......

صوفیوں کی بعض غلطیوں کے منشا کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:221﴾......

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں اور کمالوں کے بیان میں یعنی اس طریق کے افضل ہونے اور دوسروں کی انتہا اس کی نسبت میں مندرج ہونے اور طریق کے انتہا کے بیان میں اور سفر در وطن اور خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اس طریق میں سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے اور یہ طریقہ موصل الی اللہ طریقوں میں سے سب سے اقرب ہے اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ ابتدا میں حلاوت اور وجد ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان جو ناامیدی کے لوازم میں سے ہے اور ایسے ہی اس طریق کے ابتدا میں قرب وشہود ہے اور انتہا میں بعد وحرمان اور اس طریقہ کے بزرگوں نے احوال ومواجید کو احکام شرعی کے تابع کیا ہے اور ذوق ومعرفت کو علوم دینی کا خادم بنایا ہے اور اس طریق میں پیری ومریدی سیکھنے اور سکھانے پر ہے نہ کلاہ وشجرہ پر اور اس طرق میں نفس امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے احکام شرعی کے بجالانے اور سنت سنیہ کے لازم پکڑنے سے ہیں اور اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے اور جس طرح یہ بزرگوار نسبت کے عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں، اسکو سلب کرنے کی بھی پوری پوری طاقت رکھتے ہیں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے اور خاموشی اس طریق کے لوازم میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ سید حسین مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:222﴾......

احوال کی خرابی اور اپنے حسنات کو کم دیکھنا اور متہم رکھنا اور اس دید قصور کا ولایت

کے کمالات کے ساتھ جمع ہونے بلکہ اس دید کا ان کمالات کا اثر ہونے اور اس کے مناسب بیان میں خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:223﴾......

احوال و واقعات کو شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب میں خواجہ جمال الدین کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:224﴾......

آداب کی رعایت کرنے اور آزاد کے ظن دور کرنے میں جس کا وہم ہوا تھا اور احتیاط کو امر کرنے اور تعلیم طریقت کے بارے میں تاکید کرنے اور فقر کی سختی اور نامرادی برداشت کرنے اور بعض ان نصیحتوں اور تنبیہوں کے بیان میں جو اس مکتوب کی پشت پر ملا یار محمد قدیم کی طرف لکھیں تھیں، میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:225﴾......

اس بیان میں کہ وہ احوال جو دوسروں کو نہایت میں میسر ہوتے ہیں اس طریقہ عالیہ کی ابتدا میں میسر ہو جاتے ہیں لیکن بدایت میں نہایت مندرج ہونے کے طریق پر جو طریقہ عالیہ کے لوازم سے ہے اور اس قسم کے احوال کا ابتدا میں ظاہر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ایسے احوال والے کو کامل کہے اور طریقت کے سکھانے کی اجازت دے دیں اور اس کے مناسب بیان میں ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:226﴾......

اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب بیان میں اپنے حقیقی بھائی میاں محمد شیخ مودود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:227﴾......

بعض ان پند و نصائح کے بیان میں جو مقام شیخی اور تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں، ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:228﴾......

بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتی ہے اور

اس کے مناسب بیان میں میر محمد نعمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:229﴾......

اس بیان میں کہ ہمارا طریق بعینہ حضرت ایشان قدس سرہ کا طریق ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا بہت سے فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر موقوف ہے، مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:230﴾......

بلند ہمتی میں اور اس چیز پر جو حاصل ہو کفایت نہ کرنے میں بلکہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو اس کی نفی کرنے اور معبود بیچون و بیچگون کے ثابت کرنے میں جو دید و دانش سے باہر ہے، شیخ یوسف برکی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:231﴾......

چند سوالوں کے جواب میں جو آپ سے کیے گئے تھے اور جن میں پوچھا گیا تھا کہ وصول اور حصول کے درمیان کیا فرق ہے اور وہ اسما جو انبیا علیہم السلام کے تعینات کے مبادی ہیں اولیا کے تعینات کے مبادی بھی وہی اسم ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے اور آپ سے پوچھا گیا تھا کہ مشائخ نقشبندیہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالانکہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور چیزوں سے جو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھیں مثلاً لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں نہیں منع کرتے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:232﴾......

دنیا کمینی کی حقیقت اور اس کی ردی زیبائش کی برائی اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دور کرنے کے علاج اور مناسب بیان میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:233﴾......

بعض عمدہ عمدہ نصیحتوں کے بیان میں عالی جناب شیخ فرید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:234﴾......

اس بیان میں کہ واجب الوجود کی حقیقت وجود محض ہے جو ہر چیز و کمال کا منشا ہے

اور ممکنات کی حقیقتیں عدم محض ہیں جو ہر شر و نقص کا مبدا ہیں اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معنی میں تجلی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتباروں سے بڑھ کر ہے اور آیت کریمہ اللہ نور السموات والارض کی تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں معہ سوالوں جوابوں کے جو اس مقام کی توضیح کے متعلق ہیں اور معہ تنبیہات کے جو اس کے مطلب کی تشریح کے لائق ہیں، شیخ محمد صادق کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:235﴾......

اس بیان میں کہ اس طائفہ کی محبت دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے اور احکام شریعہ کے بجالانے اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق میں اس محبت کا ثمرہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں ملا عبد الغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرکتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:236﴾......

بعض اسرار کے بیان میں مخدوم زادہ شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:237﴾......

سنت سنیہ کی تابعداری کی طرف ترغیب دینے اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی مدح کے بیان میں محمد طالب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:238﴾......

اس بیان میں کہ بھائیوں یعنی دوستوں کے زیادہ ہونے میں بہت سی امیدیں ہیں اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عجب کا موجب ہو جائیں اور اس بیان میں کہ مریدوں کے احوال حیا کے باعث ہونا چاہیے تا کہ خرقیات پر ترغیب کریں، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:239﴾......

ایک خط کے جواب میں جس میں چند استفسار کئے گئے تھے، ملا محمد احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:240 ﴾......

اس راستہ کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ کے بعض فائدوں کے بیان میں ملا بدیع الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:241 ﴾......

بعض یاروں کی ترقی کے بیان میں ملا بدیع الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:242 ﴾......

بعض سوالوں کے جواب میں ملا بدیع الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:243 ﴾......

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی ترغیب میں ملا ایوب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:244 ﴾......

محمد صالح کولابی کی طرف اس کے اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنی خرابی کے بیان میں لکھا تھا، صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:245 ﴾......

ملا محمد صالح کولابی کے بعض استفساروں کے جواب میں لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:246 ﴾......

اس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جو کمال و تکمیل کے مرتبوں میں متوقع اور مترصد ہے اور بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:247 ﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پاک پر اس کا اپنا وجود پاک ہی دلیل ہے نہ کہ اس کا ماسوائے، اس کے مناسب بیان میں مرزا حسام الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:248 ﴾......

اس بیان میں کہ انبیا کرام علیہم السلام کے تابعداروں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تبعیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہے اور اس بیان میں کہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور

اس امر کی تحقیق میں کہ تجلی ذاتی جو آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہے کس معنیٰ سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں عالی جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:249﴾......

حضرت سید المرسلین ﷺ کی متابعت کے فضائل اور اس پر مرتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں مرزا داراب کی طرف لکھا ہے

......﴿مکتوب:250﴾......

بعض استفساروں کے حل میں ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:251﴾......

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم و توقیر اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کو مجمل طور پر محمول کرنے اور اس کے متعلق بیان میں مولانا محمد اشرف کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:252﴾......

بعض استفساروں یعنی سوالوں کے جواب میں جناب شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:253﴾......

چند سوالوں کے جواب میں جو اس راہ کی بے نہایتی اور رمز و اجمال کے طور پر طریقت کے بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں شیخ ادریس سامانی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:254﴾......

بعض سوالوں کے جواب میں ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:255﴾......

سنت سنیہ کے زندہ کرنے اور نا مرضیہ بدعت دور کرنے کی ترغیب میں ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:256﴾......

اس سوال کے جواب میں جو قطب الارشاد اور قطب الاقطاب ،غوث وخلیفہ کے معنی میں ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ حدیث ''لوتزن ایمان ابی بکر'' کی کیا تحقیق ہے اور اس کے مناسب بیان میں میاں شیخ بدیع الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:257﴾......

مجمل طریقوں کے بیان میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:258﴾......

حق تعالیٰ کی قربیت کے بیان میں شریف خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:259﴾......

پیغمبروں کے بھیجنے کے فائدوں اور واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت میں عقل کا استقلال نہ ہونے اور حکم خاص کے بیان میں جو شاہق جبل اور پیغمبروں کے زمانہ فترت کے مشرکوں اور دار حرب کے مشرکوں کے اطفال کے حق میں فرمایا ہے اور گزشتہ امتوں میں اور زمین ہند میں اہل ہند سے انبیا کے مبعوث ہونے کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:260﴾......

اس طریق کے بیان میں جس نے آپ کی ذات کو ممتاز کیا ہے اور جس میں ولایت سہ گاہ یعنی ولایت صغریٰ جو اولیا کی ولایت ہے اور ولایت کبریٰ جو انبیا کی ولایت ہے اور ولایت علیا جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے بیان مندرج ہے اور جس میں ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کا بیان ہے اور لطائف عشرہ کے بیان میں جن میں پانچ عالم امر کے ہیں اور دوسرے پانچ عالم خلق سے جو نفس اور عناصر اربعہ ہیں مع ان کمالات کے جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں اور عالم امر کے عالم خلق کے اصل ہونے کے بیان میں بمع ان کمالات کے جو عنصر خاک سے مخصوص ہیں اور ان عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:261﴾......

نماز کے فضائل اور معارف بلند اور حقائق ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوصہ کمالات کے بیان میں میر محمد نعمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:262﴾......

اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط حبی اور ہماری نسبت انعکاسی ہے اور قرب و بعد میں کچھ تفاوت نہیں رکھتی اور اس کے مناسب بیان میں میاں تاج الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:263﴾......

ان معارف کے بیان میں کہ کعبہ ربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں میاں تاج الدین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:264﴾......

اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت اور جہالت میں لے جانا چاہئے اور احوال و کشوف پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے اس کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر اور تعبیر کی ہے جو گرد و نواح کے مشائخ میں سے کسی شیخ نے ظاہر کیا تھا میر سید باقر سہارنپوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:265﴾......

اس بیان میں کہ عزلت و گوشہ نشینی کے اختیار کرنے میں چاہیے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور حقوق اور اس کے مناسب بیان میں شیخ عبد الباری بدایونی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:266﴾......

اہل سنت و جماعت کی رائے کے موافق بعض ان عقائد کلامیہ کے بیان میں جو آپ کو ازروئے الہام و فراست کے حاصل ہوئے تھے نہ کہ ازروئے تقلید و تخمین کے ابتدائے اوائل میں پیغمبر اعظم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا، آں حضرت ﷺ نے فرمایا تھا، کہ تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے اور اس واقعہ کو اپنے خواجہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تھا، اسی دن سے مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں آپ کی رائے علیحدہ اور حکم جدا ہے لیکن مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں اور فلسفہ کے رد کرنے اور اہل فلسفہ

کی مذمت اور برائی کے بیان میں اور ان ملحدوں اور زندیقوں کی تردید میں جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں اور بعض ان فقیہ احکام کے بیان میں جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنت کی متابعت کو لازم پکڑنے کے بیان میں اور سماع و سرود کے سننے اور رقاصوں یعنی ناچنے اور گانے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں اپنے پیرزادوں خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ کی خدمت میں صادر فرمایا تھا۔

.......﴿مکتوب:267﴾.......

اس بیان میں کہ وہ دقائق و اسرار کہ جن کے ساتھ حضرت ایشان یعنی حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ متمیز ہوئے ہیں اور ان سے تھوڑا حصہ بھی ظہور میں نہیں لا سکتے بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کی نسبت گفتگو نہیں کی جا سکتی اور وہ اسرار چراغ نبوت سے مقتبس ہیں اور ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں اور اس کے مناسب بیان میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

.......﴿مکتوب:268﴾.......

اس بیان میں کہ انبیا کی وراثت کا علم کونسا ہے اور ان علما سے جو حدیث ''علماء امتی کآنبیاء بنی اسرائیل'' میں واقع ہوئے ہیں کونسے ہیں اور اس کے بیان میں کہ علم اسرار جو انبیا کی وراثت سے باقی رہتا ہے وہ علم توحید وجودی کے ان اسرار سے ماسوا ہے جن کے ساتھ اولیائے امت نے کلام کیا ہے اور احاطہ و سریان و قرب و معیت اور اس کے مناسب بیان میں خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

.......﴿مکتوب:269﴾.......

دینی دشمنوں کی اہانت کرنے اور ان بے وقوفوں اور بدبختوں کے جھوٹے خداؤں کی توہین اور تخریب پر ترغیب دینے اور اس عظیم القدر امر کے لیے اپنی تمنا ظاہر کرنے اور اس کے مناسب بیان میں مرتضیٰ خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

.......﴿مکتوب:270﴾.......

اس بیان میں کہ بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں، شیخ محمد نور کی

طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:271 ﴾......

ایک استفسار کے حل میں شیخ حسن برکی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:272 ﴾......

ایمان بالغیب اور ایمان شہودی اور توحید وجودی کے بیان میں اور اس بیان میں کہ فنا کے حاصل ہونے میں جو درکار ہے وہ توحید شہودی ہے، توحید وجودی کچھ درکار نہیں اور ان میں سے ہر ایک کی اقسام کے بیان میں اور اس بیان میں کہ ایمان غیب کو ایمان شہادت پر فضیلت ہے اور اس بیان میں کہ اول اول جس شخص نے توحید وجودی کو ظاہر کیا ہے، فتوحات مکیہ کا صاحب ہے اور گزشتہ مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید واتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحید شہودی پر محمول ہیں اور اس کے مناسب بیان میں میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:273 ﴾......

اس بیان میں کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے طریق کو لازم پکڑے اور دوسرے مشائخ کے طریق کی طرف التفات وتوجہ نہ کرے اور اگر اس کے برخلاف واقعات ظاہر ہوں تو ان کا کچھ امتیاز نہ کرے کیونکہ شیطان بڑا بھاری دشمن ہے اس کے مکروفریب سے غافل نہ ہونا چاہیے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:274 ﴾......

بلند ہمتی کی ترغیب اور شہودات سفلی کی طرف جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں التفات نہ کرے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:275 ﴾......

اس استفسار کے جواب میں جو اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا اپنے یاروں میں سے ایک یار کے احوال میں علوم شریعہ کی تعلیم اور احکام فقیہہ کے پھیلانے پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:276﴾......

قرآن مجید کی آیات محکمات اور متشابہات کے بیان میں اور علمائے راسخین اور ان کے کمالات اور اس کے مناسب بیان میں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:277﴾......

علم الیقین اور عین الیقین کے بیان میں ملا عبدالحیٔ کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:278﴾......

اس بیان میں کہ عقائد کے درست کرنے اور شریعت کے موافق عمل کرنے کے بعد ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنے دل کو ماسوائے حق تعالیٰ سے سلامت رکھے جس کو نسیان ماسوا کہتے ہیں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور موتٰی یعنی مردوں کی امداد واعانت پر ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں ملا عبدالکریم سنامی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:279﴾......

ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے، اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے بیان میں کہ اس نے آپ کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر دلالت وراہنمائی کی تھی اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کیا ہے جو اس کے وسیلہ سے حاصل ہوئی تھیں۔

......﴿مکتوب:280﴾......

اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت سعادت کا سرمایہ ہے اور جس کسی کو اس نعمت سے مشرف فرمائیں اور استقامت دیں اس کو سب کچھ دے دیتے ہیں، حافظ محمود کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:281﴾......

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی نعمت کے شکر میں اور اس بیان میں کہ طریق میں تبعیت اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی طرف راستہ کھول دیتے ہیں اور جو شخص اس طریق میں اپنے واقعات اور منامات یعنی خوابوں پر بھروسا کرلے اور نئے نئے امور پیدا کرے اور آداب طریقت کی رعایت نہ کرے وہ زیاں کار اور ناامید رہتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں میر نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:282 ﴾......

حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات اور اس کے کچھ احوال کے بیان میں میاں بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:283 ﴾......

شب معراج حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کے بیان میں کہ دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے، صوفی قربان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:284 ﴾......

اس بیان میں کہ احوال و مواجید عالم امر کے نصیب ہیں اور احوال و مواجید کا علم عالم خلق کا حصہ ہے، یہ معرفت معارف سابقہ سے ہے اور حقیقت معاملہ وہی ہے جو حضرت مخدوم زادہ کلاں رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں طریقت کے بیان میں لکھی گئی ہے، ملا عبد القادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:285 ﴾......

سماع ورقص اور وجد و تواجد کے احکام اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے تعلق رکھتے ہیں، میر سید محب اللہ مانکپوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:286 ﴾......

اہل سنت و جماعت کی آرائے صائبہ کے موافق صحیح اعتقاد کے بیان میں جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور ان لوگوں کے رد میں جنہوں نے کتاب وسنت سے اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے برخلاف سمجھا ہے یا کشف کے ساتھ اہل حق کا خلاف معلوم کیا ہے مولانا امان اللہ فقہی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:287 ﴾......

جذبہ اور سلوک اور ان کے معارف کے بیان میں جو ان دونوں مقاموں کے مناسب ہیں، اپنے برادر حقیقی حقائق آگاہ میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:288 ﴾......

اس بیان میں کہ عاشورہ اور شب برات میں نماز نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا نہ

کرنا چاہیے اور اس کے مناسب بیان میں سید امین مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:289 ﴾......

قضاوقدر کے اسرار اور اس کے مناسب بیان میں مولانا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:290 ﴾......

ملا ہاشم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:291 ﴾......

توحید وجودی اور توحید شہودی کے مراتب اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں حضرت مولانا عبدالحیٔ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:292 ﴾......

مریدوں کے آداب ضروری اور ایک شبہ کے دفع کرنے کے بیان میں شیخ حمید کی طرف صادر فرمایا ہے

......﴿ مکتوب:293 ﴾......

چند سوالوں کے جواب میں شیخ محمد خیری کی طرف صادر فرمایا ہے، سوال اول پوچھا گیا تھا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ''لی مع اللہ وقت'' آیا ہے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اس کی وجہ کیا ہے، سوال دوم پوچھا گیا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر ہے اور ایک اور شیخ نے بھی یہی کہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے، سوال سوم پوچھا گیا تھا کہ ان اولیا سے جن کی گردنوں پر قدم رکھا تھا مراد اسی وقت کے اولیا ہیں یا مطلق اور عام طور پر مراد ہیں۔

......﴿ مکتوب:294 ﴾......

ان معارف کے بیان میں جو واجب الوجود کی صفات ثمانیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور انبیا علیہم السلام کے تعینات مبادی اور تمام مخلوقات کی تحقیق میں اور اس بیان میں کہ جزئیات اپنے کلی کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں اور کلی کی جزئیات کا انتقال دوسری کلی میں جائز

نہیں اور اس بیان میں کہ انبیا اور اولیا کی تجلی شہود میں کیا فرق ہے اور اس بیان میں کہ انبیا علیہم السلام کے وسیلہ کے باوجود ان کے کامل تابعداروں کو وصل عریانی حاصل ہوتا ہے اور لفظ محو و اضمحلال کی تحقیق میں جو مشائخ کی عبارت میں واقع ہے اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:295﴾......

نظر بر قدم، ہوش در دم، سفر در وطن، خلوت در انجمن کے بیان میں جو طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں اصول مقرر ہیں، حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:296﴾......

حق تعالیٰ کی صفات بسیط ہونے اور اشیاء کے متعدد تعلق کی نفی کرنے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:297﴾......

حق تعالیٰ کے احاطہ اور سریان کی تحقیق اور مثالوں کے ساتھ ان کی توضیح اور مراتب وجوبی اور امکانی کے حفظ کے رعایت میں مولانا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:298﴾......

نہایت کار تک پہنچنے کے بیان میں اشارات خفیہ اور عبارات لطیفہ کے طور پر میر محب اللہ مانکپوری کی طرف لکھا ہے اور اس معما کے بھید میں مخدوم زادہ کلاں رحمۃ اللہ علیہ کے سوا یاروں میں سے کوئی یار مطلع نہیں ہوا۔

......﴿مکتوب:299﴾......

مصیبت کی ماتم پرسی اور قضا کے ساتھ صبر و رضا پر دلالت کرنے اور مرگ طاعون کی فضلیت میں اور اس بیان میں کہ طاعون کی زمین سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے، شیخ فرید رابھولی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:300﴾......

پوشیدہ اسرار اور غریبہ معارف کو رمز و اشارہ کی زبان کے ساتھ بیان کرنے اور

''قاب قوسین او ادنیٰ '' کی نسبت اشارہ کرنے کے بیان میں جامع علوم عقلی و نقلی مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

.......﴿مکتوب:301﴾.......

قرب نبوت اور قرب ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قرب نبوت تک پہنچانے والے ہیں، مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

.......﴿مکتوب:302﴾.......

ولایت سہ گانہ یعنی ولایت اولیا اور ولایت انبیا اور ولایت ملا اعلیٰ کے فرق اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اور بعض ان خاص معارف کے بیان میں جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے مناسب بیان میں ظاہری علوم اور باطنی اسرار و معارف کے جامع مخدوم زادہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف لکھا ہے۔

.......﴿مکتوب:303﴾.......

حاجی یوسف کشمیری کی طرف لکھا ہے۔

.......﴿مکتوب:304﴾.......

ان اعمال صالحہ کے بیان میں کہ اکثر آیات قرآنی میں بہشت میں داخل ہونا ان پر موقوف رکھا ہے اور شکر کے ادا کرنے کے بیان میں اور نماز کے بعض اسرار اور معانی کے بیان میں مولانا عبدالحیٔ کی طرف لکھا ہے۔

.......﴿مکتوب:305﴾.......

نماز کے اسرار اور مبتدی اور عامی و منتہی کی نماز کے درمیان فرق اور اس کے مناسب بیان میں میر محب اللہ کی طرف لکھا ہے۔

.......﴿مکتوب:306﴾.......

مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ اور مخدوم زادہ خرد مرحوم و مغفور محمد فرخ و محمد عیسیٰ کے بعض مناقب و کمالات کے ذکر میں اور اس مکتوب کے خاتمہ میں ارباب ولایت کی فنا کا بیان ہے اور اس بیان میں کہ قرب نبوت میں یہ فنا کچھ درکار نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:307﴾......

کلمہ طیبہ سبحان اللہ وبحمدہ اوراس کے بیان میں مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:308﴾......

حدیث نبوی ﷺ ''کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان عند الرحمٰن سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ''﴿دو کلمے ہیں جو زبان پر خفیف ہیں اور میزاب پر بھاری ہیں اور اللہ کے نزدیک محبوب ہیں﴾ ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ''کے معنی کے بیان میں مولانا فیض اللہ پانی پتی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:309﴾......

رات اوردن کے محاسبہ کے بیان میں جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ ''حاسبو قبل ان تحاسبو ''﴿پیشتر اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اپنا حساب کرلو﴾مولانا حاجی محمد فرکیتی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:310﴾......

انسان کی جامعیت اور بعض ان پوشیدہ اسرار کے بیان میں جو اس مقام سے تعلق رکھتے ہیں اوراس کے مناسب بیان میں مولانا محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:311﴾......

اسرار رمضہ اور حقائق نادرہ کو رمز واشارہ کے طور پر بیان کرتے ہیں مظہر فیض الٰہی، منبع اسرار نامتناہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:312﴾......

چند سوالوں کے جواب اور اشارہ سبابہ کی تحقیق اور جو کچھ کہ اس بارے میں علما حنفیہ کے نزدیک مختار ہے، اس کے مناسب بیان میں میر محمد نعمان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:313﴾......

مفصلہ درج سوالوں کے جواب میں خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف لکھا ہے، سوال

اول: اصحاب کرام کے کمالات فنا و بقا اور سلوک و جذبہ پر موقوف ہیں یا نہیں۔ سوال دوم: طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور ان کو مضر جانتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے سخت ریاضتیں برداشت کی ہیں۔ سوال سوم: یہ طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ سوال چہارم: آپ نے ایک مکتوب میں لکھا کہ طالب کو ولایت موسوی سے تصرف کے ساتھ ولایت محمدی ﷺ میں نہیں لے جا سکتے اور دوسرے مکتوب میں لکھا ہے کہ تم کو ولایت موسوی سے ولایت محمدی ﷺ میں لے آئے، ان دونوں باتوں میں موافقت کی وجہ کیا ہے۔ سوال پنجم: پیراہن پیش چاک پہننا چاہیے یا پیراہن حلقہ گریبان۔ سوال ششم: نفی اثبات کے وقت جو دل سے کہا جاتا ہے لا کو اوپر کی طرف اور الا کو دائیں طرف کیوں لے جاتے ہیں اور اس مکتوب کے آخر میں آداب پیر کو بیان فرمایا ہے۔

دفتر دوم کے مکتوبات:

......﴿ مکتوب:1 ﴾......

مسئلہ وحدت الوجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کے بیان میں جو حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مختار ہے، شیخ عبد العزیز جونپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:2 ﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا مرتبہ جو وجوب اور وجود کے اعتبار سے برتر ہے، میر شمس الدین خلخالی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:3 ﴾......

اس بیان میں کہ انفس اور آفاق کا معاملہ ظلال میں داخل ہے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ اور کمالات نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت کی تحقیق میں جس کو بعض صوفیا نے بیان کیا ہے کہ وہ تجلی حق تعالیٰ کے فعل کا ظل ہے، فعل وذات وصفات عین نہیں، حقائق و معارف کو جاننے والے فیض الٰہی کے مظہر مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:4 ﴾......

اس بیان میں کہ علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین جو بعض صوفیوں نے مقرر کیے ہوئے ہیں در حقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصے ہیں اور علم الیقین کا ایک حصہ ابھی آگے ہے پھر عین الیقین اور حق الیقین کا کیا ذکر ہے اور اس بیان میں کہ ان علوم کا صاحب اس ہزار کا مجدد ہے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:5 ﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات دو اعتبار رکھتی ہیں، اعتبار اول فی نفسہا ان کا حصول ہے اور دوسرا اعتبار ذات کے ساتھ ان کا قیام ہے اور یہ دونوں اعتبار خارج میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں، میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:6 ﴾......

بعض پوشیدہ اسرار کے بیان میں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا کیوں امر ہوا، جامع علوم عقلی ونقلی مخدوم زادہ مجد الدین محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:7 ﴾......

مراتب پنجگانہ محبوبیت اور محسبیت اور محبت اور حب اور رضا اور ان سے ایک اور برتر مرتبہ کے بیان میں اور اس بیان میں کہ ان مراتب میں سے ہر ایک پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے، فقیر حقیر عبدالحیٔ کی طرف جو ان مکتوبات شریفہ کا جامع ہے، صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:8 ﴾......

اخص خواص اور عوام اور متوسطوں کے ایمان بالغیب کے درمیان فرق کے بیان میں، خانخاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:9 ﴾......

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے فضائل اور مقام تنزیہ کی تحقیق اور اس بیان میں نصیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے کیونکہ یہ معاملہ وہم وخیال کے ضبط سے باہر ہے، ملا عارف ختنی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:10 ﴾......

اس بیان میں کہ جو ظہور ہوتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوتا، برخلاف اس ظہور کے جو عرش پر واقع ہو اور جب قلب اپنے نہایت کمال تک پہنچ جاتا ہے تو انوار عرش سے نور اقتباس کر لیتا ہے، حقائق آگاہ برادر حقیقی میاں محمد مودود کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:11 ﴾......

فوق عرشی کے ظہور کی بعض خصوصیتوں اور آیۃ کریمہ اللہ نور السمٰوات والارض کے تاویلی معنوں اور انسان کے بعض خاص کمالوں اور جز وارضی کی فضیلتوں کے بیان میں حقائق ومعارف آگاہ مظہر فیض الٰہی مجدد الدین خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:12 ﴾......

اس بیان میں کہ فرشتے اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت کو انسان میں جز کی طرح بنایا ہے اور اس کے ساتھ اس کو لقاء بخشا ہے اور اس کے مناسب بیان میں معارف آگاہ برادر حقیقی میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:13 ﴾......

اس بیان میں کہ علمائے ظاہر کے نصیب کیا ہے اور صوفیہ عالیہ کے حصہ میں کیا آیا ہے اور علمائے راسخین جو انبیاء کے وارث ہیں ان کے نصیب میں کیا ہے، مرزا شمس الدین کی طرف ان کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:14 ﴾......

اس استفسار کے جواب میں کہ صاحب منصب البتہ صاحب علم ہے یا نہیں اور اس استفسار میں کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی اور اپنی حالت پر اطلاع نہ ہونے کے بیان میں ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:15 ﴾......

قصبہ سامانہ کے خطیب کی مذمت ونکوہش میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اور بیان نہ کیا تھا شہر سامانہ کے بزرگ،

سادات اور قاضیوں اور رئیسوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:16 ﴾......

چند استفساروں کے جواب اور برزخ صغریٰ کے عجیب وغریب احوال اور مرگ طاعون کی فضیلت کے بیان میں شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:17 ﴾......

اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت وزخم ہیں مگر حقیقت میں ترقیوں کا موجب ہیں اور مرہم ہیں اور مرگ طاعون کی فضیلت میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:18 ﴾......

اس بیان میں کہ علما راسخین اور علما ظواہر اور صوفیا میں سے ہر ایک کا نصیب کیا کیا ہے، شیخ جمال ناگوری کی طرف اس کے التماس کے جواب میں صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:19 ﴾......

سنت سنیہ کی تابعداری کرنے اور بدعت نامرضیہ سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:20 ﴾......

نماز کی فضیلت اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ ارکان وشرائط اور تعدیل ارکان کو اچھی طرح بجالانا چاہیے، مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:21 ﴾......

اس بیان میں کہ مراد اس قلب سے جو حدیث قدسی ''لا یسعنی ارضی'' الخ میں واقع ہے مضغہ ہے جس نے سلوک وجذبہ اور تصفیہ وتزکیہ اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان کے بعد اجزائے عشرہ کی ترکیب سے صورت حاصل کی ہے اور ہیئت وجدانی پیدا کی ہے اس حقیقت جامعہ پر کئی وجوہ سے زیادتی رکھتا ہے اور اس بیان میں کہ یہ سب کمالات مضغہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں، مقام قاب قوسین میں ہیں اور اوادنیٰ کا معاملہ آگے ہے، خواجہ محمد صدیق کی طرف جو ہدایہ سے ملقب ہے، صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:22﴾......

حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ کے طفیل اکثر شہروں پر سرہند کی فضیلت وشرافت پانے اور اپنی سکونت والی زمین میں ایسے نور کے پائے جانے جس کو صفت کی گرد نہیں لگی اور وہ زمین کچھ مدت کے بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق کا روضہ مقدسہ بن گئی، مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:23﴾......

اس بیان میں کہ سب سے بہتر کام سنت سنیہ کی اتباع اور بدعت نامرضیہ سے اجتناب ہے اور اس بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں سے صاحب شریعت علیہ السلام کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کے باعث ہے اور اس طریقہ عالیہ کی تعریف اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد عیسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:24﴾......

خط کے جواب میں حاجی محمد دکنی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:25﴾......

اس بیان میں کہ جو عمل شریعت کے موافق کیا جائے ذکر میں داخل ہے اگرچہ خرید وفروخت ہو، خواجہ شرف الدین حسین کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:26﴾......

ایک خط کے جواب میں جس سے طرفداری کی بو آتی تھی اور اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین بچوں کو الف و با سکھانے کی طرح ہے، عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:27﴾......

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے ان تشکیکات وسوالات کے جواب میں جو مکتوب اول میں جو اس کے نام پر ہے، کئے گئے تھے، مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:28﴾......

چند استفساروں کے جواب میں مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:29 ﴾......

اس بیان میں کہ اس جہان کے بہتر اسباب حزن واندوہ ہیں اور اس دستر خوان کی خوشگوار نعمت الم ومصیبت ہے، فضیلت پناہ شیخ عبدالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:30 ﴾......

ایک خط اور دو سوالوں کے جواب جن میں سے ایک نسبت رابطہ کی ورزش کی نسبت اور دوسرا فتور مشغولی کے بارے میں کیا گیا تھا، خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:31 ﴾......

وعظ ونصیحت کے بیان میں خواجہ محمد شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:32 ﴾......

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں باطنی جمعیت کی شکایت لکھی تھی، مرزا قلیج خان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:33 ﴾......

اس بیان میں کہ محبوب محبّ کی نظر میں ہر حال میں محبوب ہے، خواہ انعام فرمائے اور خواہ درد پہنچائے بلکہ اقل وبعض کے نزدیک رنج کا پہنچانا انعام کی نسبت زیادہ محبت بخشتا ہے اور شکر پر حمد کی زیادتی کے بیان میں مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:34 ﴾......

ایک عریضہ کے جواب میں جو توارد احوال کی نسبت لکھا ہوا تھا، نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:35 ﴾......

بعض ان استفساروں کے جواب میں جو توحید اور عین الیقین کے بارے میں کئے گئے تھے، پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:36 ﴾......

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت وجماعت کی حقیقت اور مخالفوں کے مذہب

کی حقیقت اور اس کے بیان میں کہ اہل سنت و جماعت افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے توسط اور اعتدال پر ہیں اور اہل بیت کی تعریف میں، خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:37﴾......

کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں فقیر حقیر عبد الحیٔ کی طرف جوان مکتوبات شریفہ کا جامع ہے، صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:38﴾......

کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں فقیر حقیر عبد الحیٔ کی طرف جوان مکتوبات شریفہ کا جامع ہے، صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:39﴾......

اصحاب یمین اور اصحاب شمال اور سابقین کے بیان میں سید عبد الباقی سارنگپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:40﴾......

اس بیان میں کہ حجابوں کا رفع ہونا باعتبار شہود کے ہے نہ باعتبار وجود کے، مولانا بدر الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:41﴾......

اس بیان میں کہ مراتب نہایت النہایت کے آگے ایک اور مرتبہ آتا ہے جس کا ہر ایک ذرہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہے، شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:42﴾......

اس بیان میں کہ صوفیا نے سیر کو آفاق وانفس ہی میں منحصر رکھا ہے اور تخلیہ اور تجلیہ اسی سیر میں ثابت کیا ہے اور حضرت ایشان یعنی حضرت مجدد اس حصر سے منع فرماتے ہیں اور نہایت النہایت کو آفاق وانفس سے باہر ثابت کرتے ہیں، خواجہ جمال الدین ولد مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:43﴾......

اس عبارت کے معنیٰ میں جو بعض صوفیا نے کہا ہے کہ اس بارگاہ میں یافت کا صرف ذوق ہی ہے نا کہ یافت اور اندراج النہایت فی البدایت کی تحقیق میں جو اس طریقہ عالیہ کا خاصہ ہے اور دوسرے طریقوں پر اس طریقہ کی افضلیت کے بیان میں، مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:44﴾......

ایک استفسار کے جواب میں جو وحدت وجود کی نسبت کیا گیا تھا اور علوم شریعہ کے ساتھ اس کے مطابق کرنے کے بیان میں اور نیز پوچھا گیا تھا کہ ''اذا احب اللہ عبدا'' الخ کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں محمد صادق ولد حاجی محمد مومن کے نام صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:45﴾......

اس بیان میں کہ عالم سب کا سب اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر ہے، برخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے اور اس کو اپنے حق میں قیام بذات خود حاصل نہیں اور سب کا سب عرض ہے اس میں جوہر ہونے کی بو بھی نہیں اور اس کے مناسب بیان میں، حقائق آگاہ، معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:46﴾......

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت وحقیقت وشریعت پر مشتمل ہے اور اس بیان میں کہ کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں اور اس بیان میں کہ صاحب ولایت کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں، ظاہر ہمیشہ شریعت کے ساتھ مکلف ہے اور باطن اس معاملہ کا گرفتار ہے اور اس کے مناسب بیان میں مولانا حمید الدین بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:47﴾......

نصیحت وتنبیہ میں محمد قاسم بدخشی کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:48﴾......

ماتم پرسی اور مقام رضا کی ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:49﴾......

اس بیان میں کہ ماسوا کا نسیان اس طریق کا پہلا قدم ہے کوشش کریں تا کہ اس میں کوتاہی نہ ہو خواجہ محمد گدا کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:50﴾......

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور اس بیان میں کہ ابتدا سے انتہا تک شریعت کا ہونا ضروری ہے اور قلب کی تمکین اور نفس کے اطمینان اور اجزائے قالب کے اعتدال میں جو مرتبہ نبوت میں ہے اور اس کے مناسب بیان میں مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:51﴾......

حق تعالیٰ کا بعض کاملین کے ساتھ بالمشافہ اور روبرو کلام کرنے کے بیان میں خواجہ محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:52﴾......

اس گروہ بلند کی محبت کی ترغیب میں خواجہ مہدی علی کشمیری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:53﴾......

اس استفسار کے جواب میں کہ اگر عبادت کروں تو نفس کو استغنا حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی لغزش اور خلاف شرع کار مجھ سے صادر ہو جائے تو شکستگی اور ندامت پیدا ہوتی ہے، گردونواح کے مشائخ کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:54﴾......

اس بیان میں کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت کے بہت سے مرتبے اور درجے ہیں اور وہ سات درجے ہیں اور ہر ایک درجہ کی تفصیل میں سید شاہ محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:55﴾......

اس بیان میں کہ قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اور اس کے بیان میں کہ اس کام کی شریعت اصل شریعت ہے اور صوفیہ عالیہ کی تعریف اور اس امر میں احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادوں یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:56﴾......

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیوں کا حکم پیدا کر لیتی ہیں، مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:57﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی ذات کا ذکر حضرت خیر البشر ﷺ پر درود بھیجنے سے اولیٰ وافضل ہے لیکن وہ ذکر جو قبولیت کا مرتبہ رکھتا ہو، وہ ذکر جو شیخ طالب نے مقتدا سے اخذ کیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں ملا غازی نائب کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:58﴾......

اس استفسار کے بیان میں جو عالم مثال کی بابت کیا گیا تھا اور ان دو گروہوں کے رد میں جن میں سے ایک گروہ تناسخ کا قائل ہے اور دوسرا نقل روح کا قائل ہے اور کون و بروز اور اس کے مناسب بیان میں خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:59﴾......

اس بیان میں کہ معقول و مشہود اور موہوم و مکشوف سب ماسوا میں داخل ہیں، پیر زادہ خواجہ عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:60﴾......

اس بیان میں کہ فضولیات سے عنان پھیر کر ضروریات دین میں مشغول ہونا چاہیے، محمد تقی کی طرف اس کے خط کے جواب میں صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:61﴾......

مولانا احمد برکی مرحوم کی ماتم پرسی میں یاروں کو نصیحت پکڑنے اور مولانا حسن کوان

کا سر حلقہ بنانے کے بیان میں بعض یاروں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:62﴾......

اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور تمدن اور گزارہ میں اپنے بنی نوع انسان کا محتاج ہے اور اسی احتیاج میں انسان کی خوبی ہے، خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:63﴾......

اس استفسار کے جواب میں کہ جس میں پوچھا گیا تھا کہ اپنے پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب دوسرے شخص کے پاس جا کر حق تعالیٰ کی طلب کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ نور محمد انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:64﴾......

اس بیان میں کہ احوال کے تغیر و تبدل اور دنیا کمینی کی امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے، محمد مومن ولد علی جان مرحوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:65﴾......

بیہودہ کاموں سے بچنے کے بارے میں مولانا محمد ہاشم خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:66﴾......

توبہ و انابت اور تقویٰ کے بیان میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:67﴾......

اہل سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام کو بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچا دیں، خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:68﴾......

نورانی ستون اور دم دار ستارہ کے بیان میں جو مشرق کی جانب سے طلوع ہوئے تھے اور قیامت کی علامتوں کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:69 ﴾......

نماز میں تعدیل ارکان اور طمانیت اور صفوں کی برابری اور اس بیان میں کہ کفار کے جہاد پر جانے کے لیے نیت کو درست کرنا چاہیے اور نماز تہجد کا حکم کرنے اور لقمہ میں احتیاط کرنے کے بیان میں، محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:70 ﴾......

کعبہ معظّمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں، جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے، کعبہ کا نمونہ بھی ہے، مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:71 ﴾......

کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے اسرار کے بیان میں علوم عقلی و نقلی کے جامع مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:72 ﴾......

اس بیان میں کہ بیت اللہ کا معاملہ تمام تجلیات اور ظہورات اور ظہور عرشی سے برتر ہے اور کعبہ کی حقیقت کے ساتھ ملنے اور صورت کعبہ کی طرف شوق زیارت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:73 ﴾......

انسان کامل کے ظاہر و باطن کے بیان میں، مخدوم زادہ مجدد الدین محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:74 ﴾......

آیت کریمہ ''فمنهم ظالم لنفسه'' کی تاویل اور آیت کریمہ ''انا عرضنا الامانة' کے بیان میں اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور ظالم لنفسہ ہے اور مقصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے اور سابق بالخیرات کو محبّ و محبوب کے ساتھ جن کا سر حلقہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں مولانا ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:75 ﴾......

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور تکلیفیں دوستوں کے لیے کفارہ ہیں اور عاجزی اور زاری سے عفو و عافیت طلب کرنی چاہیے، مرزا مظفر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:76 ﴾......

عرش کی حقیقت کے بیان میں جو عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے اور دونوں کا رنگ رکھتا ہے اور زمین و آسمان کی قسم سے نہیں ہے اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:77 ﴾......

ایک عریضہ کے جواب میں جس میں کلام صوفیہ پر اعتراض کیے ہوئے تھے اور آخر مکتوب میں لکھا تھا کہ احکام شرعیہ میں ہر ایک حکم ایک دریچہ ہے جو شہر مقصود تک پہنچانے والا ہے اور دوسرے استفساروں کے جواب میں، مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:78 ﴾......

اس طائفہ عالیہ کی محبت و اخلاص کے بیان میں کہ یہ محبت و اخلاص فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا زینہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں داراب خاں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:79 ﴾......

ایک رسالہ کے جواب میں جو کفر حقیقی سے منہ پھیرنے اور اسلام حقیقی کی طرف آنے کے بارے میں لکھا ہوا تھا، شیخ یوسف کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:80 ﴾......

اس بیان میں کہ آپ سے پوچھا گیا تھا کہ ''تمہیدات عین القضات'' میں لکھا ہے کہ جس کو تم خدا جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک محمد ﷺ ہے، اور جس کو تم محمد ﷺ جانتے ہو وہ ہمارے نزدیک خدا ہے، شیخ حامد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:81 ﴾......

پند و نصیحت اور دنیا کی بیہودہ زیب و زینت سے بچنے کے بیان میں، محمد مراد تور

بیگی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:82﴾......

دنیا کمینی سے بچنے اور شریعت غرا پر ترغیب دینے کے بیان میں خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:83﴾......

اس طائفہ عالیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں میر محمود کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:84﴾......

بعض نصیحتوں کے بیان میں شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:85﴾......

شیخ عبدالحیٔ کے بعض کمالات کے بیان میں شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:86﴾......

خط کے جواب میں شیخ طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:87﴾......

نصیحتوں کے بارے میں فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:88﴾......

قضا پر راضی ہونے کے بیان میں ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:89﴾......

نصیحت کے بارے میں سیادت پناہ میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:90﴾......

سفارش میں مرزا عرب خاں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:91﴾......

اس استفسار کے جواب میں جس میں ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کے اسرار دریافت کیے گئے تھے، مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:92 ﴾......

اس بیان میں کہ ولایت قرب الٰہی سے مراد ہے اور خوارق و کرامات ولایت کی شرط نہیں اور اس بیان میں کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تحیت کا کیا حکم ہے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:93 ﴾......

اس بیان میں کہ عالم خلق اور عالم امر کے لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ ظاہر بھی رکھتا ہے اور باطن بھی اور یہ باطن عارف کے اسم قیوم سے ملا ہوا ہے اور اس بیان میں کہ عارف نزول کے وقت کلی طور پر ظاہر و باطن کے ساتھ دعوت و عبادت کی طرف متوجہ ہے، خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:94 ﴾......

تن اور فنا و بقا کی حقیقت اور عارف کی حقیقت و صورت سے عدم کے جدا ہونے اور مجاورت کی نسبت بہم پہنچانے کے بیان میں مولانا عبد القادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:95 ﴾......

کفر حقیقی کے سوال کے جواب میں مقصود علی تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:96 ﴾......

اس مضمون کے حل میں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے مرض موت میں کاغذ طلب کیا تا کہ کچھ لکھیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مع کچھ اصحاب کے اس سے منع کیا، خواجہ ابوالحسن بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:97 ﴾......

ایک سوال کے جواب میں جس میں اسی دفتر کے چھٹے مکتوب کا حل طلب کیا گیا تھا، خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:98 ﴾......

قرب و معیت الٰہی کے بیان میں جامع علوم و اسرار مخدوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ

محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:99 ﴾......

مختلف سوالوں کے جواب میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

دفتر سوم کے مکتوبات:

......﴿ مکتوب:1 ﴾......

سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف اس کے سوال کے جواب میں جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے اقرب ہونے کے بارے میں کیا تھا، صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:2 ﴾......

نصیحتوں اور خلق سے قطع تعلق کرنے اور حق تعالیٰ کی جناب میں وسیلہ پکڑنے کے بیان میں علوم واسرار کے جامع مخدوم زادہ محمد سعید اور محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:3 ﴾......

کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ'' کے معنی کے بیان میں سیادت مآب میر محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:4 ﴾......

آیت کریمہ ''لا یمسہ الا المطھرون'' کی تاویل میں سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:5 ﴾......

حضرت ایشان مدظلہ العالی کے بعض خاص الخاص احوال و ذوق کے بیان میں سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:6 ﴾......

اس بیان میں کہ محبوب کا رنج اس کے انعام سے اور اس کا جلال اس کے جمال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:7 ﴾......

خلق کی ایذا برداشت کرنے کے بیان میں، سعادت پناہ میر محب اللہ مانکپوری کی

طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:8 ﴾......

غیب کے اصلی ہونے اور شہود کے ظلی ہونے کے بیان میں حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:9 ﴾......

آیت کریمہ "ما اتاکم الرسول فخذوه" الخ کے بیان میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:10 ﴾......

آیت کریمہ "واذا سالک عبادی عنی فانی قریب" کی تفسیر میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:11 ﴾......

انسان کی جامعیت کے بیان میں جو عالم امر اور عالم خلق کے دس اجزا سے مرکب ہے اور عرش مجید پر قلب انسان کی ترجیح کے بیان میں سیادت پناہ میر شمس الدین علی خلخانی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:12 ﴾......

تضرع و نیاز و ذکر و قرآن پاک کی تلاوت اور نماز میں طول قنوت یعنی قیام کے فائدوں میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:13 ﴾......

صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پیر طریقت کی متابعت کی تحریص و ترغیب میں میر محب اللہ مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:14 ﴾......

ایک سوال کے جواب میں جو واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت کیا گیا تھا، میر شمس الدین علی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:15 ﴾......

اس بیان میں کہ محبوب کے رنج والم کی لذت محبّ کی نظر میں محبوب کے انعام سے زیادہ زیبا ہوتی ہے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:16 ﴾......

سالک کے اپنے احوال پر اطلاع نہ پانے کے بھید میں اور اس کو مسترشدوں اور مریدوں کے آئینوں میں مشاہدہ کرنے کے بیان میں مولانا احمد ذہبی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:17 ﴾......

دینی عقائد اور شرعی عبادت کی ترغیب میں اہل ارادت میں سے ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:18 ﴾......

ماسوا سے بے تعلق ہونے اور طالبان حق کی صحبت پر ترغیب دینے کے بیان میں سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:19 ﴾......

حق تعالیٰ کی قضا پر صبر و رضا کے بیان میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:20 ﴾......

ہمت کی بلندی اور تمام نعمتوں کے وصول کو اپنے پیر کی طرف راجع کرنے کے بیان میں مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:21 ﴾......

بعض ان سوالوں کے جواب میں جو ضمیروں کے ساتھ حق تعالیٰ کے مشار الیہ ہونے اور زاہدوں کی فضیلت اور حق تعالیٰ کے اپنی ذات کے علم کی کیفیت میں کئے گئے تھے، میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:22 ﴾......

اس بیان میں مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا باطنی خبث اور ان کی بداعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا، ملا مقصود تبریزی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:23﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے اپنی ذات وصفات اور بندوں کے پسندیدہ اعمال کی نسبت خبر دی ہے جن میں عقل کا کچھ دخل نہیں، خواجہ ابراہیم قبادیانی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:24﴾......

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بزرگی اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ ان کی مہربانی کے بیان میں ملا محمد مراد کشمی کی طرف جو میر محمد نعمان کے خادموں میں سے ہے، صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:25﴾......

ان نتائج اور ترقی مراتب کے بیان میں جو ذکر وتلاوت اور قرآن ونماز سے حاصل ہوتی ہے، ملا طاہر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:26﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ جس طرح اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ اس طرح اپنی ذات کے ساتھ عالم اور صفات ثمانیہ اور صفات زائدہ کے ساتھ موصوف ہے، سیادت پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:27﴾......

اس بیان میں کہ بندہ کو چاہیے کہ اپنی تمام مرادوں سے نکل کر حق تعالیٰ کی مرادوں کے موافق ہو جائے اور ذاتی اور عارضی بیماری کے بیان میں، ملا علی کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:28﴾......

اس بیان میں کہ مردوں کے ارواح کو صدقہ کرنے کی کیفیت کیا ہے، ملا صالح ترک کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:29﴾......

قرآن مجید کے بعض کلمات قدسی آیات کے سمجھنے میں، سیادت پناہ میر محب اللہ کی

طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:30﴾......

مراتب اصول اور مراتب عبادت پر عروج کے بیان میں، سیادت وارشاد پناہ میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:31﴾......

عالم ارواح اور عالم مثال اور عالم اجساد کی تحقیق میں، ملا بدرالدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:32﴾......

اس بیان میں کہ وہ خطرات جن کو وصل کے اسباب کہتے ہیں، تجلی صوری کے اندازہ کے موافق ہیں اور کثرت وہمیہ کی حقیقت کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں، مقصود علی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:33﴾......

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے اس کلام کی تحقیق میں جو انہوں نے کہی ہے کہ جب تک کافر نہ ہو اور بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں کے ساتھ جفت نہ ہو تب تک مسلمان نہیں ہوتا، ملا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:34﴾......

نصیحت کے بارے میں میر محمد امین کی والدہ کی طرف صادر فرمایا ہے، وہ نصیحتیں جو ضروری ہیں۔

......﴿مکتوب:35﴾......

ماتم پرسی اور نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بارے میں مرزا منوچہر کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:36﴾......

عذاب قبر کے منکروں کے شبہات کو دور کرنے میں میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:37 ﴾......

اس بیان میں کہ جمیل مطلق کی طرف سے جو کچھ بھی آئے وہ بھی جمیل ہی ہے، مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:38 ﴾......

ایک سوال کے جواب میں جو حدیث ''ستفترق امتی'' الخ کے معنی کے بارے میں کیا گیا تھا اور ارباب فقر کے درجہ کے بیان میں، ملا براہیم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:39 ﴾......

اس بیان میں کہ صوفیا کے علم الیقین اور معقول والوں کے علم الیقین میں کیا فرق ہے، مولانا محمد صادق کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:40 ﴾......

خواجہ حسام الدین کی طرف اس خط کے جواب میں جس میں اس نے مع توابع کے سفر حج کے متعلق مشورہ طلب کیا ہے۔

......﴿ مکتوب:41 ﴾......

عورتوں کی ان ضروری نصیحتوں کے بیان میں جو آیۃ کریمہ '' یا یھا النبی اذا جاءک المومنات'' کی تاویل میں مندرج ہے، ایک صالحہ عورت کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:42 ﴾......

خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف اس کی بشارت کے بیان میں صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:43 ﴾......

اس گفتگو کے بیان میں جو سلطان وقت کی مجلس میں ہوئی تھی بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیھم الرحمۃ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:44 ﴾......

دیدار آخرت کے منکروں کے شبہوں کو دور کرنے کے بیان میں میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:45﴾......

مومن کی شان اور اس کی بلندی اور اس کی ایذا سے منع کرنے کے بیان میں مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:46﴾......

عروج اور نزول کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:47﴾......

دعا کے اسرار اور علما و صلحا کی تعریف میں سلطان وقت کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:48﴾......

حق تعالیٰ کی اقربیت کے بھید اور اس بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے، مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:49﴾......

اس بیان میں کہ وہ علم حضوری جو عارف کو اپنے آپ سے ہوتا ہے، حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پکڑتا ہے، جناب حضرت میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:50﴾......

علما راسخین اور علما ظاہر کے استدلال کے فرق میں جو اثر سے موثر پر کرتے ہیں، قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:51﴾......

تصدیق قلبی اور یقین قلبی کے درمیان فرق کے بیان میں، ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:52﴾......

قلب و نفس کے فنا میں اور علم حصولی اور حضوری کے زوال میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:53﴾......

وجودی اور شہودی طور پر عین اور اثر کے زائل ہونے کے بیان میں مخدوم زادہ

خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:54﴾......

شرح روشن کی تابعداری کرنے اور دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے بیان میں خان جہان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:55﴾......

فقر کے غنا کی طرف رجوع کرنے کی برائی میں ممریز خان افغان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:56﴾......

گزشتہ محبت پر افسوس کرنے اور نئے اسرار کی طرف اشارہ کرنے میں جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ جمال الدین حسین ولد خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:57﴾......

عالم کے حادث ہونے اور عقل فعال کے رد کرنے میں مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:58﴾......

اس بیان میں کہ ممکنات کا خلق اور نمود اور وجود مرتبہ وہم میں ہے جس نے اتقان اور استحکام حاصل کرلیا ہے، خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:59﴾......

روزمرہ کے حوادث کو حق تعالیٰ کے ارادہ کی طرف راجع کرنے اور ان سے لذت پانے کے بیان میں، خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:60﴾......

ذات انسان کی عدمیت اور اس بیان میں کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے اور اس نفس و قلب کے فنا اور علم حصولی کے زوال کے بیان میں پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:61﴾......

اس بیان میں کہ کبھی عارف کیلئے کسی مظہر کا دیکھنا عروج کا زینہ بن جاتا ہے حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:62﴾......

انسان کے عدم ذاتی ہونے کے باعث اس کی فنائے وجودی کی نفی میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:63﴾......

حق تعالیٰ کے قرب و معیت و احاطہ کے بھید کے کشف میں اور اس سرِ عظیم کو کتاب کریم کے مجمل و مشکل کی طرف رجوع کرنے میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:64﴾......

اس فنائے اتم کے بیان میں جو عین واثر کے زوال پر وابستہ ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے ثبوت کی بقا اور عروجات کے بیان میں علوم و اسرار کے جامع بزرگ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:65﴾......

اس بیان میں کہ بقائے ذات کے بعد عارف کیلئے صفات میں سے ہر ایک صفت اور لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ ذات کی کلیت میں ظہور کرتا ہے مولانا ظفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:66﴾......

اس سوال کے جواب میں کہ المجاز قنطرۃ الحقیقہ کے کیا معنی ہیں، محمد مقیم قصوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:67﴾......

کائنات کی حقیقت اور حضرت ایشان قدس سرہ اور صاحب فتوحات کے مکشوف

کے درمیان فرق کے بیان میں میر منصوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:68﴾......

اس مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ جس میں عالم وجود و نمود رکھتا ہے فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:69﴾......

شریعت کے التزام اور ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں قاضی موسیٰ شوحین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:70﴾......

ارباب جمعیت کی صحبت کی تحریص اور ترغیب میں مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:71﴾......

حقائق وموہوم یعنی عالم اور موجود حقیقی یعنی صانع عالم کے درمیان تمیز کرنے کے بیان میں جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:72﴾......

اس بیان میں کہ لشکر کی تلوینات ارباب جمعیت کیلئے تمکین ہے اور اس استفسار کے جواب میں جو مولود خوانی کے بارے میں کیا گیا تھا، خواجہ حسام الدین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:73﴾......

صفت حیات کے اسرار میں جو علم سے برتر ہے اور اس بیان میں کہ علم جس طرح صفات زائدہ سے ہے اس طرح شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اسی طرح دوسری صفات کا حال ہے، مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:74﴾......

صاحب فصوص کے اس کلام کی شرح جو تجلی ذات کے بارے میں فرمائی ہے اور اس بارے میں حضرت ایشان کی خاص تحقیق ورائے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ

محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:75 ﴾......

تجلی افعال اور تجلی ذات کے بیان میں فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:76 ﴾......

شان العلم اور اس کے اوپر اس کے مرتبہ مقدسہ کی بلندی میں جس کو نور محض سے تعبیر کرتے ہیں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:77 ﴾......

حقیقت کعبہ ربانی اور اس کے اسرار اور عجز و معرفت کے دقائق اور صلوٰۃ کلمہ طیبہ کی نفی و اثبات کی حقیقت کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:78 ﴾......

اشتیاق و اشفاق کے اظہار اور لشکر کے ثمرات کے بیان میں عالی مرتبہ مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:79 ﴾......

عارف کی ذات موہوب حقانی کے بیچونی اسرار اور تجلی ذات اور آخرت کی رویت کے ثبوت میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:80 ﴾......

عارف کی ذات موہوب کی طرف اشیا کے منسوب ہونے کے بیان میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:81 ﴾......

ایک معاملہ کے حل اور واقعہ کی تعبیر میں خواجہ جمال الدین حسین کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:82 ﴾......

مہاجرت یعنی جدائی کے رنج والم کے اظہار میں بمع بعض بشارتوں کے مخدوم زادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:83﴾......

لشکر کی برکات میں کہ جہاں بے اختیار رہنا پڑتا ہے بزرگ مخدوم زادوں کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:84﴾......

اس طریقہ عالیہ کے آداب میں حافظ عبدالغفور کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:85﴾......

حفظ اوقات کی نصیحت میں حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:86﴾......

خوارق کے بکثرت اور بقلت ظاہر ہونے کے بیان میں درویش حبیب خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:87﴾......

حضرت ایشان کے مرادی و مریدی کے اسرار کے بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:88﴾......

خلیل کی خلت کے اسرار اور تعین وجود کے اثبات میں مخدوم زادہ عالی مرتبہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:89﴾......

شیخ روز بھان بقلی کے کلام کی شرح اور توحید وجودی کے بعض دقائق کے بیان میں قاضی اسماعیل فرید آبادی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:90﴾......

اس سوال کے جواب میں جو عارفوں کے مشاہدہ کی حقیقت کے بارے میں کیا گیا تھا، فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:91﴾......

ان سوالوں کے جواب میں جو معرفت وایمان حقیقی کے درمیانی فرق کی نسبت کئے گئے تھے، مولانا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:92﴾......

اس سوال کے جواب میں کہ صوفیا حق تعالیٰ کے کلام کو سنتے ہیں اور اس سے ہم کلام ہوتے ہیں، فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:93﴾......

تعین اول وجودی کی تحقیق اور حبیب وخلیل وکلیم علیہم السلام کے تعینات کے درمیان فرق کے بیان میں مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:94﴾......

کمال و جمال ذاتی اور اس سے فوق مرتبہ مقدسہ کے دقائق میں اور اس بیان میں کہ ان دونوں مرتبوں میں سے حضرت حبیب وخلیل وکلیم علیہم السلام کے تعینات کا حصہ کیا ہے اور حضرت ایشان کے تعین کا بہرہ کونسا ہے، حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:95﴾......

ان اسراروں کے بیان میں جو حضرت ایشان سلمہ اللہ کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہیں، مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:96﴾......

اس اسراروں کے بیان میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں اسموں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، فقیر ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:97﴾......

عالم کے موہوم ہونے کی سیر میں صوفی قربان جدید کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:98﴾......

حسن صوری یعنی ظاہری حسن سے بکثرت لذت پانے کے شر و برائی کے بیان

میں حاجی عبدالطیف خوارزمی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:99 ﴾......

ان ظاہری و باطنی نعمتوں کے شکریہ کے اظہار میں جو ماوراء النہر کے بزرگوں کی برکات سے پہنچی ہیں، سیادت مآب ارشاد پناہ میر مومن بلخی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:100 ﴾......

اس بسر کے کشف میں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام کی گرفتاری کی وجہ کیا تھی اور بعض اسرار غریبہ اور علوم عجیبہ کے بیان میں شیخ نورالحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:101 ﴾......

فلاسفہ کے مذاق کے موافق آیات قرآنی کی تاویل وتفسیر کرنے سے منع کرنے کے بیان میں شیخ عبداللہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:102 ﴾......

مجاہدہ اور گوشہ نشینی اور طالبان حق کی تربیت کی ترغیب میں جناب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:103 ﴾......

قصور احوال پر تنبیہ کرنے اور تکمیل و اکمال کے حاصل ہونے پر ترغیب دینے کے بیان میں شیخ حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:104 ﴾......

بعض مراتب تک پہنچنے کی خوشخبری میں حضرات ذوالبرکات حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:105 ﴾......

سنت کے زندہ کرنے اور بدعت سے ڈرانے کے بیان میں شیخ حسن برکی کی طرف اس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے احوال کے بیان میں لکھا تھا، صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:106 ﴾......

اس واقعہ کے بیان میں کہ جس میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا اور ان سے بہت اعلیٰ بشارتیں پائی تھیں، حضرت مخدوم زادگان کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:107 ﴾......

نسبت رابطہ میں فتور آنے اور طاعات میں لذت نہ پانے کے سبب میں خواجہ محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:108 ﴾......

ان معاملات کے بیان میں جو اصل الاصل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور یہ معرفت معنی سے منقول ہے، ملا طاہر خادم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:109 ﴾......

اس بیان میں کہ عالم کا ایجاد مرتبہ وہم میں ہے لیکن ایجاد کے استقرار و تعلق کے باعث نفس امری ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ علم و خارج کے مرتبہ کے ماسوا ہے اور اس بیان میں کہ وحدت بھی نفس امری ہے اور کثرت بھی اور اس بات کی تحقیق میں کہ باوجود ثبات و استقرار کے سالک کو فنا کیونکر ہے حضرت مخدوم زادگان کی طرف لکھا ہے۔

......﴿ مکتوب:110 ﴾......

اس بیان میں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ کسی معلوم کی صورت اس میں حاصل نہیں ہوتی، اس وقت ہر ایک ذرہ اس کے لیے مطلوب کی طرف ایک شاہراہ ہوتا ہے اور اس بیان میں کہ اس عارف کی حُب حق تعالیٰ کی حُب تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا بغض حق تعالیٰ کے بغض کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اس کی تعظیم و اہانت کا حال ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ کی آل و اصحاب کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہی نسبت ہے، یہ معارف معنی سے نقل کیے گئے ہیں، حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کو صادر فرمایا ہے۔

......﴿ مکتوب:111 ﴾......

''قاب قوسین '' اور ''او ادنیٰ'' کے بعض اسرار غریبہ کے بیان میں اور اس سر مین کہ عارف کامل اپنے کاتب شمال یعنی بائیں طرف کے عملنامہ لکھنے والے فرشتہ کو نہیں

پا تا یہ معارف بھی معنی سے منقول ہیں، شیخ نور محمد نہاری کی طرف لکھا ہے۔

......﴿مکتوب:112﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حقیقیہ نہ ذات کا عین ہیں اور نہ ذات کا غیر، شریعت پناہ قاضی اسلم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:113﴾......

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات حیات اور علم اور تمام کمالات کے ساتھ متصف ہیں اور صفات کے اِس قیام کے معنی کی تحقیق میں جو ذات جل شانہ کے ساتھ رکھتی ہیں، ملا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:114﴾......

صفات واجبی کی تحقیق اور اپنے کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ کے تعلق کے علم کی کیفیت میں اور اس بیان میں کہ معنی کو عین کے قیام سے چارہ نہیں لیکن اس کے لیے محل کا ثابت کرنا ضروری نہیں اور تعین وجودی اور انبیا متبوعین اور انبیا تابعین علیہم السلام اور ملائکہ کرام کے مبادی تعینات اور اولیا و عوام و مومنین و کفار و عالم و آخرت کی موجودات کے مبادی تعینات کے بیان میں صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:115﴾......

بعض استفساروں کے جواب میں مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:116﴾......

خلق اللہ کی خدمتگاری کی ترغیب میں خواجہ ابوالمکارم کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:117﴾......

آیت کریمہ ''ان فی ذالک ذکری'' کے معنی اور دوسرے اعتراضوں کے بیان میں مولانا شیخ غلام محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:118﴾......

مولانا عبدالقادر انبالوی کی طرف صادر فرمایا ہے:۔

......﴿مکتوب:119﴾......

مولانا مودود محمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:120﴾......

عزلت یعنی گوشہ نشینی کے اختیار کرنے کے بیان میں میر منصور کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:121﴾......

ایک مکتوب کی عبارت کے حل میں جو اسرار پر مشتمل ہے مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:122﴾......

مولانا حسن دہلوی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:123﴾......

اس بیان میں کہ وہ راہ جو جناب قدس جل شانہ کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں، نور محمد نہاری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......﴿مکتوب:124﴾......

شیخ محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ہے۔

......⊙......

باب دوازدہم

تصنیفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصانیفِ امام ربانی کے بارے میں پروفیسر سید خورشید حسین لکھتے ہیں: کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو بے اندازہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور آپ کے سلسلہ عالیہ کو بے پناہ وسعت دی تھی، اور آپکی تحریر میں روانی اور زبان میں اثر بخشا تھا، آپ جس دور میں پیدا ہوئے اس میں آزادروی اور مذہب سے بے اعتنائی عام ہوگئی تھی اور اس روش کو عام کرنے میں بادشاہ جلال الدین اکبر کا ہاتھ تھا، چنانچہ اکبری دور کے فتنوں سے اپنے متوسلین کو خصوصاً اور عوام الناس کو عموماً محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے اپنے اشہب قلم سے خوب کام لیا اور اس طرح ایسے شاہکار وجود میں آگئے کہ ادب اور تصوف میں ان کا نام رہتی دنیا تک باقی رہے گا، آپ کی تصانیف کا ایک ایک لفظ معرفت کا خزانہ ہے، علم اور عرفان اور اسرار و معرفت کے بحر بے کراں ان میں موجود ہیں، یہ تصانیف ہر زمانے کے افراد کی نہ صرف حسب حال اور حسب اقتضا روحانی تربیت کے لیے کافی ہیں بلکہ ان سے بہت سے مذہبی معاملات طے کرنے میں بھی مدد لی جاسکتی ہے اور ان میں تسکین روح کا سامان تلاش کیا جاسکتا ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی کرامت ان کے صاحبزادے اور ان کی تصانیف ہیں۔ ﴿جہان امام ربانی: ۵/۶۳﴾

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو معارف حضرت مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر مکشوف ہوئے وہ تین قسم کے ہیں، اول وہ جن کا ذکر آپ نے کسی سے نہیں کیا اور نہ انہیں سلک تحریر وتقریر میں منظم کیا، دوم وہ جو آپ نے اپنی اولاد امجاد سے بیان فرما دیئے اور سوم وہ جو اپنے عام عقیدت مندوں اور متوسلوں کو ارشاد فرمائے اور انہیں تحریر بھی کیا، چنانچہ مکتوبات شریفہ کی تین جلدیں اور سات رسالے ایسے ہی مکشوفات سے مملو ہیں، ﴿درالمعارف:۲۰۵﴾ مختلف تذکروں میں آپکی حسب ذیل تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

⊙......اثبات النبوۃ......رسالہ تہلیلیہ......ردِ روافض......شرح رباعیاتِ باقی......معارفِ لدنیہ......مبدأ و معاد......مکاشفاتِ عینیہ......مکتوباتِ امامِ ربانی......رسالہ جذب وسلوک......تعلیقاتِ عوارف المعارف......رسالہ آداب المریدین......رسالہ اثبات الواجب......رسالہ علم الحدیث......رسالہ حالات خواجگان نقشبندیہ۔

ان تصانیف میں اول الذکر آٹھ تو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں جبکہ باقی تصانیف کا ذکر تو ملتا ہے لیکن آج تک کسی نے ان کے قلمی یا مطبوعہ نسخے کا ذکر نہیں کیا چنانچہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آپکی آٹھ ہی تصانیف ہیں یا پھر مؤخر الذکر چھ تصانیف دست برد زمانہ کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور ہم تک نہ پہنچ پائیں۔﴿جہان امام ربانی:۵/۶۵﴾

مذکورہ صدر سات تصانیف کا تعارف ذیل میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ آپکی تصانیف کس قدر معرفت وتجلیات کے انوار، شریعت وطریقت کے اسرار، علم وعمل کا خزینہ اور کشف وکرامت کا گنجینہ ہے، ان تصانیف میں نوع انسانی کی فلاح وبہبود کے لیے راہ عمل اور اخلاق وحسنات کے ایسے گوہر بے بہا موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہر فرد بشر اسلام کا شیدا اور حق تعالیٰ کا محبوب بندا بن سکتا ہے اور دنیا وآخرت کی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

......﴿رسالہ اثبات النبوۃ﴾......

یہ رسالہ عربی زبان میں مرقوم ہے اور یہ اس پر آشوب دور کے منکرین ختم نبوت

کیلئے تو تازیانہ عبرت تھا ہی آج بھی اس گروہ کیلئے حق وصداقت کی موثر و مدلل آواز ہے، یہ رسالہ منقول و معقول کا خوبصورت امتزاج ہے جسے حضرت مجدد الف ثانی ﷫ کے قلم گوہر رقم کا شہکار کہنا چاہیئے، مصنف جلیل کی جودت طبع، قوت استدلال اور وسعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ گہری وابستگی کے مناظر جا بجا دکھائی دیتے ہیں، آپ اس کی تحریر و تحقیق کا سبب خود بیان فرماتے ہیں ''جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے عقیدے میں اصل نبوت کے بارے میں فتور دیکھا'' یہی وہ سبب ہے جس کو دور کرنے کیلئے آپ نے بالکل نوجوانی کی عمر میں یہ کارنامہ سرانجام دے دیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، سن شعور سے ہی آپ کو اسلام کا درد ودیعت کیا گیا تھا، رسالہ کے آخر میں بہت سے دلائل تاجدار ختم نبوت ﷺ کی سیرت طیبہ سے ماخوذ ہیں، حضور اکرم ﷺ کے فضائل ومناقب بھی بڑے اہتمام سے لکھے گئے ہیں، قرآن حکیم کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے اور اسے حضور اکرم ﷺ کا عظیم معجزہ قرار دیا ہے، اس پر ہونے والے اعتراضات کے بہت علمی اور برجستہ جوابات دیئے گئے ہیں کہ انکار کی گنجائش نہ رہنے، حضرت مجدد کو علم کلام میں خصوصی مقام تفویض ہوا، چنانچہ آپ آخرمیں جب اپنی رائے بیان کرتے ہیں تو آپ کے فکر کی گہرائی نہایت قابل دید اور لائق داد دکھائی دیتی ہے، یہ رسالہ عقل نارسا کے پجاریوں کے سامنے دین ہدایت کی روشنی کا مینار نظر آتا ہے، مولا کریم اس کے جلیل القدر مصنف کو تمام عالم اسلام کی طرف سے بہترین اجر وثواب عطا فرمائے۔

بعض مورخین کے نزدیک اس رسالے کا نام تحقیق النبوۃ بھی ہے، یہ آپکی سب سے پہلی تصنیف لطیف ہے جو آپ نے ۹۹۰ھ میں رقم فرمائی، اس وقت آپکی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی گویا آپ اس عمر مبارک میں ہی سربرآمد علمائے روزگار ہو چکے تھے اور اپنے والد گرامی ﷫ کی نگرانی میں کتب درسیہ کی تعلیم عطا فرماتے تھے۔

......رسالہ ردروافض......

یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے، دسویں صدی ہجری کے اواخر میں، خراسان میں

روافض نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف فتنہ سب وشتم برپا کیا تو علمائے ماوراء النہر نے ان کے خلاف جہاد وقتال کے لزوم کا فتویٰ صادر فرمایا چنانچہ اہل اسلام نے ان کو خوب سزا دی، مشہد کا محاصرہ کیا، اس دوران رافضی علما نے، علمائے ماوراء النہر کے فتویٰ کا رد لکھا، وہ تردیدی رسالہ ہندوستان میں پہنچ گیا اور وہاں بھی فتنہ برپا ہو گیا، اکبری و جہانگیری دور میں مرزا غیاث بیگ اور اس کی نور نظر نور جہان کی بدولت روافض خوب پروان چڑھ رہے تھے، امرا اور روسا سے لے کر عوام تک ان کے اثرات دکھائی دینے لگے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے خاتمے کا تاریخی بیڑا اٹھایا، آپ نے روافض سے مناظرے کئے، یہ رسالہ رد روافض بھی انہی مساعی جمیلہ کی ایک کڑی ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ المقامات میں فرماتے ہیں:

”و بعضے رسائل شریفہ بہ تازی و بہ فارسی در نہایت بلاغت و فصاحت تصنیف فرمودہ کہ ازاں جملہ است رسالہ تہلیلیہ و رسالہ رد شیعہ با آنکہ در ایام ارباب تشیع دران بلاد در غایت حشمت و جاہ بودند و بہ سلطان تقرب تمام و قرابت داشتند نیز بہ دین و ارباب دین در نہایت عداوت بود لیکن جوش غیرت اسلام کہ حضرت ایشاں را حق تعالیٰ سبحانہ عطا فرمودہ بود ملاحظہ این و آں در خاطر عاطر شان فتور نمی نمود“ ﴿صفحہ نمبر ۲۰۳﴾

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا کہ اس فتنے کو ختم کرنا مسلمانوں کی گردنوں پر حضرت امام ربانی، قیوم زمانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان ہے۔

در حقیقت یہ رسالہ رافضی علما کے اس تردیدی رسالہ کا رد بلیغ ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پہلے علمائے ماوراء النہر کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں، پھر شیعہ حضرات کا جواب اور اس کے جواب میں علمائے ماوراء النہر کی تائید میں دلائل و براہین سے اسلام کے عقائد و نظریات کو ثابت کرتے ہیں: جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء، منشی حسیب الدین سوزاں نے اس رسالہ پر خوب تبصرہ فرمایا ہے ؎

ہر نکتہ سر بستہ او نافہ مشک است
ہر نقطۂ او شوخی از چشم غزال است
فیض رقمش از تتق غیب سروش است
مد قلمش در افق فضل ہلال است
صد باز زسر تا سر ہر حرف گزشتم
لیلیٰ است کہ سر تا بہ قدم غنج ودلال است
دریوزہ گر زلہ او یند حریفاں
الحق رگ ابر قلمش ،بحر نوال است

یہ رسالہ مبارکہ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہونے سے پہلے گویا اثبات النبوۃ کے بعد اور تہلیلیہ سے پہلے رقم فرمایا، اسطرح اسے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی فارسی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے، اس رسالہ کا نام اکثر تذکروں میں رد مذہب شیعہ بھی وارد ہے، جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا خیال ہے کہ یہ رسالہ ۱۰۰۲ھ میں تحریر کیا گیا ہے، اس رسالے سے شیعہ حضرات کے متعلق آپ کے خیالات کا بخوبی علم حاصل ہوتا ہے، آپ نے اپنے موقف کی تائید میں جا بجا آیات واحادیث اور عربی عبارات کا قابل قدر ذخیرہ فراہم کیا ہے جو معلومات کا انمول خزانہ ہے، آپ شیعہ حضرات کے متعلق دوٹوک الفاظ میں فیصلہ فرماتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور ان سب پر سب وشتم کرتے ہیں، اس لیے علمائے اسلام پر واجب ہے کہ ان کی پرزور تردید کریں اور ان کے مفاسد کو طشت از بام کریں۔

......﴿رسالہ تہلیلیہ﴾......

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے جس کا نام تہلیلیہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "کے بارے میں عظیم حقائق اور جلیل اسرار کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے، ان حقائق واسرار سے مصنف شہیر کے فکری وعلمی

اور روحانی ووجدانی کمال کا اظہار ہوتا ہے، اس کا تاریخی نام معارف " لا الــه الا الــلـه محمد رسول الله " ﴿۱۰۱۰ھ﴾ ہے۔ یہ اکبر اعظم کا دور تھا جب دین اسلام پر "دین الٰہی" کے کلہاڑے چل رہے تھے، متعدد عقائد ونظریات کو تبدیل کیا جارہا تھا جہاں تک کہ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ کو بھی بدلنے کی سازش کی گئی، محمد رسول اللہ ﷺ کی جگہ معاذ اللہ اکبر خلیفۃ اللہ کے الفاظ کا حکم نافذ کیا گیا، ان حالات میں حضور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فاروقی غیرت وحمیت کا ثبوت دیا اور لوگوں کو کلمہ طیبہ کے فضائل ولطائف، توحید باری کے دلائل، وجود باری سے متعلق صوفیہ وفلاسفہ کے افکار وآراء سے آگاہ فرمایا اور آخر میں اپنے اہم موضوع یعنی حضور ختم نبوت ﷺ کے محامد ومحاسن کو نہایت دلآویز پیرائے میں تحریر کیا، نیز قرآن حکیم کے معجزۂ نبوت ہونے پر شواہد پیش کئے، اس رسالہ کی تحقیق وتحریر کے موقع پر آپ کی عمر مبارک چھتیس سال تھی، جس سے آپ کے علمی رتبہ کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اس میں آپ کا صوفیانہ رنگ خوب نکھرا ہے، حضرت زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ رسالہ نسبت نقشبندی حاصل ہونے سے پہلے لکھا گیا" کیونکہ اس میں صوفیہ وجودیہ کے احوال و آثار سے استفادہ کیا گیا ہے، یہ بات زبدۃ المقامات میں بھی ہے اگر یہ درست ہے تو اس کا سال تصنیف ۱۰۰۸ھ سے پہلے ہونا چاہئے۔ ﴿واللہ اعلم الصواب﴾

رسالہ تہلیلیہ کے بہت سے مباحث معارف لدنیہ اور مکتوبات شریفہ میں بھی مذکور ہیں، اس میں آپ نے اپنے رسالہ اثبات النبوۃ کا بھی ذکر فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ تہلیلیہ، رسالہ اثبات النبوۃ کے بعد تحریر فرمایا گیا ہے، ان دونوں رسالوں کی بہت سی چیزیں مشترک بھی ہیں، مثلاً دونوں میں حضور سید المرسلین ﷺ کے فضائل و کمالات کا خوبصورت جہان آباد ہے۔

......﴿رسالہ شرح رباعیات﴾......

حضرت خواجہ خواجگان باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تاریخ ولایت میں محتاج تعارف نہیں، آپ ۹۷۱ھ کو کابل میں پیدا ہوئے، علوم شرعیہ کی تکمیل مولانا صادق حلوائی سے کی اور ان کے

ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا، آپ نے راہ طریقت میں قدم رکھا تو نہایت قلیل مدت میں خواجہ بزرگ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور ان کے حکم سے برصغیر میں نزول اجلال فرمایا، آپ کچھ دیر لاہور میں رہے اور بعدہ دہلی تشریف لے گئے، آپ برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی اور مروج ہیں، اس عظیم الشان کام کے لیے آپ کو بہت کم مدت ملی لیکن آپ نے اس تھوڑے عرصے میں اس طریقہ عالیہ کو نہایت مقبول بنا دیا، آپ عجز وانکسار، شفقت ورحمت، تحمل وبرداشت، فیاضی ودریا دلی، زہد وورع اور حزم واحتیاط کا اعلیٰ شاہکار تھے، آپ کے حلقہ اثر میں دربار اکبری کے بڑے بڑے امراء کا بھی شمار ہوتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تجدیدی تحریک کی بنیاد دراصل آپ ہی کی کاوشوں کی مرہون منت ہے، آپ شریعت مصطفیٰ کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ جزیات کی حد تک بھی اس کی پابندی کو لازمی سمجھتے تھے، آپ بلند پایہ نثر نگار اور جلیل القدر شاعر تھے، آپ نے اپنی نثر نگاری اور شاعری کو رموز باطنی کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس سلسلے میں کچھ مقدس رباعیات آپ سے منقول ہوئیں جن کی تشریح کا حق آپ خود ہی یا آپ کے عظیم المرتبت خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ہی ادا کر سکتے تھے، شرح رباعیات میں آپ نے تین انتہائی دقیق رباعیوں کا راز آشکار فرمایا اور پھر ان کے مزید تشریح کا شرف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حاصل کیا، یہ پہلی تصنیف ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کرنے کے بعد تحریر فرمائی، گویا یہ آپکی طرف سے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بہترین نذرانہ محبت ہے، اس سے آپکے صوفیانہ عقائد ونظریات کا پتا بھی چلتا ہے اور آپکے ذہنی اور روحانی ارتقا کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر پہلی مرتبہ توحید شہودی کا رنگ غالب آ رہا ہے اور آپ آہستہ آہستہ توحید وجودی سے کنارہ کش ہوتے جا رہے ہیں، آپ نے اپنے حواشی وتعلیقات کو قرآنی آیات، احادیث، اقوال صوفیا اور خوبصورت اشعار سے مزین فرمایا ہے جو آپکے ذوق مطالعہ کا ثبوت ہے، یہ رسالہ تقریباً ۱۰۱۳ھ میں تصنیف ہوا، یہ رسالہ انہی دو بزرگوں کی

تشریحات پر مشتمل ہے، رسالہ فارسی زبان میں رقم کیا گیا ہے جو انشاپردازی کا عظیم شاہکار ہے، اس کے اعلیٰ معیار کو سامنے رکھتے ہوئے جناب علامہ ثناالحق صدیقی ایم اے نے اردو زبان میں ترجمہ فرمایا جو اشکال و ابہام سے بہت حد تک صاف اور اصل عبارت کے مطابق ہے، اس ترجمے کو حضرت شیخ زوار حسین شاہ صاحب نے بھی نگاہ عمیق سے مشاہدہ فرمایا ہے اور اس کی حقانیت کی تصدیق فرمائی ہے، رسالہ شرح رباعیات اسرار معرفت سے لبریز ہے اور اس میں توحید وجودی کے نام پر پھیلائے گئے بہت سے غلط نظریات کی تصحیح فرمائی گئی ہے تا کہ عوام الناس گمراہی اور الحاد پرستی سے محفوظ ہو جائیں، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنی خدا داد قابلیت سے کون و حصول ،وجود و ثبوت، تنزلات و تعینات، ماہیات، اعیان ثابتہ، صور علمیہ، صور محسوسہ، تجدد امثال اور ہمہ اوست جیسی فکر و نظر سے ماوریٰ اصطلاحات صوفیا کو نہایت دل نشین انداز میں سمجھایا اور ان کی الحادی تعبیرات سے بچایا ہے، یہ رسالہ پہلے پہل فارسی اردو زبان میں ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے جنوری ۱۹۶۷ء کو نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا جو اب ایک طویل عرصے کے بعد تقریباً نایاب ہو چکا تھا، اس لیے اس کو قادری رضوی کتب خانہ لاہور کی جانب سے شائع ہونے والے ''رسائل مجدد الف ثانی'' کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر لیا گیا ہے تا کہ لوگ بزرگان دین کے افکار سے مستفیض ہو سکیں، مولا کریم ان اداروں اور ان کے باذوق کار پردازوں کو دو جہان میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ ﴿آمین بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین﴾

......﴿رسالہ معارفِ لدنیہ﴾......

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ رسالہ مبارکہ معارف لدنیہ فارسی زبان میں تحریر ہے، اس کے مضامین و مقالات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ آپ نے ابتدائی دور اور متوسط دور میں تصنیف فرمایا، اس کا سال تحریر مبداء و معاد سے پہلے ہے، یہ اکتالیس متفرق مضامین پر مشتمل ہے، جن کو آپ نے معرفت کا عنوان دیا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کے عرفان کے اسرار و رموز کا ایک جہان آباد ہے جس کے گل گشت کا شرف مجدد الف

ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد بہت سے حقائق و دقائق انسان کی نگاہوں کے سامنے روشن ہو جاتے ہیں اور دل میں معرفت خدا کے حصول کا جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ آپ نے نہات علمی وفکری انداز میں ذات وصفات، ولایت محمدیہ، حقیقت ایمان، طریقت وشریعت اور حقیقت، مراتب کے اختیار، ابدال وقطب ارشاد کے فیض اور قضا وقدر کے عنوان پر روشنی ڈالی ہے، آخر میں حسب معمول حضور سید عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب تحریر فرمائے ہیں اور ان کے دشمنوں کی مذمت بیان کی ہے، آپ کا عقیدہ دیکھیے: اس روشن شریعت والی ہستی کے منکر اور ملتِ زہرا کے بانی کے مخالف ساری مخلوق میں بد بخت ترین لوگ ہیں، یہ فرمان الٰہی ان کی حالت کا پتا دیتا ہے، تعجب ہے کہ بعض ناپختہ اور ناقص درویش جو اپنے خیالی کشف کو معتبر سمجھتے ہیں' اس روشن شریعت کی مخالفت اور انکار میں پیش قدمی کرتے ہیں، حالانکہ حضرت موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی باوجود اپنی اس کلیمی اور قربِ خاص کے اگر زندہ ہوتے تو اس شریعت کی پیروی کے بغیر کوئی اور طریقہ اختیار نہ فرماتے۔

اس رسالہ کا نام علومِ الہامیہ بھی ہے اور اس کا سال تصنیف ۱۰۱۵ سنہ تا ۱۰۱۶ سنہ ہجری ہے، ہر مضمون کو معرفت کا عنوان دیا گیا ہے، جن کی مجموعی تعداد اکتالیس ہے، آپکے دوسرے رسائل کی طرح اس رسالے کی زبان بھی بہت شگفتہ اور سادہ ہے، مسائل کی نوعیت کے پیش نظر بیان اگرچہ خشک ہے لیکن انداز تحریر نے اسے دلچسپ بنا دیا ہے، بعض معارف تو عربی میں مرقوم ہیں، علامہ غوثی نے اپنی کتاب ''گلزار ابرار'' کی تالیف کے دوران اس رسالہ مبارکہ سے استفادہ کیا ہے۔

......﴿رسالہ مبداء ومعاد﴾......

یہ رسالہ مبارکہ بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں رقم فرمایا اور اپنے اسرار و رموز نہایت لطیف اشاروں میں بیان کیے، اس میں ۱۰۰۸ سنہ سے لے کر ۱۰۱۸ سنہ ہجری تک کے بعض مکشوفات وحقائق کا تذکرہ ہے، اس کے مضامین متفرق مسودات

کی شکل میں تھے جن کو آپکے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد صدیق بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۱۹ ہجری میں مرتب کیا، اور ہر مضمون کو ''منہا'' کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا، مضامین کی تعداد اکسٹھ ہے اور ہر ''منہا'' اسرار معرفت کا دریا دکھائی دیتا ہے، آپ نے ان مضامین میں جذبہ وسلوک کے حصول، بیان نزول، تائید مشائخ سلاسل مختلفہ، قطب الارشاد اور اس کے فیض عام، نسبت نقشبندیہ، اظہار نعمت، کمالات ولایت کے درجات، علم ظاہر پر علم باطن کی برتری، آداب مرشد کامل، معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عروج اولیاء میں امتیاز، رویت باری تعالیٰ اور حقیقت قرآنی کے اسرار پر کھل کر خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ رسالہ بھی آپکے صوفیانہ خیالات کا بہترین ترجمان ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ صوفیائے وجودیہ کے نظریات کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپ نے بہت سے مقامات پر حضرت ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف فرمایا ہے اور ان کی اصطلاحات کے مقابلے میں اپنی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے، اس رسالے میں آپ نے اپنے شیخ کامل کا ذکر بھی بہت عقیدت واحترام کے ساتھ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم چار آدمی اپنے خواجہ کی خدمت میں ایسے تھے کہ لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل تھا، حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ تھا اور معاملہ بھی جدا تھا، یہ فقیر تو یقین کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یک جائی اور اس طرح کی تربیت وہدایت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور حق تعالیٰ کی اس نعمت تمام کا شکر ادا کرتا تھا کہ اگرچہ حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف نہیں ہوسکا تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم بھی نہیں رہا، اس رسالہ مبارکہ کی عبارت میں عربی جملے اور اشعار بھی بکثرت ہیں، جن میں ایک شان دل آویزی کا تاثر پایا جاتا ہے، بعض ''منہا'' عربی زبان میں مرقوم ہیں، اس رسالے کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جو مکتوبات شریفہ کے عربی ترجمے کے حاشیے پر موجود ہے۔

.......﴿رسالہ مکاشفات عینیہ﴾.......

یہ رسالہ مبارکہ ایسی تحریروں پر مشتمل ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خلفاء نے محفوظ کر لی تھیں لیکن انھیں نامور خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے یکجا کر دیا، اس طرح ایک گراں قدر علمی ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ گیا، یہ رسالہ آپ کے وصال کے بعد ۱۰۵۱ھ ہجری میں شروع کیا گیا اور قیاس کہتا ہے کہ بعض معلومات اور موادات حاصل کرنے میں مزید وقت صرف ہوا، بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا نام "مکاشفات غیبیہ" بھی بیان کیا ہے، حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۰۵۱ھ میں ہمارے امام وقبلہ شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات قدسی آیات کے چند اوراق بعض دوستوں کے ہاتھ سے ملے جو کہ اب تک منقول نہیں ہوئے تھے، یہ اوراق رنگین و دلکش الفاظ سے آراستہ ہیں، اسرار خفیہ، معارف سنیہ اور مقالات یکتا سے پیراستہ ہیں، اس کا ہر ورق ایک شفیق مرشد اور کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے، اس کا ہر صفحہ اسرار معبود کی اجمالی تحریر ہے، اس درگاہ کے فدا کاروں کے دل میں یہ بات آئی کہ اس کو نقل کیا جائے اور بکھرے موتیوں کو ترتیب کی لڑی میں پرو کر رکھا جائے، کیونکہ ان اوراق کے اکثر معارف آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سابقہ میں سے ہیں، جو رسائل و مکاتیب میں موجود تو ہیں لیکن چونکہ وہاں بساط سخن کا طرز کچھ اور ہے اور فوائد و زوائد سے بھی خالی نہیں، اس لیے تبرکاً اس کو بھی تمام اوراق کے رنگ میں نقل کر کے "مکاشفات عینیہ" کے نام سے ایک رسالے کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسالہ بہت وقیع ہے اور متفرق صوفیانہ مسائل کا بیان ہے، مکاشفات کی تعداد انتیس بنتی ہے اور ان میں بعض تو ایسے بھی جن کا "زبدۃ المقامات" اور "حضرات القدس" جیسی سوانح میں بھی ذکر نہیں ملتا، آخر میں چالیس احادیث نبویہ مندرج ہیں، جن کو "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" سے اخذ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ پانچ احادیث فضائلِ شیخین رضی اللہ عنہما اور سات احادیث فضائلِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں، الغرض یہ سارا رسالہ مبارکہ اپنے اہم ترین موضوعات کی بنا پر تاریخ تصوف میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔

باب سیزدہم

تاثرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقام مجدد اعظم رضی اللہ عنہ محققین مغرب کی نظر میں:۔

......﴿1﴾......

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی مشہور تصنیف "The Preaching Of Islam" ﴿۱۸۹۶ء﴾ میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے:

جہانگیر کے عہد حکومت میں ﴿۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء﴾ شیخ احمد نامی ایک سنی عالم تھے، شیعی عقائد وافکار کی...... پرزور تردید کی وجہ سے یہ خاص طور پر نمایاں ہو گئے تھے، اس زمانے میں دربار جہانگیری میں شیعوں کا بڑا عمل دخل تھا چنانچہ وہ آپ پر بے سروپا الزامات لگوا کر قید کرانے میں کامیاب ہو گئے، دو سال کی قید و بند کے زمانے میں آپ نے بہت سے بت پرستوں کو مشرف باسلام کیا، یہ لوگ آپ ہی کے ساتھ قید تھے۔

پروفیسر موصوف نے انسائیکلوپیڈیا میں بھی حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے۔

......﴿2﴾......

پروفیسر مارگولیوس اور سر ہملٹن گب نے بھی حضرت مجدد کی علمیت وفضیلت اور آپ کی مجاہدانہ اور مجتہدانہ مساعی کا ذکر کیا ہے اور اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ تعلیمات مجددیہ کی طرف پوری توجہ نہیں دی گئی، انہوں نے لکھا ہے:

سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے درمیان ممتاز فضلا نے یکے بعد دیگرے یہ کوشش کی کہ اسلامی دینیات کو نئی بنیادوں پر قائم کیا جائے......ان حضرات نے مذہب میں نفسیاتی اور اخلاقی عناصر پر زیادہ زور دیا ﴿کیونکہ ان سے قبل﴾ اس کی طرف اتنی توجہ نہیں دی گئی تھی، جس توجہ کی یہ مستحق تھی، ان فضلا میں ﴿یہ حضرات قابل ذکر ہیں﴾ شام کے شیخ عبد الغنی نابلسی ﴿۱۶۴۱ء تا ۱۷۳۱ء﴾ ہندوستان کے احمد سرہندی ﴿۱۵۶۳ء تا ۱۶۲۴ء﴾ اور شاہ ولی اللہ دہلوی ﴿۱۷۰۲ء تا ۱۷۶۲ء﴾

......﴿3﴾......

پروفیسر، ای، اے، اسٹوری نے بھی اپنی تصنیف "The Persian Literature" میں ضمناً حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، چونکہ ان کے پیش نظر مولفین و مصنفین اور ان کی تالیفات و تصنیفات کے متعلق تفصیلات فراہم کرنا ہے اس لیے انہوں نے اجمال سے کام لیا ہے، موصوف نے حضرت مجدد کے حالات کے سلسلے میں ان ماخذ کی نشاندہی کی ہے جن میں سے بعض نادر و نایاب ہیں:

- ...... محمد ہاشم کشمی: برکات الاحمدیہ الباقیہ ۱۶۲۷ء
- ...... محمد ہاشم کشمی: نسماۃ القدس من حدائق الانس ۱۶۲۲ء
- ...... محمد امین بدخشی: مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ ۱۸۲۶ء
- ...... میر علی اکبر حسینی اردستانی: محفل الاصفیا و مجمع الاولیا ۱۶۳۳ء
- ...... غلام علی: کرامات و ارشادات مجدد الف ثانی
- ...... مظہر الدین فاروقی: مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ

سی، اے استوری نے حضرت مجدد کے حالات کے ذیل میں آپ کی ولادت، قید و بند، رہائی اور خلعت شاہی سے نوازے جانے کا مجملاً ذکر کیا ہے۔

......﴿4﴾......

لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر پیٹر ہارڈی نے بھی ایک مقالے میں حضرت

مجدد کے جاندار متصوفانہ نظریات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو خود تصوف کے ذریعہ متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشاو مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا۔

......﴿5﴾......

ٹفٹس یونیورسٹی، امریکہ کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ نے بعض مقالات میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، ایک مقالہ امریکہ کے سہ ماہی مجلّہ "The Musilm World" کے اپریل ۱۹۶۲ء کے شمارے میں اس عنوان سے شائع ہوا تھا:

"The Decline of the Mughal Empire and Shah Waliullah"

اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں وحدۃ الشہود اور نظریہ اجتہاد کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

جہاں تک شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے، مذہب میں ان کا نقطہ نظر حقیقی طور پر سنیت کا حامل ہے اور وہ ہندوستان کے پہلے عالم دین یعنی شیخ احمد سرہندی کے نقطہ نظر سے زیادہ مختلف نہیں جنہوں نے اکبر کی اس عجیب وغریب کوشش کی سخت مخالفت کی کہ وہ سیاسی مقاصد کے لیے مختلف مذاہب کا ملا جلا ایک مذہب بنائے، بہرحال دونوں اس کے لیے کوشاں رہے۔

حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے:

ایک اور مسئلہ تھا جو صوفیہ اور موحدین میں عرصے سے مابہ النزاع چلا آرہا تھا، یعنی نظریہ وحدۃ الوجود شیخ احمد سرہندی کے نزدیک صوفیہ کی یہ غلطی تھی، انہوں نے وجود کی وحدت کا اثبات

کیا...... شیخ کا کہنا تھا کہ خالق و مخلوق دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں، الحاد و حلول کی ساری باتیں وہم باطل ہیں۔

حضرت مجدد کے نظریہ اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر نے لکھا ہے۔

> ان کا کہنا تھا کہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے ارتقا اور تبدیلی لازمی ہے، مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی کورانہ تقلید سے مسلم معاشرے کو تقویت نہیں ملی، اس مسئلے میں شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔

پروفیسر موصوف نے ایک اور مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا۔'' Islam in India before Shah Wallullah'' یہ مقالہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ ﴿نئی دہلی﴾ کے سہ ماہی مجلّے ''in IslamStudies'' میں اپریل ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا، راقم کو اس کی ایک کاپی مدیر محترم حکیم عبدالحمید خاں صاحب نے ازراہ عنایت ارسال فرمائی تھی، اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ابتدا میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> برصغیر کے دو عظیم علما میں سے ایک عالم اور ممتاز راہنما شیخ احمد سرہندی جہانگیر کے دورِ حکومت میں اچانک سامنے آئے۔

حضرت مجدد کی تعلیمات کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی اساس قرآن و سنت اور شریعت پر تھی، علوم شرعیہ کے متعلق حضرت مجدد کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر موصوف لکھتا ہے:

> شیخ احمد کا بنیادی فکر یہ تھا کہ زمانے پر اسلامی قوانین کا کنٹرول ہونا چاہیے، اسلامی قوانین اس لیے نہیں کہ زمانہ ان پر کنٹرول کرے۔

اس سلسلے میں حضرت مجدد کی مساعی جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

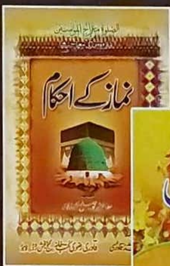
> اس میں شک نہیں کہ شیخ احمد کے اثرات نہایت ہی شاندار

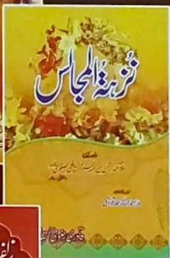
تھے، آپ نے تبلیغ وارشاد سے، بحث ومباحثہ سے اور رسل ورسائل کے ذریعہ اہم امراء مملکت کو یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں اسلام کے اندر بہت سی بدعات داخل ہوگئی ہیں، ان کو ترک کر دینا چاہیے اور اسلام کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔

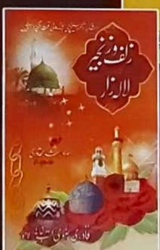
اور پھر تعلیمات مجددیہ کی اثر پذیری اور اثر انگیزی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتا ہے:

شیخ احمد کی تعلیمات آپ کے سینکڑوں مریدین وتلامذہ کے ذریعے دور دور تک پھیل گئیں ،شہنشاہ اورنگ زیب آپ کے ایک صاحبزادے کا معتقد ومرید ہوگیا اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے اہل دانش وبینش شیخ احمد کی تعلیمات سے وابستہ ہوگئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک ہوگئے۔ ﴿ماخوذ از سیرت مجدد الف ثانی تالیف حضرت مسعودِ ملت ڈاکٹر مسعود احمد مظہری رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ کراچی: ۴۳۹، ۴۴۵﴾

......⊙......

تحفۃ القادریہ
سیدنا صدیق اکبر
خزینہ نعت
جہانِ اولیاء
سر الاسرار
قبول اسلام کے واقعات
کشف المحجوب
شاہانِ گوجر
انیس الواعظین
انوار مدینہ
حدائق بخشش
جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز
تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ سیدنا عبد القادر
تحفہ حنفیہ
معجزاتِ رسول کریم ﷺ
رسائلِ مجدد الف ثانی
عامل بنانے والی کتاب
کمالِ تقریر
خطباتِ محرم




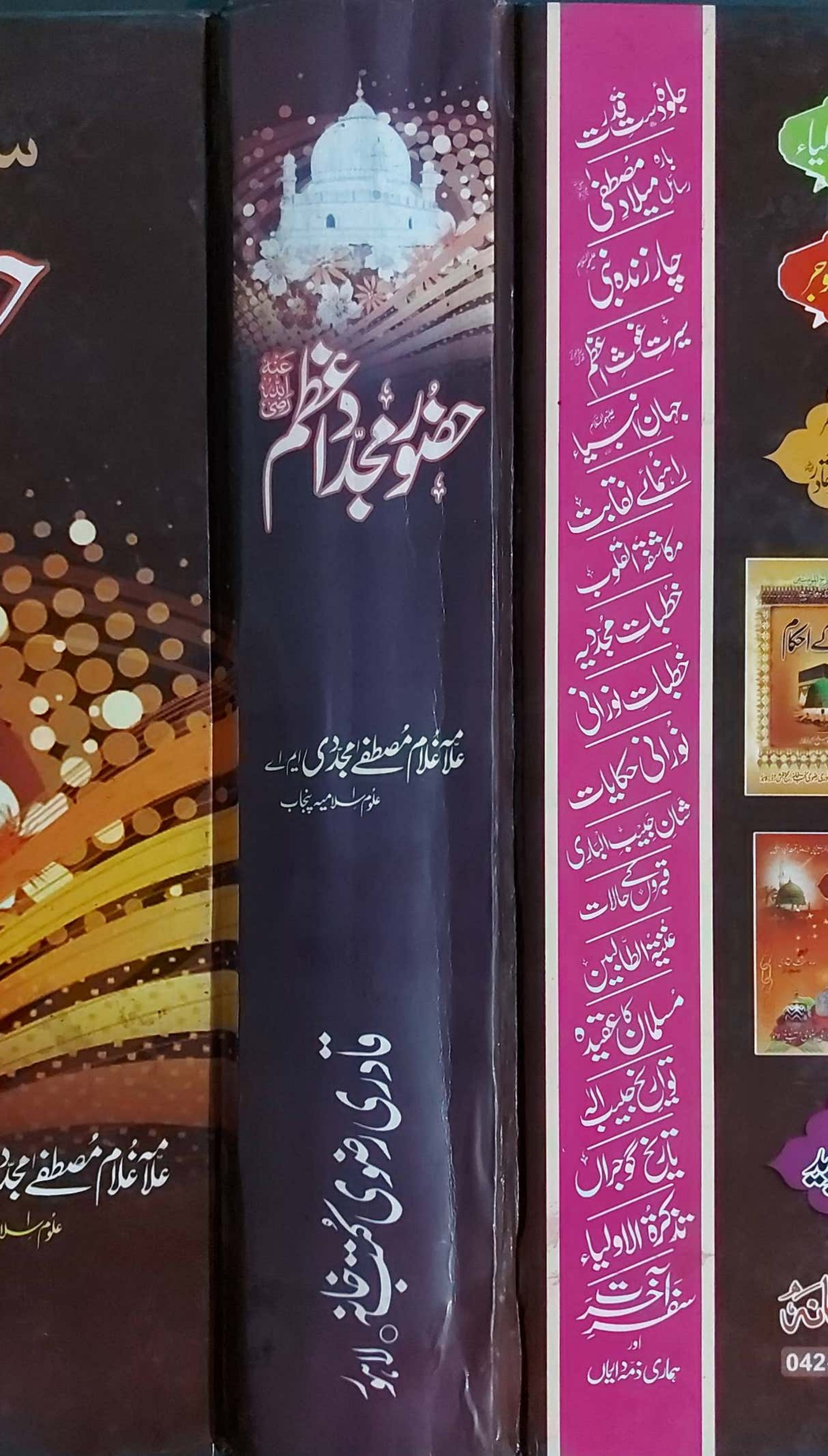


شانِ حبیب المنعم من روایات المسلم
آدابِ رسول
سیرت مصطفیٰ
جنتی زیور
کردارِ یزید
امام احمد رضا اور عشقِ مصطفیٰ
مولانا حافظ خان محمد قادری کی تقریریں

جلوۂ دستِ قدرت
بارہ رسائل میلادِ مصطفیٰ ﷺ
چار زندہ نبی
سیرت غوث اعظم
جہانِ انبیاء
راہنمائے نقابت
مکاشفۃ القلوب
خطباتِ مجددیہ
خطباتِ نورانی
نورانی حکایات
شانِ حبیب الباری
قبروں کے حالات
غنیۃ الطالبین
مسلمان کا عقیدہ
تاریخ حبیب الٰہ
تاریخ گوجراں
تذکرۃ الاولیاء
سفرِ آخرت اور ہماری ذمہ داریاں

کیا آپ جانتے ہیں؟
فتوح الغیب

قادری رضوی کتب خانہ
گنج بخش روڈ لاہور 042-7213575


حضور مجدد اعظم رضی اللہ عنہ
علامہ غلام مصطفی مجددی ایم اے
علوم اسلامیہ پنجاب
قادری رضوی کتب خانہ ۰ لاہور
جلوہ دست قدرت
بارہ رسائل میلاد مصطفی
چار زندہ نبی
سیرت غوث اعظم
جہان انبیاء
راہنمائے نقابت
مکاشفۃ القلوب
خطبات مجددیہ
خطبات نورانی
نورانی حکایات
شان حبیب الباری
قبروں کے حالات
غنیۃ الطالبین
مسلمان کا عقیدہ
تاریخ حبیب الٰہ
تاریخ گوجراں
تذکرۃ الاولیاء
سفر آخرت اور ہماری ذمہ داریاں